اِمامت و سِیاست

○ ایک مُطالعہ ○ ایک جائزہ
○ ایک تبصرہ ○ ایک تاریخ

تالیف

سید رئیس احمد جعفری (ندوی)

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، کشمیری بازار لاہور

برانچیں:- لاہور ، کراچی ، حیدرآباد ، پشاور

زمانہ میں بڑی جو قطر تاً بڑے فیاض تھے اور جن کی غیر معمولی داد و دہش کی بدولت ملک کی حالت اس وقت یہ تھی کہ نہ صرف حجاز بلکہ عراق وغیرہ تمام بلاد عرب میں صحابہ بڑی بڑی جائدادوں کے مالک ہو گئے تھے۔ محلات و قصور تعمیر ہو رہے تھے۔ نغمہ و سرور کا میلان بڑھ رہا تھا، خوبصورت کنیزیں گرد و پیش رہتی تھیں، چھوٹی چھوٹی املاک ختم ہوتی جا رہی تھیں اور اس طرح ایک نیا طبقہ بڑے صاحب املاک جاگیرداروں کا پیدا ہو رہا تھا جو اپنے اپنے علاقہ میں خود مختارانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اور جن میں طلحہ، زبیر اور مروان بن الحکم وغیرہ ایسے مقدس حضرات بھی شامل تھے۔

الغرض اس زمانہ میں اسلام کے اندر ایک نیا طبقہ پیدا ہو رہا تھا جس نے اسلام کی جمہوریت پسندی کو ختم کر کے اسے حکومتِ امراء (ارسٹاکریسی) میں تبدیل کر دیا۔ اور یہ تھا وہ ماحول جس میں یزید کی پرورش ہوئی، یہ تھی وہ فضا جس میں وہ پروان چڑھا، لیکن پھر بھی بعض مُصر ہیں کہ وہ بڑا زاہد و متقی، بڑا پابند شریعت اور نہایت پاکیزہ اطوار کا انسان تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس دعوے کے ثبوت میں بعض مورخین کی روایت بھی پیش کی جاتی ہیں، لیکن اس کا کیا علاج کہ جس طرح تاریخ میں یزید کے زہد و ورع کی روایتیں ملتی ہیں، بالکل اسی طرح کی بلکہ اس سے زیادہ اس کے لہو و لعب عیش و عشرت، مے نوشی اور فسق و فجور کا ذکر بھی مورخین نے کیا ہے، چنانچہ مسعودی لکھتا ہے کہ "یزید اپنے وقت کا زیادہ حصہ سیر و شکار میں بسر کرتا تھا، شراب کا بھی سخت عادی تھا، اسی کے عہد میں موسیقی کا رواج حرمین میں شروع ہوا جس سے اس وقت تک مسلمان ناآشنا تھے"

مغربی مورخین میں فرانسیسی پادری لانس نے بے شک یزید کی بہت تعریف کی ہے اور اس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، لیکن لانس کی یہ کتاب قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس کا ماخذ تمام وہی روایات ہیں جو اموئین کے زیر اثر گھڑی گئی تھیں اس لیے ہم کو روایات کے انبار سے قطع نظر محض درایت و نفسیات کو سامنے رکھ کر صحیح و غلط کا فیصلہ کرنا چاہیے اور یہ فیصلہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ جس ماحول میں یزید نے پرورش پائی تھی اس کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ ایک رند مشرب، ظالم و جابر حکمران بنتا نہ کہ تہجد گزار متقی و پرہیزگار انسان، جیسا بعض اصحاب نے ظاہر

امامت وسیاست

امامت وسیاست

ایک مطالعہ، • ایک جائزہ، • ایک تبصرہ، • ایک تاریخ

تالیف
سید رئیس احمد جعفری (ندوی)

شیخ غلام علی اینڈ سنز - کشمیری بازار - لاہور
برانچیں:- لاہور، کراچی، حیدرآباد، پشاور
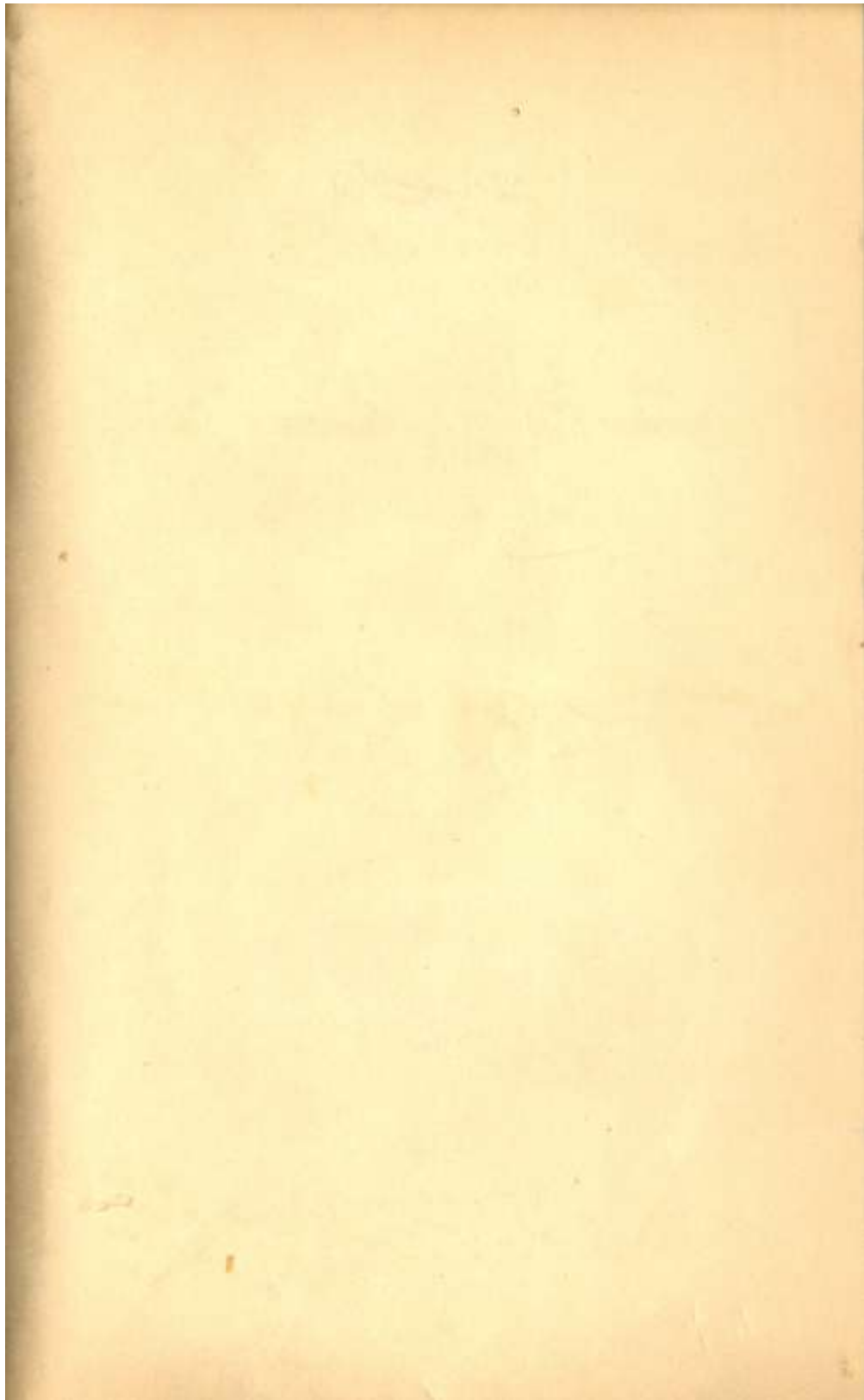
سلسلہ۔۔۔۔۔ نمبر ۲۹۱

طبع اوّل

سنہ ۱۹۶۱ء

قیمت

25.00 روپے

طابع :- شیخ نیاز احمد

مطبع :- علمی پرنٹنگ پریس ۔ لاہور

اپنے عزیز بھائی، محبوب دوست، اور اہل دل ساتھی

مولانا ابو الحسن سید علی ندوی

ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نام

تری رہگذر میں قدم قدم، کہیں عرش ہے کہیں طور ہے
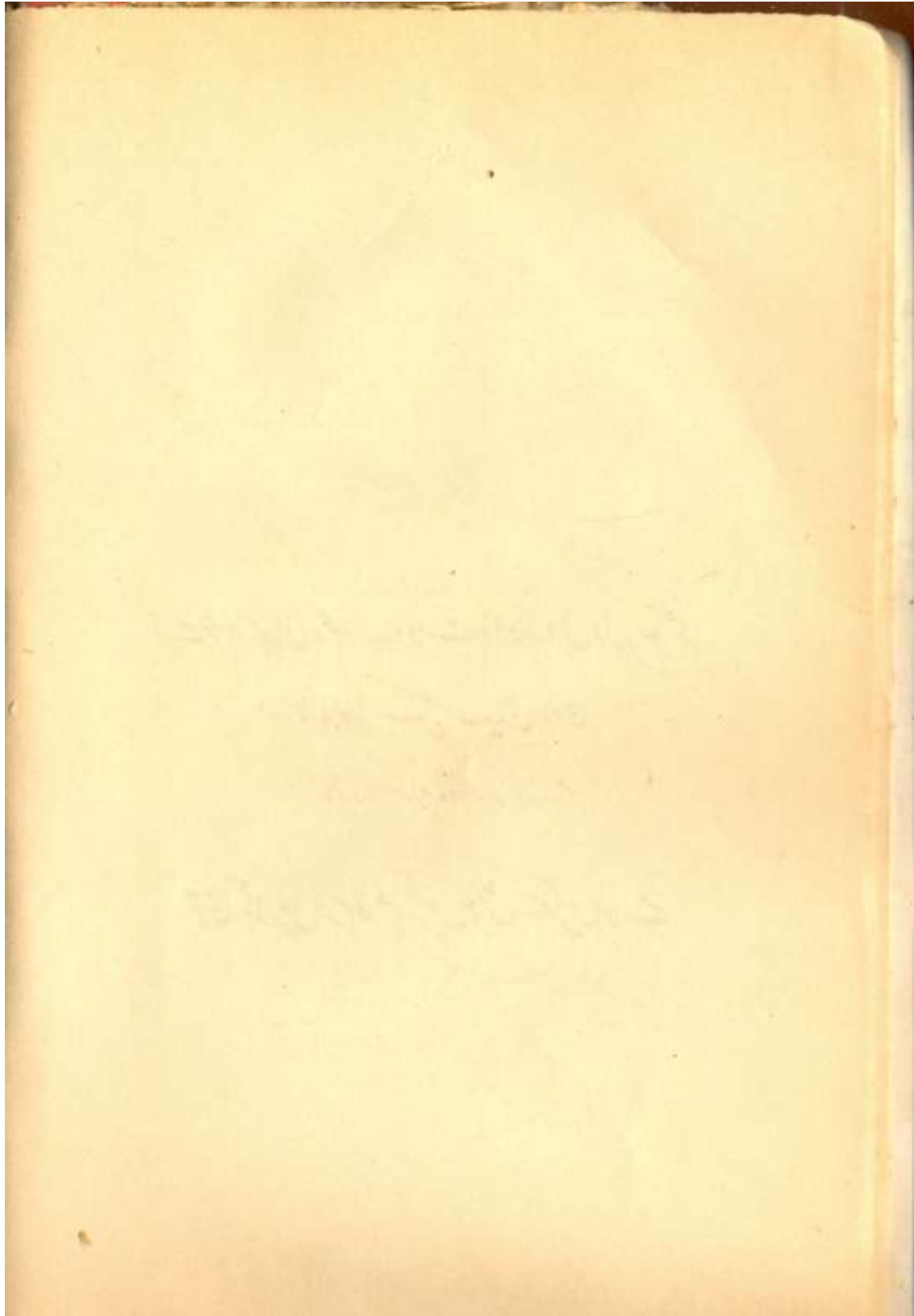
حصّہ اوّل

معرکۂ حق و باطل

حق :- جان دی، — دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا،

باطل :-

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور
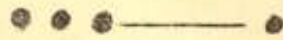
اسلام ایک پیام ہے ، ایک تحریک ہے ، ایک دعوت ہے،ایک نظام ہے،
ایک دستور ہے ، ایک اصول ہے ، !

اس تحریک اور دعوت ، نظام اور دستور کو بعض لوگوں نے معطّل کرنے کی کوشش
کی ، اور کچھ لوگوں نے ، اس تحریک اور دعوت ، نظام اور دستور کو نافذ کرنے ، جاری رکھنے ،
اور قائم کرنے کی کوشش کی ،

جنہوں نے معطّل کرنا چاہا ، انہوں نے تلوار سونت لی ، جنہوں نے جاری رکھنا چاہا ، !
اپنی گردن آگے بڑھا دی ، ایک طرف حق تھا ، دوسری طرف باطل ، ایک طرف اسلام
کی تحریک اور ملّت کو سربلند کرنے کے لئے ، خون کا آخری قطرہ تک فدا کر دینے
کا جذبہ تھا ۔ دوسری طرف اپنے مزعومات اور تصورات کو اسلام کے نام سے پیش کرنے ،
اور بہ جبر و طاقت منوانے کا جذبہ تھا ، ان دونوں جذبوں میں ٹکر ہوئی ، ایسا زبردست
تصادم جس نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا ۔

اس کتاب میں یہی داستان بیان کی گئی ہے ۔ جو زہرہ گداز بھی ہے اور سبق آموز بھی ،....

فہرست

قال القاضی فلوطرأ علیہ الکفر وتغییر للشرع اوبدعۃ خرج عن الولایۃ وسقطت طاعتہ ووجب علی المسلمین القیام علیہ وخلعہ ونصب امام عادل ان امکنھم ذلک فان لم یقع الا لطائفۃ وجب علیھم القیام بخلع الکافر ولا یجب فی المبتدع الا اذا ظنوا القدرۃ علیہ فان تحققوا العجز لم یجب القیام ولیھاجر المسلم من ارضہ الی غیرھا ویفرّ بدینہ۔ (انتھی ما قال النووی۔

(مسلم مع نووی ص ۱۲۵/۲)

فرمایا قاضی عیاض نے اور اگر امام پر کفر طاری ہو جائے یا وہ شرعی احکام کو متغیر کرنے لگے یا بدعت کا غلبہ ہو جائے تو امام خود بخود ولایت مسلمین سے خارج ہو جائے گا (اور والی باقی نہ رہے گا) اور اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی اور مسلمانوں پر اس کے خلاف کھڑا ہو جانا واجب ہو جائے گا۔ اور دوسرا امام عادل تقرر کرنا ضروری ہوگا اگر ان میں قدرت ہو۔ اور اگر یہ بات کسی چھوٹی جماعت ہی سے بن پڑے تو اس پر بھی یہ واجب ہوگا کہ اس کام کو علیحدہ کریں ہاں مبتدع امام کی علیحدگی اس وقت تک واجب نہ ہوگی جب تک کہ انہیں اپنی قدرت کا ظن غالب نہ ہو جائے اگر عجز محسوس ہو نہو تو پھر یہ واجب نہیں مگر اس صورت میں چاہیئے کہ اس "زمین سے مسلمان ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کو لے کر یہاں سے بھاگ نکلیں۔

جب زید بن ارقم عبید اللہ ابن زیاد کو چھڑی سے حضرت حسینؓ کے چہرہ کو ٹھونکنے پر ڈانٹ چکے

ثم انفضح الشیخ یبکی فقال لہ ابن زیاد ابکی اللہ عینیک فواللہ لولا انک شیخ قد خرفت وذهبت عقلك لضربت عنقك فقام وخرج فسمعت الناس یقولون واللہ لقد قال زید بن ارقم قولاً لو سمعہ ابن زیاد لقتلہ فقلت ما الذی قال مر بنا وهو یقول انتم یا معشر العرب عبید بعد الیوم قتلتم ابن فاطمہ وامرتم ابن مرجانہ فهو یقتل خیارکم

تو (زید بن ارقم) رونے لگے تو ابن زیاد نے کہا خدا تیری آنکھوں کو رُلاتا ہی رکھے خدا کی قسم اگر تو بوڑھا نہ ہوتا جو سٹھیا گیا ہو اور عقل تیری ماری گئی ہو تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ تو زید بن ارقم کھڑے ہو گئے اور یہاں سے نکل گئے تو میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ یہ کہہ رہے تھے کہ واللہ زید بن ارقم نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر ابن زیاد اسے سن لیتا تو انہیں ضرور قتل کر دیتا تو میں نے کہا کیا کلمہ ہے جو زید بن ارقم نے فرمایا تو کہا کہ زید بن ارقم جب ہم پر گزرے تو کہہ رہے تھے۔ اے گروہ عرب آج کے بعد سمجھ لو کہ تم غلام بن گئے تم نے ابن فاطمہؓ کو تو قتل کر دیا اور سردار بنا لیا ابن مرجانہ کو ابن زیاد جو تم میں کے بہترین لوگوں کو قتل کرے گا۔

وكان اول من غزا الى مدينة قيصر يزيد بن معاوية ومعه جماعة من سادات الصحابة كابن عمر وابن عباس وابن الزبير وابي ايوب الانصاري وتوفي بها سنة اثنين وخمسين (۵۲ھ) من الهجرة استدل بها المهلب على ثبوت خلافة يزيد وانه من اهل الجنة لدخوله في عموم قوله مغفور لهم واجيب بان هذا جار على طريق الحمية لبني امية ولا يلزم من دخوله في ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا خلاف

اور جس نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر دھاوا بولا وہ یزید تھا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابن عمر ابن عباس ابن الزبیر اور ابوایوب انصاری جنہوں نے وہیں ۵۲ھ میں وفات پائی۔ اس سے مہلب نے یزید کی خلافت اور اس کے اہل جنت ہونے پر استدلال کیا ہے بلکہ وہ حدیث کے اس جملہ "مغفور لہم" کے عموم میں داخل ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ محض بنی امیہ کی حمایت کے جذبہ میں یہ بات کہی گئی ہے اور یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل سے [illegible]

مغفور لهم مشروط بكونه
من اهل المغفرة حتى
لو ارتد واحد ممن
غزاها بعد ذلك
لم يدخل في ذلك
العموم اتفاقا قاله
ابن المنير۔
(قسطلانی ص ۱۳۲/۵)

نہیں کہ حضورؐ کا یہ قول مغفور لہم،
(حملہ قسطنطنیہ) کے سب شرکاء
بخش دیئے گئے) اس شرط سے مشروط
ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں
حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے
بعد ان میں سے مرتد ہو جائے تو وہ
بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں
رہے گا یہ بات ابن منیرؒ نے کہی ہے۔

افتتاحیہ!

اقبال کا شعر ہے ،

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی؟ !

یہ صرف شعر نہیں ایک بہت بڑی حقیقت ہے، حق و باطل کی آویزش از آدم تا ایندم جاری ہے اور شاید قیامت تک جاری رہے گی، ـــــ حق چراغ مصطفویؐ ہے باطل، شرار بولہبی، (حق و باطل کی اسی کشمکش چراغ مصطفویؐ اور شرار بولہبی کی اسی آویزش کو میں نے اس کتاب کا موضوع بنایا ہے)

آج سے ۱۴ سو سال پہلے ریگ زار عرب میں، محمد بن عبداللہ (فداہ ابی و امی) کی پہلی پکار بلند ہوئی، تو دنیا دہل اٹھی ، !

یہ دعوت کس چیز کی تھی ؟

دنیا بتوں کے آگے سرنگوں ہوتی تھی ، محمدؐ کی دعوت یہ تھی ،

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے قابل ، !

دنیا نے اونچ نیچ ، پست و بلند ، غریب و امیر ، شاہ کج کلاہ اور گدائے بوریہ نشین ، قیصر و فغفور اور فقیر و مجبور کے درمیان امتیاز، فرق مراتب کی اونچی اونچی دیواریں قائم رکھیں تھیں ، محمدؐ نے یہ بلند و بالا دیواریں توڑ دیں ، اور فرمایا - کلکم من آدم و آدم من تراب ، تم سب فرزند آدم ہو اور آدم مٹی

پھر بتایا ، اگر فرق مراتب ہو سکتا ہے ، تو حسب نسب ، خاندان اور قبیلہ ، ذات اور وطن کی بنیاد پر نہیں ، تقوے کی بنیاد پر۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ بزرگی اور سربلندی تو صرف اس کا حصّہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہو ، یعنی خدا کو مانتا ہو ، اور اس کے احکام و اوامر پر عمل کرتا ہو ، دولت مند غریب کو کچلتا تھا ، زمیندار کاشتکار کو پامال کرتا تھا ۔ افسر ماتحت کو دباتا تھا ، حاکم رعیت کا خون چوستا تھا ۔ محمدؐ نے صدا بلند کی ۔ کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ ، تم میں سے ہر ایک راعی اور ہر ایک رعایا ہے ، اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی ۔ ہر شخص کی مخصوص ذمہ داریاں ہیں ، اور ان ذمہ داریوں کی بجا آوری کے وقت وہ راعی ہے ۔ لیکن اسے غیر محدود اختیارات نہیں حاصل ہیں ۔ اپنی ذمّہ داریوں کا اسے جواب دہ بھی ہونا ہے ، شوہر بیوی کے ناموس اور حقوق اور عافیت کا راعی ہے ، بڑا بھائی چھوٹے بھائی کا راعی ہے ۔ سرمایہ دار مزدوروں کا راعی ہے ، مزدور اپنے کارخانہ کا راعی ہے ، زمیندار کاشتکاروں کا راعی ہے کاشتکار اپنے کھیتوں کے راعی ہیں ، حاکم قوم کا راعی ہے ۔ قوم حاکم کی راعی ہے ، کوئی راعی بھی اگر اپنی رعایا سے غفلت کرتا ہے ، اس کے حقوق پامال کرتا ہے ۔ اسے تکلیف پہنچاتا ہے ، اذیت دیتا ہے ، تو وہ مستحق عتاب و عقاب ہے ۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ، عند الناس بھی اور عند اللہ بھی ، چنانچہ راعی اور رعایا کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ، یعنی برائیوں سے روکنے ، اور اچھائیوں کی رہنمائی کرنے کا بلا امتیاز و تحقیق ہر شخص کو مجاز بنا دیا ، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا ۔ اتامرون الناس بالمعروف وتنسون انفسکم ان لوگوں میں نہ ہو جانا ، جو دوسروں کے لئے تو واعظ شیریں مقال اور ناصح و خوش گفتار بنے رہتے ہیں ، لیکن اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے کہ خود کیا کر رہے ہیں ۔؟

دنیا میں ہر جگہ بادشاہت ، شہنشاہیت اور قیصریت کا رواج تھا ۔

بادشاہ ظل اللہ سمجھا جاتا تھا ، !

اس سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی تھی ۔

اسے کسی غلطی پر ٹوکا نہیں جا سکتا تھا ۔

اس سے غلطی نہیں ہو سکتی، اس کا فیصلہ بدلا نہیں جا سکتا، ۔ اس کی رائے آخری اور قطعی رائے ہے، امور سیاست، امور ملکی، اور امور ذاتی پر اسے یکساں اور غیر مسئول اختیار و اقتدار حاصل ہے۔ وہ جب اور جس سے چاہے جنگ چھیڑ دے، جب اور جس سے چاہے صلح کر لے، وہ اپنی حکومت میں جو نظام چاہے رائج کر دے۔ وہ جس قانون کو چاہے منسوخ کر دے، وہ جس بات کو چاہے قانون بنا دے، جسے چاہے ملازم رکھ لے، جسے چاہے برخاست کر دے، جسے چاہے سربلند کر دے، جسے چاہے ذلیل کر دے۔ جسے چاہے جاگیر بخش دے۔ جس سے چاہے اس کی کمائی ہوئی دولت چھین لے۔ رعایا سے وصول کئے ہوئے محصول پر مشتمل خزانۂ عامرہ اس کی ذاتی ملکیت تھی۔ اس پر تصرف کا وہ کامل اختیار رکھتا تھا۔ داد و دہش پر آئے تو سونے اور چاندی سے بھری ہوئی ہمیانیاں، جتنی چاہے، جسے چاہے عطا کر دے، کسی میں مجال نہیں کہ اس سے باز پرس کر سکے۔ کسی میں یارا نہیں کہ حرف اعتراض زبان پر لا سکے، نہ وہ صلاح کا محتاج، نہ مشورہ کا پابند، اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ فرمان، اس کا ہر اشارہ چشم قانون!

یہ تھے حالات جب محمدؐ کی بعثت ہوئی، !

اور دنیا ان حالات پر قانع تھی، وہ اپنے تاجداروں اور شہریاروں کو وہی درجہ دیتی تھی جو خدا کا حق تھا، سجدے تک کرتی تھی انہیں، !

لیکن محمدؐ کی پکار نے اس نظام کہنہ کو درہم برہم کر دیا،

محمدؐ کی پکار مساواتِ عامہ پر مبنی تھی، اور جو دعوت مساواتِ عامہ پر مبنی ہو۔ اس میں مطلق العنان اقتدار اور غیر مسئول اختیار کی گنجائش کہاں؟

محمدؐ کی پکار نے بادشاہت کو ختم کر دیا، امارت کو مشورہ کا تابع بنا دیا، اور امیر کو عوام کے سامنے جواب دہ قرار دے دیا، اور عوام کو اس پر نکتہ چینی کرنے کا، اس سے باز پرس کرنے کا، غلطی پر اسے ٹوکنے اور زجر و توبیخ کرنے کا حق دے دیا، !

اور یہ حق صرف زبان سے نہیں دیا، اسے خود عمل سے ثابت کر دیا، !

اور اس عمل سے اس حالت میں ثابت کیا کہ محمدؐ صرف امیر نہیں تھے، پیغمبر بھی تھے، صرف

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود!

آیئے ایک سرسری سی نظر اس طرح کے چند واقعات پر بھی ڈال لیں، تاکہ دعویٰ دلائل سے بھی مبرہن ہو جائے۔

● جنگ کا موقعہ درپیش ہے، مجاہدوں کا قافلہ رسالت پناہؐ کی سرکردگی میں مدینہ سے روانہ ہوتا ہے، اور ایک مقام پر اشارۂ نبویؐ پاکر پڑاؤ کرتا ہے،

بعض لوگ جنگی مصالح کے پیش نظر رائے دیتے ہیں کہ پڑاؤ یہاں نہیں وہاں ہونا چاہیئے وہاں ہونا چاہیئے تھا، آپؐ ان کے دلائل سنتے ہیں اور فوراً مقام بدل دیتے ہیں۔

● جنگ احد کا مرحلہ درپیش ہے،

آپ کی رائے ہے کہ شہر میں رہ کر مدافعت کے لئے تیار رہنا چاہیئے، بعض پرجوش اور نوجوان صحابہ مشورہ دیتے ہیں کہ شہر سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے۔

آپؐ اندر تشریف لے جاتے ہیں اور سلاح جنگ سے مسلّح ہو کر برآمد ہوتے ہیں۔ اور مجاہدوں کا قافلہ شہر سے باہر نکل کر حملہ کی تیاریاں کرنے لگتا ہے،

● فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے، تقسیم غنائم کے وقت آپؐ مکّہ کے نومسلموں کو مدینہ کے قدیم الایمان مسلمانوں کے مقابلہ میں زیادہ دیتے ہیں،

یہ بات بعض نوجوانوں کو گراں گزرتی ہے، اتنی گراں گزرتی ہے، اتنی گراں گزرتی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔

"قریش کو مال غنیمت عطا کیا جاتا ہے، اور ہم، —— حالانکہ ہماری تلواروں سے (کفار) قریش کا خون ٹپک رہا ہے محروم رکھے جاتے ہیں!"

غور کیجئے، یہ الفاظ، "قوم" اپنے لیڈر کے خلاف نہیں کہہ رہی ہے، رعایا اپنے بادشاہ کے خلاف نہیں کہہ رہی ہے، بلکہ "امت" اپنے نبیؐ کے خلاف کہہ رہی ہے، اس گستاخی پر اس کے گھر کھدوا ڈالے جاتے، اس کے کھیت جلا دیئے جاتے۔ اس کی املاک و جائیداد پر قبضہ کر لیا جاتا

دیدی جاتی، اعزا و اقربا کو جلا وطن کر دیا جاتا، ـــــ ملوک و سلاطین کا دستور یہی تو تھا، !

لیکن محمدؐ نے کیا کیا ؟

رحمۃ للعالمینؐ نے انصار کو بلایا، اور حقیقت حال دریافت فرمائی، انھوں نے عرض کیا،

جی ہاں یہ ہمارے چند آشفتہ دماغ نوجوانوں کی حرکت ہے ۔ ورنہ ہم میں کا کوئی سنجیدہ اور سربرآوردہ آدمی اس میں شریک نہیں ہے، !"

آپؐ نے انصار کے سامنے خطبہ دیا !

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی ؟

تم منتشر اور پراگندہ تھے ۔ خدا نے میرے ذریعہ تم میں اتفاق پیدا کیا، !

تم مفلس اور نادار تھے، خدا نے میرے ذریعہ تمہیں دولت و ثروت عطا فرمائی ؟

آں حضرتؐ یہ فرماتے جاتے تھے، اور انصار ہر ہر لفظ پر عرض کرتے جاتے تھے،

"خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے، ـــ!"

آپؐ نے انصار کے ان الفاظ کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"نہیں ـــــ تم (میری ان باتوں کا) یہ جواب دو کہ محمدؐ، جب لوگوں نے تجھے جھٹلایا، ہم نے تیری تصدیق کی، جب لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا، ہم نے تجھے پناہ دی، تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا، ہم نے تیری ہر طرح سے مدد کی، ـــــ تم یہ کہتے جاؤ ۔ اور میں جواب دیتا جاؤں گا، ہاں تم سچ کہتے ہو، لیکن کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ، ؟" (۱)

قیصریت اور شہنشاہیت کی دنیا میں، آمریت اور مطلق العنانی کے دور میں یہ کیسی عجیب آواز تھی ؟

● ایک عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے اور طلاق لے لیتی ہے، عورت کو یہ حق بھی دنیا میں سب سے پہلے محمدؐ نے دیا تھا، !

شوہر نے طلاق تو دیدی، اس لئے کہ از روئے شرع نہ بردستی اسے اپنی بیوی بنا کر نہیں رکھ سکتا تھا، لیکن محبت طلاق کے بعد بھی قائم رہتی ہے، یہ محبت جنون کی صورت اختیار کرلیتی ہے، باچشم گریاں، باسینۂ بریاں وہ تجدید عقد کی التجائیں کرتا ہے، سفارشیں اٹھوا تاہے، لوگوں کو اس پر ترس آتا ہے، رحمت للعالمینؐ کو رحم آجاتا ہے، وہ فرماتے ہیں، تو اس سے شادی کرلے

وہ پوچھتی ہے،

"یہ آپؐ کا حکم ہے یا مشورہ؟"

آپؐ نے فرمایا

"مشورہ!"

وہ بولی،

"پھر میں نہیں مانتی!"

یہ جواب ایک عورت شہنشاہ عرب دعجم کو دے رہی ہے،!

عورت،!

جس کی حیثیت یہ تھی کہ زمین میں زندہ گاڑ دی جاتی تھی، جس کے سوتیلے بیٹے اسے اپنی بیوی بنالیتے تھے، جو ماں کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے، بیٹی کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے کوئی مقام کوئی مرتبہ، کوئی عزت نہیں رکھتی تھی،

جو لونڈی بن کر بازار میں بکتی تھی، جو باندی بن کر باپ اور شوہر کے گھر میں رہتی تھی،

اور صرف عرب ہی میں نہیں، دنیا کے ہر ملک میں عورت کی حیثیت یہی تھی،، اس سے زیادہ کچھ نہ تھی،

ہندوستان میں وہ ناگن، روم میں وہ گن ہ پوٹ تھی۔ یورپ میں وہ سانپ کی طرح زہریلی مانی جاتی تھی، اسے کوئی حق نہ تھا،

حق اور عورت؟

یہ اتنی عجیب اور ناقابلِ فہم بات تھی۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا،!
لیکن محمدؐ نے یہ عجیب بات کی، ـــــ عورت کو بالکل مساوی حقوق عطا کردیئے۔ وہ حقوق جو آج تک بھی، ترقی، عروج، تہذیب، اور انسانیت کبریٰ کے اس دور میں بھی دنیا ابھی تک اسے نہیں دے سکی ہے، یہی کچھ دیکھ کر تو ابلیس لعین بے ساختہ چیخ اٹھا تھا،!

الحذر آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے،!
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کے اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

• محمدؐ نے مکہ میں جب فاتح کی حیثیت سے قدم رکھا تو حالات بدل چکے تھے، اب دولت و ثروت کی فراوانی تھی، ممالک محروسہ سے اونٹوں پر لدلد کر، محاصل، خراج، زکوٰۃ، اور صدقات کی رقمیں آتی تھیں، سونے اور چاندی کی ریل پیل رہتی تھی، !
لیکن کیا یہ خزانہ ـــــ بیت المال ـــــ محمدؐ کا ذاتی خزانہ تھا؟ کیا وہ اسے اپنے تنعّم اور راحت پر صرف کرتے تھے؟
اگر وہ چاہتے تو ایسا کرسکتے تھے، اس لئے کہ اب نبوّت کے ساتھ حکومت بھی ان کے ہاتھ میں تھی، ـــــ لیکن کیا انھوں نے ایسا کیا؟
عین اس وقت، جب رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت قریب تر آتا جارہا تھا، جب موت نزدیک تر ہوتی جارہی تھی، جب اس دنیا سے رخصت ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا، جب مرض الموت

پاس کسی کام سے کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، فوراً سوال کیا،

"عائشہؓ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا رکھی ہیں،

فرمایا،:- کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ انھیں فوراً راہِ خدا میں دے ڈالو،(۱)

● اور پھر جب آپؐ نے اس دنیا سے کوچ فرمایا، تو اپنے متعلقین کے لئے، ازواجِ طہرات کے لئے سیدۃ النساء خاتونِ جنت فاطمہ زہرہ کے لئے، برادر والا گوہر علی مرتضےٰ کے لئے اپنے محبوب نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کے لئے، اس تاجدارِ دوعالمؐ نے کیا چھوڑا؟

کیا کوئی جاگیر؟ کیا کوئی محل؟ کیا سیم و زر سے بھرے تہ خانے؟ کیا موتی اور جواہر کے خزانے؟

نہیں یہ کچھ نہیں،!

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے پیچھے) نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ اونٹ، نہ بکری، ---!،!" (۲)

ام المومنین حضرت جویریہ کے بھائی، جناب عمروؓ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"اس دنیا سے پردہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں چھوڑا، نہ دینار، نہ درہم، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ کچھ اور، ہاں ایک سفید خچر، کچھ ہتھیار اور تھوڑی سی زمین جسے عام مسلمانوں پر صدقہ فرما گئے،!" (۱)

یہ ترکہ تھا، شہنشاہِ زمن کا، جس کے قدموں پر، سونے اور چاندی کا ڈھیر لگا رہتا تھا!!

اس دنیا میں غلامی رائج تھی غلام بکتے تھے، بازاروں میں تھا علانیہ ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی ان سے اندھا دھند کام لیا جاتا تھا، ذرا ذرا سی غلطی پر انھیں مارتے ملتے لہولہان کر دیا جاتا تھا ان سے مزدوری کرائی جاتی تھی، اور جو کچھ کماتے تھے وہ مالک کا حق ہوتا تھا، انھیں کسی طرح کی

آزادی حاصل نہیں تھی ، ان کے کچھ حقوق نہیں تھے ، وہ انسان کی شکل میں جانور تھے ، اور جانور سے بدتر زندگی بسر کرتے تھے ، !

دفعتہً محمدؐ کی صدا گونجی ، یہ صدا بھی کتنی نئی ، کتنی عجیب ، اور کتنی انوکھی تھی ، !

غلامی کا سب سے بڑا سرچشمہ ، اور غلاموں کا سب سے بڑا منبع جنگ کا میدان تھا ، :

اس زمانہ میں ، ہاری ہوئی فوج لازمی طور پر غلام بنالی جاتی تھی ، اور یہ بات اصول موضوعہ کی طرح اتنی طے شدہ تھی کہ اس پر کسی طعن و اعتراض ، بحث و گفتگو ، یا ترمیم و تغیر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا ، دنیا نے آنکھ بند کر اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا ، اور بے چون و چرا اس پر عمل ہو رہا تھا ، !

محمدؐ نے سب سے پہلے یہ دروازہ بند کیا ، اور اس طرح بند کیا کہ پھر کبھی نہ کھل سکا ، !

اسیران جنگ کے بارے میں خدا نے محمدؐ کی زبان سے آخری اور قطعی فیصلہ یہ کر دیا - فاما منا بعد واما فداءً ، یعنی مفتوح اور شکست خوردہ فوج کے آدمیوں کے ساتھ ، دو ہی طرح کا برتاؤ کیا جا سکتا ہے ، یا تو ان سے فدیہ (انفرادی تاوان جنگ) لے کر چھوڑ دو ، یا پھر از راہ احسان و کرم انھیں رہا کر دو ، —— غلام نہیں بنا سکتے ، !

اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اصول پر محمدؐ اور اصحاب محمدؐ نے کس سختی سے عمل کیا ، !

غلامی کا مستقبل اس طرح سے تباہ کرنے کے بعد ، حال کی طرف توجہ فرمائی ، !

غلامی کا رواج اتنا محکم ، مستحکم ، اور مسلسل تھا . کہ کوئی گھر ، کوئی کنبہ ، کوئی خاندان ، ایسا نہ تھا جہاں غلام نہ ہوں - اگر ان سب کو فوراً آزاد کرایا جاتا ، تو ایک نہایت ہی نازک صورت حال پیش آجاتی سارا نظام حیات درہم برہم ہو کر رہ جاتا ،

لہٰذا جو غلام تھے انھیں رہنے دیا ، لیکن ایسے ہدایات جاری فرمائے کہ یہ حال جلد از جلد ماضی کے پردے میں روپوش ہو جائے -

—— • کفارہ گناہ کی اکثر صورتوں میں غلام کو آزاد کرنا لازمی قرار دیا -

—— • غلاموں کے ساتھ حسن سلوک ، اخوت ، مساوات کی تاکید فرمائی ، فرمایا ، اگر ان سے شقّت لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ جو کھاؤ ، وہی انھیں بھی کھلاؤ ، جو پہنو وہی انہیں بھی پہناؤ ، انھیں " غلام "

میں ان کے ساتھ یکسر مساوات کا برتاؤ کرو۔ ؎

● اور جو کچھ فرمایا تھا اسے کر کے بھی دکھایا دیا،

اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا عقد، اپنے غلام زید بن حارثہ سے کردیا، یہ زینبؓ اپنے حسن و جمال، زہد و عبادت، اور خداترسی یکتا تھیں، لیکن یہ شادی بعض وجوہ سے طلاق پر منتج ہوئی،

+ انہی زید کے بیٹے اسامہ تھے جن سے رسول اللہﷺ کی کوئی قرابت نہ تھی، مگر آپ انھیں حد درجہ عزیز رکھتے تھے، وفات سے چند دن پہلے آپؐ نے کفار سے جنگ کے لئے ایک لشکر ترتیب دیا، اور اس کی سرداری اسامہ بن زید کو مرحمت فرمائی،

بڑے بڑے آزمودہ کار، تجربہ کار، اور کہن سال بزرگ اس انتخاب پر چیں بہ جبیں ہوئے کہ ایک نوجوان غلام زادہ ہم پر سردار بنایا جاتا ہے، اسی طرح جنگ موتہ کی سرداری جب آپؐ نے اسامہ کے باپ زید کو سونپی تھی، لوگوں نے برا مانا تھا، لیکن آپؐ نے نہ جب اس کی پرواہ کی نہ اب، فرمایا،

"اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ امر منصب کا مستحق تھا، اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے،!"

یہ سنتے ہی اختلاف ختم ہوگیا، گردنیں جھک گئیں،! (۱)

اسامہ کا لشکر، پھر وفات نبویؐ کے بعد ہی جا سکا، لیکن اس کی روانگی کی کیفیت کیا تھی؟ اسامہؓ کی ماتحتی میں عمر فاروقؓ کا جانا بھی طے پایا تھا، اب ابوبکرؓ کو ان کی رفاقت کی ضرورت تھی، انھوں نے اسامہ سے استدعا کی کہ وہ عمرؓ کو چھوڑتے جائیں، اسامہ نے یہ استدعا قبول کرلی۔

لشکر چلا،!

اسامہ گھوڑے پر سوار ہیں، خلیفۂ اوّل، ابوبکر صدیقؓ پا پیادہ مشایعت ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اسامہ کہتے ہیں۔

---

۱) تفصیل مطلوب ہو تو صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتب حوالہ میں ملاحظہ فرمائی جائیں،

"یا آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں، یا مجھے اترنے کی اجازت دیں،!"

ابوبکرؓ نے کہا،

"نہیں خدا کی قسم یہ نہیں ہوگا، میں پا پیادہ چلوں گا، تم گھوڑے پر سوار رہو گے،!"

یہی اسامہ تھے، جن کا وظیفہ عمر فاروقؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کیا، عبداللہ بن عمرؓ نے شکایت کی کہ وہ بلدی تھے، یہ نہ تھے، عمر فاروقؓ نے کیا جواب دیا؟

"رسول اللہؐ اس کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ، اور اسے تجھ سے زیادہ چاہتے تھے"

پھر عبداللہ بن عمرؓ نے کچھ نہ کہا۔!

پھر جب عمر فاروقؓ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے اور نئے خلیفہ کا سوال پیدا ہوا۔ تو عمرؓ نے چھ آدمیوں کا پینل بنا دیا کہ یہ لوگ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا،

"اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو یہ ذمہ داری میں انھیں سونپ دیتا کہ رسول اللہؐ نے انہیں "امین امت" فرمایا تھا، آج گر اسامہ بن زید زندہ ہوتا تو میں بے تامل یہ بار گراں اس کے دوش پر رکھ دیتا، خدا پوچھتا تو کہہ دیتا، یہ وہ شخص ہے۔ جسے تیرا رسول بے حد چاہتا تھا" (۱)

کیا غلاموں اور غلام زادوں کی یہ سربلندی، یہ سرفرازی محمدؐ سے پہلے بھی تھی؟

یہ تھی دنیا جو محمدؐ (یا آمنا دامھا تنا) نے پیدا کی تھی، دنیا کے سب سے بڑے انسان نے، خدا کے سب سے برگزیدہ اور چہیتے بندے نے، روایت صحیح ہو یا کمزور یا غلط، لیکن اس کے حقیقت ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لولاک لما خلقت الافلاک،

محمدؐ نے جو دنیا قائم کی تھی، جو سوسائٹی قائم کی تھی، جو معاشرہ قائم کیا تھا۔ اسے چلانے کے لئے کچھ لوگوں کی تربیت بھی کی تھی، کچھ لوگوں کو تیار بھی کیا تھا، اور ان لوگوں نے اپنے امکان و استطاعت کے مطابق ذمہ داریاں، پوری دیانت و امانت کے ساتھ انجام بھی دیں،

---

(۱) یہ ساری تفصیلات، طبری، طبقات ابن سعد، الفخری نیز کتب حدیث و آثار میں موجود ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو

محمدؐ کی قائم کی ہوئی دنیا اور معاشرہ میں ہوس کاروں، خودغرضوں، زرپرستوں اور جاہ طلبوں کی گنجائش نہ تھی، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں میں ایک عنصر ایسا بھی تھا۔ جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن اسلام اس کے رگ و ریشہ میں پورے طور پر پیوست نہیں ہو سکا تھا۔ آں حضرتؐ کی وفات کے بعد ان لوگوں نے ابھرنے اور سر اٹھانے کے مواقع حاصل کئے، ملّت میں تفرقہ ڈالا، اور جمہوریت جسے اسلام لایا تھا، جسے داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشکیل دیا تھا، ختم کر دی۔ اسلام کی خلافت امامت اور امارت، سلطنت اور بادشاہت میں تبدیل کر دی، ! آہ !

آسماں را حق بود گر خوں بیارد بر زمین، !

میں نے اس کتاب میں، تاریخی صحت و استناد کے ساتھ یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ سلطنت اور بادشاہت کے جذبے نے کس کس طرح، اور کب کب، اور کیونکر خلافت، امامت اور امارت کی روح کو سیاست کی قربان گاہ پر چڑھانے کی کوشش، اور چڑھایا بھی، !

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

رئیس احمد جعفری

۸۹ — ٹیگور پارک،

لاہور

جمہوری اقدار

اور

سنّت نبویؐ و اسوۂ خلفائے راشدین

اسلام کی روح :- جمہوریت

اسلام کے داعیؐ نے شاہ پسندوں، اور قیصر پرستوں کی دنیا میں پہلی مرتبہ شوریٰ اور جمہوریت کا درس دیا، یہ درس صرف قول سے نہ تھا عمل سے بھی تھا،

کسی مرحلہ پر بھی آپؐ نے، لوگوں کی آزادیٔ گفتار پر پابندی نہیں عائد فرمائی۔ ہر اقدام کے وقت آپؐ نے صحابہ کرام سے صلاح و مشورہ ضرور کیا، اور ہمیشہ اس بات کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ انسان کی قوت فکر کو بلوغ و نمو حاصل کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں، اس میں خود اعتمادی پیدا کی جائے، اپنی بصارت اور بصیرت سے کام لینے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو، حتیٰ کہ خالص دینی و مذہبی معاملات تک میں آپؐ نے اس رجحان کی حوصلہ افزائی فرمائی،

ایک مرتبہ ایک صحابی کو آپؐ نے یمن عامل بنا کر بھیجا، اور دریافت فرمایا۔ دینی معاملات و مسائل جو تمہارے سامنے پیش ہوں گے۔ کس طرح طے کرو گے؟ جواب دیا،

کتاب اللہ کی روشنی میں، !

سوال فرمایا،

اور اگر کتاب اللہ کی روشنی میں وہ مسئلہ نہ ملا تب کیا کرو گے؟ جواب دیا،

"پھر آپؐ کی سنّت پر عمل کروں گا، !"

ارشاد ہوا، اگر سنت میں بھی وہ مسئلہ نہ ملا تب کیا کرو گے؟ جواب دیا۔

پھر میں اپنے اجتہاد سے کام لوں گا، !

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام، انسان کی عقل و فکر پر قفل نہیں لگاتا، اسے جلا دیتا ہے، اسے ابھرنے، نشوونما پانے اور ترقی حاصل کرنے کے مواقع دیتا ہے، !

یہی جمہوریت ہے، !

آپؐ کے بعد، آپؐ کے صحیح جانشینوں نے بھی ہمیشہ اس اصول کو پیش نظر رکھا، !

اب ہم بتائیں گے کہ آں حضرتؐ نے اور خلفائے راشدین نے جمہوری روح کے فروغ و بقا کے لئے جو مثال پیش فرمائی وہ کیا تھی، !

آں حضرتؐ کا اسوۂ حسنہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ، (آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ، اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی) کا خدائی ارشاد حجۃ الوداع ، یعنی نبی علیہ السلام کے آخری حج کے موقع پر نازل ہوا ،

اس حج سے فارغ ہو کر آپؐ بیمار پڑے ، اور یہی بیماری مرض الموت ثابت ہوئی ،

اسلام کی سلطنت ابھی نئی نئی قائم ہوئی تھی ، اسلام کے دائرہ میں بہت سے لوگ داخل ہوچکے تھے ، لیکن ان میں کافی تعداد جدید الاسلام لوگوں کی یعنی نومسلموں کی تھی ، اسلام کی حکومت قائم ہوچکی تھی ، لیکن ابھی وہ پورے طور پر مستحکم نہیں ہوسکی تھی ، داخلی اور خارجی طور پر ، بہت سی کٹھنائیاں اور دشواریاں تھیں جن کا مقابلہ کرنا تھا ، جن سے ابھی عہدہ برآ ہونا تھا ——— ! اور عین اس حالت میں آپؐ نے اپنے رب سے جاملنے کا فیصلہ کرلیا ۔

اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا اور آخری موقعہ تھا کہ اگر کوئی شخص خلیفہ نامزد کردیا جاتا ، تو بے چون وچرا ساری امت اسلامیہ اس کی نامزدگی قبول کرلیتی ، !

رسول اللہؐ کی نامزدگی پر کون اعتراض کرسکتا تھا ؟ یہ نامزدگی صرف رسولؐ ہی کی نہ ہوتی ، خدا کی بھی ہوتی ، !

پھر نہ انصار اپنا مطالبہ پیش کرتے ، نہ مہاجرین اپنا استحقاق ثابت کرتے ، نہ سقیفۂ بنو ساعدہ کا واقعہ پیش آتا ، نہ انصار اور مہاجرین میں کشمکش ہوتی ، رسول خداؐ کا نامزد کردہ شخص مسند خلافت

لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا ، !

اگر آپؐ کسی کو نامزد کر دیتے تو مثال قائم ہو جاتی، پھر ہر خلیفہ اس مثال کو سامنے رکھ کر جسے چاہتا اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کر دیتا ، یہ نامزدگی ایک نبی کی نہ ہوتی ، اس نامزدگی کی پشت پر تائیدِ الٰہی نہ ہوتی ، یہ ایک شخص کا فعل ہوتا ۔ اور ایک شخص خواہ کتنا ہی بڑا ہو ، پوری قوم کو اپنی مرضی کا تابع اور پیرو بنانے کا حق نہیں رکھتا ، کم از کم اسلام کا دستور اس کی اجازت نہیں دیتا ، !

انہی مصالح کو پیش نظر رکھ کر نہ آپؐ نے ابوبکرؓ کو نامزد کیا ، جو رفیق غار تھے ، نہ عمرؓ کو جن کی اصابت رائے پر آپؐ کو اعتماد تھا ، نہ عثمانؓ کو ، جو ذوالنورین تھے ، اور جن کے لئے آپؐ نے وہ بیعت لی تھی ، جو تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے ، نہ علیؓ کو ، جن کے لئے آپؐ نے غدیر خم کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے کلمات ستائش فرمائے تھے ، اور جنہیں آپؐ نے اپنے لئے ہارون سے تشبیہ دی تھی ، !

خلیفہ یعنی امیر امت کے انتخاب کا مرحلہ آپؐ نے امت پر چھوڑ دیا ، وہ جسے چاہے منتخب کر لے ! کیا یہ جمہوریت کا سب سے بڑا میگنا چارٹر نہ تھا ؟

ابوبکرؓ اور جمہوریت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، انصار و مہاجرین کے اتفاق رائے سے منصب خلافت پر فائز ہوئے ۔

منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے ابوبکرؓ نے انصار مدینہ کے سامنے جو تقریر کی تھی، وہ اسلامی جمہوریت کی روح کی ترجمان ہے ۔ اس تقریر میں آپ نے اختلاف رائے کرنے والے انصار کو مخاطب کر کے کہا، !

"ہر معاملہ میں تم سے مشورہ لیا جائے گا اور بغیر تمہارے اتفاق رائے کے ہم کوئی کام نہیں کریں گے ، !" (۱)

یہی نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ سے تو یہاں تک مروی ہے کہ جب تک اہل یمن کی بیعت کی اطلاع نہیں آگئی، ـــــ اور اس اطلاع کے آنے میں چھ مہینے لگے ـــــ اس وقت تک حضرت ابوبکرؓ نے حقوق خلافت کا باقاعدہ استعمال نہیں کیا ، ! (۲)

پھر مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ دیا وہ بھی روح جمہوریت کا عکاس ہے؛

" یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو تمام اہل عالم کے لئے انتخاب کیا تھا ، اسی لئے اس نے ان کو آفات سے

کا واقعہ نہیں ۔۔۔۔، ج ۴ ، (واقعہ سقیفہ)

پر جلوہ فرما ہوجاتا اور ...

محفوظ رکھا، میں صرف پیرو ہوں ہادی نہیں اگر میں راہ راست پر گامزن رہوں تو تم میری اتباع کرنا بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا - رسول اللہ صلعم کی وفات ہو گئی - اس امت میں کوئی ایسا نہیں ہے - جس کا ذرا بھی حق ان کے ذمہ باقی ہو - سن لو کہ میرا شیطان مجھے اغوا کرتا ہے ایسی صورت میں اگر میں اس کے اغوا میں آجاؤں تو مجھ سے علیحدہ ہو جانا - اس وقت میرا تم پر کوئی حق نہیں رہے گا - تم ہر وقت موت کے سائے میں چلتے پھرتے ہو مگر اس کا وقت تم کو معلوم نہیں، بہتر یہ ہے کہ زندگی معینہ نیک کاموں میں بسر ہو مگر یہ بات توفیق الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا تم کو کوشش کرنا چاہیئے کہ اس سے پہلے کہ موت عمل کے مواقع ختم کر دے تم نیک اعمال کر لو، بعض قوموں نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں کیا اور وہ دوسروں کو عمل صالح کا موقع دے گئیں تم ان جیسے نہ ہو جانا عمل صالح کے لئے پوری کوشش کرو، موت سے ڈرو، اور نجات کے طالب بنو، موت تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور معلوم نہیں وہ اچانک کب آجائے - اس سے ڈرتے رہو، اپنے بزرگوں - اولاد اور بھائیوں کی موت سے عبرت حاصل کرو، زندوں کی حرص مت کرو بلکہ مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو - (۱)

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا، !

یہ غلط ہے، !

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ارباب حل وعقد اور اصحاب صلاح و شوریٰ کے سامنے حضرت عمرؓ کا نام تجویز کیا تھا - ان سے رائے لی تھی - بعض لوگوں نے اس تجویز پر نکتہ چینی بھی کی تھی - حضرت عمرؓ کی درشتی مزاج کی شکایت بھی کی تھی، مگر آپؓ نے انھیں سمجھایا، اور جب قائل کر لیا اور رضامندی حاصل کر لی، تب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے، !

چنانچہ اس سلسلہ میں جو بحث و مباحثہ [illegible] ایک نظر ڈال لیجئے، !

"صبح ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے [illegible] کو بلایا اور حضرت عمرؓ کے متعلق ان

سے پوچھا انھوں نے جواب میں کہا " واللہ! ان کے متعلق آپؓ کی جو رائے ہے ، وہ اس سے بھی بہتر ہیں لیکن مزاج میں سختی ہے "۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا " یہ سختی اس لئے ہے کہ وہ مجھے نرم پاتے ہیں ۔ لیکن جب ذمہ داری ان پر آپڑے گی ۔ تو وہ اپنی بہت سی باتیں چھوڑ دیں گے ۔ اور اے ابو محمدؓ! میں نے بہت قریب سے ان کا مطالعہ کیا ہے اور دیکھا ہے کہ جب میں غصہ ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے ۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے !" حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے چلے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو بلایا اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ۔ "خدا بہتر جانتا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر پایا ہے اور ہم میں ان جیسا کوئی نہیں !" حضرت عثمانؓ کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے سعید بن زیدؓ ، اُسیدؓ بن حضیر اور دوسرے مہاجرینؓ اور انصار سے مشورہ کیا کہ وہ حضرت عمرؓ کی خلافت پر مسلمانوں کو متفق کرنا چاہتے تھے ۔ بعض صحابہؓ نے جب ان مشوروں کی خبر سنی تو انھیں اندیشہ ہوا کہ اگر حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا تو ان کی سختی و درشتگی مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کر دے گی چنانچہ بالاتفاق یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے مل کر انھیں اس ارادے سے باز رکھا جائے ۔ اذن باریابی کے بعد یہ بزرگ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے کہا " آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے جب وہ آپ سے رعیت کی بابت سوال کرے گا ۔ آپ عمرؓ کو ولی عہد مقرر کر رہے ہیں حالانکہ آپ دیکھتے تھے کہ وہ لوگوں سے آپ کے سامنے کیا برتاؤ کرتے تھے ۔ اس وقت کیا ہوگا جب آپ بھی اپنے رب کے پاس چلے جائیں گے اور لوگوں کا ان سے براہ راست واسطہ پڑے گا ؟" یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کانپ اٹھے اور اپنے کسی عزیز سے چیخ کر کہا " مجھے بٹھاؤ !" بیٹھ گئے تو اسی حالت میں ارشاد فرمایا " کیا تم مجھے اللہ سے ڈراتے ہو ؟ نامراد ہو جو تمہارے معاملہ میں ظلم کو توشۂ آخرت بنائے ! میں اللہ سے کہوں گا ۔ اے اللہ ! میں تیرے بندوں پر اس شخص کو جانشین مقرر کر آیا ہوں جو تیری امت میں سب سے بہتر تھا "۔ اس کے بعد آپ طلحہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا " جو بات میں نے تم سے کہی وہ اپنے پیچھے بیٹھے ہوؤں کو بھی سنا دو !"

اس گفتگو سے حضرت ابوبکرؓ کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ مسلمان بہ رضا و رغبت حضرت عمرؓ کی خلافت پر متفق

کا واقعہ [illegible] آپ ۔۔ ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی ۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

[illegible]

حاضر ہوئے علیک سلیک کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض نے ان سے ایسے لہجے میں گفتگو کی جیسے کل کے واقعات نے انھیں بے حد دکھ دیا ہے اور فرمایا "میں نے اپنی دانست میں تمہارا کام تم میں سب سے بہتر شخص کو سونپنا چاہا لیکن تم سب اس پر ناک بھوں چڑھا رہے ہو اور چاہتے ہو کہ یہ ذمہ داری کسی اور کے سپرد کی جائے۔ حضرت عبدالرحمن رض نے جواب دیا "اللہ آپ پر رحم کرے آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیجئے! اس سے آپ کی بیماری میں اضافہ ہوگا۔ لوگ اس معاملہ میں دو فریق ہو گئے ہیں۔ ایک وہ فریق ہے جس کی رائے آپ کی رائے سے ہم آہنگ ہے اور وہ آپ کے ساتھ ہے۔ اور وہ جو آپ کی رائے کے خلاف ہے۔ اور وہ آپ کا مشیر ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں آپ کا دوست ہے ہمیں یقین ہے کہ آپ کا ارادہ نیک ہے اور امت کی صلاح و فلاح اور اصلاح و ہدایت کے سوا اس سے آپ کا اور کوئی مقصود نہیں۔"

حضرت ابوبکر رض نے صرف اہل الرائے سے مسلمانوں سے مشورہ کر لینا ہی کافی نہ سمجھا۔ بالخصوص جب یہ دیکھا کہ کچھ لوگ ان کی رائے سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ نیچے مسجد میں آدمی جمع تھے ان کو مخاطب کر کے فرمایا "کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے۔ جس کو میں ولی عہد مقرر کروں؟ خدا کی قسم! میں نے غور و فکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنے کسی قرابت دار کو یہ منصب نہیں دیا۔ میں عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ میرا کہنا سنو اور مانو!"

"یہ اپیل نہ کریں زبردستی نہ کرنا مزدگی محض کام کر گئی۔ لوگوں نے کہا، ہم نے سنا، اور مانا۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رض نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا "اے اللہ! میں نے انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے لئے کیا ہے اور اس اندیشے سے کہ ان میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے بہتر اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔"

لوگوں نے جب یہ دعا سنی تو ان کی بیشتر تعداد حضرت ابوبکر رض کے اس اقدام سے بالکل مطمئن ہو گئی۔[1] ہیکل کی اس روایت کی تصدیق ایک اور بہت مستند ذریعہ سے بھی ہوتی ہے۔

ابوال[illegible] ہے کہ ابوبکر رض نے اپنے گوشہ سے جھانکا۔ اسماء بنت عمیس جن کے ہاتھ

---

[1] [illegible]ین ہیکل؛ (ترجمہ اردو)

گودے ہوئے تھے آپ کو پکڑے ہوئے تھیں۔ آپ نے کہا لوگو! میں جس شخص کو تم پر خلیفہ بناتا ہوں۔ کیا تم اس کو پسند کرتے ہو، کیونکہ میں نے اس کے متعلق غور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور نہ میں نے کسی قرابت دار کو انتخاب کیا ہے۔

میں نے عمرؓ بن الخطاب کو تمہارا خلیفہ تجویز کیا ہے۔ تم ان کا حکم سنو اور ان کی اطاعت کرو۔

یہ سن کر سب نے کہا ہم بسر وچشم منظور کرتے ہیں اور ہم ان کی اطاعت کریں گے(۱)

کیا یہ خالص جمہوریت نہ تھی؟

عمرؓ اور جمہوریت

حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ایک تقریر ارشاد فرمائی، !

"اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو مذہب اسلام پر جمع کیا ہے، ان کے دلوں میں الفت پیدا کی ہے اور ایک دوسرے کو بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ مسلمان آپس میں گویا ایک جسم ہیں اگر اس جسم کے ایک حصے کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کا دوسرا حصہ بھی اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اسی طرح مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے کام ذی رائے اصحاب کے مشوروں سے انجام پذیر ہوں، عام لوگ اس شخص کے تابع ہیں جس کو انھوں نے والیٔ حکومت قرار دیا ہے، اور اس کو پسند کرتے ہیں، اور جو والیٔ حکومت ہے وہ ذی رائے اصحاب کا تابع ہے"۔ (۱)

کیا جمہور کا حق اس سے زیادہ صاف، اور واضح الفاظ میں بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

ہیکل نے، حضرت عمرؓ کی جو تقریر اپنی کتاب "عمر الفاروق" میں دی ہے، اس کے بعض پہلو خاص طور پر قابل غور ہیں، خاص طور پر یہ وہ الفاظ جو میں نے جلی خط میں کر دئے ہیں،

اور اب۔ کہ اے لوگو! تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے شانوں پر رکھ دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ سختی اب نرمی سے بدل گئی ہے لیکن ان لوگوں کے لیے بدستور قائم ہے جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو امن و سلامتی سے رہتے۔ اور جرأت ایمانی رکھتے ہیں سو ان کے لئے

ہیں سب سے زیادہ نرم ہوں اگر کوئی کسی پر ظلم یا کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا، تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ ٹکا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں تاآنکہ وہ حق کے سامنے سپر انداز ہو جائے۔ لیکن اپنی تمام تر شدت کے باوجود عفاف اور اہل کفاف کے لئے میں خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔

"لوگو! مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں جو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کرو۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے خراج اور اس غنیمت میں سے جو اللہ تمہیں عطا کرے کوئی چیز ناحق نہ لوں، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ انشاءاللہ میں تمہارے عطیات و وظائف میں اضافہ اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کردوں، اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ تمہیں گھر واپس آنے سے روک کے رکھوں، اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل وعیال کی نگہداری کروں!"

اس سے ثابت ہوا کہ بیت المال، یا خزانہ حکومت، خلیفہ یا امیر کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، غیر مسئول طور پر اس پر تصرف کا وہ حق نہیں رکھتا، وہ عوام سے، کہتا ہے کہ تمہارے جو حقوق مجھ پر ہیں وہ مجھ سے حاصل کرو، اور جمہوریت میں اس سے زیادہ کیا ہوتا ہے کہ عوام سربراہ مملکت سے اپنے حقوق حاصل کرتے ہیں، عمرؓ نے اس تقریر میں یہ بھی کہا کہ، جو تمہارا مال ہے (محاصل ٹیکس، چنگی وغیرہ) اس میں سے کوئی چیز میں ناحق نہ لوں، یعنی اتنا ہی لوں جتنا میرا حق ہے، اور باقی امت پر صرف کر دوں، جمہوریت بھی اس کے سوا اور کیا ہے؟

صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ کے جبروت وجلال سے ہر شخص واقف ہے۔ پھر حضرت عمرؓ، سربراہ مملکت کی حیثیت سے جب خالد بن ولید کو بعض وجوہ سے معزول کرتے ہیں تو رائے عامہ کا ایک بڑا طبقہ بپھر جاتا ہے، حضرت عمرؓ صفائی دیتے ہوئے ان وجوہ پر روشنی ڈالتے ہیں جو معزولی پر منتج ہوئے لیکن:

لوگ حضرت عمرؓ کے اعلان سے مطمئن نہ ہوئے اور انھوں نے اس اعلان کو حضرت خالدؓ کی معزولی

خفگی کا جذبہ کارفرما رہا۔ جب حضرت عمرؓ جابیہ میں معذرتی تقریر فرما رہے تھے تو خطبہ کے دوران میں ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا! بخدا! آپؓ کا یہ عذر کافی نہیں۔ آپ نے ایک ایسے عامل کو معزول کیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کام لیا۔ آپ نے ایک ایسے جھنڈے کو سرنگوں کیا ہے کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند فرمایا تھا۔ اور آپ نے ایک ایسی تلوار کو نیام میں رکھ لیا ہے جو اللہ نے کھینچی تھی۔ آپ نے صلہ رحمی قطع کیا اور اپنے ابن عمؓ کو حسد کا نشانہ بنایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "تم خالدؓ کے قریبی رشتہ دار اور ابن عمؓ ہو اس لئے تمہیں اپنے ابن عمؓ کے معاملہ میں غصہ ہے، ! (۱)

"در در دیہ اعتراض کس شخص پر کیا جا رہا ہے،؟

اس پر جس کے نام سے وقت کے جبابرہ کانپتے ہیں، جس کی عظمت کا ہر دل نشیمن ہے، جس کے خلوص، للہیت، اور خدا پرستی سے دشمن بھی انکار نہیں کر سکتے۔

اور مجمع عام میں، وقت کا سب سے بڑا سربراہ مملکت، جس نے روم اور ایران کی عظیم الشان مملکتوں کا تختہ الٹ دیا تھا، کس نرمی، کس ملاطفت، کس فروتنی اور انکسار سے اپنے سخت زبان نکتہ چیں کو جواب دے رہا ہے، ؟

کیا خلافت راشدہ کے بعد (الا ماشاء اللہ) صحیح ترین جمہوریت کا یہ مرقع پھر کسی مسلمان بادشاہ، یا خلیفہ کے ہاں نظر آیا ؟

علیؑ اور جمہوریت

حضرت علیؑ کو ایک دن بھی امن و عافیت کا میسر نہ آیا، جس روز وہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، اسی دن سے حالات ایسے پیدا ہوئے کہ مختلف عناصر سے رزم و پیکار کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور یہ سلسلہ آپ کی حیات گرامی کے آخری لمحات تک جاری رہا، !

مورخین کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت علی اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، اور استحقاق کی بنا قرابت رسولؐ تھی،

میں اس خیال سے متفق ہوں، لیکن چند اہم نکات کو پیش نظر رکھ کر،

قرابت رسولؐ کی بناپر، اگر حضرت علی اپنے آپ کو اس منصب کا مستحق سمجھتے تھے، تو یہ بھی ایک وجہ تھی، لیکن صرف یہی وجہ نہ تھی،

قرابت رسولؐ بہر حال ایک وزن رکھتی تھی۔ اور سقیفۂ بنو ساعدہ میں یہ وزن موثر بھی ثابت ہوا، سقیفۂ بنو ساعدہ میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا اور انصار و مہاجرین میں اس مسئلہ پر تنازعہ شروع ہوا، اور انصار نے اپنی خدمات اپنی قربانیوں، اپنی فداکاریوں، اور اپنی اسلام نوازیوں کو شفیع بنا کر یہ منصب اپنے لئے، اور آخر میں بطور مفاہمت مشترک طور پر دونوں کے لئے چاہا تو حضرت عمرؓ نے تقریر فرمائی،

"یہ ناممکن ہے، دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہو سکتیں، بخدا عرب اس بات کو ہرگز نہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو، جب کہ ان کے نبی تمہارے

ہاں البتہ عربوں کو اس قبیلہ کی حکومت تسلیم کرنے میں تامّل نہ ہوگا جس میں نبوّت تھی،
اسی (قبیلہ) میں سے ان کے سر دار اور امیر ہونے چاہئیں، اور اس صورت میں اگر
عربوں میں سے کوئی ایسی امارت ماننے سے انکار کرے گا، تو اس کے مقابلہ میں ہمارے
پاس کھلی ہوئی دلیل اور کھلا ہوا حق ہوگا، محمدؐ کی چھوڑی ہوئی) حکومت اور امارت میں
کون ہم سے تنازع کر سکتا ہے؟ ان کی حکومت اور امارت کو سب نے تسلیم کیا،
ان کے بعد اب ہم ان کے ولی اور خاندان والے اس کے مستحق ہیں صرف
وہی شخص جو گمراہ ہوگا، گنہکار ہوگا، یا ورطۂ ہلاکت میں گرفتار ہوگا، وہی
اس تجویز کی مخالفت کرے گا، اور کوئی نہیں کر سکتا، - (۱)

حضرت ابوبکرؓ نے، اس موقع پر جو تقریر ارشاد فرمائی تھی، وہ بھی تقریباً اس قسم کی تھی، مہاجرین
کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے بعد انھوں نے فرمایا!

" وہ رسول اللہؐ کے ولی اور خاندان والے ہیں - اور ان کے بعد اس
منصب امارت کے دوسروں کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہیں، اور
میں سمجھتا ہوں ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے
تنازع نہیں کرے گا، !" (۱)

کیا یہ دلیل حضرت علیؓ کی تائید میں نہیں ہے؟ بلکہ کیا اس دلیل سے ان کا دعوائے استحقاق اور
زیادہ مبرہن، اور مدلّل نہیں ہو جاتا؟ حضرت علیؓ سے بڑھ کر رسول اللہؐ کا عزیز قریب اور کون تھا؟
لیکن یہ استحقاق درحصل ایک مزید استحقاق تھا، ورنہ اصل استحقاق ذاتی صلاحیت تھی،
اور اس اعتبار سے وہ اپنے معاصرین میں کسی سے کم کا پایہ نہیں رکھتے تھے،
شجاعت و سیاست میں، زہد و عبادت میں، فہم و فکر میں، اخلاص و للہیت میں، رسول اللہؐ
کی وفاداری اور جاں نثاری میں وہ کسی سے کم نہیں تھے،
لیکن بعض وجوہ سے جب ان کا یہ استحقاق نظر انداز ہوگیا، اور حضرت ابوبکرؓ کے دست حق پرست

پر لوگوں نے بیعت کر لی تو کیا حضرت علیؓ نے تامل کیا؟ کیا انھوں نے بیعت نہیں کی؟ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے چھ مہینہ کے بعد بیعت کی بالکل غلط ہے، ابن اثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں بڑی تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے پہلے ہی دن بیعت کر لی تھی، اور ان دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ پہلی بیعت تو اس دن کی، دوسری بیعت تجدید بیعت تھی، کیونکہ بعض لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ حضرت علی اور حضرت ابوبکرؓ کے تعلقات کشیدہ ہیں،!

بہر حال اس واقعہ سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

حضرت علیؓ کا دعوائے استحقاق ایک خالص جمہوری حق تھا،!

پھر اکثریت کے ساتھ ہم آہنگی کرتے ہوئے، خلیفۂ منتخب کی بیعت کر لینا خالص جمہوری فعل تھا،!

اس موقع پر ابو سفیان نے اس انتخاب پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے، حضرت علیؓ کو دعوت عمل دی، لیکن آپ نے یہ دعوت جو فتنہ انگیزی پر مبنی تھی مسترد کر دی، بہت سخت الفاظ میں ابو سفیان کو زجر و توبیخ کی،

حضرت علیؓ کا یہ طرز عمل بھی خالص جمہوری تھا، کثرت آرا سے جب ایک بات طے ہو گئی تو اب اسے شمشیر و سنان کے بل پر منسوخ و مسترد کرنا آئین جمہوریت کے قطعاً منافی تھا،

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے،!

خنجر جس سے حملہ کیا گیا۔ زہر آلود تھا، بہت جلد سمیت بدن میں سرایت کر جاتی ہے۔ امید زیست منقطع ہو جاتی ہے، اس موقع پر جندب بن عبداللہ سوال کرتے ہیں،!

"کیا آپ کے بعد ہم حسنؓ کے دست مبارک پر بیعت کر لیں!"

حضرت علیؓ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں،!

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے منع کرتا ہوں، تم لوگ خود اسے زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو،!" (۱)

ایک دوسری روایت میں مذکورہ بالا جواب کے علاوہ یہ اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا، !

"میں تمہیں اس حالت میں چھوڑے جا رہا ہوں جس حالت میں رسول اللہ ص تمہیں چھوڑ گئے تھے!"

یعنی جس طرح آں حضرت ص نے یہ معاملہ امت پر چھوڑ دیا تھا، اور کسی کو نامزد نہیں فرمایا تھا، اسی طرح میں بھی یہ معاملہ امت پر چھوڑے جاتا ہوں اور کسی کو نامزد نہیں کرتا، !

حضرت علیؓ نے یہ جواب کیوں دیا ؟ حضرت علیؓ کے اس جواب سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟

ابھی میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت علیؓ کا دعویٰ استحقاق بے شک قرابت رسول ص پر بھی مبنی تھا، لیکن یہ ایک مزید خصوصیت تھی، ایک مزید استحقاق تھا، ورنہ دراصل حضرت علیؓ کا دعویٰ ذاتی صلاحیت پر مبنی تھا، بے شک یہ بہت بڑا اعزاز تھا کہ انھیں قرابت رسول کا شرف حاصل تھا۔ لیکن یہ شرف نہ حاصل ہوتا مگر علیؓ ، وہی علی ہوتے جو تھے، تو بھی ان کا استحقاق قابل غور اور قابل پذیرائی تھا، یہ استحقاق پذیرا نہ ہوا۔ انھوں نے جمہور امت کا ساتھ دیا! اور حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر بیعت کرلی،

لیکن ذاتی صلاحیت سے قطع نظر کرکے اگر صرف قرابت رسول ص ہی استحقاق کی بنیاد ہوتی تو، امام حسنؓ کے لئے ان کا جواب وہ نہ ہوتا جو انھوں نے دیا،

حضرت حسنؓ کی قرابت رسول ص حضرت علی سے زیادہ محکم تھی، حسنؓ دوش رسول ص کے سوار تھے، نور چشم رسول ص اور جگر گوشہ بتول تھے، آں حضرت ص کو آپ کے ساتھ حد درجہ تعلق خاطر تھا، بخاری اور مسلم میں ایسی متعدد حدیثیں موجود ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ص حضرت حسن ص کو بہت زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ نے انہیں خلیفہ نامزد نہیں کیا، اسلئے کہ :-

۱- خلافت نامزدگی سے نہیں، انتخاب سے، عوام کی رائے سے، ارباب حل وعقد سے صلاح و مشورہ کے بعد منعقد ہونی چاہئے !

۲- جس طرح لوگوں کو یہ حق تھا کہ وہ علیؓ کو چھوڑ کر ابوبکرؓ کو، علیؓ کو چھوڑ کر عمرؓ کو، علیؓ کو چھوڑ کر عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کر لیں، اور علیؓ کا یہ فرض تھا کہ وہ کثرت آراء کے سامنے سر جھکا کر، خلیفہ منتخب کی بیعت

لوگوں کے اس حق کو امیر المومنین سلب کرنا نہیں چاہتے تھے ۔ انھوں نے اس حق کو اپنے پاس نہیں رکھا۔ لوگوں ہی کے پاس رہنے دیا کہ وہی اس کے امین اور حامل تھے ،

اگر صرف قرابت رسولؐ ہی استحقاق کی بنیاد ہوتی تو ضرور حضرت علیؓ حضرت حسنؓ کو ولی عہد نامزد کر جاتے ، لیکن انھیں ہر طرح اہل اور مستحق پانے کے باوجود ، نامزدگی کے مقابلہ میں انھوں نے انتخاب کو ترجیح دی ، اور ایک نہایت شاندار مثال قائم کر دی ، !

حضرت حسنؑ اور جمہوریت

بے شک حضرت علی مرتضٰی نے، یہ کہہ دیا تھا کہ نہ میں تمہیں حسنؓ کی بیعت کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے روکتا ہوں، تم خود جو مناسب سمجھو کرو، لیکن، جمہورِ امت کی نگاہِ انتخاب آپ کے سوا کس پر جم سکتی تھی۔ چنانچہ رضامندی عام سے آپ خلیفہ منتخب ہو گئے، آپ آخری خلیفۂ راشد تھے۔!

حضرت حسنؓ نے جب زمام خلافت ہاتھ میں لی، تو مسلمان افتراق و تشتت کا شکار ہو رہے تھے، خانہ جنگی اور باہمی جدال و قتال کا سلسلہ جاری تھا، امیر معاویہ، اور ان کے اعوان و اخوان نے جس طرح حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی، اسی طرح حضرت حسنؓ کی خلافت بھی قبول نہیں کی۔ نئے خلیفہ کی پہلی ذمہ داری قدرۃً یہی تھی کہ وہ ان مفسدین سے جنہوں نے خلافت مرتضوی میں رخنہ اندازی کی تھی، اور اب خلافت حسنؓ کے خلاف برسرکار تھے، جنگ کرے،

بلاشبہ یہ جنگ ضروری اور ناگزیر تھی، اس جنگ سے کوئی مفر نہ تھا، لیکن اگر اس جنگ کو، آپ شرط بیعت قرار دے لیتے، تو یہ شرط بہت جلد وسعت اختیار کر لیتی، اور صرف بنو امیہ تک محدود نہ رہتی، بلکہ اختلاف رائے کے جمہوری حق تک وسیع ہو جاتی، اور یہ بجائے خود ایک جمہوریت کش اقدام ہوتا، لہٰذا آپ نے اصرار کے باوجود، اس شرط کے ماننے سے انکار کر دیا۔ طبری کی روایت ہے:

"سنہ ۴۰ھ میں حسن بن علی علیہم السلام کی خلافت کی بیعت ہوئی، سب سے پہلے قیس بن سعد نے یہ کہہ کر بیعت کی کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے خدائے عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت اور مفسدوں سے جنگ کرنے پر بیعت کرتا ہوں۔ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی کتاب

لوگوں نے بیعت کی۔ (۱)

کتنا نازک مرحلہ تھا، لیکن آپ نے کس درجہ تحمل سے کام لے کر، ایک بہت بڑے طوفان کا دروازہ بند کر دیا،

اور پھر جب آپ نے دیکھا کہ ہمرہان راہ سست گام ہیں، نہ بیعت پر قائم ہیں نہ میثاق، نہ ان میں وفائے عہد ہے، نہ قول کی پابندی تو پھر بغیر کسی جھجک اور تامل کے اس منصب سے دستبردار ہو گئے۔ حالانکہ اگر آپ کو حکومت کی ہوس ہوتی، تو خواہ جدال و قتال میں مسلمانوں کا کتنا ہی خون کیوں نہ بہہ جاتا، آپ بہر حال اس منصب پر قائم رہ سکتے تھے،!

گلوئے امامت اور شمشیرِ سیاست

اسلام میں سیاسی قتل کا آغاز!

۱

خلافت بر مقامِ ما گواہی است!

حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است

ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ

خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

●

۲

بہ چشمِ من جہاں جز رہ گزر نیست

ہزاراں رہرو، دیکے ہم سفر نیست

گزشتم از ہجومِ خویش و پیوند

کہ از خویشاں کسے بیگانہ تر نیست

●

.... بخاک و خوں غلطیدن!

حضرت ابوبکر صدیق رض کے سوا ہر خلیفہ قتل ہوا،

حضرت ابوبکر رض کے بچ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس دنیا سے رخصت ہوئے زیادہ مدت نہیں گزری تھی، طالع آزماؤں کے لئے کھل کر کھیلنے کا زیادہ موقع نہ تھا، دوسرے آپ کا عہد خلافت بہت مختصر تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپکے دور میں، مملکت اسلامی کے حدود بہت زیادہ وسیع نہ ہوئے تھے۔ لہٰذا امنگوں اور حوصلوں نے بھی ابھی زیادہ سر نہیں اٹھایا تھا،

اس کے برعکس حضرت عمر رض کے زمانہ میں حدود خلافت غیر معمولی طور پر وسیع ہو چکے تھے، ایران کی عظیم الشان مملکت، اب حکومت اسلامی کا ایک غیر منفک حصّہ تھی، رومیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا اسکندریہ اور مصر، شام اور لبنان، عراق اور اردن، پر اب اسلامی پرچم لہرا رہا تھا،

یہ مفتوح ممالک، "وادی غیر ذی زرع" نہ تھے، ان کی زمین سونا اگل رہی تھی، ان کے بام و در ہیرے جواہرات سے جگمگا رہے تھے۔ ان کے قصر و محلّات، شکوہ و عظمت میں اپنا جواب آپ تھے، ان کے دیار و امصار، مدنیت، حضارت، اور جگمگاتی ہوئی تہذیب و ثقافت کا پیکر تھے، یہ شہر اب مسلمانوں کے تھے، یہ دولت فراواں اب بیت المال کی تھی، یہ ہیرے اور جواہرات، اب مسلمانوں کے تصرّف میں تھے!

[illegible] طالع آزماؤں کے دل مچلنے لگے، [illegible]

دیبا، حریر کے لباس پہنیں، سونے، موتی اور جواہر کے برتن، زیور، سامان استعمال کریں جن سے یہ
دولت چھینی ہے انہی کے سے بن جائیں، ان کے محلوں میں انہی کی طرح رہیں، ان کے قیمتی اور مرصع برتنوں
میں انہی کی طرح کھائیں، ان کے غلاموں اور باندیوں سے انہی کی طرح خدمت لیں اور تمتع حاصل کریں،
ان کی دولت بالکل انہی کی طرح عیش و عشرت، سرور و لذت اور جاہ و حشمت کے مظاہرے میں
پانی کی طرح بہائیں جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اسے بھول جائیں، اور اسی دنیا میں اس حاصل کی
ہوئی دولت سے اپنی جنت خود بنالیں؛ جہاں حوریں ہوں، غلمان ہوں، شراب ہو، اور ہر خواہش ——
خواہ وہ کتنی ہی ناجائز کیوں نہ ہو —— بیک اشارۂ چشم، اور بیک جنبش لب پوری ہو جائے، اور
اس جنت میں، اس خود ساختہ جنت میں ایک تخت کبریائی بھی ہو جس پر جاہ و جلال کے ساتھ متمکن ہوں۔
اور وہ لوگ جو ان کی خدائی اور خداوندی پر ایمان نہ لائیں، پابجولاں ان کے سامنے حاضر کئے جائیں، یہ انھیں
کوڑے لگوائیں، تہ خانوں میں بند کر کے عبرت انگیز اور ہولناک، اور لرزہ خیز سزائیں دیں، ان کا
اشارہ پاتے ہی جلاد ان کی گردن اڑا دے عوام کی حیثیت ان کے سامنے بھیڑ بکری سے زیادہ نہ
ہو، خواص ان کی چاکری کو مایۂ فخر و سعادت سمجھیں، ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر بول فرمان بن جائے، یہ
غلطی کریں لوگ اسے صواب سمجھیں، یہ گناہ کریں، لوگ اسے عبادت قرار دیں، یہ شجر اسلام کی جڑ
پر تیشے چلائیں، لیکن لوگ ان کے حلقۂ اطاعت سے باہر نہ ہوں، یہ اسلام کی روح کو مٹا دینے کی
کوشش کریں، اور لوگ اسے ان کا بہت بڑا دینی اور ایمانی کارنامہ قرار دیں، یہ حلال کو حرام، اور
حرام کو حلال کر دیں، مگر کوئی اُف تک نہ کرے، یہ دین کے اصول کو بدل دیں مگر کوئی زبان طعن سے
آلودہ نہ ہونے پائے۔ یہ اسلامی خلافت اور امارت کو قیصر و کسریٰ کی سی بادشاہت اور شہنشاہیت
سے بدل دیں، مگر لوگ جادۂ وفا سے انحراف نہ کریں،

یہ تھے ان کے ولولے اور یہ تھیں ان کی امنگیں، یہ تھے ان کے عزائم اور یہ تھیں ان کی خواہشیں
—— ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے،!

ابوبکرؓ کا مختصر عہد حکومت ان کی امنگوں کے لئے سازگار نہ تھا، اس لئے کہ ابھی ان امنگوں
[illegible] آنے کے وسائل و ذرائع نہیں پیدا ہوئے تھے،!

روم وایران سے جو خزانے اونٹوں پر لدلد کر آرہے تھے، وہ آتے تھے، اور بیت المال میں داخل کر دیئے جاتے تھے، اور عوام پر خرچ کر دیئے جاتے تھے، ـــــ یہ دور حکومت کتنا روح فرسا، کتنا تکلیف دہ، اور کس درجہ ناقابل برداشت تھا،

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشین!

کیا فغفور و خاقان صرف چین، ایران، اور روم وغیرہ میں پیدا ہو سکتے تھے ـ سرزمین عرب نہیں پیدا کر سکتی؟ ضرور پیدا کر سکتی ہے، ذرا موقع تو ملے، لیکن موقع کس طرح ملے، یہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننے والا، یہ لباس خود اپنے ہاتھ سے دھونے والا، یہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر رعایا کی خبر گیری کرنے والا، یہ شرابیوں پر کوڑے لگوانے والا، یہ بیت المال کا ایک حبہ اپنے اوپر صرف نہ کرنے والا، یہ اپنے اوپر سخت اور درشت الفاظ میں عوام کی نکتہ چینی برداشت کرنے والا، اور نکتہ چینی کے جواب میں باہم جلال و جبروت نہایت انکسار اور رقت سے بیان صفائی دینے والا خلیفہ جب تک زندہ ہے، کیا فغفوریت کا ولولہ پورا ہو سکتا ہے؟ ـــــ نہیں، کبھی نہیں، !

پھر کیا کیا جائے؟ ـــــ کیا بغاوت،؟ لیکن بغاوت سرسبز نہیں ہو سکتی، ابھی محمدؐ کو اس دنیا سے گئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ یہ امت وہی تو ہے،

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار

بغاوت کی ہر کوشش ناکام ہوگی، بغاوت کچل دی جائے گی، باغی کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے، پھر ـــــ؟ اگر بغاوت نہیں تو دوسری راہ عمل کیا ہے؟

سازش اور قتل، !

اور بالآخر، جو لوگ بغاوت کی ہمت نہ رکھتے تھے، انھوں نے سازش کی، اور عمرؓ کو قتل کر دیا،!

یہ اسلام کی تاریخ میں پہلا سیاسی قتل تھا، ـــــ جس شخص کے نام سے وقت کے ملوک و سلاطین لرزہ براندام ہو جاتے تھے ـ اسے ایک غلام نے، ایک غیر مسلم غلام نے آلۂ کار بن کر قتل کر دیا، اور خودکشی کر لی، ـــــ کامیاب ترین سازش،!

دوسروں پر، بالخصوص ان لوگوں پر جو وفاداری اور بہی خواہی کے مدعی ہوں جلد بھروسہ کر لینے والے، !
—— فغفور و خاقان بننے کا اب امکان پیدا ہو گیا، !

بے شک عثمان نرم خو تھے، با مروت تھے، کہن سال اور معمر تھے۔ دوسروں پر، بالخصوص ان لوگوں پر جو وفاداری اور بہی خواہی کے مدعی ہوں جلد بھروسہ کر لیتے تھے، ! —— لیکن وہ رسول اللہؐ کے صحابی جلیل بھی تو تھے، ذوالنورین بھی تو تھے، مہاجرین اولین کے رکن رکین بھی تو تھے؛ اور پھر مستزاد یہ کہ انھوں نے خدا کو گواہ کر کے، عامۂ مسلمین کے سامنے یہ عہد بھی تو کیا تھا کہ سنت شیخین پر، یعنی مسلک صدیقؓ و فاروقؓ پر چلیں گے، پھر ان کے عہد میں کیونکر ممکن تھا کہ تاج شہی اور کلاہ خسروی رکھ کر لوگ فغفور و خاقان بنتے اور یہ خاموشی سے دیکھتے رہتے؟ یا اپنی نرم خوئی اور مروت سے اتنا تو کر سکتے تھے کہ لوگ ان کے اعتماد سے، ان کے علم و اطلاع کے بغیر ناجائز فائدہ اٹھالیں، مجرم اور خطاکار ان کے سامنے آئیں، اور یہ معاف کر دیں، معافی حاصل کر چکنے کے بعد اپنی چرب زبانی سے اعتماد حاصل کر لیں اور پھر اپنی حرکتوں سے عثمانؓ کو بدنام کرنے لگیں، لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا تھا، کہ اسلام کی بیخ کنی کی کھلی چھٹی طالع آزماؤں، اور مستقبل کے شہنشاہوں اور تاجداروں کو دے دیں، چنانچہ انھوں نے ایسا نہیں کیا،

عثمانؓ بھی اب عمرؓ کی طرح کھٹکنے لگے، !

عمرؓ کے زمانہ میں بغاوت اور سرکشی ناممکن تھی، اب ممکن ہو گئی تھی، ! عمرؓ کے زمانہ میں صرف سازش کامیاب ہو سکتی تھی، اب حالات اتنے سازگار تھے کہ بغاوت اور سازش کا پروگرام ساتھ ساتھ چل سکتا تھا، چنانچہ چلا،

حالات بار بار بگڑے اور سنبھلے، طوفان بار بار اٹھے اور ختم ہوئے، بغاوت اور سرکشی کی لہریں بار بار بلند ہوئیں اور دب دب گئیں،

اور آخر جب کوئی امید نہ رہی تو ایک روز، عثمانؓ بھی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھر میں قتل کر دئے گئے، !

اسلام کی تاریخ میں، یہ دوسرا سیاسی قتل تھا، لیکن کتنا ہولناک، کتنا جگر فگار، کتنا لرزہ خیز
رسول اللہؐ کا صحابی جلیل، رسول اللہؐ کا جانشین، رسول اللہؐ کی منبر پر قاتل [illegible]

بڑا المیہ تھا کہ تاریخ کے اوراق اب تک اس ذکر سے خوں چکاں ہیں اور ابد تک رہیں گے ، !

عثمانؓ کے بعد علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے ، !

ان سے کوئی امید نہیں تھی، لہٰذا پہلے ہی دن سے ان کے خلاف ، سرگرمیاں تیز تر ہوگئیں جس کی تلوار سے صنادید قریشی کا خون اب تک ٹپک رہا ہو، جس کی شمشیر خارا شگاف نے باطل کو بارہا شکست دی ہو، جس نے خیبر کا قلعہ فتح کیا ہو، جسے رسولؐ نے اپنے لئے بمنزلہ ہارونؑ قرار دیا ہو، جس کو پیار سے "بوتراب" کہا ہو، جس کے بارے میں "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کا ارشاد ہو، جس کی زندگی تمام تر حیات رسولؐ کا آئینہ ہو، جس کی زندگی کا مدار نان شعیر پر ہو ، جس کی عبادت و ریاضت ، تفقہ اور بصیرت ، فکر و رائے کی اصابت ، اور عزم و ارادہ کی قوت ایک روشن حقیقت ہو، جو اپنے بھائی عقیل تک کو مسلمانوں کے بیت المال سے ایک حبہ حق سے زیادہ دینے کا روا دار نہ ہو، جو اپنے عاملوں ، والیوں ، اور گورنروں پر کڑی نگرانی رکھتا ہو ، بات بات پر بازپرس کرتا ہو ہزا دیتا ہو ، زجر و توبیخ کرتا ہو ، جس نے ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر عہد عثمانی کے ہر خطاکار والی کو اعوان اور اخوان کے مشورے نظر انداز کر کے معزول کر دینے میں ذرا تامل نہ کیا ہو ، اس کے عہد میں فغفور و خاقان بننے کا حوصلہ کیونکر پورا ہو سکتا تھا ، ؟ یہ ناممکن کی آرزو تھی ، ! جو اس لئے تھی کہ کبھی پوری نہ ہو سکے ، !

ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر دی جائے ، اور انھیں اس طرح الجھایا جائے کہ وہ تاسیس حکومت الٰہیہ کا فریضہ انجام ہی نہ دے سکیں ، یہی کیا گیا ، لیکن علی ابن ابی طالب سے نبرد آزما ہو کر کامیاب ہونا آسان نہ تھا ، آخر ، کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر ایک روز انھیں بھی بہ حالت نماز قتل کرا دیا گیا ، !

یہ اسلام کی تاریخ میں تیسرا سیاسی قتل تھا ، !

اس قتل نے ہر مشکل آسان کر دی ، عمرؓ کے وقت سے لے کر اب تک جتنی حسرتیں اور آرزوئیں دبی ہوئی تھیں ، اب ان کے ابھرنے اور پنپنے کا وقت آگیا ، راستہ کا آخری پتھر بھی ہٹ گیا ، اب کوئی روک نہ رہی ، کوئی رکاوٹ نہ رہی ، کوئی دشواری حائل نہیں رہ گئی ،

شہادتِ عمرؓ ــــ سازش کا آغاز

یہ حضرت عمرؓ وہ تھے کہ اسلام کی پکار سنی تو لبیک کہنے کے بجائے اسے مٹانے کے درپے ہوگئے، لیکن جب دیکھا کہ اس پکار کا زور اور اثر بڑھتا جارہا ہے، تو ایک روز حمیتِ جاہلی سے متاثر ہوکر، داعیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کے لئے شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں شناسا نے طعنہ دیا کہ پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو جو دونوں مسلمان ہوچکے ہیں، فوراً پلٹے، اور بہن کو مارتے مارتے لہولہان کردیا، بہن نے کہا،

"عمر تو ہمیں مار ڈال لیکن اسلام کی محبت ہمارے دل سے نہیں نکال سکتا،

ایک عورت کی جو بہن بھی تھی ــــ یہ عزیمت و ہمّت، پھر اسے خون میں لت پت اور جذبۂ اسلام سے سرشار دیکھ کر دل پسیج گیا، سوچا جس تحریک کے ماننے والی عورتوں تک میں یہ جذبہ ہو وہ باطل نہیں ہوسکتی، وہیں بیٹھ گئے، فرمائش کر کے قرآن کی چند آیتیں سنیں، اور سنتے ہی حالت یہ ہوئی کہ اکڑی ہوئی گردن اسلام کے آستانہ پر خم ہوگئی، ا جس شدت سے اسلام کے مخالف تھے اسی جوش و خروش سے اس کے پرستار بن گئے، حالت ہوئی کہ یا تو اسلام قبول کرنے پر بہن کی جان لینے کو تیار ہوگئے تھے یا اپنی بیٹی ــــ حفصہ ــــ کو ایک مرتبہ اسلام پر قربان کرنے کو تیار ہوگئے، ــــ یہ اس کا دین ہے جسے پروردگار دے، ا پھر جب تک زندہ رہے اسلام کے لئے جیئے، اور جب وقت آگیا۔
ــــــــــ تو اسلام ہی کے لئے جان عزیز قربان کردی، کسی سے دوستی کی تو اسلام کی بنیاد پر کسی سے ناتہ توڑا، تو اسلام کے لئے، کسی سے دشمنی مول لی تو اسلام

عمرؓ، عثمانؓ، اور علیؓ کے دور تک فغفوریت اور خاقانیت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، لیکن اب وہ خواب ایک حقیقت بن گیا، ایک ناقابل تردید حقیقت، ایک ناقابل تردید حقیقت!

علی کے بعد حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی، لیکن وہ بہت جلد دست بردار ہو گئے، پھر بھی ان کا وجود ایک خطرہ تھا، اس خطرہ کو اس طرح دور کیا گیا کہ حسنؓ زہر دے کر ہلاک کر دیئے گئے۔

یہ اسلام کی تاریخ میں چوتھا سیاسی قتل تھا، اور اس کے بعد جو یہ سلسلہ شروع ہوا تو لامتناہی بن گیا۔

تاریخ کی یہ کتنی نیرنگ آفرین حقیقت ہے کہ عمرؓ کی فراست مومن اور نگاہِ بصیرت نے جن لوگوں کو معتوب اور غیر معتمد قرار دیا، اور جنہیں علی زندگی میں پھر داخل ہونے کی اجازت نہ دی، وہ علی کی شہادت تک تو کوئی منصب نہ حاصل کر سکے، لیکن ان کے بعد ہی کارفرما بن گئے، !

اس عنوان کے تحت میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، وہ میرے تاثرات، اور مطالعۂ تاریخ کے نتائج ہیں، اب آگے چل کر خلفائے راشدینؓ کے سوانح کا مختصر طور پر تذکرہ کرنے کے بعد ان کے وہ واقعات پیش کروں گا، جو میرے نتائج مطالعہ اور تاثرات کی تائید کریں گے، !

"آپ کے دس سالہ دورِ حکومت میں ایران وروم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرخچے اڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اور اس احتیاط کے ساتھ ان کی ساری فتوحات میں ظلم وجور کا ایک واقعہ بھی نہیں پیش آیا۔

فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران روم کی سلطنتیں کمزور پڑ چکی تھیں کس قدر غلط ہے۔

بلا شبہ سکندر چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیرنگیں کیا لیکن اسی کے ساتھ اس کو زیر وزبر

٭ تاریخ اسلامی کے طویل مطالعہ کے بعد میں ایک نتیجہ تک پہنچا اور یہ کتاب میرے اس نتیجۂ مطالعہ کا نتیجہ ہے، جس نتیجہ تک میں پہنچا ہوں۔ اسے ثابت کرنے اور مدلل ومبرہن کرنے کے لیے میں جو دیکھی کتب تاریخ سے مواد لے کر اپنے طور پر پیش کر سکتا تھا، ——— اور کہیں کہیں میں نے ایسا کیا بھی ہے ——— لیکن میں نے، اس خیال سے کہ براہِ راست میرا اخذ کردہ مواد، کہیں سورِ ظن نہ بن جائے کہ خلافت معاویہ ویزید کی تصنیف کی طرح میں نے اپنا نقطۂ نظر ثابت کرنے کے لیے حسب دل خواہ، جہاں سے جتنا اور جیسا مواد چاہا حاصل کر کے شائع کر دیا، مناسب یہ سمجھا کہ ہماری زبان میں جو کتابیں صحت د استناد کے اعتبار سے معیاری مانی جاتی ہیں، یہ مواد انہیں سے حاصل کر دوں، اور انہی کے الفاظ میں پیش کر دوں، اس لیے کہ یہ کتابیں کسی خاص موضوع فکر کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی گئی ہیں، لہٰذا ان کے مواد اور نتائج پر نہ ایراد کیا جاسکتا ہے، نہ اعتراض، یہ عام تاریخی کتابیں ہیں جو تاریخ برائے تاریخ کا مقصد پورا کرتی ہیں، دوسرے یہ کہ ان کتابوں تک ہر شخص کی رسائی ہو سکتی ہے میں اگر مسعودی، نجری، فتوح البلدان، وغیرہ سے مواد پیش کرتا، تو اردو طبقہ براہِ راست میرے پیش کردہ مواد کی صحت کا جائزہ نہیں لے سکتا تھا، اور عربی داں اصحاب میں بھی کمتر ایسے اصحاب ایسے ہوتے جن کی رسائی ان کتابوں تک ہو سکتی کیونکہ یہ عیر المحصول ہیں، ویسے کتب ذیل کے ہزارہا ہزار صفحات کو پڑھنے، ان سے اخذ و التقاط کرنے اور انتخاب کرنے میں میرا اتنا ہی وقت صرف ہوا ہے جتنا براہِ راست ترجمہ میں ہوتا، پھر متعدد حوالوں کا میں نے اصل عربی کتابوں سے مقابلہ بھی کر لیا ہے، جن کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے ان میں خاص طور پر تاریخ اسلام (مولانا شاہ معین احمد ندوی) سیرت النبیؐ (مولانا شبلیؒ ومولانا شاہ سلیمان منصورپوری) ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی (مولانا مناظر احسن گیلانی) عمر فاروق اعظم (محمد حسین ہیکل، ترجمہ اردو) تاریخ طبری کے جملہ حصص

حضرت ابوبکرؓ کے بعد مسند خلافت پر حضرت عمرؓ رونق افروز ہوگئے۔ وہ تمام خصوصیات و کمالات، جو اسلام کے فیض، اور رسالت آب ؐ کی تربیت سے ان میں پیدا ہوگئے تھے جیسے ہی زمام اقتدار ہاتھ میں لی، وہ اور زیادہ نمایاں ہوگئے، اور زیادہ ابھر گئے۔

حضرت عمرؓ کا دورِ حکومت درحقیقت فتوحات اور کشورکشائی کا دور ہے، ان کے عہد میں مملکت اسلامی کے حدود و ثغور، غیر معمولی طور پر وسیع ہوگئے، روم اور ایران کی عظیم الشان مملکتیں فتح ہوگئیں، لاکھوں آدمی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے، مسلم حکومت کی رعایا بن گئے، ان گنت آدمیوں نے اسلام کی خوبیوں اور مسلمانوں کے کردار و سیرت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔

فتوحات کی اس وسعت نے، مسلمانوں کو ریگ زار عرب سے باہر نکلنے موقع دیا، وہ دوسرے شہروں میں حاکم، عامل، والی، گورنر، اور سالار فوج بن کر گئے، یہاں آکر انھیں نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑا، نئے نئے حالات سے سابقہ پڑا، نئی نئی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑا، ایک فاتح قوم کی حیثیت سے انھوں نے نظام مملکت اور دستورِ حکومت کے نئے نئے اصول وضع کیے،

یہ بڑا، نازک، اور کٹھن وقت تھا،!

دنیا کمانے، دنیا میں غرق ہوجانے، اور دنیا کا ہور ہنے کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا، نہ دولت کی کمی تھی، نہ اسباب عیش و راحت کی، لیکن سربراہِ مملکت عمر فاروق تھے، اس نازک اور کٹھن وقت کو، انھوں نے اپنے اوپر اور اپنے ماتحتوں پر حاوی نہیں ہونے دیا، اسلام کے بتائے ہوئے راستہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ منحرف ہوئے، نہ کسی کو منحرف ہونے دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلم جوق درجوق اسلام کے حلقہ میں داخل ہونے لگے،—

یدخلون فی دین اللہ افواجًا،!

ابھی میں عرض کرچکا ہوں کہ عہد عمر، درحقیقت کشورکشائی اور فتوحات کا دور تھا، اس دور پر تاریخ اسلام کے فاضل مصنف نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ انہی کے الفاظ میں[1] درج ذیل ہے،:-

بھی کرڈالا، وہ صرف جہانگیر تھے جہاندار نہ تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جن احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ایران وروم فتح ہوئے اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کرسکتا، چنگیز و تیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے لیکن یہ جب یہ طوفان تھما تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی۔ وہ جن جن ملکوں سے گذرے انھیں ویرانہ بنا دیا لیکن برخلاف عہد فاروقی میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا ملکوں کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے ہری بھری کھیتیوں اور شاداب درختوں تک کو نہ کاٹتے تھے، بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی۔ پھر مسلمانوں نے جس ملک میں قدم رکھا۔ اپنے عدل وانصاف اور حسن اخلاق سے، اس کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں ان کے معاون ومددگار بن گئے انھوں نے قوموں کے دل ودماغ کو مسخر کرلیا اور بہت سی مفتوح قوموں نے ان کا مذہب بھی قبول کرلیا اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب مسلمان اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ۔

یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم وایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور عظمت وشان باقی نہ رہ گئی تھی اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ وجلال ختم ہوچکا تھا۔ لیکن اس انحطاط کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں۔ رومی اور عجمی اپنے دور انحطاط میں بھی عربوں سے فائق تھے۔ فنون جنگ کی واقفیت رسد کی فراوانی آلات جنگ کا تنوع کسی چیز میں عرب ان کے پاسنگ نہ تھے ان کے پاس معمولی آلات اور شکم پری تک کا سامان نہ تھا، ایسی حالت میں عربوں سے ٹکرا کر ان کے ان کے پرزے اڑ جانا حیرت انگیز واقعہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان میں ایسا جوش، عزم استقلال ہمت حوصلہ مندی، دلیری، اخلاق حمیت عدل وانصاف دیانت اور راست بازی پیدا کردی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس میں ایسی جلا دے دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی ،

اب ایک نظر اس پر ڈال لینی چاہیئے کہ محکوموں اور مفتوحوں کے ساتھ آپ کا رویہ کیا تھا؟ جن غیر مسلموں کی قسمت اب آپ کے ہاتھ میں آگئی تھی، انھیں باعزت زندگی گذارنے کے

ساکوئی انتظام اور بندوبست نمایاں نہیں؟ اور اگر تھا تو وہ کس معیار کا تھا؟

یہ اور اسی طرح کے متعدد سوالات قدرةً ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، ضروری ہے کہ ان کے جواب باصواب پر بھی ایک ڈال لی جائے،:

"کسی حکومت کے عدل ومساوات کو جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور اس کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں اس معیار سے فاروقی عہد عدل ومساوات کا نمونہ تھا،

عرب کی ہمسایہ دو حکومتیں تھیں روم اور فارس، یہی دونوں حکومتیں فاروقی عہد میں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں۔ ان دونوں حکومتوں کا طرز عمل خود اپنی ہی قوم رعایا کے ساتھ غلاموں سے بدتر تھا تو دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر، لیکن جب یہی قومیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں تو دفعتہً ان کی حالت بدل گئی اور انھیں ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی۔ کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں، جان، مال اور مذہب ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں، وہ سب ان ہی کے تحت میں آتے ہیں حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ قوموں کے ان تینوں بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا، بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے:۔

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا"[۱] یہ حقوق ایلیا والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے ـــــــــــــــ جو ان کے عہد ناموں میں موجود ہیں، اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ ہیں کہ "ان کی جان مال اور مذہب وشریعت سب کو امان ہے۔ ان میں سے کسی شئے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا"[۲] آذربیجان کے معاہدہ میں ہے جان مال اور مذہب وشریعت

کو امان ہے۔[۲۵] موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہیں، سب معاہدوں کا نقل کرنا طول عمل ہے، صرف چند بطور مثال لکھ دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال کو ان معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے، حضرت ابو عبیدہ فاتح شام کو لکھا "مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو"[۲۶]

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا، تو آپ نے مقتول کے قاتل کو ورثا کے حوالہ کر دیا، انھوں نے اسے قتل کر دیا۔[۲۷]

ذمیوں کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی، حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔[۲۸]

مالگذاری کی تشخیص میں ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا، اس کے بعد اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں جمع زیادہ تو نہیں تشخیص ہوگئی۔[۲۹] اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے،

چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ مالگذاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی،[۳۰]

اس سلسلہ میں ذمیوں سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا، جو مسلمانوں سے نہیں لیا جاتا تھا، لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا، ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور مسلمان اس کے لئے مجبور تھے، اس لئے مسلمانوں سے اس کے لینے کی کوئی وجہ نہ تھی، کہ وہ مال کے بجائے جان دینے پر مجبور تھے، اکثر معاہدوں میں اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا، چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس کے الفاظ یہ ہیں "ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا، اور اگر ہم تم سے

مدد یں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔[۲] آذربیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا ہے

"جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائے گا۔"[۳]

چنانچہ جب کبھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا، ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمرؓ نے افسرانِ فوج کو لکھ بھیجا کہ

"جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔"[۴]

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ میں جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو جزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی۔ حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالار افواج شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے۔[۵]

غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی میں صرف کیا جاتا تھا، مسلمان بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیوں کو نہ دینے پڑتے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔

پھر جزیہ کی وصولی میں سختی نہ برتی جاتی تھی، جہاں کہیں حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم ہو جاتا تھا آپ سختی سے روکتے تھے۔ شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے سبب پوچھا معلوم ہوا کہ جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے، پوچھا کیوں؟ معلوم ہوا۔ ناداری کی وجہ سے فرمایا چھوڑ دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں خدا انھیں قیامت میں عذاب دے گا۔[۶]

نادار بیکس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے، در بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ "اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے یا کوئی آفت آ نے یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال

---

[۲] طبری ج ۵ ص ۲۶۶۵ [۳] ایضاً ص ۲۶۶۳ [۴] ایضاً ص ۲۴۹۷ [۵] فتوح البلدان

سے خرچ دیا جائے گا۔[1]

یہ معاہدہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ہوا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس پر عمل رہا بلکہ آپ نے اس کو قرآنی استدلال سے زیادہ موکد کر دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھے ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو، اس نے کہا کہ مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھے ادا کرنے کی قدرت نہیں یہ سن کر آپ اسے اپنے گھر پر لے گئے اور کچھ نقد دے کر داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے، کلام اللہ کی آیۃ:- اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ میں فقرا سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں، اور بڑھاپے میں نکال دیں۔[2]

آپ کو ذمیوں کو اتنا خیال تھا کہ اپنے آخر زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور پر یہ وصیت تھی ۔

"میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسولؐ کا ذمہ دیا گیا ہے یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔"[3]

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے ؟

جس شخص کا غیر قوم کے مفتوحوں اور محکوموں کے ساتھ یہ برتاؤ تھا، ضروری ہے کہ ہم یہ بھی معلوم کر لیں کہ خود اپنی قوم، کے ساتھ اس کا رویہ کیا تھا؟ اسے وہ کس نہج پر لے جانا چاہتا تھا،؟ اس کے لئے زندگی کا جو معیار، جو اصول، جو دستور، شمع نبوت کے نور سے مستنیر ہونے کے بعد اس نے وضع کیا تھا وہ کیا تھا؟ کیسا تھا؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے اور اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا، مختصر طور پر میں اس سوال کو بھی زیر بحث لاؤں گا کہ بغیر اس کے اصل موضوع

تشنہ رہ جائے گا۔

"حضرت عمرؓ نے تمام بیجا امتیازات کو مٹا کر شاہ وگدا اور بلند وپست کو ایک سطح پر کر دیا تھا اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی امیر المومنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور عام رعا کے درمیان کوئی امتیاز نہ پیدا کریں۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا لحاظ رکھتے تھے، عمرو بن العاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا آپ کو اطلاع ہوئی تو لکھ بھیجا کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر[۱]"

ایک دفعہ کچھ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ سے ملنے گئے جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے اتفاق سے اسی وقت حضرت عمرؓ نکل آئے یہ امتیازی شان دیکھ کر ابیؓ کو کوڑا لگایا، وہ متحیر ہوئے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے[۲]۔

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا، طواف میں اس کی چادر کا ایک کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا، جبلہ نے اسے تھپڑ مارا اس شخص نے برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے آکر حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا۔ جبلہ نے پندار امارت میں کہا "ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق وامتیاز روا نہ رکھتے تھے، اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔ جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں عار ہے۔ غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی[۳]۔ غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کئے،

اس اقتدار و اختیار کے باوجود جو حضرت عمرؓ کو حاصل تھا، انھوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی، رائے عامہ کے ترجمانوں اور نمائندوں سے مشورہ لئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا:

اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کو قائم کیا اس نظام میں اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہؓ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا۔[۱] خاص خاص حالات عامہ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا آپ فرمایا کرتے تھے لاخلافۃ الا عن مشورۃ[۲]

حضرت عمرؓ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی تھی اور اس کو عملاً متعدد مواقع پر واضح کیا ایک موقع پر فرمایا کہ تمہارے مال میں مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لے لوں گا میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے موٴخذہ کرنا چاہئے ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بیجا طور سے جمع کیا جائے۔ اور نہ بیجا طور پر صرف ہونے پائے۔ دوسرے یہ کہ میں تمہارے روزینہ بڑھاؤں۔ سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں[۳] ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ "میں تم کو مجبور کردوں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ، میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف فرد کی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو۔"

روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لئے اہل الرائے صحابہ کی مجلس شوریٰ تھی اس کے ممتاز ارکان یہ تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابیؓ بن کعب حضرت زیدؓ بن ثابت اس کے علاوہ مہمات امور کے لئے ممتاز مہاجرینؓ وانصارؓ کی مجلس ہوتی تھی، ہر مسلمان کو آزادیٔ رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ معمولی معمولی مسلمان برسرعام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے اور سوال وجواب کرتے تھے،!

کیا ان تاریخی حقائق کی روشنی میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت اور عوامیت کو، اہمیت نہیں دی گئی ہے ؟ ان واشگاف حقائق کی روشنی میں بھی اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے، تو وہ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ،

گذشتہ صفحات میں، اس امر پر میں روشنی ڈال چکا ہوں، اور حضرت عمرؓ کے خطبات سے اس بات کو ثابت کر چکا ہوں کہ وہ بیت المال یعنی خزانۂ حکومت کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں سمجھتے تھے، ایک ایک پائی کا حساب رکھتے تھے ، اور ایک ایک پائی صرف ضروریات مسلمین پر خرچ کرتے تھے، نہ اس رقم خطیر سے نہ انھوں نے اپنے سامان عیش و راحت فراہم کیا اور نہ کسی اور کو اس کی اجازت دی ، بلکہ اگر کسی کو عیش و تنعّم کی زندگی بسر کرتے دیکھا تو اس سے سخت باز پرس کی، اور بعض مواقع پر منصب سے معزول بھی کر دیا ،

سطور ذیل میں ، یہ بھی بتایا جائے گا کہ بیت المال کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی پالیسی کیا تھی؛ اور وہ کس نہج پر گامزن تھے ؛!

"مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا انتظام تھا کہ آج اس کے واقعات پر یقین کرنا مشکل ہے بیت المال کا ایک حبہ بھی بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا اس کی ایک امانت کی طرح حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ درج رجسٹر کراتے تھے ،

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے - عین اسی احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لئے آئے دیکھا تو حضرت عمرؓ دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں - احنف کو دیکھ فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو - بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے - تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا فرمایا "ای عبد اعبد منی" یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے[1]

بیت المال میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے آرہے تھے - لیکن اس میں آپ کا حصہ بقدر کفاف

روزینہ تھا اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لئے حرام سمجھتے تھے ۔

ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا بیت المال میں شہد موجود تھا۔ بہت معمولی سی چیز تھی لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لئے ہوئے اسے لینا طبیعت نے گوارا نہ کیا مسجد نبوی میں جاکر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں[1]۔

ایک دفعہ مال غنیمت آیا آپ کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ نے آکر عرض کیا کہ امیرالمومنین میرا حق مجھ کو دیجئے یہ تو غنیمت کا مال ہے

حضرت عمرؓ نے جواب دیا بیٹا تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں[2]۔

آپ کو اپنے مرحوم بھائی زید کی بچی سے والہانہ محبت تھی ، ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی ۔ آپ اسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے اس لئے پیار کر کے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی[3]۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے ۔ طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی ۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی سے بلا کر فرمایا گو عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری آدمی تھا ۔ اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کئے گئے تھے یہ کہہ کر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دیے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا[1]۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا انھوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا رہے حضرت عمرؓ کے بچے دے دیا ۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آلِ عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیؐ کا مطالبہ میری گردن پر رہے[2]۔

---

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۵۴ [2] طبقات ابن سعد جلد س ق ۱ ص ۱۹۸ [3] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۰۵ [1][2] ایضاً ص ۳۴۸

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے دیکھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا ہے ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے انھوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا۔ اب فربہ ہوگیا ہے اس لئے بیچتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لئے تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد قیمت لے کر بیت المال میں داخل کردی[۳۱]

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلے میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے قرض مانگا انھوں نے کہا آپ امیرالمومنین ہیں بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیت المال سے نہیں لوں گا۔ کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کروگے اور یہ بار میرے سر جائے گا۔ اس لئے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے مال متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو[۳۲]

اوپر حضرت عمرؓ کے جو حالات پیش کئے گئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی للبیت، اخلاص فی الاسلام، اور اقدار اسلامی کے حفظ و بقا، اور قیام و استحکام میں گذری، ان کی دوستی بھی اسی لئے تھی۔ اور دشمنی بھی اسی لئے

چند افراد ایسے تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے برداشت تو کیا، لیکن ان سے خوش نہیں رہے، بلکہ ان میں سے بعض کو نشانۂ تادیب بھی بنایا، وہ لوگ یہ ہیں۔!

۱ - ابوسفیان، امیر معاویہ کے والد
۲ - خالد بن ولید، سیف اللہ
۳ - عمرو بن العاص، فاتح مصر
۴ - مغیرہ بن شعبہ، جن کی فراست مشہور ہے،
۵ - سعد بن وقاص، قائد اور سالار

۶۔ معاویہ بن ابو سفیان

اب ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ تاریخی واقعات کی روشنی میں کچھ مواد پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت خالدؓ کا معاملہ تو بالکل صاف ہے، بے شک حضرت خالد کو حضرت عمرؓ نے معزول کر دیا، لیکن، ایک سے زائد بار، انھوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ معزولی ان کی کسی خیانت و معصیت، یا کسی جرم کی بنا پر عمل میں نہیں آئی تھی، ایک وجہ تو یہ تھی کہ لوگ ان کے بازوئے شمشیر زن پر بھروسہ کرنے لگے تھے، حضرت عمرؓ چاہتے تھے لوگ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کریں،

دوسری شکایت یہ تھی کہ وہ، فوجی فرائض اور ذمہ داریوں کے انجام دینے میں جتنے چوکس تھے، بعض دوسرے معاملات میں اتنے ہی بے پروا تھے، اور حضرت عمر جیسا شخص معمولی سے معمولی معاملہ میں بھی، کسی ذمہ دار شخص کی غیر ذمہ دارانہ روش برداشت نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خالد معزول کر دیئے گئے۔

حضرت خالد کی معزولی کا جو سبب میں نے لکھا ہے وہ تاریخ کے تقریباً تمام کتابوں میں کم وبیش اس تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

اب رہا ابو سفیان کا معاملہ، تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ابو سفیان اور ان کی بیوی ہندہ نے فتح مکہ سے پہلے تک اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف دشمنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا،

ابو سفیان وہ تھے جنہوں نے ہمیشہ کفار مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے پر اکسایا۔ اور کئی جنگوں میں شریک ہوئے، اور مسلمانوں کو زک دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ہندہ وہ عورت تھی جس نے عم رسول سید الشہدا حضرت حمزہؓ کا، ان کی شہادت کے بعد جگر چبایا اور اس طرح اپنے انتقامی جذبات کو تسکین دی،

پھر جب فتح مکہ کے لئے اسلامی لشکر نے رسالت مآبؐ کی سرکردگی میں کوچ کیا، اور قریش یا بالفاظ دیگر ابو سفیان کی عہد شکنی کے بعد، اب جنگ کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہ گیا،

اور وہ دربارِ رسالت ؐ میں جھکے ہوئے سر کے ساتھ حاضر ہوگئے ، آپؐ رحمت للعالمین تھے ، آپؐ نے ابوسفیان کو بھی معاف کر دیا ، اور ہندہ کو بھی . لیکن حضرت عمرؓ جس طرح راس المنافقین عبداللہ بن ابی کے خلاف مصر تھے اسی طرح ابوسفیان کے لئے بھی نہیں چاہتے تھے کہ انھیں معاف کیا جائے ۔

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب الفاروق عمر میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

" جب مسلمان مکہ فتح کرنے گئے ۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب مکہ سے نکلے اور اپنے بھتیجے کی فوج اور قوت دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ قریش میں اس کے مقابلہ کی سکت نہیں ، ادھر ابوسفیان بن حرب بھی کچھ لوگوں کے ساتھ ٹوہ لینے نکلے ۔ وہ اپنے ساتھیوں سے باتیں کر رہے تھے کہ حضرت عباس نے ان کی آواز پہچان لی اور کہا " ابوسفیان ! وہ رہے رسول اللہؐ ! اپنے صحابہؓ کے حلقے میں ۔ قریش کے لئے وہ صبح کتنی مصیبت انگیز ہوگی جب یہ مسلمان بزورِ شمشیر مکہ میں داخل ہوں گے " ۔ ابوسفیان نے کہا " میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں ! پھر کیا کیا جائے ؟ " حضرت عباسؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار تھے ، باقی لوگوں کو تو مکہ واپس کر دیا اور ابوسفیان کو اپنے پیچھے بٹھا کر خدمتِ نبویؐ میں حاضری کے ارادے سے چلے حضرت عمرؓ نے خچر کو دیکھا تو ابوسفیان کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو پناہ دینی چاہتے ہیں ، اسی وقت خیمہ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے ابوسفیان کی گردن مار دینے کی اجازت چاہی ، حضرت عباسؓ نے کہا " یا رسول اللہؐ میں پناہ دے چکا ہوں ! " اس پر ان دونوں میں سخت کلامی ہوگئی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ دوسری صبح پر ملتوی کر دیا اور دوسرے دن صبح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ گفتگو کرنے کے بعد ابوسفیان اسلام لے آئے ۔ نبیؐ رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انھیں عزت بخشی کہ " جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اس کا خون معاف ہے ، جو اپنے دروازے بند کر کے گھر میں بیٹھ گیا وہ محفوظ ہے اور جو کعبے میں داخل ہوگیا وہ امان میں ہے " ۔ اور حضرت عمرؓ ابوسفیان کی اس نجات سے دل آزردہ چلے گئے ۔ یہاں تک کہ جب مکہ کے دروازے کھلے تو انھیں معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی کے واقعہ کی طرح اس

اب ایک نظر عمرو بن العاص کے واقعہ پر بھی نظر ڈال لینی چاہیئے ۔

محمد حسین ہیکل نے اس سلسلہ میں ، دو واقعات جو عام طور پر تاریخی کتابوں میں شائع ہیں، تحریر کئے ہیں ۔

ایک تو یہ کہ :۔

حضرت عمرؓ جزیرہ نمائے عرب میں اپنی پالیسی کو جامۂ عمل پہنانا چاہتے تھے اور اس کے لئے انھیں روپے کی ضرورت تھی، چنانچہ وہ مصر تھے ، کہ ابن عاصؓ خراج کی پوری رقم مدینہ بھیجیں۔ ادھر ابن عاص اپنی پالیسی سے کسی قیمت پر دست بردار ہونا نہ چاہتے تھے، اس لئے ان کی طرف سے تعمیل حکم میں تاخیر ہو رہی تھی ۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ تنگ آ گئے اور ان دونوں صاحبوں کے درمیان اتنی گرم مراسلت ہوئی کہ اس کی شدت وسختی الزام کی حد تک پہنچ گئی ۔

اس مراسلت کے سلسلے میں سب سے پہلا خط جو مورخین نے نقل کیا ہے حضرت عمرؓ کا ہے جس میں وہ ابن عاصؓ کو تحریر فرماتے ہیں : " امابعد! میں نے تمہارے معاملے اور تمہاری روش پر غور کیا ۔ تمہاری سرزمین وسیع وعریض ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اس کے باشندوں کو کثرت وتحمل سے خشکی وتری میں کام کرنے کی طاقت بھی عطا کی ہے ۔ فراعنہ نے اہل مصر کے انتہائی سرکش ونافرمان ہونے کے باوجود اس سرزمین سے خوب کام لیا اور اس سے غیر معمولی فائدہ اٹھایا تھا جس پر مجھے حیرت ہے لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ جتنا خراج وہ وصول کرتے تھے تم اس سے آدھا بھی وصول نہیں کرتے ، حالانکہ نہ قحط ہے نہ خشک سالی۔ میں تمہیں خراج کے لئے بارہا لکھ چکا ہوں ۔ میرا خیال تھا کہ خراج کی پوری آمدنی مجھے پہنچ جائے گی ۔ اور امید تھی کہ تم ہوش میں آ کر یہ رقم بھیج دو گے لیکن تم ایسے عذر تراش رہے ہو جو میرے دل کو نہیں لگتے ۔ اس سے پہلے جو کوئی بھی خراج وصول کرتا تھا ، وہ تم سے زیادہ قابل نہ تھا پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میرے خط سے کیوں بھاگتے ہو۔ اس سے تمہارے خط وخال کیوں سکڑ جاتے ہیں ۔ اگر تم بے لوث اور حق بجانب ہو تو صاف صاف معاملہ بہرصورت مفید ہے اور اگر تم اسراف وبددیانتی سے کام لے رہے ہو تو یاد رکھو وہ بات نہیں ہوگی جو تم سمجھے بیٹھے ہو۔ پچھلے سال تو میں یہ سوچ کر

ہوا تھا کہ خراج کی رقم بھیجنے میں تمہیں اس لئے دقت پیش آرہی ہے کہ تمہارے کارندے اچھے نہیں اور وہ اپنی فریب کاریوں کی آڑ تمہیں بناتے ہیں لیکن واضح رہے کہ اللہ کے حکم سے میرے پاس تمہاری تمام غلط کاریوں کی دوا موجود ہے۔ ابوعبداللہ جب تمہارا حق تمہیں دیاجاتا ہے تو پھر تم کیوں گھبراتے ہو اگر دوسروں کا حق تم سے لیاجائے۔ تھن دباؤ تو دودھ نکلتا ہے اور حق ہمیشہ کشادہ رو ہوتا ہے مجھ سے چباچبا کر بات کرنی چھوڑ دو کہ بات کھل چکی ہے۔ والسلام"!

اس خط کے جواب میں عمرو بن العاص نے جو بیان صفائی دیا، حضرت عمرؓ اس سے مطمئن نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے اور زیادہ سخت و شدید لہجہ میں باز پرس کی۔ حضرت عمرؓ نے ابن عاص کو لکھا:۔

میں حیران ہوں خراج کی تاخیر کے سلسلے میں۔ میں نے تمہیں اتنے خط لکھے لیکن ان سب کے جواب میں تمہارا جو خط ملا ہے اس میں تم مجھے راستے دکھا رہے ہو۔ حالانکہ جانتے ہو میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوسکتا، جب تک تم حق کا صاف اور سیدھا راستہ اختیار نہ کرو۔ میں نے تمہیں مصر اس لئے نہیں بھیجا کہ تم یا تمہاری قوم اسے اپنی جاگیر بنالے۔ بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تم حسن سیاست سے کام لے کر کا خراج بڑھاؤ۔ میرا خط ملتے ہی خراج روانہ کردو وہ مسلمانوں کا مال ہے اور جیسا کہ تم جانتے ہو۔ میرے اردگرد قحط میں گھرے ہوئے لوگ ہیں۔

والسلام:۔

حضرت عمرؓ اور عمرو بن العاص کی خط وکتابت پر ہیکل نے جو تبصرہ کیا ہے یہ ہے:۔

حضرت عمرؓ کو یہ محسوس ہورہا تھا کہ مصر سے جو خراج وصول کیاجارہا ہے وہ رومیوں اور فرعونوں کے زمانے سے بہت[1] کم ہے۔ اس لئے وہ ابن عاص کی دلیلوں کو ٹال مٹول اور حیلوں بہانوں سے

---

[1] کہاجاتا ہے کہ رومی عہد میں مصر سے دو کروڑ فرعنہ کے دور حکومت میں نو کروڑ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات کروڑ تیس لاکھ اسلامی دینار کے لگ بھگ خراج وصول کیاجاتا تھا۔ لیکن حضرت عمرو بن عاص کتنا خراج مدینہ بھیجتے تھے اس میں اختلاف ہے کہاجاتا ہے یہ رقم ایک کروڑ بیس لاکھ تھی، لیکن یہ بھی روایت ہے کہ پہلے سال کا خراج اس سے بہت ہی کم تھا یہاں تک کہ علامہ

زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔ بعد کو ان کا شک اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ ابن عاص کے عذر کو جھوٹ پر محمول کرنے لگے۔ ان کے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہو گئی کہ اس طرح ابن عاص اپنی کوتاہیوں بلکہ اپنی خواہشوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جو حضرت عمرؓ کے خیال میں مصر جیسے طویل و عریض ملک پر اپنی اور اپنے خاندان کی حکومت کرنے کے لئے ان کے دل میں چھپی تھی۔

آخر کار حضرت عمرؓ اس مراسلت سے تنگ آ گئے۔ اور محسوس فرمایا کہ اگر انہوں نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور سخت گیر پالیسی سے کام نہ لیا تو ان کے اور ابن عاص کے درمیان معاملہ اتنا تنگ ہو جائے گا کہ بہت ممکن ہے اس کے نتائج ناخوشگوار ثابت ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ابن عاص پر صریح الزام لگا کر اس دولت کے متعلق تحقیقات کا حکم دیدیا جو ابن عاص نے مصر کی ولایت کے دوران میں کمائی تھی۔ اور ابن عاص کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے تمہارے پاس اب ایسے غلام ظروف اور جانور ہیں جو اس وقت نہ تھے جب میں نے تمہیں مصر کا والی کیا تھا۔" ابن عاصؓ نے اس کا جواب یہ دیا۔ ہماری زمین زراعت اور تجارت کی زمین ہے اور اس سے ہمیں اتنی آمدنی ہوتی ہے جو ہمارے مصارف سے زائد ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس جواب میں انھیں لکھا کہ مجھے برے عمال کا کافی تجربہ ہو چکا ہے۔ اور تمہارا جو خط آیا وہ ایسے شخص کا خط معلوم ہوتا ہے۔ جس کو حق کی گرفت نے بیچین کر دیا ہو۔ میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں۔ اور محمد بن مسلمہ کو مال تقسیم کرنے تمہارے پاس بھیجتا ہوں تم ان سے اپنا راز کہہ دو۔ جو کچھ مانگیں انھیں دیدو۔ اور انھیں اپنے اوپر سختی کرنے سے معاف رکھو۔ کیونکہ بات کھل چکی ہے۔ ابن مسلمہ مصر پہنچے اور ابن عاص کا مال تقسیم کیا۔ ابن عاص نے ان سے کہا ابن خطمہ (فاروق اعظم) نے ہم سے جس زمانہ میں یہ برتاؤ کیا ہے وہ یقیناً برا زمانہ ہے۔ عاصؓ ریشم پہنتے تھے۔ جس کے حاشیے دیباج کے ہوتے تھے۔ ابن مسلمہ نے کہا خاموش اگر یہ ابن خطمہ کا زمانہ نہ ہوتا جس سے تم کراہیت کرتے ہو۔ تو تم اپنے گھر کی انگنائی میں اس حال میں پائے جاتے کہ بکری ٹانگیں تمہاری ٹانگوں میں ہوتیں اس کے دودھ کی کثرت تمہیں خوش اور اس کی قلت تمہیں ناخوش کرتی، ابن عاصؓ نے کہا خدا کے لئے یہ بات عمرؓ سے نہ کہنا۔ مجالس کی گفتگو کے لئے امانت ضروری ہے۔ ابن مسلمہ نے جواب دیا۔ جو باتیں مجھ میں اور تم میں ہوئیں ہیں۔ عمرؓ کے

انہی عمرو بن العاص کے عہد ولایت مصر کا ایک واقعہ، جو مولانا شبلی کی الفاروق اور ہیکل کی الفاروق عمرؓ میں مشترک ہے۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا کہ ابن عاص کی معزولی سے پیشتر ہی حضرت عمرؓ کا رجحان ان کے بارے میں کیا ہوتا جا رہا تھا!!

محمد بن عمرو بن عاص نے ایک مصری کے تازیانے مارے وہ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "لے میں بڑوں کی اولاد ہوں" حضرت عمرو بن عاص نے اس مصری کو قید کر دیا کہ مبادا امیرالمومنین سے ان کے بیٹے کی شکایت کر دے۔ جب وہ قید سے چھوٹا تو سیدھا مدینہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اسے تو اپنے پاس ٹھہرالیا اور ابن عاص اور ان کے بیٹے کو مصر سے بلا کر مجلس قصاص میں طلب کیا۔ جب دونوں باپ بیٹے مجلس قصاص میں پیش ہوئے تو حضرت عمرؓ نے بلند آواز میں فرمایا مصری کہاں ہے۔ لے یہ درّہ اور بڑوں کی اولاد کو مار۔ مصری نے محمد کو درّے مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ وہ بے دم ہو گئے۔ مصری انھیں مارتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ کہتے جاتے تھے بڑوں کی اولاد کو مار۔ جب وہ جی بھر کے انھیں مار چکا اور درّہ امیرالمومنین کو واپس کرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا عمرو کی چندیا پر مار خدا کی قسم بیٹا تجھے ہرگز نہ مارتا اگر اسے باپ کے اقتدار پر گھمنڈ نہ ہوتا، ابن عاص نے کہا امیرالمومنین آپ بھرپور سزا دے چکے ہیں اور مصری نے کہا امیرالمومنین جس نے مجھے مارا تھا اس سے میں نے بدلہ لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا قسم ہے خدا کی اگر تو ابن عاص کو مارتا تو ہم اس وقت تک بیچ میں نہ آتے جب تک تو خود ہی اپنا ہاتھ نہ روک لیتا۔ اور عمرو کی طرف مخاطب ہو کر غضبناک لہجہ میں فرمایا۔ عمرو تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا۔ ان کی ماؤں نے تو انھیں آزاد جنا تھا!

---

[1] ہم نے ابن عاص اور ابن مسلمہ کی یہ گفتگو بلاذری سے نقل کی ہے ابن عبدربہ کی ایک روایت العقد الفرید سے بھی —— اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے ابن ابی حدید کی شرح نہج البلاغہ کے بعض فقروں کی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں روایتیں اگرچہ تفصیلات میں مختلف ہیں مگر باعتبار جوہر ان میں کوئی فرق نہیں اور ان دونوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے

سعد بن ابی وقاص کا معاملہ بہت معمولی ہے۔ پھر بھی حضرت عمرؓ نے انھیں نظر انداز نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ کی پالیسی یہ تھی کہ جو لوگ کسی مقام کے حاکم یا والی بنا کر بھیجے جائیں۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے، اپنے کردار سے، اپنی سیرت سے ان کے دل موہ لیں اور انھیں اپنا گرویدہ بنالیں، اگر کوئی حاکم یا والی اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا تو اس کی شخصیت کی پرواہ کئے بغیر معزول کر دیتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ! حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو بغیر کسی شبہے کے محض بر بنائے مصلحت ہی ان کے عہدوں سے معزول کر دیا ہے۔ جن میں سے ایک حضرت سعد بن وقاص کا معاملہ ہے۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے کوفہ کی ولایت سے صرف اس لئے ہٹا دیا تھا کہ اس شہر کے چند لوگ حضرت سعد کے خلاف بھڑک اٹھے تھے اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تھی کہ وہ تقسیم میں مساوات نہیں برتتے، رعایا سے انصاف نہیں کرتے، اور جنگ میں شریک نہیں ہوتے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا اور باوجودیکہ انھوں نے لوگوں کو حضرت سعد سے خوش پایا، لیکن حضرت عمرؓ نے فتنہ کے خوف سے حضرت سعد کو معزول کر دیا،!

امیر معاویہ کا معاملہ یہ تھا

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

ابھی ان کی حیثیت وہ نہیں تھی جو بعد کو ہوئی، پھر بھی، امارت شام کے زمانہ میں ان کے ٹھاٹھ وہی تھے جو ملوک و سلاطین کے ہوا کرتے ہیں، چنانچہ مولانا شبلی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے انھیں مسلمانوں کا کسریٰ کہہ کر یاد کیا، ہیکل نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ گدھے پر سوار شام جا رہے تھے، دیکھا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان ایک شاندار جلوس کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ حضرت معاویہ نے گھوڑے سے اتر کر امیر المومنین کو سلام کیا لیکن فاروق اعظم جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آپ نے انھیں تکلیف پہنچائی، کم از کم آپ ان سے بات تو کر لیتے۔ حضرت عمرؓ حضرت معاویہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ شاندار جلوس تمہارا ہے۔ حضرت معاویہ نے جواب

حاجات تمہاری ڈیوڑھی پر کھڑے ہیں۔ حضرت معاویہ نے کہا یہ بھی درست ہے۔ بولے افسوس ہے تم پر ایسا کیوں ہے۔ حضرت معاویہ نے جواب دیا ہمارے ملک میں دشمن کے جاسوس بہت ہیں، اگر ہم اس شان وشوکت سے نہ رہیں تو دشمن ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر ٹوٹ پڑے۔ رہی گھر میں گھسے رہنے کی بات سو ہمیں ڈر ہے کہ ہماری فیاضی رعایا کو جری بنا دے گی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں آپ کا عامل ہوں، آپ مجھے گھٹائیں گے گھٹ جاؤں گا۔ بڑھائیں گے بڑھ جاؤں گا، روک دیں گے رک جاؤں گا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں جب تم سے بازپرس کرتا ہوں، صاف بچ کر نکل جاتے ہو، اور اگر تم سچے ہو تو یہ ایک عقلمند آدمی کی رائے ہے، اور جھوٹے ہو تو یہ ایک چال باز کا دھوکا،

حضرت مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمرؓ نے گورنر بنا دیا، اس زمانے میں ان پر ایک ایسا سنگین الزام لگایا گیا جس کیلئے چار عینی گواہوں کی شرط ہے۔ معاملہ حضرت عمر تک پہنچا انھوں نے گواہ طلب کئے چاروں گواہ حاضر ہوئے، تین کی گواہی بہت صاف تھی، چوتھے کی گواہی ذرا کمزور، حضرت عمرؓ نے تینوں پر حد قذف جاری کی، اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیجئے مطلب یہ کہ مجھے پھر اس منصب پر بحال کر دیجئے حضرت عمرؓ نے جواب دیا خاموش، اگر چوتھی گواہی کمزور نہ ہوتی تو میں تمھیں سنگسار کر دیتا اور پھر انھیں کسی عہدہ پر مامور نہیں فرمایا، اس واقعہ نے نہ صرف حضرت عمرؓ بلکہ دوسرے اصحاب کو بھی بڑی حد تک مغیرہ بن شعبہ سے مکدر کر دیا تھا۔ چنانچہ ہیکل نے مذکورہ بالا واقعہ کے علاوہ ایک دوسرا واقعہ بھی ایسا لکھا ہے جس سے میرے اس خیال کی توثیق و تائید ہوتی ہے۔

"حضرت عمرؓ کی تدفین سے فارغ ہو کر مجلس شوریٰ کے ارکان جمع ہوئے، کوئی کہتا ہے۔ مسور بن مخرمہ کے مکان میں، اور کوئی کہتا ہے بیت المال میں، کسی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ کی اجازت سے ان کے حجرے میں، اور کسی کا کہنا ہے کہ ارکان شوریٰ میں سے کسی ایک کے گھر میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی ان کے ساتھ تھے، لیکن ان کی حیثیت صرف مشیر کی تھی، خلافت

کھڑے ہو جائیں، اور حضرت عمرو بن عاص یا حضرت مغیرہ بن شعبہ میں سے کسی ایک کا دروازہ پر بیٹھنا پسند نہ کیا، بلکہ حضرت سعد بن وقاص نے ان کے کنکریاں ماریں اور انھیں دروازے سے اٹھا کر کہا کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم وہاں موجود اور ارکان شوریٰ میں شامل تھے؟"

یہ تھے حضرت عمرؓ!

جنہوں نے اپنے عہد حکومت میں مسلمانوں کو اوج ثریا پر پہنچا دیا اور غیر مسلموں کو وہ سہولتیں اور آسائشیں دیں جو انھیں اپنے ہم مذہب حکمرانوں کی حکومت میں بھی نہیں حاصل تھیں۔ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو وصیت انھوں نے کی اس میں بھی ذمیوں، یعنی محکوم غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔

لیکن اس کے باوجود نماز کی حالت میں ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حادثۂ قتل کی تفصیل کچھ زیادہ طولانی نہیں،!

"۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام ابو لولو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت زیادہ ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اسے کم کرانے کی درخواست کی، آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہیں، ابو لولو نے کہا دو درہم روزانہ، پوچھا تم کام کیا کرتے ہو، اس نے کہا آہنگری، نجاری اور نقاشی، فرمایا ان پیشوں کے مقابلے میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا اور جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی ابو لولو، نے دفعتہً بڑھ کر مسلسل چھ وار کئے۔ آپ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز تمام کرائی، کچھ لوگ ابو لولو کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے اس نے انھیں بھی زخمی کیا، مگر آخر میں پکڑا گیا۔ گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کر لی۔"

کیا یہ صرف حادثۂ قتل تھا؟ کیا یہ کوئی سازش نہیں تھ [illegible] سازش تھی، بہت

محمد حسین ہیکل نے بہت پرزور لب و لہجہ میں فرمایا ہے کہ:

"میں اس یقین کا اعلان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ تھی، جس کا پروگرام اس سانحہ سے کئی دن پہلے بنایا گیا تھا۔!"

اور پھر اس مسئلہ کے متعدد پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد، انھوں نے لکھا ہے:-

"جناب عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب "عبقریۃ عمر" میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں "حضرت عمرؓ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی حکومت کے دشمنوں کی سازش کا شکار ہوئے، خراج کا قصّہ تو محض ایک پردہ تھا، جو مدینہ اور دوسرے ملکوں کے سازشیوں نے اس قصاص سے بچنے کے لئے ڈالا تھا، جس کی سزا انھیں اس سازش یا اس سازش کے اسباب و محرکات کے انکشاف پر بھگتنی پڑتی، جناب عقاد کی رائے میں کعب احبار بھی اس سازش میں شریک تھے۔ میں اس پر تو یقین رکھتا ہوں کہ کعب احبار کو اس سازش کا علم تھا۔ لیکن قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس میں شریک بھی تھے"۔!"

ہیکل عقاد، اور ماضی و حال کے دوسرے مورخین اسے مانتے ہیں کہ یہ سازش تھی اور جہاں تک سانحہ کی نوعیّت کا تعلق ہے وہ خود پکار پکار کر سازش کا اعلان کر رہی ہے۔

ابولولو نے جس وجہ سے حضرت عمرؓ کو قتل کیا وہ وجہ اگر واقعی اتنی سنگین تو اسے چاہیئے تھا کہ حضرت عمرؓ کے بجائے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو قتل کرتا۔ جن کا وہ غلام تھا اور جن سے براہِ راست اسے شکایت تھی۔ لیکن وہ اپنے آقا کا بال بھی بیکا نہیں کرتا، کے خلیفہ کو قتل کر دیتا ہے یہ کتنی عجیب اور ناقابل فہم بات ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ابولولو سازش کرنے والوں کا آلۂ کار تھا۔ اور یہ سازش والے یقیناً وہی لوگ تھے۔ جن کی حوصلہ مندیوں اور اولو العزمیوں میں حضرت عمر حارج تھے جو اسلام اور خلفائے اسلام کی [illegible] ثمرات فتوحات حاصل کر کے

دنیا میں وہ سب کچھ حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ جس کا وعدہ جنّت میں کیا گیا ہے۔ یہ جنّت کا انتظار نہیں کر سکتے تھے، اپنی دنیا کو جنّت بنا لینا چاہتے تھے،

لیکن یہ کون لوگ تھے، اس راز کا سراغ اب تک نہیں لگ سکا۔ بقول ہیکل۔

"ابو لولو نے خودکشی کر لی اور ہرمزان اور حفینہ قتل کر دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے مقتولوں کا خون بہا اپنی جیب سے ادا کر دیا۔ اور حضرت عبیداللہ بن عمر کے اس فعل پر غور و فکر کی ممانعت فرما دی، ان سب چیزوں نے مل کر حضرت عمرؓ کے قتل پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا جو آج تک پڑا ہوا ہے۔ اور مورخین آج بھی اسے چھیڑنے سے گریز کرتے ہیں،!"

عمر ابوالنصر نے اپنی کتاب "خلفائے محمدؐ" میں تو یہ الزام صاف طور پر مغیرہ بن شعبہ پر عائد کیا ہے،!

شہادت عثمانؓ ـ سازش کا نقطۂ عروج

جو سازش حضرت عمرؓ کے قتل پر ختم ہوئی تھی، لیکن ناکام رہی تھی۔ اب کہیں زیادہ جوش و خروش برہمی اور اشتعال اور زور شور سے وہ عہد عثمان میں اُبھری۔

حضرت عمرؓ سخت مزاج تھے سخت گیر تھے، اور مداہنت کے قائل نہ تھے۔ مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائے بغیر نہیں رہتے تھے، حکام و عمال کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے۔ ماتحت کارفرماؤں کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ عاملوں اور والیوں کی سرزنش اور تادیب کرتے طالع آزماؤں کے لئے ناقابل برداشت ہو گئے۔ قتل کر دئے گئے۔ اب ان کی جگہ حضرت عثمانؓ کو ملی تھی۔ یہ کافی سن رسیدہ تھے، ضعف قویٰ کا دور شروع ہو چکا تھا۔ نرم خو تھے، خطا پوش تھے، مجرموں پر بھی رحم آجاتا اور معاف کر دیتے، اپنے خلوص اور سچائی کے باعث چرب زبان حاشیہ نشینوں کی باتوں پر اعتبار کر لیتے یہ امید کی وہ شعاعیں تھیں، جنہوں نے سازش کرنے والوں کو مطمئن کر دیا، پھر ایک بات اور ایسی آئی جس نے اپنی غلط فہمی میں انھیں راسخ کرایا حضرت عمرؓ جیسے شخص کا قتل سازش کے ماتحت ہو اور سازش کرنے والے بچ جائیں یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا لیکن ہوشیاری کے ساتھ ایسا منصوبہ بنایا گیا کہ وہ بچ گئے۔

فیروز ابو لولو نے خودکشی کر لی۔ یا ہجوم عام میں قتل کر دیا گیا، بہر حال اس طرح ایک بہت بڑی شہادت ضائع گئی، لیکن حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو دو ایسے آدمیوں کا اتفاق سے سراغ مل گیا [illegible]

چلے آرہے تھے اور اسی میں اپنی جان شیریں بھی قربان کردی ، !

بہر حال اب طائع آزماؤں کا حوصلہ بڑھ چکا تھا ، اور حضرت عثمان کی نرمی سے غلط فائدہ اٹھانے والے بعض عمال نے اپنے غلط طرز عمل سے اسے اور شہہ دی تھی ، نتیجہ یہ ہوا کہ شورش اور سرکشی اور بغاوت کی سرگرمیاں پس پردہ نہیں ، علی الاعلان جاری ہوگئیں ، اور ان سرگرمیوں کو ابھرنے کا اور پھیلنے کا موقع یوں ملا کہ بنوامیہ کے جن لوگوں نے حضرت عثمان کا اعتماد حاصل کر لیا تھا ، وہ حضرت عثمان کو تو مطمئن اور حالات سے لاعلم رکھنے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تھے ، لیکن جن لوگوں کو ان کے طرز عمل سے تکلیف و اذیت پہنچتی تھی ، اور جو ان کے ہوا خواہ اور ہمدرد تھے وہ نہ مطمئن تھے ، نہ حالات سے لاعلم ، ان کا جوش اور اشتعال بڑھتا جاتا تھا ، اور وہ اس کی ذمہ داری براہ راست حضرت عثمان پر ڈالتے تھے ، اور چونکہ حضرت عثمانؓ اس صورت حال کے تدارک میں کامیاب نہیں ہو سکے ، لہٰذا بےچینی بڑھتی گئی ، یہ بےچینی درحقیقت ان لوگوں نے عمداً پیدا کی تھی ، جو خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کر دینے کا خواب دیکھ رہے تھے ، شروع شروع میں ان کی سرگرمیاں اس لئے مدہم رہیں کہ شاید حضرت عثمانؓ اپنے رب سے کہن سالی کے باعث جلد جا ملیں ، لیکن جب ان کا عہد خلافت حضرت عمرؓ سے بھی طویل ہو گیا تو ان لوگوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ، اور یہ خونی انقلاب کو دعوت دیتے ہوئے میدان میں آگئے ، !

اس خطرناک صورت حال کو بعض صحابہ کرام نے محسوس کر لیا ، اور وہ انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے حضرت عثمان کے پاس پہنچے ، اور انھیں مشورہ صالح وصائب دیا ، چونکہ حضرت عثمانؓ کی نیت میں کھوٹ نہ تھا ، انھوں نے فوراً یہ مشورے مان بھی لئے ، لیکن بعد میں ، مروان اور بنوامیہ کے بعض دوسرے لوگوں نے نقشہ پھر بدل دیا ، !

حضرت علیؓ نے اس موقعہ پر حضرت عثمانؓ سے جو گفتگو کی ، اس کی اپنایت دیکھئے ، یہ دیکھئے سوز دروں کس طرح لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے ، !

تاریخ اسلام کا بیان ہے :-

"جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے ، بعض عثمانی عمال کی بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہ کو ان سے

جن سے اگر پوچھ گچھ ہوتی تو کوئی نہ کوئی انکشاف سازش اور اس کے منصوبہ بندوں کے بارے میں ضرور ہو جاتا یہ دو شخص تھے، ہرمزان ـــــ ایک ذمی ـــــ اور جفینہ ـــــ ایک مسلمان ـــــ

لیکن قبل اس کے کہ یہ عدالت کے کٹہرے میں لائے جاتے قبل اس کے کہ اپنے منہ سے یہ قبول کریں یا بتائیں، حضرت عبیداللہ بن عمر کو ان کے خلاف اس درجہ مشتعل کیا گیا کہ انھوں نے تلوار سونت لی، اور ان دونوں کو قتل کر دیا، ہرمزان نے قتل ہوتے وقت صلیب بنائی اور جفینہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور جان دیدی، یہ لوگ یقیناً شریک سازش نہ تھے، ا

کیونکہ اگر یہ مجرم ہوتے تو حضرت عثمانؓ ان کی دیت نہ دیتے، لیکن شریک سازش نہ ہونے کے باوجود بھی ان سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا، لیکن ان کے فجائی اور فوری قتل نے وہ آخری شہادت بھی ضائع کر دی جو اس سلسلہ میں دستیاب ہو سکتی تھی، یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ جو سازش کرنے والوں کو حاصل ہوئی، اور اس سے بڑی اور نہایت اہم کامیابی یہ تھی کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو اس سلسلے میں مزید تحقیق و جستجو سے روک دیا، اور حالات نے ایسی نازک اور کٹھن صورت اختیار کر لی تھی کہ حضرت عثمان جیسی نرم خو ہستی اس کے سوا کچھ کر بھی نہ سکتی تھی، ا

لیکن ملاطفت، نرم خوئی اور خطاپوشی کے باوجود حضرت عثمانؓ سے بھی طالع آزما وہ کچھ حاصل نہ کر سکے جس کی ابتدائی کامیابیوں کے بعد انھیں توقع تھی، حضرت عثمانؓ نے عنان حکومت ایک بادشاہ کی حیثیت سے نہیں ایک خلیفہ راشد کی حیثیت سے سنبھالی، اور کیوں نہ سنبھالتے، کیا وہ رسولؐ کے صحابی جلیل نہ تھے؟ کیا اسلام کی راہ میں کبھی کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ کیا؟ کیا انھوں نے اپنے مال اور دولت کا بہت بڑا حصہ محض خوشنودئ رسولؐ اور طاعت الٰہی کے پیش نظر رضاکارانہ جذبہ سے صرف نہیں کر دیا؟، جب کبھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت پڑی کوئی وقت آیا، وہ کسی مصیبت سے دوچار ہوئے تو کیا وہ عثمانؓ ہی نہیں تھے، جنہوں نے اپنی جیب کی آخری پائی بھی راہ اسلام میں قربان کر دینے سے انکار نہیں کیا؟

کوئی شبہ نہیں ان کے حلم اور نرم خوئی سے کئی لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے ملی مفاد کو نقصان عظیم پہنچایا، لیکن جہاں تک خود حضرت عثمان کا تعلق تھا، انھوں نے ان جمہوری اور دینی روایات و آثار کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی، جو آں حضرتؐ کے وقت سے اب تک

زیادہ سورش بڑھی توصحابہ کرام نے اصلاح کے لئے قدم اٹھایا، اور حضرت زید بن ثابت انصاری، ابو اسید ساعدی، کعب بن مالک ، اور حسان بن ثابت نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے جاکر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں، آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں ہیں جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپؐ کی صحبت اٹھائی ہے، آپؐ کی باتیں سنی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب ہیں، ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے، جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کو بھی حاصل نہیں تھا، کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے، آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں اس خوش آئند طریقہ سے حضرت علی نے اپنے خیالات پیش کئے، اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے، حضرت عثمان نے ان کا مناسب جواب دیا، اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی، !

حضرت علی کا مشورہ تو یہ تھا، لیکن جب حضرت عثمان نے ان لوگوں سے صلاح کی، جن میں سے کئی درحقیقت اس طوفان کے ذمہ دار رکھے تو انھوں نے کیا کہا، یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے، !

تاریخ اسلام (خلافت راشدہ) کے الفاظ ہیں، !

" جب ہر طرف سے اسی قسم کی شورش کی خبریں آنے لگیں، تو حضرت عثمان نے امیر معاویہ عبداللہ بن سعد، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر، اور عمرو بن العاص وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا، !

سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے، اگر ان کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بخود بکھر جائے گا۔

امیر معاویہ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے صوبہ میں امن و امان کا ذمہ دار قرار دیا جائے، شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، !

عبداللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندہ زر ہیں روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجئے

عدل و انصاف سے کام لیجئے، یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے کیجئے، !

حضرت عثمانؓ نے متعجب ہو کر پوچھا کیا تمہارا ابھی میری نسبت یہ خیال ہے، اس وقت عمرو خاموش رہے، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، حضرت عثمان کا جہاں تک تعلق تھا وہ اپنی طرف سے حالات کو درو براہ کرنے کی پوری سعی فرما رہے تھے، لیکن ان کی ہر سعی و کوشش وہ لوگ ناکام بنا دیتے تھے، جو بظاہر ان کے دست و بازو بنے ہوئے تھے، لیکن حقیقتاً ان کا وجود باوجود برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، !

حضرت عثمان نے حضرت علی وغیرہ کے مشورہ کے بعد تمام ممالک محروسہ میں اعلان عام کرادیا کہ میں ہر سال حج کے موقعہ پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے، اس وقت سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہیں، ان کا تدارک کرتا ہوں رعایا کے اس مال میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے جو اس کے مصارف سے بچ رہے، جس کے ساتھ کوئی ذیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقعہ پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے، یا صدقہ کر دے، کہ خدا صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، !

یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے، اور حضرت عثمان کے حق میں دعا کی، !

مسلمان آپ کا بیان سن کر رو دیئے، !

مسلمانوں نے آپ کے حق میں دعا کی، !

اس لئے کہ مسلمانوں کو آپ کی ذات پر اعتماد تھا، آپ کے قول کا یقین تھا، آپ کے وعدوں پر بھروسہ تھا، اپنی طرف سے اس اعتماد کو آپ نے قائم رکھنے کی پوری کوشش کی، اپنے قول کو نبھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، اپنے وعدوں کو بروئے کار لانے کی ہر سعی کر ڈالی لیکن آپ کی ہر کوشش ان لوگوں نے ناکام بنا دی جو آپ کی وفاداری کا دم بھرتے تھے، !

وہ اعتماد جو قائم ہو گیا تھا [illegible]

پھر آپ نے :-
تمام عمال کو حج کے موقعہ پر طلب کیا ، امیر معاویہؓ ، عبداللہ بن عامر وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوئے ، آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آتی ہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا :- یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں ، ان کی کوئی اصل نہیں ، محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہیں ،!

حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے ؟

سعید بن العاصؓ نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے - اس کا علاج صرف یہ ہے - کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے ،!

عبداللہ بن سعدؓ نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے ،

امیر معاویہؓ نے کہا میرے رقبۂ حکومت میں امن و امان ہے ، وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی ،

عمرو بن العاصؓ نے کہا آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں ،

یہ مشورہ سن کر پیکر حلم و عفو نے جواب دیا ،!

" خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی ، فتنہ کی چکی چلنے والی ہے اگر عثمان اس حالت میں مرگیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی ، تو اس کے لئے بشارت ہے ،!

تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کرو ، ان کے حقوق پورے کرو ، خدا کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو ،!

خوب غور کر لیجئے ، سعید بن العاص نے جو مشورہ دیا ہے وہ فتنہ کو کم کرنیوالا ہے یا اسے بڑھانے والا ، حضرت عثمانؓ اپنے عاملوں کو عوام کے حقوق پورے کرنے کی تلقین کرتے ہیں ، اور ان میں سے کوئی نرمی کا طعنہ دیتا ہے ، کوئی سختی کا مشورہ دیتا ہے ، کوئی شورش کی خبروں کو افواہ قرار دیتا ہے ،!

حضرت عثمانؓ پھر بے بس ہو جاتے ہیں ، شورش اور زیادہ بڑھتی ہے ، مخالفین کے

اعتراضات کا خلاصہ :-

حامیان انقلاب کی جانب سے یہ اعتراضات حضرت عثمانؓ کی طرف سے کئے جاتے تھے، وہ یہ ہیں ، !

۱- کبار صحابہ کو معزول کرکے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا، مثلاً مغیرہ بن شعبہ ، ابوموسیٰ بن اشعریؓ ، سعد بن ابی وقاصؓ ، عبداللہ بن مسعود ، عبداللہ بن ارقم ، اور عمرو بن العاص کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا ، !

۲- بعض اکابر صحابہ مثلاً ابوذر غفاری ، عمار بن یاسر ، اور عبداللہ بن مسعود کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا ، !

۳- بیت المال کا روپیہ بیجا طور پر صرف کیا ، اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں ، مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصّہ دے دیا ، عبداللہ ابن ابی سرح کو خمس کا پانچواں حصّہ عطا کیا ، عبداللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیا ، !

۴- بقیع کی چا گاہ کو اپنے لئے مخصوص کرلیا ، اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا ، !

۵- اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا ، !

۶- حدود کے اجراء میں تغافل برتا ، !

۷- ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلاڈالے ، !

۸- بعض نئی بدعتیں جاری کیں ، مثلاً سنّت رسولؐ اور سنّت شیخین کے خلاف منیٰ میں دو کی بجائے چار رکعت نماز پڑھی ، !

۹- فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا ، حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے ، !

۱۰- حاکم بن العاصؓ کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا تھا ، دوبارہ مدینہ بلالیا ، ا

۱۱- مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی ،

"اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کرکے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی، پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علیؓ، طلحہؓ، اور زبیرؓ کو بلا کر ان سے رائے لی، ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا، اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا، !

امیر معاویہ مکہ سے ساتھ ہی آئے تھے، شام جاتے وقت انھوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل بیان نہیں ہے، آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے، وہاں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا حضرت عثمانؓ نے جواب دیا خواہ میرا سر تن سے جدا ہو جائے۔ لیکن میں جوار رسولؐ کو نہیں چھوڑ سکتا، امیر معاویہ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لئے وہاں سے فوجیں بھیج دوں؟ فرمایا میں ہمسایگان رسول کو فوج کے مصائب میں گرفتار نہ کروں گا، امیر معاویہ نے چلتے چلتے پھر کہا، کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل —!"

اوپر کا بیان تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ) کا ہے، امیر معاویہ نے اس موقعہ پر جو مشورہ دیا اس سے کئی باتیں نمایاں طور پر واضح ہوتی ہیں، !

۱- ایک گورنر سربراہ مملکت کو حفاظت کے خیال سے اپنے دار الحکومت میں لے جانا چاہتا ہے گویا مرکزی حکومت کا سربراہ اتنا بے بس تھا کہ نظم و انتظام تو بڑی چیز ہے وہ اپنی حفاظت کا بندوبست بھی نہیں کر سکتا، اور گورنر اپنے دار الحکومت میں اتنا طاقت ور ہو چکا ہے کہ ہر خطرہ سے بے نیاز ہے، !

۲- جب یہ مشورہ سربراہ مملکت کے لئے قابل قبول نہیں ہوتا تو گورنر کی طرف سے مدینہ میں افواج بھیج دینے کی پیش کش ہوتی ہے، گویا مرکزی حکومت کو ان لوگوں نے جو عملاً اس پر چھائے ہوئے تھے، فوجی اعتبار سے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ سربراہ مملکت کی ذاتی حفاظت کے لئے بھی باہر سے فوج منگانے کی ضرورت تھی، دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل طاقت رفتہ رفتہ اور غیر محسوس طور پر مدینہ سے دمشق منتقل ہو چکی تھی، اور اس نے حال و مستقبل کی معرکہ آرائیوں کا پورا بندوبست کر لیا تھا، !

۳- یہ پیش کش بھی جب خلیفہ راشد قبول نہیں کرتا، کہ اسے جوار رسولؐ کی جدائی کسی قیمت پر

یہ وہ اعتراضات ہیں: حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ پر کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو بالکل ہی غلط ہیں، بعض ہیں واقعات کو مسخ کرکے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے، اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں (۱)"

تاریخ اسلام سے لے کر میں نے جو الزامات اوپر درج کئے ہیں، کوئی شبہ نہیں، ان میں بعض بالکل غلط ہیں، اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں، لیکن بعض میں کسی حد تک صداقت بھی ہے، !

ان الزامات کی صفائی میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بڑی حد تک صحیح اور درست ہے، لیکن بعض جگہ بیان صفائی کمزور ہے، مثلاً حکم بن العاص کے بارے میں یہ کہنا کہ:

حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا تھا لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپؐ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی، جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا، ؟"(۱)

لیکن اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپؐ سے اجازت لے لی گئی تھی، تو "جس کا علم عام طور سے لوگوں کو" نہ ہو، لیکن شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) تولاعلم نہیں رہ سکتے تھے، ان کے زمانے میں یہ شخص کیوں نہیں بلایا گیا، ۱۲، ۱۳ سال کے بعد، یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد اس اجازت سے "جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا!" کیوں فائدہ اٹھایا گیا؟ اگر رسول اللہؐ نے اجازت دے دیدی تھی، تو حکم بن العاص کو، عہد خلافت ابی بکر میں کیوں نہیں بلایا گیا؟ ان کے عہد میں اگر نہیں بلایا گیا تھا تو حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی دس سال تک وہ کیوں نہ بلایا گیا؟

اصل بات یہ ہے، اور اس کے تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے اردگرد کے لوگوں نے اکثر غلط مشورے دئیے، اور کئی مرتبہ اپنے غلط مشوروں کو حضرت عثمانؓ سے ان کی نرم خوئی کے باعث منوا لینے میں کامیاب بھی ہوگئے۔

بہرحال اب ہم آگے چلتے ہیں:-

---

۱) تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ) ۲) تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ)

بھی گوارہ نہ تھی، اور نہ وہ مدینۃ الرسولؐ میں باہر کی فوجوں کو بلاکر طاقت کی نمائش پر آمادہ ہوا تو اسے بتادیا جاتا ہے کہ:

"مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے۔"

یعنی قتل عثمانؓ اب اتنا یقینی ہوچکا تھا کہ وہ لوگ نہیں جو الگ تھلگ تھے، وہ لوگ جو رفیق اور ساتھی تھے، اس کی پیشین گو محتاط الفاظ میں کرنے لگے تھے،!

اور کوئی شبہ نہیں یہ پیشین گوئی بہت جلد پوری ہوگئی،!

جس ناگہانی حادثہ کا خطرہ تھا، بالآخر وہ پیش آکر رہا، فیا للاسف، فیا للحسرۃ،

حضرت عثمان اصلاح احوال پر صحابہ کرام کے مشورہ سے آمادہ ہوجاتے تھے، لیکن مروان وغیرہ آپ کی ہر سعی رائیگاں کردیتے تھے، ایسا ہی آخری واقعہ مصری یورش اور قتل عثمانؓ کا سبب بن گیا،!

مصر کے یورش پسندوں کو مطمئن کرکے اور حضرت عثمانؓ سے والیٔ مصر کے نام حسب دلخواہ فرمان لکھاکے اور اسے ان کے حوالہ کرکے حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ نے یقین کرلیا اب معاملہ ختم ہوگیا، شورش دب گئی، یورش اور شورش کے اسباب نابود ہوگئے،!

لیکن بنو امیہ کے آئندہ ہونے والے خلیفہ اور حضرت عثمانؓ کے ممنون کرم ——— مروان بن حکم، اموی کو یہ منظور نہ تھا،!

"مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی حضرت عثمانؓ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے اور اصلاحی صورت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کو بلاکر فرمایا کہ آپ جو مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں، آپ باغیوں کو واپس کردیجئے، چنانچہ تیس مہاجر و انصار صحابہ نے انھیں سمجھا بجھا کر واپس کیا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کرکے اور آئندہ کے لئے اپنا طرز عمل بتایا، یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے،! لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا، حضرت محمد بن مسلمہ نے جاکر ان سے واپسی کا سبب پوچھا انھوں نے کہا ہم کو راستے

میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی جانب جاتے ہوئے ملا ، ہم کو شک ہوا ، تلاشی لی تو اس کے پاس
والی مصر کے نام حضرت عثمانؓ کا فرمان ملا ، جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے
کا حکم تھا ، ۔ حضرت علیؓ نے محمد بن مسلمہ کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کے پاس جاکر یہ واقعہ بیان کیا ،
آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی ، نہ میں نے ایسا حکم لکھا ، نہ کسی سے لکھوایا ، اور نہ اس کے متعلق مجھے
کوئی علم ہے ، سب نے اس بیان کی تصدیق کی ، باغیوں کو یقین ہوگیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے
لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے ، اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی
ان کے ہاتھ آگئی تھی ، چنانچہ انھوں نے کہا کہ جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں
ان پر اس کی مہر لگائی جائے ، اور سرکاری ہرکارہ اسے لیکر جائے ، اور اس کو خبر تک نہ ہو ، ایسا
شخص ہرگز خلافت کے قابل نہیں ہے ، اس لئے آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیے ، آپ
نے جواب دیا خدانے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا ، البتہ جو کچھ
ہو چکا اس پر ندامت ہے ، اور آئندہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہوں ، لیکن باغی کوئی معذرت
سننے کے لئے تیار نہ ہوئے ، انھوں نے کہا کہ اگر تم خلافت سے دست بردار نہیں ہوتے تو ہم تم کو
قتل کرکے چھوڑیں گے ، اور جو شخص مزاحم ہوگا ، اس کا بھی مقابلہ کریں گے ،

مروان بن حکم کا نام بھی آیا ہے ، ضروری ہے کہ اس کے بارے میں بھی ضروری معلومات حاصل
کر لی جائیں ، میں نے اس موقعہ پر مناسب یہ سمجھا ہے کہ یہ تعارف ، ایک ایسی تاریخ سے کراؤں
جو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول ہے ، عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے ، اور جس کی
صحت واستناد کو معیار مانا جاتا ہے ، !

مروان بنو امیہ کی دوسری شاخ بنی العاص سے تھا ، مروان کا باپ حکم بن العاص
حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا ، فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا ، لیکن اس کے دل میں اسلام
راسخ نہ ہوا تھا ، اندرونی طور پر مسلمانوں کا دشمن رہا اور ان کے اسرار فاش کیا کرتا
تھا ، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طائف جلاوطن کر دیا تھا ،
مروان اس زمانہ میں صغیر السن تھا ، اس لئے وہ بھی باپ کے ساتھ طائف میں رہا ، !
حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں اسے مدینہ واپس بلالیا ، آپ کو حکم اور مروان

سے بڑی محبت تھی، حکم کی موت کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور اسے اپنا سکریٹری بنا لیا تھا، آپ کی مہر وغیرہ اسی کی تحویل میں رہتی تھی، اسی نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے مصر کے والی کو لکھ دیا تھا، کہ مصری باغیوں کے سرغنہ پکڑ کر قتل کرائے جائیں، جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا[1]،!

گویا دوسرے الفاظ میں مروان نے اپنے محسن اعظم کے قتل کا سبب تک بننے میں اس لئے دریغ نہیں کیا کہ اس کی سربلندیوں کا راستہ ہموار ہو جائے، کیا ان واقعات اور حقائق کی روشنی میں قتل عثمانؓ کی ذمہ داری مروان اور اس کے اخوان و اعوان کے علاوہ کسی اور پر ڈالی جا سکتی ہے؟

امیر معاویہ قاتلین عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ زندگی بھر حضرت علیؓ سے کرتے رہے، لیکن حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اور اپنی حکومت مستحکم ہونے کے باوجود قاتلین عثمان سے قصاص نہ لے سکے، اور ان قاتلوں کو جس شخص نے قتل عثمانؓ پر اکسایا تھا، یعنی مروان اسے مناصب جلیلہ پر فائز کرتے رہے، حتیٰ کہ مدینہ کا والی تک بنا دیا[2]، اور اس مروان نے امیر معاویہ کے ساتھ بھی تقریباً وہی کیا، جو حضرت عثمانؓ کے ساتھ کیا تھا، یزید کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے اس شرط پر شادی کر لی کہ خالد بن یزید کو ولی عہد بنائے گا لیکن نکاح کے بعد اس شرط کو فراموش کر کے اپنے بیٹے عبد الملک کو ولی عہد مقرر کر دیا،

بہرحال اب کہ میں پھر اصل موضوع پر آتا ہوں، مصر کے باغی مطمئن نہیں ہوئے،، گو اس مرتبہ پھر حضرت علیؓ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا، لیکن اب ان کے سروں پر خون سوار ہو چکا تھا، اس لئے آپ واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، کہ باہر سے کوئی شئے اندر نہ جانے پاتی تھی، اس وقت بھی جاں نثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی، لیکن آپ نے بہ اصرار سب کو واپس کر واپس کر دیا، چند نوجوان حضرت امام حسینؓ، ابن عباسؓ، محمد بن طلحہ، اور عبداللہ بن زبیرؓ، وغیرہ واپس نہ گئے،!

---

[1] تاریخ اسلام (عہد بنی امیہ) ص ۷۰، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ،

آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا، حضرت علیؓ اور ام المومنینؓ، حضرت ام حبیبہؓ، کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لئے گئے، لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا، ان میں خطا و صواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی، ا

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی، باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا، ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی، صحابہ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے، یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے، کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے، لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا، اور آپ نے جانے کا قصد کیا، تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا، آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا، اور فرمایا جو حالت ہے دیکھ لو اور جاکر کہہ دو ۔ ا

اب حضرت عثمانؓ سامنے آئے اور انھوں نے ان سرکشوں اور باغیوں اور شورش پسندوں سے براہ راست خطاب کیا، اور دل ہلا دینے والے الفاظ میں اپنے خدمات ——— جو راہ اسلام میں انجام دیئے تھے ——— بیان کئے، ا

اور ان لوگوں کو پر امن رکھنے کی کوشش کی، ایک روز آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، ا

"کیا تمہیں نہیں معلوم جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے تو مسجد بہت تنگ تھی، آپؐ نے فرمایا اس قطعۂ زمین کو خرید کر کون مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی، اور اس زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا، آج تم اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے مجھے روکتے ہو، ا

میں خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں کیا تم کو نہیں معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا کوئی دوسرا کنواں نہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا، اور آج تم مجھے اس کنویں کے پانی سے روکتے ہو، ا

"مکہ نہ جاؤں گا، کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خوں ریزی سے باز نہیں آئیں گے، اور میں رسول اللہؐ کی اس پیش گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھا دے گا، اور اس پر آدھی دنیا کا آدھا عذاب نازل ہوگا، !" (۱)

اور جس وقت حضرت عثمانؓ مکہ نہ جانے کا سبب، آں حضرتؐ کی ایک پیش گوئی کو قرار دے رہے تھے، انھیں کیا معلوم تھا کہ یزید کے دور حکومت میں واقعہ حرہ کی صورت میں یہ پیش گوئی جلد صادق آنے والی ہے، !

صورت احوال نازک سے نازک تر ہوتی جا رہی تھی - آخر ایک روز، اور یہی یوم شہادت تھا، :

" روزہ رکھا ایک پائجامہ جسے آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا زیب تن کیا، بیس غلام آزاد کئے، اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہوگئے، اس وقت قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن مسلمہؓ اور بہت سے صحابہ زادے باغیوں کو روکے ہوئے تھے، کچھ معمولی سا کشت و خون بھی ہوا - جب انھیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، تو انھوں نے پھاٹک میں آگ لگادی، اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہوگئے - حضرت عثمانؓ تلاوت میں مصروف تھے -

ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا، اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرا دیا، ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمانؓ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے زبان مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہوگیا - اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کئے، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے نہ دیکھا گیا

---

۱) تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ)

کیا تم کو معلوم نہیں، کہ میں ہی نے جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا، سب نے کہا ہاں سچ ہے،!
لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا، اس لئے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی،!

میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، قسم دے کر پوچھتا ہوں کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حرا پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا آپ صلعم نے ٹھوکر مار کر فرمایا، حرا ٹھہر جا، کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبیؐ، ایک صدیق، اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی، پھر آپؐ نے فرمایا، میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں جو بیعت رضوان میں موجود تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا، تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی، سب نے کہا ہاں سچ ہے،!

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے، تو آخری تقریر فرمائی"!

لوگو آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو مسلمان مرتد ہو جائے یا پاک دامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو یا کسی کو قتل کرے، اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے، خدا کی قسم جب سے خدا نے مجھے ہدایت دی ہے میں نے اپنے مذہب کے مقابلے میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا، نہ زمانۂ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا، اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا، پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو،!"

یہ کتنی دلدوز اور اثر انگیز تقریر تھی، لیکن کسی پر اثر نہ ہوا، جو لوگ حضرت کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے وہ اپنے فیصلہ پر اڑے رہے، وہ دیکھ رہے تھے، مروان اب بھی حضرت کا معتمد بنا ہوا ہے، وہ سمجھ رہے تھے یہ ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلائے گا،!

اس موقع پر بعض صحابہ نے اپنے رفقا کے ساتھ حضرت کی حمایت میں جنگ کرنی چاہی آپ نے روک دیا، مغیرہ بن شعبہ نے مکہ یا امیر معاویہ کے پاس شام چلے جانے کا مشورہ

شہادت علیؑ ــــ سازش کی تکمیل

ـــــ • آں حضرت کی دعوت ، اسلام کا جواب ، مشرکین مکہ کی طرف سے انکار و طغیان کی صورت میں ملتا ہے ، سارا شہر دشمن اور مخالف ہو جاتا ہے ، اذیت رسانی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ، زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے ، مکہ کے بت پرست اپنے اصنام کی برائی سن کر مشتعل ہو جاتے ہیں ، آپؐ کا بائیکاٹ کر دیتے ہیں اور ہر قیمت پر صدائے حق کو بند کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ، !

آں حضرتؐ بالکل تنہا ہیں نہ کوئی یاور ہے نہ مددگار ، نہ دعوت حق پر لبیک کہتا ہے نہ داعی اسلام کا کوئی ساتھ دیتا ہے ، لیکن وہ نبی برحق اپنے تبلیغی فرض کو ادا کر رہا ہے ، اور اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہے ، ایک روزہ نماز پڑھ رہا ہے ، ایک نو عمر لڑکا آتا ہے اور اس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے ، آج پہلی مرتبہ وہ امام ہے ، اور یہ لڑکا اس کا مقتدی ــ یہ علی ہے ، !

ـــــ • بعثت نبوی کے چوتھے سال اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے ۔ وانذر عشیرتک الاقربین ۔ اپنے قریبی عزیزوں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ ،

آپؐ اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں ، کوہ صفا پر اپنے اہل خاندان کو جمع کرتے ہیں ، اور ان سے فرماتے ، :-

بنو مطلب ، ـــ میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت

وہ بیتابانہ بچانے کے لئے دوڑیں ، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں ۔ اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا ، شہادت کے وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے :۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ اور اس طرح ، ایک اور خلیفۂ راشد ، سازش اور بغاوت کی بھینٹ چڑھ گیا ، !

پیش کرتا ہوں ، تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے ، تم میں سے کون میرا معاون اور مددگار بنے گا ، !

سب خاموش ہیں —— لیکن دفعتہً فضا میں ایک آواز گونجتی ہے ، !

"گو میں عمر میں چھوٹا ہوں ، گو میری ٹانگیں کمزور ہیں ، تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت باز و بنوں گا ۔ !؟"

آں حضرت صلعم تین مرتبہ اس سوال کو دہراتے ہیں اور تینوں مرتبہ یہی ایک آواز بلند ہوتی ہے ، !

آں حضرت محبت بھری نظر سے اسے دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں ، !

تم میرے وارث اور بھائی ہو ، ! ؟ (ا)

ان الفاظ سے جسے افراز فرمایا گیا۔ وہ علی تھا ، !

—— ● مشرکین مکہ کی شرارتیں ، اذیت رسانیاں اور معاندانہ حرکتیں حد سے بڑھ جاتی ہیں ، اور خود رسالت مآب صلعم ہجرت کا فیصلہ کرلیتے ہیں ، !

مشرکین نے فیصلہ کرلیا ہے کہ حق کی اس آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کردیں ، قتل نبی کا پروگرام بنتا ہے ، سوال پیدا ہوتا ہے اگر کسی قبیلہ و احد کے شخص نے محمد صلعم کو قتل کیا تو قبائلی جنگ بھڑک اٹھے گی ،

اس کا حل یہ سوچا گیا کہ تمام قبائل کا ایک ایک آدمی قاتلانہ حملہ میں شریک ہو ، محمد صلعم کے اہل خاندان اگر انتقام پر آمادہ ہو جائیں تو کسی ایک آدمی یا کسی ایک قبیلہ سے تو انتقام لے سکتے ہیں لیکن اگر قتل میں ہر قبیلہ کا نمائندہ شریک ہو تو ساری قوم سے تو نہیں لڑ سکتے ، ! ۔

یہ پروگرام بنا کر یہ لوگ خانہ نبوت کا محاصرہ کرلیتے ہیں ، آپ رفیق غار و قبر ،

ا) مولانا شبلیؒ نے اپنی سیرت النبیؐ میں ، اور شاہ معین احمد ندوی نے اپنی تاریخ اسلام میں یہ واقعہ درج

ابوبکرؓ کے ساتھ ان حملہ آوروں کی نظر بچا کر ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن گھر چھوڑنے سے پہلے ایک نوجوان کو بلاتے ہیں، اسے اپنے ارادہ کی خبر دیتے ہیں، صورت احوال بتلاتے ہیں، پھر فرماتے ہیں تم میرے بستر پہ چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ،!

وہ نوجوان بغیر کسی تامل اور جھجک کے بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹ جاتا ہے، تاکہ قاتل جب قتل کے ارادے سے آئیں تو اسے چادر اوڑھے دیکھ کر یہی سمجھیں کہ محمدؐ سو رہے ہیں، اور اپنے دل کی حسرت پوری کرلیں، یعنی اسے قتل کردیں،!

یہ محمدؐ کے بجائے قتل ہونے کے لئے ان کے بستر پر لیٹنے والا کون تھا ـــــ علیؓ!

ـــــ وہ کون تھا جسے زبان رسالت پناہؐ سے یہ سند ملی

انا مدینة العلم وعلی بابها ؟

میں علم کا شہر، اور علی اس کا دروازہ ہیں،! (۱)

ـــــ وہ کون تھا جس کی قوت فیصلہ اور قوت قضا پر آپؐ کو اتنا اعتماد تھا کہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد اسے وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا ـــــ کیا وہی نہیں جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا،!

اقضاھم علی، صحابہ میں سب سے بڑے قاضی علیؓ ہیں،!؟

ـــــ وہ کون سرچشمہ تھا، جہاں سے تصوف کے سوتے پھوٹے،؟ وہ کون ہے کہ جس پر صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل، حسن بصری کے واسطے سے منتہی ہوتے ہیں،!

" صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصریؒ نے علیؓ سے فیض پایا تھا،! (۲)

شاہ ولی اللہ کا قول ہے (۳)؟

" ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری کو قابلیتہً حضرت علیؓ سے نسبت ہے،!

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عہد نامہ میں جب آں حضرتؐ کے اسم گرامی کے آگے لفظ "رسول"

---

۱) یہ روایت صحاح کی ہے،! (۲) مسند ابن حنبل ج ۱، ص ۶۹ - (۳) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ،

فاقے سے سو رہتے تھے، کلام اللہ کی یہ آیت " وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّ أَسِيرًا ۔ اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی ۔"

وہ علیؓ ہی تو تھے کہ خیبر کا معرکہ جب نہ صدیق اکبرؓ سے سر ہو سکا، نہ فاروق اعظمؓ سے نہ دوسرے صحابہ کرام سے، تو رسولؐ نے فرمایا کل پرچم میں اس کے ہاتھ میں دوں کا جو فتح کرکے آئے گا، علی مرتضےٰ آشوب چشم میں مبتلا اپنے خیمہ میں خلوت گزیں تھے، کسی کا ادھر دھیان بھی نہ گیا، دوسرے روز آپ نے پوچھا، علیؓ کہاں ہیں، !

تبایا گیا آشوب چشم میں مبتلا اور صاحب فراش ہیں، !

ارشاد ہوا، علیؓ کو بلاؤ، !

علیؓ حاضر ہوئے، آپؐ نے لعاب دہن علیؓ کی آنکھوں میں لگایا، پرچم اسلام ہاتھ میں دیا اور رخصت کر دیا، علیؓ گئے، اور کامیاب و کامران واپس آگئے، حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر کہا تھا کہ علیؓ پر مجھے بھی اتنا رشک نہیں آیا جتنا اس دن[۱]!

—— ● جہاد اور کفار و مشرکین سے ہر جنگ میں علیؓ شریک رہے، اور اپنی شمشیر خارہ شگاف کے جوہر دکھاتے رہے، حق و باطل کی اس جنگ میں رشتہ داری، اور قرابت کا کبھی خیال بھی نہیں آنے دیا، !

قریش نے اس وعدے پر عمل نہ کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کی آزادی کے لئے ان سے چاہا تھا، بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے برابر دشمنی کرتے رہے آخرکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سو مسلمانوں کے ساتھ بدر تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر آپؐ کو معلوم ہوا کہ مکہ سے آنے والوں کی تعداد ہزار سے بھی زیادہ ہے، آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا کہ مقابلہ کریں یا مدینہ واپس ہو جائیں؟ تو حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی انہی لوگوں میں تھے، جنہوں نے جنگ کے حق میں رائے دی اور جب لڑائی شروع ہوئی معرکہ کارزار گرم ہوا تو مسلمانوں کا پہلا شہید حضرت عمرؓ کا غلام مہجع تھا، لڑائی کے دوران میں

---

۱) تفصیل مولانا شبلی کی سیرت النبیؐ اور دوسری کتب سیر میں دیکھی جائے

لکھا گیا ، تو مشرکین مکہ کا نمائندہ چڑ گیا کہ اگر ہم آپؐ کو رسول مانتے تو پھر جھگڑا ہی کا ہے کا تھا ، ؟
آپؐ کو چونکہ صلح زیادہ عزیز تھی ، لہٰذا اس پر تیار ہو گئے کہ عہد نامہ میں آپؐ کے نام کے آگے
"رسول" نہ لکھا جائے ، ـــــ مگر وہ کون عاشق رسولؐ تھا ، جس کے ہاتھ اذن رسولؐ پا کر
بھی لفظ "رسول" اپنے قلم سے کاٹنے پر آمادہ نہ ہوئے ؟ ـــــ وہی علیؑ

ـــــ ● یہ علیؑ تھا ، جس نے :-

"معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی[۴] حضرت فاطمہؓ اپنے ساتھ
جو مختصر سا جہیز لائی تھیں ، اس پر تا عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا ، آپؓ کے ساز و سامان میں ایک
مینڈھے کی کھال تھی جو لبستہ کا کام دیتی تھی[۵] اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی کہ اگر
سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتا تھا ، اور پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا[۶]
کوئی ملازم نہ تھا ، گھر کا سارا کام حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں ، چکی پیستے پیستے
ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے ، کئی کئی دن گھر میں چولھا نہ جلتا تھا ، ایک مرتبہ کئی فاقوں کی نوبت آگئی
بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے ، اور اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر
مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں[۷] ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا ، اپنی تلوار بیچ کر خورد و نوش کا سامان کیا[۸]"

ـــــ ● یہ علیؑ تھا ، عبادت اور ریاضت جس کا اوڑھنا بچھونا تھا :-

"زبیر بن سعید قریشیؒ کا بیان ہے اپنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گذار نہ تھا[۹]
عائشہ فرماتی تھیں کہ وہ (علی) قائم اللیل اور صائم النہار تھے[۱۰] بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام
اللہ کی اس آیت محمد الرسول اللہ والذین معہ الآیہ میں رکعا سجدا -
سے مراد حضرت علی ہیں[۱۱]"

ـــــ ● یہ علیؑ تھا جس کے در سے :-

"کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا ، قوت لایموت تک سائلوں کو دیدیتے تھے - اور خود

---

[۴] تہذیب الاسماء ص ۳۴۶ [۵] کنز العمال جلد ص ۴۰۹ [۶] سیرۃ الخلفا تذکرہ علی [۷] کنز العمال ص ۴۰۹
[۸] مسندرک جلد ۳ ص ۱۰۸ [۹] ترمذی کتاب المناقب مناقب علی [۱۰] تفسیر فتح البیان جلد ۹ ص ۴۸

حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا ، ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دن سعید بن العاص سے ملے اور کہا : . میں دیکھتا ہوں تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی بات ہے . شاید تم مجھے اپنے باپ کا قاتل سمجھتے ہو ، اگر میں انھیں قتل کرتا تو کبھی تم سے معذرت نہ کرتا ، لیکن میں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کیا ہے ، تمہارے والد کے پاس سے میں گذرا ضرور تھا وہ بیل کے سینگ ٹٹول رہے تھے ، میں تو ہٹ گیا ، لیکن ان کے چچازاد بھائی علیؓ نے انھیں دیکھا اور قتل کر ڈالا[۱]

علیؑ کی منزلت : -

خدا کا نبیؐ تیس ہزار کی جمعیت سے تبوک کو روانہ ہوا ، !

مدینہ پر سباع بن ارفطہ[۲] کو خلیفہ بنایا اور علی مرتضےؑ[۳] کو مدینہ میں اہل بیعت کی ضرورت کے لئے مامور فرمایا ، لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی ، اٹھارہ شخصوں کے لئے ایک اونٹ مقرر تھا رسد کے نہ ہونے سے اکثر جگہ درختوں کے پتے کھانے پڑے ، جس سے ہونٹ سوجھ گئے تھے ، پانی بعض جگہ ملا ہی نہیں ، اونٹ اگر چہ سواری کے لئے پہلے ہی کم تھے ، ذبح کر کے ان کی امعا کا پانی پیا کرتے تھے ،[۴]

الغرض صبر و استقلال سے تمام تکالیف برداشت کرتے ہوئے تبوک پہنچ گئے ، !

ابھی تبوک کے راستہ ہی میں تھے کہ علی مرتضےٰ بھی پہنچ گئے ، معلوم ہوکہ منافقین بعد میں حضرت علیؑ کو چڑانے لگے تھے ، کوئی کہتا کہ نکما سمجھ کر چھوڑ دیا ، کوئی کہتا ترس کھا کر چھوڑ دیا ، ان باتوں سے شیر خدا کو غیرت آئی ، دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے ، !

لمبے لمبے سفر اور سخت گرمی کی تکلیف سے پاؤں متورم اور چھالے پڑ گئے تھے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا ترضی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ‘‘ علی تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے ویسے ہی ہو جیسا کہ موسیٰؑ کے لئے

---

۱) عمر فاروق اعظم (محمد حسین ہیکل) ترجمہ اردو ، ۲) طبری ، ۳) بخاری و مسلم ، ۴) مدارج النبوۃ ، ۵) رحمۃ للعالمین (مولانا سلیمان منصورپوری) نیز سیرۃ النبیؐ مولانا شبلی و دوسری کتب سیر ،

ہارونؑ تھے، گو میرے بعد کوئی نبی نہیں، یہ سن کر علی مرتضیٰ خوش وخرم مدینہ کو واپس تشریف لے گئے"!

علیؓ:

آخری حج سے واپسی پر:

"راہ میں ایک مقامِ خم پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں، اور اس لئے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدیر خم آتا ہے، آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا،!

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا البشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور فخذ وا کتاب اللہ واستمسکو بہ واھل بیتی اذکر کم اللہ فی اھل بیتی،

حمد وثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہل بیعت ہیں میں اپنے اہل بیعت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں،

آخری جملہ کو آپؐ نے تین دفعہ مکرر فرمایا، یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی کی منقبت ظاہر کی گئی ہے، ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے،

من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ،

جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو محبوب ہونا چاہیئے، الٰہی جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ، اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ،

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی، بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علی یمن بھیجے گئے تھے، جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے، یمن میں انھوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا، جس کو ان کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا؛ ان میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلعم سے شکایت کی، آپؐ نے فرمایا علیؓ کو

اس سے زیادہ حق تھا "عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنے کے لئے اس موقعہ پر آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے ،!" (۱)

اسی واقعہ کی مزید تفصیل :-

"حج سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود شعائر اللہ کی تعظیم ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسمعیلؑ کے سنن ہدیٰ کا احیا ، کفار کے مشرکانہ رسوم کا ابطال توحید خالص کا اعلان ، تعلیم اسلام کی اشاعت عامہ تھا ، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں آخری تبلیغ فرمائی تھی ، اس لئے حج کا نام حجۃ البلاغ بھی ہے اور چونکہ اس حج میں آنحضرتؐ نے امت سے کلماتِ تودیع فرمائے تھے ، اس لئے اس کا نام حجۃ الوداع ہے ، !

الغرض حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان کامیابی کے بعد ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے سامنے توحید کی تعلیم وعمل اور البلاغ والوداع کے بعد مسرور و مبتہج مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے ، راہ میں بریدہ اسلمی نے علی مرتضےٰ کی نسبت کچھ شکایات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک پہنچائیں ، شکایات کا تعلق حضرت علی مرتضےٰ کے چند افعال سے تھا ، جو حکومت یمن میں جناب مرتضوی سے تقسیم غنیمت وغیرہ کے متعلق صادر ہوئے تھے ، !

درحقیقت شکایت کی بنیاد بریدہؓ کا قصور فہم تھا ، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خم پر ایک فصیح خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں اہل بیعت رضوان اللہ علیہم کی شان و منزلت کا اظہار فرمایا اور علی مرتضےٰ سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے ، !

اس خطبہ کے بعد عمر فاروق نے علی مرتضےٰ کو اس شرف پر مبارکباد دی اور بریدہؓ نے باقی عمر علی مرتضےٰ کی محبت و متابعت کو پورا کیا ۔ بالآخر یہ بزرگوار جنگ جمل میں شہید ہوئے تھے ، (۲)

—— • وہ بھی علی کے سوا کون تھا ، جس نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی جان بچائی اور حضرت عمرؓ کی مخالفت کے باوجود انھیں رحمۃ للعالمینؐ کے آستانۂ عفو و کرم تک پہنچا دیا ، !

---

(۱) صحیح بخاری باب بعث علی الی الیمن ، و ترمذی مناقب حضرت علی ، (۲) رحمۃ للعالمین (مولانا سلیمان منصورپوری)

یہ بڑا نازک وقت تھا، اس وقت جان بچانے، امان حاصل کرنے، اور زندگی کی بھیک مانگنے جو لوگ آئے تھے،:-

"یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ایذائیں دی تھیں، اور اسلام کے مٹانے میں بڑی بڑی کوششیں کی تھیں، آں حضرتؐ نے انھیں دیکھا - اور اپنا رخ پھیر لیا ام المومنین ام سلمہؓ نے عرض کی -

یارسول اللہؐ - ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے، اور عبداللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے۔ اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں -

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتلائی کہ جن الفاظ میں برادران یوسف علیہ السلام نے معافی کی درخواست کی تھی، تم بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں جا کر ان الفاظ کا استعمال کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و رحم سے امید ہے کہ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے، انھوں نے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر یہ آیت پڑھی :- "تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا :- لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین (۱)

——● گردش شام و سحر اپنی منزل طے کرتی رہی، حالات بدلتے رہے، طوفان آتے رہے، انقلابات برپا ہوتے رہے، خانہ جنگیاں ہوتی رہیں، !

یہاں تک ایک روز مسند خلافت پر علی جلوہ فرما ہوئے، ! یہ فتنہ و فساد کا عہد تھا، ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھر رہا تھا، سربلندی اور سرافرازی کے لئے جنگیں ہو رہی تھیں، حق و باطل کی کشمکش جاری تھی، ان حوصلہ شکن اور روح فرسا حالات میں بھی علی رسولؐ کے راستے پر چل رہے تھے، اور اپنے عمل سے اسی کی دعوت دے رہے تھے، !

ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے بیت المال سے

---

(۱) زادالمعاد ج ۱، ص ۳۱۴

اتنا اثر ہوا کہ مسلمان ہوگیا، اور کہا کہ یہ تو انبیاء کا جیسا انصاف ہے، کہ امیرالمومنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے،[1]

ہر قسم کی تکلیفیں اٹھاتے تھے، لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبّہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے، ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی پرانی چادر اوڑھے تھے، بدن کانپ رہا تھا، ایک شخص نے عرض کیا، امیرالمومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے، آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا میں تمہارے حصّہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، یعنی اگر میں حصہ سے زیادہ لوں، تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی، یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا،[2]

آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپ کے لئے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر لئے اور آپ سے عرض کیا بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے، لیکن آپ اپنے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑتے، اس لئے میں نے آپ کے لئے ایک چیز چھپائی ہے، فرمایا وہ کیا، قنبر نے عرض کیا چل کر ملاحظہ فرمالیجئے، آپ نے جا کر دیکھا، تو سونے اور چاندی کے برتن تھے، انھیں دیکھ کر فرمایا، تیری ماں تجھ کو روئے، تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا، اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے،[3]

غذا بہت معمولی، لباس نہایت سادہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ عبداللہ بن زریر نامی ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا، ابن زریر نے عرض کیا، امیرالمومنین آپ کو پرندہ کے گوشت کا شوق نہیں ہے، فرمایا خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف تین پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل و عیال کو کھلائے، اور تیسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے،[4]

نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے، ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا، فرمایا کتنا

---

۱) ابن اثیر جلد ۳، ص ۱۹۰ ۲؎ ابن اثیر جلد ۳، ص ۱۵۹، ۳؎ کنز العمال جلد ۶ ص ۹ ۴؎ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۷۸

دس ہزار کی رقم لے لی، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لئے لکھا، انھوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے فہمائش کرکے واپس لے لیا، ! (۱)

اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے، اس میں شہد اور چربی بھی تھی، حضرت علی کی صاحبزادی ام کلثوم نے مانگ بھیجا، عمرو بن سلمہ نے ایک پیپہ شہد اور ایک پیپہ چربی بھیجدی دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے، عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا انھوں نے بتا دیا، آپ نے اسی وقت دونوں پیپے منگا لیے، اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہوچکا، اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع بیت المال کے نگراں تھے، انھوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا، حضرت علی نے دیکھ کر پہچان لیا، پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا، میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کروں گا، ابو رافع نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا، حضرت علیؓ نے فرمایا تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہ سے میری شادی ہوئی ہے، تو میرے پاس مینڈھے کی ایک کھال تھی، جس پر رات کو سوتا تھا، اور دن کو اسی پر مویشی کو چارہ دیتا تھا، ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا[3]

آپ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے، اگر خود کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا، اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا، ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی، حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچانا، اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے، قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ پاس کوئی ثبوت ہے آپ نے فرمایا نہیں، قاضی شریح نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا، اس فیصلہ سے یہودی

خوش ذائقہ اور خوش رائحہ ہے۔ لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا، جس کا وہ عادی نہیں ہے[1]

—— امیر معاویہ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان فرمائے تھے جو آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے، !

"وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ بات کہتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا، اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے گھبراتے تھے رات کی تاریکی میں اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے، عبرت پذیر اور بہت غور فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے، تو اس کا جواب دیتے تھے، اگرچہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے غریبوں کو مقرب بناتے تھے، لیکن ہم لوگ ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کرتے تھے، وہ دین داروں کی تعظیم کرتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل کی طمع نہیں کرسکتا تھا، اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا، بعض مواقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں، اور اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مار گزیدہ کی طرح، بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں، کہ اے دنیا کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے، افسوس افسوس میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، تیری عمر تھوڑی، اور تیرا مقصد حقیر ہے، !

ہائے ہائے سفر طویل راستہ وحشت ناک، اور زاد سفر تھوڑا ہے[2]

یہ اوصاف سن کر امیر معاویہ رو دیئے، اور کہا خدا ابوالحسن (علی) پر رحم کرے، بخدا وہ ایسے ہی تھے"![3]

یہ تھے علیؓ، !

---

[1] کنز العمال ص ۱۰۱ ج ۱۳ [2] ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۱۲ [3] تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ)

لیکن جیسے ہی یہ مسند آرائے خلافت ہوئے، ہر طرف سے مخالفت شروع ہوگئی، جن لوگوں نے برضا ورغبت بلا جبر واکراہ کے بیعت کی تھی، وہ بھی مفسدوں اور فتنہ پردازوں کی باتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ مخالفین کے ساتھ شریک ہوگئے، جن کی بے لوثی، پاک نفسی اور خلوص نیت آفتاب کی طرح روشن ہے، وہ بھی خطائے اجتہادی کے شکار بن گئے،!

ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، ابتدائی اختلاف کے بعد سارا عرب ان کے ساتھ تھا، علی کا پورا تعاون انھیں حاصل تھا،!

عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالی تو گو کچھ لوگوں نے نکتہ چینی کی، اور اس انتخاب کی کامیابی پر شک وشبہ کا اظہار کیا، لیکن ابوبکرؓ کے اخلاص نے سب کو ہمنوا بنادیا، سب نے عمرؓ کو خلیفہ مان لیا علیؓ عمرؓ کے بہترین رفیق، بہترین صلاح کار، اور بہترین مشیر تھے ایک مرتبہ تو بے ساختہ کہہ اٹھے تھے، ولا علی لھلک عمر، اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا،

عثمانؓ زینت آرائے سریر خلافت ہوئے، تو سب سے پہلے علیؓ نے دستِ بیعت بڑھایا اور تمام مسلمانوں نے ان کی خلافت تسلیم کرلی، ان کے عہد خلافت میں مروان بن الحکم وغیرہ نے ان کی رعایت ومروت سے ناجائز فائدے اٹھاکر جس طرح شجر اسلام پر کاری ضرب لگائیں، تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، ان کے عہد میں جتنے طوفان آئے، علیؓ نے انھیں روکنے کی کوشش کی اور بڑی حد تک کامیاب ہوئے، جب ساری دنیا ان کی مخالف تھی، اور محاصرہ کا عالم طاری تھا تو علیؓ کے بیٹے ان کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے، چوٹ کھارہے تھے،

لیکن، ——

لیکن جب علیؓ نے عنان خلافت سنبھالی، تو اکثر طالع آزما چونک پڑے،!

علیؓ کو اگر اطمینان کے دن ملتے، اور وہ خلافت کو اپنی نہج پر چلاسکتے تو بلاشبہ عہد رسالتؐ واپس آجاتا،!

لیکن وہ لوگ جنہوں نے، عہد عمرؓ میں کم، اور عہد عثمانؓ میں بہت زیادہ قوت وطاقت حاصل کرلی تھی، جن کے پاس فوج تھی، روپیہ تھا، ساز وسامان جنگ تھا، انعامات اور عطایا کے لئے بیت المال تھا کسی قیمت پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ عہد رسالتؐ واپس آئے، وہی عہد

ضروری ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے ایک نظر ان شخصوں پر بھی ڈال لی جائے، جن سے علیؓ کی معرکہ آرائیاں ہوئیں جب تک تعارف کا یہ پس منظر سامنے نہ ہو، اس وقت تک صحیح صورت حال نظروں کے سامنے نہیں آسکے گی،

علیؓ کی جن جن سے مخالفت ہوئی، ان میں عائشہ صدیقہؓ کا نام نظر آتا ہے، زبیر بن العوامؓ، طلحہؓ، معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ جن کی صلاح سے یزید کی ولی عہدی عمل میں آئی اور اصحاب خوارج کے نام خاص طور پر نظر آتے ہیں،!

آگے چل کر، جو واقعات میں پیش کروں گا ان سے اندازہ ہوجائے گا کہ جن کا اختلاف خلافت پر مبنی تھا، وہ نہایت آسانی سے ختم ہوگیا، جن کا اختلاف مقاصد پر مبنی تھا، آخر وقت تک قائم رہا،!

● حضرت علیؓ سے اختلاف کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ جیسے ہی وہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، مطالبہ کیا گیا کہ قاتلین عثمانؓ کو قتل کریں، شورش اور بغاوت، اور سرکشی کے اس انبوہ عام میں، ویسے بھی فوراً قاتلوں کو قتل کرنا ممکن نہ تھا، لیکن یہاں حالت یہ تھی کہ جو لوگ قاتلین عثمانؓ کے قتل کا مطالبہ کررہے تھے اور وہ خود قاتلین کے نام تک سے ناواقف تھے، نہ انھیں پہچانتے تھے، حضرت علیؓ جو اس فتنہ کے زمانہ میں خلوت گزیں تھے، کس طرح کسی شخص، یا چند اشخاص پر انگلی رکھ دیتے کہ تم قاتل ہو اور پھر انھیں قتل کرڈالتے،؟

● قتل عثمانؓ کی عینی شاہد حضرت عثمانؓ کی اہلیہ نائلہ تھیں، جن کی تین انگلیاں بھی حضرت عثمانؓ کو بچاتے ہوئے کٹ گئی تھیں، لیکن انھوں نے بھی کسی قاتل کی نشان دہی نہیں کی، اور قاتلوں کی شناخت سے صاف انکار کردیا، اس لئے کہ قاتل وہ لوگ تھے جنہیں انھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا،

● اور حالت یہ تھی کہ ہزاروں کا مجمع پکار پکار کر نعرے لگا رہا تھا کہ ہم ہیں عثمان کے قاتل، ہمیں قتل کردو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت امن و امان کی کیا کیفیت تھی؟

● حضرت علیؓ اس مسئلہ کو انجام تک پہنچانے کے لئے خود بے چین تھے، انھیں قتل عثمانؓ کا غم تھا، اور قاتلین عثمانؓ سے ہرگز کسی طرح کی ہمدردی نہیں تھی، وہ صرف مہلت چاہتے تھے،

رسالت ۳، !

موت کا پیغام ہر نوع غـــلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقان، نے فقیر رہ نشین!

یہ ایک نیا دور پیدا کرنا چاہتے تھے، جس میں فغفور و خاقان بھی ہوں، اور، فقیر رہ نشین بھی، امراء و رؤسا بھی ہوں، غریب اور مفلوک بھی، آقا اور مالک بھی ہوں، لونڈی اور غلام بھی، لعل و گہر کے تاج، سیم و زر کے محل، اور زرکار و زرنگار ملبوسات بھی ہوں، اور ان کی آب و تاب اور چمک دمک بڑھانے کے لئے، نان جویں بھی فقر و فلاکت بھی، مٹی کے گھروندے بھی، دست دریوزہ گری بھی، تاریکی نہ ہو، تو روشنی کی قدر کس طرح پہچانی جا سکتی ہے؟ کوئلہ نہ ہو تو ہیرے کی کیا وقعت؟ غریب نہ ہو تو امارت کی کلاہ افتخار کے سامنے کون سجدہ کرے گا؟ مظلوم، مجبور، تباہ حال اور آشفتہ روزگار رعایا نہ ہو، تو تخت شہی، تاج خسروی، اور شان سلطانی کا مزا کیا؟

علی رض ان سب چیزوں کے مخالف تھے، لہذا، یہ لوگ علی رض کے مخالف تھے، علی رض ان کی ڈگر پر نہیں چل سکتے تھے، یہ علی رض کی راہ صواب نہیں اختیار کر سکتے تھے، علی رض اس نظام کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دینا چاہتے تھے، ان لوگوں نے علی رض کو الجھنوں میں پھنسا لیا، اور ان کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا،

اپنی امنگوں اور ولولوں کو دباتے انھیں کتنی مدت گذر چکی تھی، انہوں نے ابو بکر رض کا دور جھیلا، عمر رض کا دور برداشت کیا، عثمان رض کا زمانہ بھگتا، اب علی رض ـــــ

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ،!

نظام اسلامی کو لے کر میدان میں آ گئے، حق و صواب کے معاملہ میں بے لچک اتنے کہ نہ بھائی کے نہ بیٹے کے، علی رض کو برداشت کر لینا، گویا اپنے حوصلوں، امنگوں، آرزوؤں، اور حسرتوں سے دستبردار ہو جانا تھا، اـــــ اور ان سب سے دست برداری کے بعد زندگی ایک بے آب و گیاہ دشت ناپید کنار کے سوا، اور کیا رہ جاتی،؟ زندگی میں جو کچھ بھی کشش ہے، وہ درہم و دینار، لباس فاخرہ، عیش فراواں، بزم طرب، مجلس نشاط، قصیدہ خواں شعراء اور لونڈیوں غلاموں ہی کے دم سے تو ہے یہی کچھ نہ رہے تو زندگی سے موت بہتر،!

شاید حضرت عثمانؓ نے یہ سمجھ کر کہ اس معاملے کی تفتیش کرنی مناسب نہ سمجھی کہ اس سے ایرانیوں کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اور ان کے اور عربوں کے درمیان کینہ و دشمنی میں اضافہ ہو جائے گا، اسلئے انھوں نے مقتولوں کا خون بہا اپنی جیب سے ادا کر دیا اور ساتھ ہی زیاد بن لبید البیاضی کو یہ حکم بھی دے دیا کہ وہ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ پر تعریض نہ کرے۔ اس طرح وہ فتنہ ہو گیا۔ جس کا بیدار ہونا کوئی اچھی بات نہ تھی، اور مسلمان سلطنت کے مختلف گوشوں پر، واپس ہو کر پھر وہی زندگی بسر کرنے لگے۔ جو وہ حضرت عمرؓ کی وفات سے قبل بسر کرتے تھے!

اگر ایرانیوں کے جذبات کی خاطر قاتلین عمرؓ کو نظر انداز کر دیا گیا، تو بات کے امن، اور عربوں کے بھڑکے ہوئے جذبات کا لحاظ کر کے حضرت علیؓ کو مہلت تک کا دینا کیوں گوارا نہیں کیا گیا؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ سے جس ناممکن کا مطالبہ کیا جا رہا تھا، اس میں ایک بہت بڑا اعامل مخصوص مقاصد تھے!

اس سلسلہ میں جنگ برپا ہوئی، یعنی ام المومنین عائشہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سے حضرت علیؓ کی جنگ ہوئی، عائشہ ام المومنین تھیں، زوج رسولؐ تھیں، زبیرؓ اور طلحہ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے یعنی یہ ان دس آدمیوں میں سے تھے، جنہیں رسولؐ نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دیدی تھی، زبیر اور طلحہ کے کارنامے تاریخ اسلام کا روشن ترین اور ناقابل فراموش باب ہیں، رسولؐ کے پہلو بہ پہلو انھوں نے ہر معرکہ میں شرکت کی، زبیرؓ کو رسولؐ نے حواری کا خطاب دیا، طلحہؓ رسول اللہؐ کی ڈھال بن کر، تیر خود کھاتے رہے، اور رسولؐ کو بچاتے رہے، بھلا یہ لوگ اخلاص کے سوا مقاصد کی جنگ لڑ سکتے تھے؟ —— کلا ثم کلا!

لیکن اس تمام بزرگی اور فضیلت کے باوجود، یہ آدمی تھے، ان سے خطا اجتہادی ہو سکتی تھی، جانشین رسولؐ عثمانؓ بن عفان کے قتل نے انہیں حد درجہ ملول اور مضطر کر دیا، تحریک کے مضرات پورے طور پر یہ محسوس نہ کر سکے، علیؓ سے، لڑنے پر تیار ہو گئے، لیکن جس لمحہ انھیں احساس ہوا کہ یہ راہ نا درست ہے، تو فوراً ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر بھی، جنگ سے

مگر انھیں مہلت دینے سے انکار کر دیا گیا، !

حالانکہ عام اصول نظم و ضبط کا تقاضہ بھی یہی ہے، اور خود حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایسے واقعات پیش آچکے تھے، جن پر اقدام ناگزیر تھا، لیکن، فضا، ماحول، اور حالات کا اندازہ کر کے اس سے یکسر گریز کیا گیا، اور بعد میں بھی کوئی اقدام نہیں کیا گیا بلکہ اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا،

میں دو مثالیں پیش کروں گا، !

✦ حضرت عمرؓ کا قاتل اگر گرفتار ہو جاتا تو اسے قصاص حکومت دیتی نہ کہ کوئی فرد لیکن قاتل گرفتار نہیں ہوا، اس نے خودکشی کر لی، !

ہرمزان (ایک ذمی) اور جفینہ (ایک مسلمان) کو عبید اللہ بن عمرؓ نے اس شبہ میں کہ یہ قاتل کے شریک کار تھے قتل کر دیا، ایک ذمی کے قتل کی سزا بھی قتل ہے، اور ایک مسلمان کے قتل عمد کی سزا تو لامحالہ قتل ہی ہے، اور ایک قاتل کو بھی اگر افراد قوم میں سے کوئی شخص قتل کر دے تو مستوجب سزا ہے کہ یہ کام صرف حکومت کا ہے، ان سہ گانہ اشکال کے باوجود، عبید اللہ بن عمرؓ قتل نہیں کئے گئے، انہیں کوئی سزا نہیں دی گئی، دیت تک ان کی جیب سے نہیں دلوائی گئی، حضرت عثمانؓ نے اپنی جیب خاص سے ادا کر دی، اس لئے کہ لوگوں کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ "ابھی کل عمرؓ قتل ہوئے ہیں، آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے، !" (۱)

چنانچہ حالات کو دیکھتے ہوئے، شرعی فیصلہ پر عمل نہیں کیا جا سکا، !

✦ دوسرا واقعہ خود حضرت عمرؓ کے قتل کا ہے، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ قتل ایک سازش، ایک سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھا، لیکن اس سازش کا سراغ لگانے، اور سازش کرنے والوں کو پکڑ کر سزا دینے کا مطالبہ، محض ہنگامی حالات کے باعث حضرت عثمانؓ سے نہیں کیا گیا، اور حضرت عثمانؓ نے خود اس کو نظر انداز کر دیا، محمد حسین ہیکل کا بیان ہے، !

---

(۱) یہ واقعہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ، عربی کی تمام تاریخوں میں، اور ان تاریخوں کے حوالے سے اردو کی تمام

مگر انھیں مہلت دینے سے انکار کر دیا گیا،!

حالانکہ عام اصول نظم وضبط کا تقاضہ بھی یہی ہے، اور خود حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایسے واقعات پیش آچکے تھے، جن پر اقدام ناگزیر تھا، لیکن، فضا، ماحول، اور حالات کا اندازہ کر کے اس سے یکسر گریز کیا گیا، اور بعد میں بھی کوئی اقدام نہیں کیا گیا بلکہ اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا،

میں دو مثالیں پیش کروں گا،!

✦ حضرت عمرؓ کا قاتل اگر گرفتار ہوجاتا تو اسے قصاص حکومت دیتی نہ کہ کوئی فرد لیکن قاتل گرفتار نہیں ہوا، اس نے خودکشی کرلی،!

ہرمزان (ایک ذمی) اور حفینہ (ایک مسلمان) کو عبیداللہ بن عمرؓ نے اس شبہ میں کہ یہ قاتل کے شریک کار تھے قتل کردیا، ایک ذمی کے قتل کی سزا بھی قتل ہے، اور ایک مسلمان کے قتل عمد کی سزا تو لامحالہ قتل ہی ہے، اور ایک قاتل کو بھی اگر افرادِ قوم میں سے کوئی شخص قتل کردے تو مستوجب سزا ہے کہ یہ کام صرف حکومت کا ہے، ان سہ گانہ اشکال کے باوجود، عبیداللہ بن عمرؓ قتل نہیں کئے گئے، انہیں کوئی سزا نہیں دی گئی، دیت تک ان کی جیب سے نہیں دلوائی گئی، حضرت عثمانؓ نے اپنی جیب خاص سے ادا کردی، اس لئے کہ لوگوں کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ "ابھی کل عمرؓ قتل ہوئے ہیں، آج ان کا بیٹا قتل کیا جائے،!" (۱)

چنانچہ حالات کو دیکھتے ہوئے، شرعی فیصلہ پر عمل نہیں کیا جاسکا،!

✦ دوسرا واقعہ خود حضرت عمرؓ کے قتل کا ہے، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ قتل ایک سازش، ایک سوچے سمجھے منصوبے کا نتیجہ تھا، لیکن اس سازش کا سراغ لگانے، اور سازش کرنے والوں کو پکڑ کر سزا دینے کا مطالبہ، محض ہنگامی حالات کے باعث حضرت عثمانؓ سے نہیں کیا گیا، اور حضرت عثمان نے خود اس کو نظر انداز کردیا، محمد حسین ہیکل کا بیان ہے،!

---

(۱) یہ واقعہ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ، عربی کی تمام تاریخوں میں، اور ان تاریخوں کے حوالے سے اردو کی تمام مستند کتابوں، الفاروق اور تاریخ اسلام وغیرہ میں موجود ہے،!

شاید حضرت عثمانؓ نے یہ سمجھ کر کہ اس معاملے کی تفتیش کرنی مناسب نہ سمجھی کہ اس سے ایرانیوں کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اوران کے اور عربوں کے درمیان کینہ و دشمنی میں اضافہ ہوجائے گا، اسلئے انھوں نے مقتولوں کا خون بہا اپنی جیب سے ادا کردیا اور ساتھ ہی زیاد بن لبید البیاضی کو یہ حکم بھی دے دیا کہ وہ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ پر تعریض نہ کرے۔ اس طرح وہ فتنہ ہوگیا جس کا بیدار ہونا کوئی اچھی بات نہ تھی، اور مسلمان سلطنت کے مختلف گوشوں میں، واپس ہوکر پھر وہی زندگی بسر کرنے لگے۔ جو وہ حضرت عمرؓ کی وفات سے قبل بسر کرتے تھے!

اگر ایرانیوں کے جذبات کی خاطر قاتلین عمرؓ کو نظر انداز کردیا گیا، تو مات کے امن، اور عربوں کے بھڑکے ہوئے جذبات کا لحاظ کرکے حضرت علیؓ کو مہلت تک کا دینا کیوں گوارا نہیں کیا گیا؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ سے جس ناممکن کا مطالبہ کیا جارہا تھا، اس میں ایک بہت بڑا عامل مخصوص مقاصد تھے؟

اس سلسلہ میں جنگ برپا ہوئی، یعنی ام المومنین عائشہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ سے حضرت علیؓ کی جنگ ہوئی، عائشہ ام المومنین تھیں، زوج رسولؐ تھیں، زبیرؓ اور طلحہؓ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے، یعنی یہ ان دس آدمیوں میں سے تھے، جنہیں رسولؐ نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دیدی تھی، زبیر اور طلحہ کے کارنامے تاریخ اسلام کا روشن ترین اور ناقابل فراموش باب ہیں، رسولؐ کے پہلو بہ پہلو انھوں نے ہر معرکہ میں شرکت کی، زبیرؓ کو رسولؐ نے حواری کا خطاب دیا، طلحہؓ رسول اللہؐ کی ڈھال بن کر، تیر خود کھاتے رہے، اور رسولؐ کو بچاتے رہے، بھلا یہ لوگ اخلاص کے سوا مقاصد کی جنگ لڑ سکتے تھے؟ ــــ کلّا ثمّ کلّا!

لیکن اس تمام بزرگی اور فضیلت کے باوجود، یہ آدمی تھے، ان سے خطاء اجتہادی ہوسکتی تھی، جانشین رسولؐ عثمانؓ بن عفان کے قتل نے انہیں حد درجہ ملول اور مضطر کردیا، تحریک کے مضمرات پورے طور پر یہ محسوس نہ کرسکے، علیؓ سے لڑنے پر تیار ہوگئے، لیکن جس لمحہ انھیں احساس ہوا کہ یہ راہ نادرست ہے، تو فوراً ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر بھی، جنگ سے

بادل جیسے ہی چھٹے، خلوص، اعتماد، اور محبت کا سورج چمکنے لگا، اور یہ اعتماد کا سورج گھنایا تو کبھی نہیں تھا کبھی کبھی کوئی ہلکی سی بدلی آکر اسے ڈھانپنے کی کوشش کرتی مگر ناکام رہتی، ایک دوسرے کا پاس لحاظ شروع ہی سے چلا آرہا تھا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ:

— دونوں طرف کچھ ایسے لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے، ان کی کوششیں الگ جاری تھیں، حضرت علیؓ اس وقت ذی قار میں تھے، اور بصرہ کا قصد کر رہے تھے کہ ایک شخص ابو الجربار نے حضرت زبیرؓ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ قبل اس کے کہ علیؓ یہاں فوج سے ملیں، ایک ہزار آدمی انہیں روکنے کے لئے بھیج دینے چاہئیں۔ حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں، لیکن انھوں نے (اصحاب علیؓ) ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے، پھر یہ ایک نئی صورت حال ہے، جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، جو شخص بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے، اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آئند وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ایک دوسرے شخص صبرہ ابن شیمان نے حضرت طلحہؓ کو پھر اسی قسم کا شر انگیز مشورہ دیا۔ اس کو بھی آپ نے ویسا ہی جواب دیا[1]۔

— حضرت علیؓ کے جنگجو رفقا پیش قدمی کے لئے بے چین تھے۔ چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہیے وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں، ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعے جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ مجتمع کر دے، اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دیں تو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کریں گے جو وہ ہمارے ساتھ کریں گے۔ اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں، حضرت علیؓ نے فرمایا تو ہم بھی مدافعت کریں گے۔ ابو سلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوے قصاص میں اخلاص اور حسن نیت

---

[1] طبری، ج ۶، ص ۳۱۶

کنارہ کش ہو گئے ، اور پھر اسی طرح گھل مل گئے جو ایک مومن کی شان ہے ، "رحماء بینھم"!

میں نے دعویٰ کیا ہے ، اب سطور ذیل میں اس کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کروں گا ،

جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں :

"بیعت خلافت کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے اہم مرحلہ اور آپ کا سب سے مقدم فرض حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا تھا ، لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس میں کامیابی نہ ہوئی ۔ حضرت علیؓ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی ، لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی ، حادثہ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہؓ تھیں ۔ وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں جو حملہ آوروں میں صرف محمد بن ابی بکر کو پہچانتی تھیں لیکن وہ حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر لوٹ گئے تھے ۔ اور قتل میں شریک نہ تھے ، ان کے علاوہ نائلہؓ اور کسی کو نہ پہچانتی تھیں ، پھر قاتل اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے ، حضرت علیؓ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا ، اس لئے حضرت علیؓ مجبور ہو گئے ، لیکن حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہ تک صرف قصاص چاہتے تھے ، اور حضرت علیؓ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ جاتی تھی ، چنانچہ حضرت طلحہؓ ، زبیرؓ اور چند صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے جا کر کہا کہ عثمانؓ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے ، اس سے قصاص لینا ضروری ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں ، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے"۔

لیکن حضرت علیؓ کا یہ عذر پذیرا نہ ہوا ، تو نوبت کشت و خون ، اور جنگ و جدل تک پہنچ گئی ، جنگ جمل ، جس میں ایک طرف حضرت علیؓ اور ان کے رفقا تھے ، دوسری طرف ام المومنین عائشہؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے برپا ہو کر رہی ۔!

لیکن طرفین باہم جنگ آزما ہونے کے باوجود مخلص تھے ، اور چونکہ مخلص تھے لہٰذا جتنی تیزی سے جنگ شروع ہوئی تھی ، اس سے زیادہ سرعت کے ساتھ ختم ہو گئی ، غلط فہمی کے

ہو تو کیا وہ خدا کے نزدیک قابل قبول ہوگا؟ فرمایا کیوں نہیں، ابو سلامہ نے کہا، تو اس کی تاخیر میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو، اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیئے جو زیادہ صحیح ہو، اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو، ابو سلامہ نے کہا کہ کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے ——— دونوں کا انجام کیا ہو گا۔ فرمایا دونوں میں سے جو بھی خالصتہً اللہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔[1]

پھر ایک مرتبہ غور کر لیجیے، اس جنگ میں کام آنے والے فریق مخالف کے لوگوں کے لئے علیؓ نے کیا کہا تھا؟

"دونوں میں سے جو بھی خالصتہً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا"!

حق کے لئے لڑنے والے اور جان دینے والے خواہ کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اگر مخلص ہیں تو جنتی ہیں، ام المومنینؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھی اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خلوص سے لڑ رہے تھے۔ لہٰذا، حضرت علیؓ اس کے علاوہ ان کے لئے کچھ اور کہہ ہی نہیں سکتے تھے، لیکن ان کے بعد جن لوگوں سے سابقہ پڑا کیا وہ بھی اسی طرح حق پر تھے؟ حق کے لئے پورے خلوص سے جان دے رہے تھے؟

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل،!

یہ اسی خلوص کا نتیجہ تھا کہ چند لمحوں میں، بغیر کسی طویل بحث وگفتگو کے صلح ہو گئی،!

حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے، آپ کے آنے کے بعد آپ میں اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی، اور مختلف فیہ، مسائل پر بحث مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔ مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکرگاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان وسکون کے ساتھ سوئے[2] لیکن یہ صلح ان لوگوں پر بہت شاق تھی، جو صلح نہیں چاہتے تھے، یہ صلح اگر ہو جاتی، تو ایک

---

[1] طبری ج ۶، ص ۳۱۶۱ [2] طبری ج ۶ ص ۳۱۶۱

نامعلوم مدت کے لئے وہ خواب شیریں بے تعبیر رہ جاتا، جو حاصل حیات بنا ہوا تھا، پھر اسلامی حکومت قائم ہوجاتی، پھر رسالت مآب ؐ کا دور واپس آجاتا، عیش و نعم کے جو دروازے اتنی مشکلوں سے ذرا ذرا کھلے تھے، وہ پھر بند ہوجاتے، چنانچہ ان لوگوں نے دیکھا:-

"اگر یہ شب بخیر گذر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہوجائے گا - اس لئے انھوں نے کیا صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کردیا جائے[2]، دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے، چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کردیا۔ اور صبح ہونے سے پہلے ہنگامہ بپا ہوگیا۔

اس غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا کسی کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے، تاہم حضرت علیؓ اور عائشہؓ نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی، حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے۔ "لوگو! رک جاؤ" حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لئے پہنچیں۔ لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا ہے، اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لئے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی۔"

جب جنگ روکنے کی کوشش طرفین کے اکابر کی طرف سے کامیاب نہیں ہوئی تو جنگ شروع ہوگئی، ——— خوں ریز۔ اور ہولناک جنگ، لیکن دل کی سچائی، نیت کا خلوص، اور للہیت کا جذبہ اب بھی کار فرما تھا:-

عین ہنگامہ کارزار میں حضرت علیؓ کی نظر زبیرؓ پر پڑی انھوں نے ان سے کہا ابو عبداللہ! تم کو یاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا ہاں یا رسول اللہؐ - آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑوگے، حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہاں مجھے یاد آگیا[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیرؓ نے فوراً

---

[1] طبری جلد ۶ ص ۳۱۸۲ [2] ایضاً ۳۱۸۲

[3] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل زبیرؓ

لوٹ جانے کا قصد کیا اور اپنے صاحبزادے عبداللہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ عائشہؓ کی حمایت میں پیش پیش تھے فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا۔ اور علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلادی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اس لئے اب میں واپس جاتا ہوں تم بھی لوٹ چلو۔ لیکن انھوں نے انکار کیا، اور حضرت زبیر تنہا لوٹ گئے[1]

پھر ایک بدباطن نے حضرت زبیرؓ کو شہید کر دیا،

حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے یاد دلانے پر، ایک قول رسولؐ یاد آگیا، اور وہ جنگ سے دستبردار ہو گئے،

یہ صرف ایک قول تھا!

لیکن علیؓ کو قتل کرنے والے۔ اور حسینؓ کے حلقوم پر خنجر پھیرنے والے ان متعدد حدیثوں کو بھول گئے، جو ان کی منقبت میں لسان رسالتؐ پر جاری ہوئی تھیں۔ سبّ علیؓ کی بدعت شروع کرنے والے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو یاد نہ رکھ سکے، حسینؑ کے کٹے سر کے ساتھ بدتمیزی کرنے والے۔ اور ان کے لبوں کو چھڑی سے چھیڑنے والے یہ نہ یاد رکھ سکے کہ اس جگہ کو رسولؐ نے چوما تھا،!

حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی واپسی کا قصد کر لیا تھا، مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا، چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہو گیا۔[2]

طلحہؓ کا قاتل کون تھا؟

مروان بن حکم، جو درحقیقت حضرت عثمانؓ کا بھی قاتل تھا، جو امیر معاویہ کا معتمد علیہ تھا۔ اور عہد معاویہ میں جو مدینہ کا گورنر تھا، جس نے بعد میں، ام خالد، ——— ماضی قریب کے ایک محقق بے بدل کے "امیر المومنین" ——— یزید کی بیوہ سے شادی کر لی، اور خود "امیر المومنین" بن گیا، خود ہی نہیں خلافت کو، وراثت اور ترکہ کے طور پر اپنے اخلاف

---

[1] اخبار الطوال، ص ۱۵۷ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۷

کے لئے چھوڑ گیا، !

اور یہ طلحہ رضؓ کون تھے ؟ ــــــ جلیل القدر صحابی، یکے از عشرۂ مبشرہ، جنہیں زندگی ہی میں رسول اللہ صلعم نے جنّت کی بشارت دیدی تھی، ! آہ یہ دنیا، !

جنگ جمل کے اختتام کے بعد حضرت علیؓ خود حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں :۔

ــــــ "مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور پوچھا امّاں مزاج کیسا ہے؟ فرمایا اچھا ہوں۔ حضرت علی رضؓ نے فرمایا خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے، اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضؓ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے،"[1]

ــــــ چند دن حضرت عائشہ رضؓ کے آرام کرنے کے بعد حضرت علی رضؓ نے محمد بن ابی بکر رضؓ کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچادیں، اور سواری زادِ راہ نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی، بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہمرکاب کیا، اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ رضؓ نے لوگوں سے فرمایا میرے بچو یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیئے، میرے اور علی کے درمیان جو ساس، داماد میں کبھی کبھی ناچاقی ہوجایا کرتی ہے اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی۔ وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔

ــــــ اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت علی رضؓ نے چند میل تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن رضؓ و حسین رضؓ کو بھیجا[2] اور حضرت عائشہ رضؓ مکہ ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔

ــــــ حضرت عائشہ رضؓ کو تا عمر اس کی ندامت رہی، جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار زار رونے لگتی تھیں، اور فرماتی تھیں کہ کاش ! آج سے بیس برس پہلے دنیا سے اٹھ گئی ہوتی،![3]

---

[1] طبری ج ۶ ص ۳۲۲۷ [2] طبری ج ۶، ص ۳۲۲۱ [3] مسند احمد بن حنبل

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخلفاء میں یہ الفاظ حضرت علیؓ کی زبان سے بھی نقل کئے ہیں[۱]

حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت خلیفۂ رسولؐ اور امیر وقت سے بغاوت تھی، انہیں منصب خلافت کی آرزو نہ تھی، منصب خلافت خود ان کے پاس حاضر ہوا تھا،

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک خلافت خالی رہی، مدینہ میں شور قیامت بپا تھا، ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے، لیکن خلافت کا قیام بہر حال ضروری تھا، اس وقت اکابر صحابہ میں ایک حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی کہ جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا، چنانچہ مہاجرین وانصار نے جن میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے، حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں، جسے تم منتخب کروگے میں بھی اسے قبول کروں گا، ان لوگوں نے عرض کیا آپ کے ہوتے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے، اس لئے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کر سکتے، حضرت علیؓ نے پھر عذر کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں وزیر ہونا مجھے زیادہ پسند ہے، آخر میں لوگوں نے یہ اصرار کیا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، غرض مسلمانوں کے اصرار پر امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے منظور فرمالیا، اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی[۲]، اس بیعت میں مدینہ کے تمام صحابہ شریک تھے"[۳]

لیکن اس بیعت عامہ کے باوجود شام کے گورنر امیر معاویہ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خون عثمانؓ کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اس انکار کے باوجود افہام و تفہیم کی پوری کوشش کی، لیکن وہ کسی طرح اپنی ضد سے باز نہ آئے، چنانچہ حضرت علی نے:-

"جریر بن عبداللہ بجلی کو خط دے کر امیر معاویہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ:-
جن لوگوں نے ابو بکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انھوں نے میری بیعت کر لی ہے

ص۱ ازالۃ الخفا، ۳۵۳ ص۲ طبری جلد ۶ ص ۶۶ ۳ ص۳ ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۴

اس کے بعد کسی کے لئے چوں چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کریگا اس سے بزور بیعت لی جائے گی۔ مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو۔ عافیت و سلامتی اسی میں ہے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، قاتلین عثمانؓ کی بہت آڑ بنا چکے۔ بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق اس کا فیصلہ کر دوں گا۔[1]

اس موقع پر، امیر معاویہ کو، عمرو بن العاص یاد آئے، ــــــــــــــــ حضرت عمرؓ کے عہد میں ان کی برطرفی کا واقعہ گذر چکا ہے۔ ــــ عمرو بن العاص نے اپنے فہم و فراست اور سیاست و تدبر کی زیادہ سے زیادہ قیمت طلب کی، اور امیر معاویہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ یہ قیمت ادا کریں، چنانچہ تھوڑی سی حیص بیص کے بعد انھوں نے عمرو بن العاص کی شرط تعاون قبول کر لی،!

عمرو بن العاص نے کہا:

تم کو علی کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبویؐ کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں؟ معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو۔ عمروؓ بن العاص بولے مصر کی حکومت، معاویہؓ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے، عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں ہو گی۔

عمرو بن العاصؓ سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے، اس لئے امیر معاویہؓ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری معاہدہ کر لیا۔[2]

اس عہد و پیمان کے بعد عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے

---

[1] اخبار الطوال، ص ۱۶۷ [2] اخبار الطوال ص ۱۶۸۔

اور تفصیل کی ضرورت نہیں، بقول ایک مورخ اسلام کے :-

"حضرت علیؓ کا پورا عہد خلافت، خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا، ایک دن کے لئے بھی آپ کو مکمل نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی اس لئے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروں کے مقابلہ میں ناکام رہا۔ اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا، اور جو بعد میں پیش آتے رہے ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا[1]"

لیکن جب سیاست سے کام چلا، نہ فراست سے، حکمت عملی سے، نہ زر و مال کے لالچ سے، مناصب کی تقسیم کارساز ثابت ہوئی، نہ بیت المال سے انعامات اور عطایا کی بارش، تو آخر کار، علیؓ کو بھی اس راستے سے گذرنا پڑا جس سے عمرؓ اور عثمانؓ گذر چکے تھے، انھیں بھی قتل کر دیا گیا۔

قتل کی سازش ابن ملجم نے کی تھی، اس نے اپنے ساتھ ایک اور شخص سبیب ابن بجرہ کو بھی ملا لیا تھا، رمضان ۴۰ھ میں ایک روز موقع پاکر یہ دونوں:

"حضرت علیؓ کی گذرگاہ پر چھپے رہے جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لئے نکلے دونوں نے حملہ کر دیا حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے شبیب تو نکل گیا لیکن ابن ملجم گرفتار ہوگیا۔ حضرت علیؓ کی بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے[2] اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر دینا، اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کر دوں گا۔ اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے بعد میرے ایک خون کے بدلے میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے[3]"

---

[1] تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ) [2] ابن سعد جلد ۳ ص ج ۲ [3] طبری جلد ۶ ص ۵۶۱، ۳ ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۵۶

علیؓ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے بڑے خطرات ہیں۔ اس لئے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمانؓ کے قتل میں علیؓ کی شرکت تھی۔ شام کے سب سے با اثر آدمی شرجیل بن سمط کندی ہیں پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ پھر ان کے ذریعے سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہوجائیگی۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس تدبیر پر عمل کر کے شرجیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا، شرجیل کو اس کا اتنا یقین ہوگیا کہ انھوں نے امیر معاویہؓ سے کہا اگر تم نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ہم تم کو شام سے نکال دیں گے۔ امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا متبع ہوں آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا۔؟[1]

دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش جن کو امیر معاویہؓ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا۔ برابر جاری رہی۔ حضرت علی کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لئے انھیں دمشق طلب کیا گیا تھا، لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے، چنانچہ فوج سے لے کر امرا اور عوام تک سب کے جذبات بھڑک اٹھے۔ اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفۂ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے، اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ بیویوں کے پاس جائیں گے۔[2]

کم و بیش پانچ سال تک حضرت علی مسند آرائے خلافت رہے، اور یہ ساری مدت انہوں سے جنگ میں گذری، حضرت علی اصول پر، حق پر، سچائی پر قائم تھے، ان کے مخالف، اس اصول پر عمل پیرا تھے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہے، نیزوں پر قرآن کی نمائش، تحکیم کا معاملہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ عمرو بن العاص کا نقض عہد، خوارج کی نمود، ان سے معرکہ آرائیاں، امیر معاویہ کی سیاست، اشتر نخعی کا قتل، محمد بن ابی بکر صدیق کا عمرو بن العاص کے ہاتھوں بے دردانہ قتل، ایسا بے دردانہ کہ اس کی تفصیل لکھتے قلم کا جگر شق ہوتا ہے، یہ سب وہ چیزیں ہیں، جو تاریخ سے معمولی دلچسپی رکھنے والا بھی جانتا ہے، لہٰذا ان کے اعادہ

۱؎ اخبار الطوال ص (۱۶۱) ۲؎ طبری جلد ۶ ص ۳۳۵۵

حسنؑ کی شہادت:۔ سازش کا تتمہ!

حضرت علیؓ کے بعد۔ حضرت حسنؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا، لیکن ہمرہان راہ کی گریز پائی دیکھ کر ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ خلافت سے دست بردار ہو کر گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کی زندگی بسر کرنے لگے،!

لیکن حسنؑ کی یہ دستبرداری بھی، مخالفین کو مطمئن نہ کر سکی، ان کا وجود بھی ان کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا، بے شک حسنؑ خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے، لیکن جب تک اس عالم آب گل میں موجود تھے ان کا وجود با وجود خطرہ سے خالی نہ تھا، اور جب تک یہ خطرہ نہ دور ہو جائے، اس وقت تک وہ ذہنی سکون میسر نہیں آ سکتا تھا جس کی جستجو تھی،!

لہٰذا خلافت سے دست کش، اور خانہ نشین ہو جانے کے باوجود حسن کو زہر دیا گیا، اور وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، یہ لوگ جن کی مرادیں اتنی مشکلوں سے اور اتنے دنوں کے بعد بر آئی تھیں، کسی ایسے شخص کا وجود نہیں برداشت کر سکتے تھے، جو آگے چل کر ذرا بھی خطرہ کا سبب بن سکتا ہو،

یہ حسن علیؑ کے بیٹے تھے اور،!

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھے۔ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے، حضرت فاطمہؓ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادیں آپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں۔ اس لئے آپ فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے

خنجر زہر آلود تھا اس لئے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی اور حالت خراب ہونے لگی حضرت امام حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن حنفیہ کو بلاکر باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دنیا میں خیر و برکت کے لئے وصیتیں فرمائیں آپ کو زندگی سے مایوسی تھی، اس لئے جندب بن عبد اللہؓ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ فرمایا میں تم کو نہ حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو[1]

خدا کا یہ سچا بندہ اس دنیا سے جب رخصت ہو رہا تھا، تب بھی اس کے عفو و کرم اور رحم و عدل کا دامن دراز تھا، اس نے اپنے قاتل تک کے لئے ہدایت کی کہ اسے آرام سے رکھا جائے قصاص میں قتل کیا جائے، تو ایک وار سے زیادہ نہ لگایا جائے، مرجائے تو مثلہ نہ کیا جائے[2] یعنی صورت نہ بگاڑی جائے۔

علیؓ کے ساتھ ہی خلافت بھی ختم ہوگئی، اس کے بعد ملوکیت اور بادشاہی کا دور شروع ہوا، اور گو خاندان مٹتے رہے، بادشاہ مرتے رہے، ملوک و سلاطین قتل ہوتے یا معزول ہوتے رہے، لیکن نظام خلافت، ـــــ منہاج خلافت راشدہ پر ـــــ پھر کبھی استوار نہ ہو سکا سوا آگے چل کر مختصر ترین مدت کے لئے عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں، !

علیؓ کے قتل کے بعد وہ تمام لوگ مطمئن ہو گئے، جو اپنی حوصلہ مندیوں پر قدغن لگائے رکھنے پر مجبور تھے، اب میدان صاف تھا، کوئی روک نہ تھی، کوئی احتساب نہ تھا، کسی طرح کی بازپرس نہ تھی، !

---

[1] طبری جلد ۶ ص ۳۴۶۱

نکار ہے تھے سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا، یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے۔[1]

لیکن امیر معاویہ جو حضرت علی سے جنگ کرتے رہے تھے، حضرت حسنؓ کی خلافت کس طرح تسلیم کرلیتے؟ وہ ان سے بھی لڑنے کو تیار ہو گئے۔!

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی سے امیر معاویہؓ والیٔ شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی، اس لئے انھوں نے جنگ بھی کی، لیکن حضرت علی کی زندگی میں ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ حضرت حسنؓ بڑے نرم خو متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے۔ جنگ و جدل سے آپ کو طبعی نفرت تھی، امیر معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا، اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا، چنانچہ انھوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کردی۔ اور ان کا مقدمۃ الجیش عبداللہ بن عامر کی قیادت میں عین التمر ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا۔[2]

حضرت امام حسنؓ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاریؓ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بھیج دیا۔ اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشورہ دیا کہ قیس بن سعدؓ قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگوں نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے۔[3]"

حضرت حسنؓ کی یہ دست برداری کمزوری پر مبنی نہ تھی، مصالح ملّی پر مبنی تھی:

"حضرت حسنؓ کے ساتھ جو فوج تھی اس نے ہر موقع پر غدّاری کی۔ لیکن قیس بن سعدؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ پر جمے ہوئے تھے، اور ان کے ماتحت بارہ ہزار سپاہ کٹنے مرنے کو تیار، ابو عریق کا بیان ہے کہ شامیوں کے لئے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک

ص[1] ابن سعد ج ۴ ص ۲۷۔ ۲ اخبار الطوال ص ۲۳۲ ص[3] طبری جلد ۷ ص ۹

بڑی محبت فرماتے تھے۔ ان میں بھی حضرت حسنؓ سے خاص انس وتعلق تھا، اور ان کی بڑی نازبرداری فرماتے تھے۔ حسنؓ صورت میں نانا سے بہت مشابہ تھے، آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت میں پرورش پائی سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہ رہا۔ حضرت عثمانؓ کی مدافعت میں زخمی ہوئے۔ جنگ جمل وصفین میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔[1]"

گذشتہ صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ حضرت علی سے جب وہ اس دنیا سے رخت سفر باندھ رہے تھے، :۔

"لوگوں نے حضرت حسنؓ کی جانشینی کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ" میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں، تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو"۔ گو آپ نے جمہور مسلمانوں کے حق انتخاب کا لحاظ کرکے حضرت حسنؓ کو نامزد نہیں فرمایا، اور جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا، لیکن اوصاف وکمالات کے لحاظ سے حضرت حسنؓ جناب امیرؓ کے خلف الصدق تھے۔ اس لئے وابستگانِ دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہیں اٹھ سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیسؓ بن سعد انصاری نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

قیسؓ بن سعد کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی۔ اور رمضان سنہ ۴۰ھ میں حضرت حسنؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔[2]

مسند خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے خطبہ دیا :

" لوگو: کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پاسکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرماکر بھیجتے تھے، وہ کسی جنگ سے ناکام نہ لوٹا، میکائیلؑ وجبرائیلؑ چپ وراست اس کے جلو میں ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے

---

[1] تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ) [2] طبری جلد ۷ ص ۲

ملا تھا جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمریں ٹوٹ جائیں گی [1]
آپ کے ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے [2] خود حضرت حسنؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا، کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا، اس سے وہ صلح کرتے، اور جس سے میں جنگ کرتا، اس سے وہ جنگ کرتے لیکن آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آ رہی تھیں، ملک کا امن وامان ختم ہو گیا تھا، اس لئے چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق میں دستبرداری کے آمادہ ہو گئے۔ اور امیر معاویہؓ کے پاس اپنی شرطیں لکھ بھیج دیں۔

امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد:

"معاویہ نے مجلس میں آ کر تقریر کی، پھر ایک شخص کو حکم دیا۔ اس نے حسنؑ کو پکار کر کہا، اٹھئے اس مجلس میں تقریر کیجئے، انھوں نے فوراً بلا تامل تشہد پڑھا، اس کے بعد کہا ایہا الناس خدا نے ہم میں سے پہلے شخص کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور ہم میں سے آخر شخص کے ذریعہ سے تم کو کشت و خون سے بچا لیا۔
اور سنو کہ اس حکومت کی ایک مدت و میعاد ہے اور دنیا دست بدست دپھرا کرتی ہے، اور حق تعالیٰ اپنے نبیؐ سے فرما چکا ہے۔ وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین کیا معلوم شاید تمہاری آزمائش ہو اور چند دنوں کی آسائش

اتنا ہی کہا تھا کہ معاویہؓ نے کہا
"بیٹھ جائیے"! [2]

یہی واقعہ ایک دوسری روایت میں زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ملتا ہے وہ بھی اگر

رہے تو اچھا ہے"!
مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ کے دست راست عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ حسنؓ سے مجمع عام میں دست برداری کا اعلان کرا دیں۔ تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے بھی سن لیں۔

؎۱ استیعاب جلد ص ۳۸۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ترجمہ حسنؓ ص۱۷۵ ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۱۹ ص۲۳ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۷۰
؎۲ طبری ج ۷، ۲ ص ۱، (واقعات سنہ ۴۱ھ)

عمرو بن العاصؓ کے اصرار سے مجبور ہوکر معاویہ نے حضرت حسنؓ سے دست برداری کے اعلان کی درخواست کی، آپ کو اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا:

امابعد، لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خون ریزی کرائی۔ دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز، بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے۔ یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں، یا میں ہوں۔ دونوں صورتوں میں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خون ریزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا ہوں، پھر معاویہؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔" یہ خلافت تمہارے لئے چند روزہ سرمایہ ہے" یہ سن کر امیر معاویہؓ بولے بس کیجئے اور عمرو بن العاصؓ سے کہا تمہارا مقصد حاصل ہو گیا، تم یہی سننا چاہتے تھے۔[1]

حضرت حسنؓ مدینہ میں آکر خانہ نشین ہو گئے، خلافت سے آپ کی دست برداری بہت سے لوگوں کو پسند نہ آئی، طنز و تعریض کرتے مگر آپ خاموش رہتے۔

اس امن پسندی کے باوجود، زہر دے کر ہلاک کر دیئے گئے۔ اور عین اس وقت جب جسم و جان کا رشتہ منقطع ہو رہا تھا، سبط رسولؐ کے کردار اور حلم و عفو کا یہ عالم تھا:

" ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا، آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا،

یہ صحیح ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی، زہر نہایت قاتل تھا، اس لئے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت امام حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان

---

[1] استیعاب و اسد الغابہ

کیا۔ آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا نام پوچھ کر دگے؟ عرض کیا قتل کروں گا، فرمایا اگر میرا گماں صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔"

- حضرت حسن مسند خلافت سے دست بردار ہو گئے،
- دست برداری کے بعد کبھی کسی سیاست میں حصہ نہیں لیا،
- یکسر عزلت اور خاموشی کی زندگی بسر کرتے رہے۔
- زہر دے کر ہلاک کئے گئے،
- مگر جس نے زہر دیا تھا، اس کا نام تک نہ لیا،
- لیکن امیر معاویہ کے دست راست، مروان بن الحکم نے شہادت کے بعد بھی آپ کو معاف نہیں کیا۔

• آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ حضرت عائشہؓ سے اس کی اجازت مانگ بھیجی۔ آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی، حضرت حسن نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ پھر اجازت لینا۔ ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دیدی ہو، اگر اس وقت بھی اجازت دیدی تو روضۂ نبویؐ میں دفن کرنا۔ مجھکو خطرہ ہے کہ اس میں بنو امیہ مزاحم ہوں گے اگر یہ صورت پیش آئے تو روضۂ نبویؐ میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کر دینا[1]

وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی، آپ نے پھر اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی، لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا، حضرت حسنؓ کسی طرح روضۂ نبویؐ میں دفن نہیں کئے جا سکتے۔ ان لوگوں نے عثمانؓ کو یہاں دفن ہونے نہیں دیا، اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسینؓ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ

---

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۴۵؛ دحر درج الذہب جلد ۳ ص ۳۸۵

بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور کہہ چلائے کہ "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ کو نانا کے پہلو میں دفن کیے جانے سے روکا جاتا ہے۔ پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا، اس یاد دہانی پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور اقلیم صلح و سالمت کے تاجدار اور حلم و مرد باری کے پیکر کو اس کی ماں فاطمہؓ زہرا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔[1]

حضرت اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبویؐ میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا"[2]

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہ ملتی تھی۔ ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت اژدہام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی[3]

حضرت امام حسنؓ کی دست برداری، درحقیقت تاریخ کا ایک نہایت اہم، یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ ہے، وہ اگر چاہتے تو مسند خلافت کے حصول کے لئے آخر دم تک لڑ سکتے تھے، لیکن امت کی فلاح اسی میں نظر آئی کہ اپنے تسلیم شدہ حق سے دست کش ہو جائیں۔:

"دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارناموں کو اتحکام، فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے لحاظ سے جانچا جاتا ہے۔ اگر معیار کو ذرا اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک و قوم کی اصلاح اس کا پیمانہ ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ بلند کوئی معیار نہیں، لیکن حضرت حسنؓ نے دنیا کے سامنے ایک نیا نمونہ پیش کیا۔ آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی، نہ ممالک فتح کیے، نہ فوج و خزانہ جمع کیا۔ بلکہ ان تمام چیزوں اور اس عظیم الشان حکومت

---

[1] استیعاب و اسد الغابہ، [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۱، تہذیب الکمال ص ۸۹ (تاریخ اسلام)

کوحبس کا ایک سرا سندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر، مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی اصلاح و فلاح کے لئے چھوڑ دیا، یہ وہ کارنامہ ہے، جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کرسکتی ہے۔ حکومت کے بقاو تحفظ اور اس کی توسیع کے لئے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے۔ بلکہ قصرِ حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے، اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لئے تختِ حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے۔

ظاہری حالت سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے حکومت کی کمزوریوں سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑ دی، یہ واقعہ ہے کہ آپ کے ہواخواہوں میں سے ہر شخص دستبرداری کے خلاف تھا۔

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا۔ عرب کے نامور مدبر قیس بن سعدؓ مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، اور آخر تک امیر معاویہؓ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے ان کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے[1] بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا[2]

لیکن مسلمانوں کی خونیں تاریخ نگاہوں کے سامنے تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا۔ مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی، ملک میں بدامنی بپا تھی، آپ نے دیکھا کہ تختِ حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی۔ یہ سودا آپ کے لئے بہت گراں تھا۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا، اس لئے امت کی بھلائی کے لئے آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا۔ سب سے پہلی مرتبہ جب آپ نے اپنے عزیزِ خاص حضرت جعفر طیارؓ کے صاحبزادے

---

[1] ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۹ [2] مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۰

سے دست برداری کا خیال ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا کہ میں نے ایک رائے قائم کی ہے امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرد گے، ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے۔ خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں۔ عزیز کو عزیز کا پاس نہیں۔ قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں۔ سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں۔ اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں [1]۔

ایک موقع پر جبکہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا آپ نے فرمایا "عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں نے خالصتاً للہ اور مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لئے خلافت چھوڑ دی [2]۔

اور یہ تھا وہ شخص :-

- جس کے سامنے، بر سر عام منبر پر مروان حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتا تھا، اور ان کا دل جلاتا تھا، مگر وہ خاموش رہتے تھے [3]، حالانکہ امیر معاویہؓ سے جو شرائط صلح طے ہوئے تھے ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سب علیؓ کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا [4]!
- مروان خود آپ کے روبرو آپ کو ناسزا اور درشت الفاظ سے مخاطب کرتا مگر آپ چپ رہتے [5]!
- اور پھر یہی مروان تھا جس نے نواسے کو نانا کے پہلو میں دفن بھی نہ ہونے دیا جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے،

ان واقعات و حقائق کی روشنی میں آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب باتیں کس چیز کی تمہید تھیں؟ کس آنے والے دستور زندگی کا پیش خیمہ تھیں؟ نظام خلافت راشدہ کی جگہ اب کون سا نظام سلطنت آرہا تھا؟ -

---

[1] ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۲۱ و ۲۲۲ [2] مستدرک، حاکم جلد ۳ ص ۷۰ [3] تاریخ الخلفا، ص ۱۶۹ [4] تاریخ اسلام (عہد خلافت راشدہ) [5] تاریخ الخلفا ۱۶۹ (تاریخ اسلام)

حالات نظر کے سامنے تھے اور صاف معلوم ہو رہا تھا، عہد سعادت و رشد ختم ہوگیا
کی حکومت اور سنت نبویؐ کی سلطانی کا دور گزر گیا، اب ملوک و سلاطین کا دور شروع ہو رہا
یہ دور اگر تدریج کے ساتھ آتا تو شائد اتنا نہ کھلتا، لیکن دفعتہً آیا، رسول اللہؐ، پھر ابو بکرؓ
پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر حسنؓ، اور پھر ان نفوس قدسی کے بعد دفعتہً امیر معاویہ کی بادشاہت
اور پھر فوراً یزید کی حکومت اور مروان وغیرہ، !

کیا یہ تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نہیں تھا؟

ایک موازنہ

•

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا؟

•

نبیؐ کا آخری خطبہ

اسلام کی دعوت پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا، اللہ کے دین میں جوق در جوق، موج در موج، اور فوج در فوج لوگ داخل ہو رہے ہیں،

وہی مکہ جہاں داعی اسلامؐ کی پکار پر انکار و طغیان کا مظاہرہ کیا جاتا تھا، جہاں اسلام کے پیامبرؐ کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں، جہاں ایک خدا کا نام لینا جرم تھا، جہاں اسلام کا اعتراف و اقرار ناقابل معافی جرم تھا، جہاں محمدؐ کی رسالت پر ایمان لانا اپنے لئے خطرات گوناگوں کو دعوت دینا تھا، آج مرکز توحید ہے، کفر نے سر چھپا لیا، اور اسلام کا سورج چمکنے لگا، باطل ناکام ہوا، اور حق کے حصہ میں کامیابی اور کامرانی آئی،

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

اتمام نعمت الٰہی اور تکمیل دین ابراہیمی کے بعد ربّ کی طرف سے بندےؐ کا بلاوا آگیا، بندہ اپنے ربّ سے ملنے کے لئے بے قرار ہونے لگا، دنیا کی زندگی ناگوار گذرنے لگی، رفیق اعلیٰ کی یاد ستانے لگی، پیامبرؐ اپنا پیام پہنچا کر، واپسی کی تیاریاں کرنے لگا،

آخری حج کے موقع پر یعنی وفات سے کچھ پہلے، افضل البشر، اور سیّد الانبیاءؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا،

یہ وداعی خطبہ تھا،!

عرب خود را به نور مصطفیؐ سوخت
چراغ مردۂ مشرق برافروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد۔۔۔!
کہ اوّل مومناں را شاہی آموخت

خلافت بر مقام ما گواہی است
حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظ ناموس الٰہی است!

اس خطبہ میں مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں کہ آپ کے سفر آخرت کے بعد وہ گمراہ نہ ہونے پائیں ،،!

اس خطبہ میں آپؐ نے فرمایا :

"میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا ، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا ،! ص۱

اس خطبہ میں آپؐ نے فرمایا !

" مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے ، باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں ، اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں ،! ص۲

پھر ارشاد ہوا ، :

کچھ معلوم ہے آج کون سا دن ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا ، خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے ؟ لوگوں نے کہا ہاں بیشک ۔ پھر ارشاد ہوا ، یہ کون سا مہینہ ہے ؟ ۔ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا ۔ آپؐ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کیا ذوالحجہ نہیں ہے ؟ ۔ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے پھر پوچھا یہ کون سا شہر ہے ؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا ، آپ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے ۔!

اس مبارک دن ، اس مقدس مہینہ ، اور اس بلدۂ طیب کی اہمیت اس طرح اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد فرمایا :

" تمہارا خون ، تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے ص۳

---

۱ فتح الباری ج ۳ ص۲ ابن ماجہ ، باب الخطبۃ یوم النحر ص۲ فتح الباری ج ۳ (تاریخ اسلام)

اور یہ سب کچھ ارشاد فرمانے کے بعد، آخری اور اہم ترین بات ارشاد فرمائی:۔
اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے (موت) قبول کرنا پڑے میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑنا چاہتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں میں اپنے اہلبیت کے بارہ میں تم کو خدا کو یاد دلاتا ہوں [1]

پھر خطبہ کے اختتام پر حاضرین سے دریافت فرمایا۔
"کیا میں نے تمہیں خدا کا پیام پہنچا دیا؟"
سب نے یک زبان ہوکر عرض کیا۔:
"بے شک"!
یہ اعتراف کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:۔
"اے خدا تو گواہ رہنا"!
یعنی جس طرح آج کے دن تو نے اپنا دین مکمل کر دیا، میں نے اسی طرح آج کے دن اپنا پیام پہونچا دیا،
لیکن یہ پیام صرف انہی لوگوں تک پہونچا تھا، جو یہاں موجود تھے، جو اپنے کانوں سے نطق رسول ص سن رہے تھے، بہت سے تھے جو یہاں موجود نہیں تھے، آنے والی ہزار ہا نسلیں تھیں، جو اس سے محروم رہی جا رہی تھیں۔ لیکن یہ پیام اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے اس کا سزاوار تھا کہ حاضر و غائب سب تک پہنچے، ان لوگوں تک بھی جو اس دنیا میں موجود ہیں، اور ان لوگوں تک بھی جو اس دنیا میں آنے والے ہیں، لہٰذا، ارشاد فرمایا:
"وہ جو یہاں موجود ہے، اس تک جو موجود نہیں ہے یہ پیام پہونچا دے"!

---

[1] صحیح مسلم ج ۲، کتاب الفضائل،

اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کو "الوداع"[صلعم] کہا، اور خطبہ ختم فرما کر، حج کے باقی مناسک ادا کرنے میں مشغول معروف ہو گئے۔

یہ خطبہ، یہ نبی آخرالزماںؐ کا آخری خطبہ ایک دنیا کے معانی اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے، ! اس خطبہ کے استناد پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اس خطبہ میں آپؐ نے "ثقلین" کا ذکر فرمایا ہے، اور خود ہی تشریح فرما دی ہے کہ اس سے مراد کلام الٰہی اور اہل بیت ہیں، ! ۔ اہلبیت جنہیں رسولؐ کی زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کا سب سے زیادہ موقعہ ملا،

لیکن خلافت راشدہ کا دور ختم ہوتے ہی دونوں چیزیں ہدف ستم بن گئیں، نہ قرآن کی حکومت رہی۔ نہ اہل بیت کا وجود برداشت کیا گیا، بلکہ کوشش کی گئی کہ یہ نسل ہی ختم ہو جائے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

[illegible] باب حجۃ النبیؐ [illegible] تاریخ اسلام)

تصویر کا پہلا رُخ

اب میں یہ بتاؤں گا کہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس آخری خطبہ (خطبہ حجۃ الوداع) کے نصائح اور ہدایات پر ان لوگوں نے جو مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے کہاں تک عمل کیا؟ اور اس عمل کا، عامۂ مسلمین پر، نظام حکومت پر، مسلمانوں کی تہذیب اور ثقافت پر، قومی اخلاقیات پر، اقدار انسانی پر، اسلام کے اس مزاج پر جو عہد رسالت میں راسخ ہو گیا تھا، کیا اثر پڑا؟ اور اس کے نتائج و عواقب کس صورت میں رونما ہوئے؟ جب تک یہ حقیقت سامنے نہ آجائے، صحیح طور پر اندازہ نہ ہو سکے گا کہ آگے چل کر کوڑوں اور تلواروں کا جو دور شروع ہوا اس کے اصل مضمرات کیا تھے؟ قید و زنداں، اور دار و رسن کا جو طوفان اٹھا اس کی اصل غرض و غایت کیا تھی؟

آں حضرت صلعم کے بعد خلافت کو آسانی سے دو زمانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے پہلا زمانہ وہ تھا جو صدیق اکبرؓ سے شروع ہوا، اور امام حسنؓ پر ختم ہو گیا۔ دوسرا زمانہ وہ ہے جو امیر معاویہ سے شروع ہوا، اور آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ پر یورش تاتار کے بعد ختم ہو گیا ——!

تاریخ میں پہلا دور، عہد خلافت راشدہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا دور، گو، خلافت کے نام سے موسوم رہا، لیکن درحقیقت یہ ملوکیت اور شاہی کا دور تھا،!

پہلے دور کے متعلق میں بہت کچھ مواد پیش کر چکا ہوں، کچھ سلسلۂ بیان قائم رکھنے کے لئے
اب پیش کروں گا، دوسرے دور کے بارے میں، اب تک میرا قلم اجمال سے کام لیتا
رہا ہے، اب ذرا وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالوں گا، پہلے دور کا طرز عنوان ہے،
"تصویر کا پہلا رخ"! دوسرے دور کی سرخی ہے، "تصویر کا دوسرا رخ"! پہلا
دور، سعادت، برکت، رحمت، وسعت، اور للہیت کا دور ہے، دوسرا دور دنیا طلبی
اور دنیا سازی کا دور ہے، پہلے دور میں کہ کوئی غیر مسلم، سپاہی سے لے کر، قاضی القضاۃ تک،
کسی منصب پر فائز نہیں تھا، لیکن حالت یہ تھی کہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر، ان کے کردار
سیرت کا نظارہ کر کے، ان کے خلیفوں کے عدل، مساوات، اخوت، بے لوثی بے نفسی،
خاکساری، اور فروتنی دیکھ کر خود بخود اسلام کی طرف لپکتے تھے، اور اسلام کے حلقے میں
داخل ہو جاتے تھے، دوسرے دور میں غیر مسلم، بڑے سے بڑے منصب پر فائز ہوئے،
انھیں جاگیریں دی گئیں، انعامات عطا کئے گئے، خزانے کے دروازے ان کے لئے کھول
دیئے گئے، ہر طرح سے ان کی قدر افزائی کی گئی، لیکن اسلام کی رفتار اشاعت سست رہی،
اس لئے کہ اب وہ نمونے نہیں تھے جنہیں دیکھ کر بے ساختہ دست بیعت بڑھا دینے کا جی
چاہتا تھا، اب وہ نمونے سامنے تھے جن کی مثالیں ان کی نظر میں تھیں یعنی ملوک فارس و روم
ان نمونوں میں ان کے لئے کوئی خاص کشش نہیں تھی، یہ چیز تو خود ان کے پاس بھی رہ چکی تھی
یہ پونجی بازار جہاں میں نایاب نہ تھی، ہر ملک میں بافراط اور بکثرت ملتی تھی،!

فتوحات اور کشور کشائی کا دور، پہلے عہد، یعنی عہد خلافت راشدہ ہی میں شروع
ہو چکا تھا، لیکن ان فاتحین کی نظر نہ مال و زر پر تھی، نہ تخت و تاج پر، نہ لشکر و سپاہ پر، نہ
شبستان عیش و بزم عشرت پر، نہ عالی شان محلوں اور سر بہ فلک ایوانوں پر، ان چیزوں
کو دیکھ کر وہ حقارت سے منہ پھیر لیتے تھے، ان چیزوں کا جادو ایک لمحہ کے لئے بھی ان پر
نہیں چلا، خراج اور مال غنیمت کی صورت میں اونٹوں پر لد لد کر سونے چاندی کے ڈھیر
ان تک پہنچتے تھے، اور مستحقین پر تقسیم کر دیئے جاتے تھے، ان کا لباس وہی پیوند لگے ہوئے
کپڑے، ان کا بستر، وہی بوریہ فقر، ان کی غذا وہی نان جویں،! —— پھر کیسے لوگ

ان کی طرف نہ لپکتے اور بیتابانہ اپنی روح تک ان کے حوالے نہ کردیتے؟

مدائن، ـــــــــ فارس کی تہذیب وثقافت، امارت وثروت اور جاہ وجلال کا دل، ایران کا سب سے بڑا، مرصع، اور زرنگار شہر، کسریٰ کا پایۂ تخت، !

مدائن کے فاتح سعد بن ابی وقاص ہیں! اس فتح کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اور اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے محمد حسین ہیکل کے خامۂ بہار آفریں نے سماں باندھ دیا ہے ـ مولانا شبلی نے "الفاروق" میں اور دوسرے جلیل القدر مورخین نے جو سرمایہ اس موضوع پر پیش کیا ہے، ہیکل نے اس سب کو اپنے الفاظ میں سمیٹ لیا ہے، !

فاتح فوج شہر میں داخل ہوتی ہے:

کسریٰ کا شہر اور اس کا ایوان اور یہ ہے جزیرہ نمائے عرب کی خشک وسنگلاخ زمین کے فوجی، جو خوش رنگ پھولوں، سرسبز درختوں اور طرح طرح کے پھولوں سے نگاہوں کو آسودہ کرتے ہوئے قصر شاہی کے حسین وجمیل باغوں سے گذر رہے ہیں ـ باغوں سے دالانوں میں پہنچے اور ان کی دلکشی دیکھ کر اور بھی حیرت میں رہ گئے ـ دیواروں کے حسین نقش ونگار اتنی نفاست ونزاکت سے بنائے گئے تھے کہ تعریف نہیں کی جاسکتی ـ سامان آرائش ایسا تھا کہ اس کی نظیر دمشق میں بھی نہ ملتی تھی، ایرانی ریشم کے زرکار پردے اور عیش وعشرت کا نظر فریب سامان ـ غرض یہ کہ مشرقی ممالک کی صنعت کے بہترین نمونے اس ایوان میں جمع تھے،

حضرت سعدؓ نے کسریٰ کے محل میں قیام فرمایا اور ایوان شاہی کو مسجد بنادیا، اس کی مورتیوں کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ـ

مسلمانوں نے کسریٰ کے خزانوں کو مال ودولت نفیس پوشاکوں بیش قیمت برتنوں اور اعلیٰ قسم کی خوشبوؤں سے لبریز پایا، جن کی قیمت بیان کرنے سے زبان اور قلم دونوں عاجز ہیں ـ حضرت سعدؓ نے یزدگرد اور اس کے ساتھ حلوان فرار ہونے والوں کے تعاقب میں فوج بھیجی ـ اس فوج نے آنہیں جالیا، اور وہ سامان بھی ان سے چھین لائی جو وہ

مدائن سے لے کر بھاگ گئے تھے اور جس کی قیمت محل کے سازو سامان کی قیمت سے بھی زیادہ تھی مدائن کے گھروں میں مسلمانوں کو ایسی ایسی نادر و نفیس چیزیں ملیں کہ وہ ہکا بکا رہ گئے اس سے ظاہر ہوتا ہے اس زمانہ میں دنیا کی کوئی قوم ایرانیوں سے زیادہ خوشحال نہ تھی ،،!"

فاتح کے سامنے کسریٰ کا خزانہ آتا ہے :

"مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کو کسریٰ کے خزانوں سے تیس کھرب دینار ملے اور محل میں جو سامان تھا اس کی قیمت کا تو ٹھکانا ہی نہ تھا جو لوگ یزدگرد کے تعاقب میں روانہ کئے گئے تھے وہ کسریٰ کا موتیوں اور جواہرات سے مرصع تاج اور زرکار ریشمی ملبوس لے کے آئے جس میں جواہرات ٹنکے ہوئے تھے، کسریٰ کی زرہ اور تلوار وغیرہ جو تاج اور ملبوس کے ساتھ لائی گئی تھیں۔ وہ بھی جواہرات سے مزین تھیں تعقاع بن عمرو نے ایک ایرانی کا تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا، اس کے قبضے سے دو تھیلے برآمد ہوئے جن میں کسریٰ ہرقل، خاقان ترک، نعمان اور ان کے دوسرے بادشاہوں کی زرہیں اور تلواریں تھیں جن سے ایرانیوں سے جنگ کی تھی ۔ عصمہ بن خالد ضبیؓ دو پٹارے لائے ان میں سے ایک میں سونے کا گھوڑا تھا، جس پر چاندی کی زین کسی تھی ساز چاندی کا تھا اور اس میں یاقوت و زمرد جڑے تھے ۔ سوار بھی چاندی کا تھا جس کے سر پر جواہرات کا تاج تھا ۔ دوسرے پٹارے میں چاندی کی اونٹنی تھی جس کی مہار لگام اور پالان سونے کے تھے اور ان میں یاقوت پروئے ہوئے تھے ناقہ سوار سونے کا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا ۔ مدائن کے مکانوں میں مسلمانوں کو سر بمہر چھابے ملے وہ سمجھے ان میں کھانا ہوگا مگر دیکھا تو سونے چاندی کے برتن تھے ۔ غرض یہ کہ اس قسم کی چیزیں مسلمانوں کو اس کثرت سے ملیں کہ بازار میں سونا اور چاندی ایک نرخ پر بک گئے۔"

یہ دولت فراواں ،،!

دنیا کے سارے جھگڑے، روپے کی خاطر ہی تو ہوتے ہیں، یہی چیز تو ہے جو ایمان میں تزلزل پیدا کر دیتی ہے، نیت بگاڑ دیتی ہے، نفع عاجل کے لئے آدمی نفع آجل

کو فراموش کر دیتا ہے، تو نقد نہ تیرہ ادھار، آج جو مل رہا ہے، اسے چھوڑ کر کل کا انتظار کیوں کیا جائے؟

اور اس موقع پر فاتح کا، اور اس کے لشکریوں کا ایمان اگر جواب دے جاتا تو کم از کم اس دنیا میں مواخذہ اور احتساب کا کوئی اندیشہ نہ تھا، نہ یہاں کوئی ساز و سامان کی فہرست (INVENTRY) تھی کہ بلحاظ قیمت اس سے مطابقت کرتا، نہ کوئی رجسٹر تھا، جس میں شہر اور محل کی تمام چیزیں درج ہوتیں،

لیکن اس فوج نے جواب تک نور نبوی سے مستنیر تھی، نہ صرف یہ کہ شہر کو نہیں لوٹا، بلکہ، جو کچھ پایا اس میں بھی ہاتھ نہیں لگایا ہیکل نے لکھا ہے:

"بلکہ جس نے جو چیز پائی بجنسہٖ لاکر افسر کے پاس لاکر حاضر کر دی کہ حضرت سعدؓ اس کے متعلق جو چاہیں فیصلہ کر دیں۔ جب قعقاع بن عمرو نے کسریٰ اور دوسرے بادشاہوں کی تلواریں لاکر پیش کیں تو حضرت سعدؓ نے ان سے فرمایا: "اس میں سے جو تمہیں پسند ہو، لے لو" لیکن انھوں نے صرف ہرقل کی تلوار پسند کی، باقی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ ایک سپاہی مال غنیمت کے خزانچی کے پاس جواہرات کا ڈبہ لے کر آیا۔ جسے دیکھ کر خزانچی اور حاضرین مجلس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا "جتنا سامان اب تک ہمارے پاس آیا ہے اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جسے اس کے مقابلہ پر رکھا جا سکے یا جو اس سے انیس ہی ہو!"

اس سپاہی سے پوچھا "تم نے اس میں میں سے کچھ لیا تو نہیں؟" اس نے کہا "خدا کی قسم نہیں اور اگر ایک بات نہ ہوتی تو میں تمہیں لاکر ہی نہ دیتا"۔ انھوں نے پوچھا وہ کیا" کہنے لگا "یہ میں نہیں بتاؤں گا تم اسے سن کر میری تعریف کروگے۔ لیکن میں خدا کی تعریف کرتا ہوں اور اسی کے اجر پر مطمئن ہوں!" حضرت سعدؓ کو جب اس سپاہی اور دوسرے راست بازوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا" واللہ! لشکر کا لشکر امین ہے۔ اور اگر اصحاب بدرؓ کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ لوگ اصحاب بدرؓ کے ہم رتبہ ہیں" جابر بن عبداللہؓ کہتے تھے "قسم ہے خدا کی! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہمیں قادسیہ کے مجاہدین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا بھی طلب کی ہو۔

لڑنے والوں میں سے ہر غائب و حاضر کا حصہ پہلے نکال لیا - فرشِ کسریٰ اپنی ساخت کے لحاظ
سے ناقابلِ تقسیم نظر آیا - اس لئے اہلِ مجلس سے فرمایا: "اس فرش کے متعلق آپ حضرات کی
کیا رائے ہے؟" بیشتر لوگوں نے کہا "فوج نے یہ آپ کو دیا ہے آپ جو مناسب سمجھیں کریں"
اور کچھ لوگ بولے "یہ صرف امیر المومنین کے لئے ہے! اس میں کسی کا حصہ
نہیں!" اس پر حضرت علیؓ بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور فرمایا:
آج اگر آپ اس کو رہنے دیں گے تو کل اس پر وہ شخص قبضہ کرلے گا، جو کسی
کسی طرح اس کا مستحق نہیں ہے!" حضرت عمرؓ نے فرمایا "آپ نے سچ کہا اور مجھے
نیک مشورہ دیا!" اس کے بعد اس فرش کو پھاڑ پھاڑ کر بانٹ دیا - حضرت علیؓ کے حصہ میں
جو ٹکڑا آیا اگرچہ وہ کوئی خصوصیت نہ رکھتا تھا پھر بھی وہ بیس ہزار میں فروخت ہوا"!

کیا ایسے لوگوں پر بھی دنیا غالب آسکتی تھی؟ کیا یہ مناظر عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد
دنیا پھر کبھی دیکھ سکی؟

اگر دنیا نے کبھی لبھایا بھی، خلیفۂ راشد کی نگاہ برق آفریں نے اس طرح کی ساری
امنگوں اور حسرتوں کا خرمن جلا کر خاکستر کر دیا، انہی سعد کا قصہ ہے:-

"حضرت سعدؓ نے کوفہ میں قیام کیا اور اپنی قیام گاہ میں ایک دروازہ بنوا کر اس پر چھت
ڈلوادی اس لئے بازار کا شور و غل ان کی گفتگو میں مخل ہوتا تھا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ
سعدؓ نے معمار سے کہا: "مجھے اس ہنگامہ سے نجات دلاؤ" اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ملی اور
ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگ اس مکان کو قصرِ سعدؓ کہتے ہیں - حضرت عمرؓ نے محمد بن
مسلمہؓ کو کوفہ روانہ کیا اور انھیں حکم دیا "محل کے دروازے کو آگ لگا کر الٹے پاؤں واپس
آجانا!" ابن مسلمہؓ کوفہ پہنچے - حضرت سعدؓ کو خبر ملی تو انھیں بلایا، لیکن انھوں نے محل میں
داخل ہونے سے انکار کر دیا - چنانچہ حضرت سعدؓ خود باہر آگئے - اور ان کے سامنے
کھانا پیش کیا، ابن مسلمہؓ نے کھانا بھی قبول نہ کیا اور حضرت عمرؓ کا خط انھیں دیا - خط میں
لکھا تھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے محل تعمیر کرایا ہے جو قلعہ بن گیا ہے، اور قصرِ سعدؓ
کہلاتا ہے تمہارے دروازے پر لوگوں کو روک ٹوک ہے یہ تمہارا محل نہیں کہ

حضرت سعدؓ نے مدینے بھیجنے کے لئے مال غنیمت کا خمس علیحدہ کیا۔ جنہیں دیکھ کر عرب تصویر حیرت بن گئے۔ انھوں نے وہ فرش بھی بھیج دیا، جس پر کسریٰ بیٹھا کرتا کرتا تھا، فرش ساٹھ مربع گز تھا اور شاہان آلِ ساسان اسے موسم بہار گزر جانے کے بعد شدتِ سرما میں استعمال کرتے تھے اس پر مملکت کا نقشہ بنا ہوا تھا اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا موتیوں کی نہریں تھیں۔ کناروں پر چمن تھے جن میں سبز رنگ کے درخت قائم کئے گئے تھے اور درختوں کے تنے سونے کے پتے ریشم کے اور پھل جواہرات کے تھے۔"

کسریٰ کا خزانہ مدینہ روانہ ہو رہا ہے، !

"بشیر بن خصاصیہ خمس لے کر مدینے پہنچے اور اسے امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا حضرت عمرؓ کو حضرت سعدؓ کے خط سے فتح مدائن کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ اپنے اس خط میں حضرت سعدؓ نے واقعات اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے تھے گویا حضرت عمرؓ خود اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود جب انھوں نے مالِ غنیمت کی کثرت ونفاست اور مسلمانوں کی امانت ودیانت دیکھی تو حیران رہ گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: "جن لوگوں نے یہ سب چیزیں لا کر حاضر کر دیں۔ واقعی، وہ بڑے امانت دار ہیں!" حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جواب دیا: "چونکہ آپ کا دامن پاک ہے اس لئے آپ کی رعایا بھی پاک دامن ہے۔ اگر آپ کی نیت ٹھیک نہ ہوتی تو اس کی نیت میں بھی فتور آجاتا۔

حضرت عمرؓ کے اس کردار اور پھر اس خوف نے کہ آل ساسان کی یہ دولت اللہ تعالیٰ نے کہیں آزمائش کے لئے عطا نہ کی ہو، انھیں بے حال کر دیا اور وہ اتنا روئے، اتنا روئے کہ حاضرین کو ان پر رحم آگیا۔ اس کے بعد انھوں نے اس دولت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایسے فروخت نہ کر دوں گا اور شام ہونے سے پہلے تقسیم کر دوں گا"

کرتا پہنے ہوئے تھے جس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض پیوند اُدھوڑی کے تھے۔

ابن کثیر اس سفر کے سلسلہ میں الغاد مشقی سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر ایلیا کے رستے جابیہ تشریف لائے آپ کی پیشانی سے اوپر کا حصہ دھوپ میں چمک رہا تھا سر پر نہ ٹوپی تھی نہ عمامہ، دونوں پاؤں بے رکاب کجاوے کے اگلے پچھلے حصّے کے درمیان رگڑ کھا رہے تھے۔ اونٹ کی پیٹھ پر ایک اونی کمّل تھا۔ جو قیام کی حالت میں بستر کا بھی کام دیتا تھا خرجی چیتے کی کھال یا شملے کی تھی جس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ اس خرجی کو ضرورت کے وقت تکیہ بنالیا جاتا تھا۔ امیر المومنین گاڑھے کا بوسیدہ کرتا پہنے تھے جو پہلو سے پھٹا ہوا تھا۔

جلومس نے عرض کیا " آپ عرب کے بادشاہ ہیں اس ملک میں آپ کا جانا زیب نہیں دیتا اگر آپ دوسرا لباس پہن لیں اور ترکی گھوڑے پر سوار ہو جائیں، تو رومیوں کی نگاہ میں عظمت بڑھے گی؟ ارشاد فرمایا " **خدا نے ہمیں جو عزت دی ہے وہ اسلام سے ہے۔ اس کے سوا ہمیں کچھ نہیں چاہیئے۔!**

ابن کثیر نے طارق بن شہاب کی بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ ان کا بیان ہے "جب حضرت عمرؓ شام پہنچے تو ایک جگہ رستے میں پانی روک بن گیا۔ آپ اپنی اونٹنی سے اترے موزے اتار کر ہاتھ میں لے لئے اور اونٹنی کو ساتھ لے کر پانی میں اتر گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے (تعریف کرتے ہوئے) کہا " آپ نے وہ کام کیا ہے۔ جس کی اہل زمین کے نزدیک بڑی عظمت ہے۔ آپ نے یہ کیا اور وہ کیا۔ فاروق اعظمؓ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا " ابو عبیدہؓ! یہ بات تمہارے کہنے کی نہ تھی۔ کوئی اور کہتا تو کہتا۔ **تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے زیادہ قلیل تھے، اللہ نے تمہیں اسلام سے عزت دی۔ اب جب بھی تم اللہ کے سوا کسی سے عزت طلب کرو گے اللہ تمہیں ذلیل کر دے گا!"**

ہلاکت کا محل ہے اور وہ حصّہ جو بیت المال سے ملا ہوا ہے نکال ڈالو اور اس کو بند کر دو! محل کے دروازے پر خبردار کوئی پہرچوکی نہ رہے جس سے لوگوں کی روک ٹوک ہو!"

فتح مدائن مکمل ہوگئی، !

کسریٰ کا خزانہ، اس کے محلات، بیش قیمت ساز و سامان، سب چیزیں مسلمانوں کے قبضہ تصرف میں آگئیں۔ عرب ایک بہت بڑے ملک پر، اس کی دولت پر، اس کے وسائل و ذرائع پر قابض ہو گئے۔

لیکن فتوحات کا سیل بیک سیرو زمین گیر رواں دواں ہے، !

شام فتح ہوگیا، بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا، فلسطین پر مسلمانوں کا پرچم لہرانے لگا، وہاں کی زمین بھی ان فاتحوں کے لئے فرش راہ بن گئی، وہاں کے در و دیوار اور شجر و حجر بھی اسلام کے سپاہیوں کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

اور اب ۔۔۔۔۔۔۔۔

اور اب وہ خلیفۂ راشد جس کے حکم سے تسخیر ایران فتح مدائن، اور سقوط شام کا واقعہ پیش آیا تھا، خود ارض مفتوح کی طرف قدم بڑھا رہا ہے، یہ واقعہ بھی ہم ہکل کی زبان سے سنیں گے، !

" واقدی اور اس کے متبعین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی اونٹنی پر روانہ ہوئے اونٹنی پر دو تھیلے تھے جن میں سے ایک میں سے ستو تھے اور دوسرے میں کھجوریں۔ آپ کے سامنے پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ تھا اور پیچھے زادِ راہ کا کشکول۔ مسلمانوں کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ روزانہ صبح آپ کشکول بیچ میں رکھ دیتے۔ اور سب آپ کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اثنائے سفر میں آپ ان مسلمانوں کو جو آپ کے ہمراہ تھے، دین کی تعلیم دیتے تھے اور دین کے خلاف ان باتوں سے روکتے تھے جن کا ارتکاب وہ ناواقفیت کی وجہ سے کر بیٹھتے تھے جب وہ شام کے قریب پہنچے تو سواروں کا ایک دستہ اپنی طرف آتے دیکھا جو حضرت ابو عبیدہؓ نے اس لئے بھیجا تھا کہ انھیں حضرت عمرؓ کی تشریف آوری کی خبر دے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس میں داخل ہونا چاہا اس وقت آپ ندے

لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد وہ زمانہ آیا کہ پوری مبالغہ آرائیوں کے ساتھ شعرا ان خلفا کی شان میں یہ قصیدے پڑھنے لگے، جو قیصر و کسریٰ کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان شاعروں کو، اور صرف ان شاعروں ہی کو نہیں، دوسرے ارباب نشاط کو بھی مسلمانوں کے بیت المال سے ہزاروں اور لاکھوں روپے انعام کے ملتے تھے،!

وہی صحابۂ رسولؐ جن کی چند سال بعد والے دور خلافت میں توہین کی گئی، عمرؓ کی نظر میں کیا وقعت رکھتے تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوگا۔

"مثنیٰ نے ایران کی جنگوں میں خالدؓ کے بعد نہایت نمایاں کردار ادا کیا، ان کے کمالات حربی دیکھ کر لوگ عش عش کر اٹھتے تھے، فتح عراق کی طرف خلافت اسلامیہ کی توجہ مبذول کرانے والے یہی بزرگ تھے، وہ عراق سے اچھی طرح واقف تھے، اور اس جنگ کو نہایت کامیابی کے ساتھ لڑ سکتے تھے، بویب کے معرکہ میں مثنیٰ نے جن حربی کمالات کا مظاہرہ کیا انھوں نے سب کو ان کا گرویدہ کر دیا، اس سے پہلے جسر کے معرکہ میں سالار لشکر ابو عبیدہ کی شہادت کے بعد یہی تھے، جو مسلمان سپاہیوں کو بڑی ہنرمندی کے ساتھ بچا لائے،!

حضرت عمرؓ نے، جریر بن عبد اللہ بجلی کو مثنیٰ کی مدد کے لئے بھیجا، یہ آئے اور قریب سے ہو کر گذر گئے، مثنیٰ سے جن کے ہاتھ میں عملاً لشکر کی کمان تھی، اور جن کی مدد کے لئے آئے تھے نہ ملے۔ مثنیٰ نے اس کی شکایت عمرؓ کو لکھ بھیجی، وہاں سے جو جواب ملا وہ اپنی معنویت کے اعتبار سے قابل غور ہے، اور اپنے مضمرات کے لحاظ سے بے حد اہم ہے،

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی پر تمہیں امیر نہیں بنا سکتا پھر جب حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو عراق بھیجا تو مثنیٰ اور جریرؓ دونوں کو لکھا کہ سعدؓ تمہارے امیر ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعدؓ سابقون اوّلون میں سے تھے اور سابقون اوّلون کو حضرت عمرؓ تمام مسلمانوں سے افضل سمجھتے تھے،!" ؎

یہ تھا تصویر کا پہلا رخ ، !
اب میں تصویر کا دوسرا رخ پیش کروں گا ، وہ بھی اسی طرح کے تاریخی حقائق
اور واقعات پر مبنی ہوگا ، !
میں نے پوری کوشش کی ہے ، اور میرا خیال ہے کہ اپنی اس کوشش میں مجھے پوری کامیابی بھی
ہوئی ہے کہ واقعات وحقائق کے بیان میں زیادہ سے زیادہ احتیاط اور استناد کا پہلو مدنظر رکھا
جائے ۔ صرف اسی طرح تاریخی شخصیتوں اور تحریکوں کا صحیح جائزہ لیا جا سکتا ہے ، !

سے اپنے لئے سب کچھ رکھ لیتے ہیں، اور دوسرے مستحقین کو اتنا بھی نہیں دیتے کہ وہ زندہ رہ سکیں، جسم وجان کا رشتہ قائم رکھ سکیں، ایران وشام وہی تھے خلافت راشدہ کے دور میں فتح ہوئے تھے حمص پر قبضہ کرنے اور وہاں کے عیسائیوں سے جزیہ لینے کے بعد جب عیسائیوں سے لڑنے کے لئے فوجی نقطۂ نظر سے حمص کو چھوڑنا پڑا تو چلتے وقت مسلمانوں نے جو جزیہ جو عیسائیوں سے لیا تھا واپس کر گئے، اور ان عیسائیوں نے رواداری، معدلت، اور للہیت کا یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی کہ اے خدا ان مسلمانوں کو ہمارے ہم قوم عیسائیوں پر غالب کرنا، کہ یہ ہمیں عدل دیتے، یہ ہمیں اخوت دیتے ہیں، وہ نہیں دیتے، اور یہ؟ —— اور یہ مسلمانوں تک کو عدل نہ دے سکے، مسلمانوں کو بھی مساوات نہ دے سکے، مسلمانوں کو بھی اخوت نہ دے سکے، !

کتنا فرق تھا ان میں اور اُن میں، !

کتنا عظیم الشان فرق، !

اتنا ہی عظیم الشان فرق جتنا نور وظلمت میں ہوتا ہے، صبح کے اجالے اور رات کی تاریکی میں ہوتا ہے، شب تار اور آفتاب عالمتاب میں ہوتا ہے۔

اُن کی ریت قائم رہتی، اور دنیا مسلمانوں کے تعمیری معجزات، اور شاہی کرّ وفرّ اور فتوحات کے سیل رواں سے محروم بھی رہتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا، وہ ریت مٹ گئی، اور مسلمانوں کے ملوک وسلاطین نے اپنے اقتدار واختیار اور جاہ وجلال کی بنا قائم کی، جو مسلمانوں کے خون ناحق، اور وقت کے ائمہ، صلحا، اور اتقیا کی کٹی ہوئی گردنوں سے بھری گئی۔ ان کا "حال" بامراد اور کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، جب تک ماضی کے نقوش تاباں ایک ایک کرکے نہ مٹا دیے جاتے، چنانچہ ہر نقش کہن کو انھوں نے پامال کیا، اور مطمئن ہو گئے ——— کالے کردیم، !

اس باب میں انہی حقائق پر، تاریخی صحت اور استناد کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں!

لطافت، بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا، !

تصویر کا دوسرا رخ

اب تصویر کا دوسرا رخ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، !

یہ دور خود اپنی تفسیر ہے، خود اپنا ترجمان ہے، خود اپنا غماز ہے، اس کے لئے کسی تعبیر و تشریح کی ضرورت نہیں، یہ سلطنت کا دور ہے، شاہی کا دور ہے، اس میں وہ نمونے نہیں ملیں گے، جو عہد رسالتؐ باسعادت، اور عہد خلفائے راشدین میں ملے تھے، وہ دنیا سے بھاگتے تھے، یہ دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں، ان کی تہذیب پیوند لگے ہوئے کپڑے، اور سوکھی روٹی تھی، ان کی تہذیب لباس فاخرہ، ملبوس شاہانہ ہے، پرندوں کا گوشت ہے۔ بنیذ کا جام ہے، وہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے، قرآن سنتے تھے اور روتے تھے، یہ گانا سنتے اور وجد کرتے، رقص و سرود کی محفلیں برپا کرتے اور خوش ہوتے ہیں، اسباب نشاط جمع کر رکھے ہیں اور اسی میں کھوئے رہتے ہیں، وہ خدا سے ڈرتے تھے، اور سب سے بے خوف تھے، یہ خدا سے نہیں ڈرتے، مگر ذرہ ناچیز تک سے دہشت زدہ رہتے ہیں، ان کی حکومت قرآن کی حکومت تھی، سنّت نبویؐ اور اسوۂ رسولؐ کی حکومت تھی، ان کی حکومت قیصر و کسریٰ کی حکومت ہے، نفس کی حکومت ہے، وہ ایک گدائے بے نوا کی جھڑکیاں بھی سن لیتے تھے. یہ صحابی رسولؐ کی موعظت و نصیحت بھی نہیں سنتے، وہ بیت المال سے اپنے لئے صرف اتنا لیتے تھے کہ زندہ رہ سکیں، جسم و جان کا رشتہ قائم رکھ سکیں، بیت المال

اس دور کی سب کی سب سے بڑی خصوصیت، بیت المال پر تصرف بے جا ہے اور یہیں سے تمام مفاسد، اور تنعمات وافر کا نہ ختم ہونے والا دور شروع ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین کے دور میں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ بیت المال سے جو کچھ اپنی ذات کے لئے لیتے تھے وہ صرف بہ قدر سدّ رمق، یعنی بھوکے نہ رہیں حضرت علی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کڑا کے کی سردی پڑ رہی تھی، آپ ایک پھٹی پرانی چادر پہنے جاڑے سے کانپ رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ایک شخص سے نہ رہا گیا۔ اس نے عرض کیا۔

"امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے متعلقین کا بھی تو حق ہے، آپ اتنی زحمت کیوں برداشت کرتے ہیں؟

فرمایا، "میں تمہارے حصّہ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا، ——————— اپنے حصّہ سے زیادہ لوں تو یہ مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی ——— یہ چادر جو میرے تن پر ہے مدینہ سے میرے ساتھ آئی ہے [۱]

لیکن خلافت راشدہ کے بعد جو دور شروع ہوا اس میں ہمیں یہ چیز نظر نہیں آتی ہولانا مناظر احسن نے اپنی کتاب "ابوحنیفہ" میں ضمناً اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: جب خلافت سلطنت کے قالب میں ڈھل گئی تو مسلمانوں کا وہی امیر جس کے فرائض کی ذمہ داریاں خواہ جتنی بھی اونچی ہوں، لیکن مالی حقوق کے میدان میں وہ مسلمانوں کی صف کا سب سے آخری آدمی قرار دیا گیا تھا۔ اب بادشاہ بن کر وہ اسلامی اموال کا سب سے پہلا مطلق العنان خود مختار بن گیا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہی گدی جس پر بیٹھنے والوں کو خلافت کے زمانے میں اس حال میں پایا گیا تھا جیسا کہ کبھی کبھی حضرت عمرؓ وقت پر گھر سے باہر نہ نکلتے، وجہ پوچھی جاتی تو اس زمانہ کی دنیا کا سب سے بڑا فرمانروا جواب دیتا۔ غسلت ثیابی فلما جفت خرجت الیکم (اذ اللہ الخفا) کپڑے دھو رہا تھا جب خشک ہوئے تو تم لوگوں کے پاس آیا ہوں، لیکن رسول

---

[۱] ابن اثیر ج ۳،

کی یہی گدی مدینہ منورہ سے منتقل ہوکر جب دمشق پہنچی ہے تو اس پر بیٹھنے والوں میں سے ایک کو گھر میں نہیں سفر میں اور وہ بھی حج کے سفر میں دیکھا گیا کہ

حج کے ارادہ سے نکلا اور چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے بدن کے کپڑے تھے[۱]

اور یہ چھ سو اونٹوں پر بار ملبوسات کا واقعہ کتنا بے حقیقت رہ جاتا ہے، جب نظران واقعات پر آکر رکتی ہے :۔

"یہ عبدالملک کا بیٹا ہشام خلفاء بنی امیہ کا پانچواں خلیفہ تھا زمانہ کی کیسی نیرنگیاں ہیں؟ مسلمانوں کا وہی مال جس کی ذمہ داریوں کے احساس میں کبھی اتنی نزاکت برتی جاتی تھی کہ بحرین سے کچھ مشک کے نافے آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس کو وزن کرانا چاہتے ہیں۔ آپ کی حرم محترم بی بی عاتکہ فرماتی ہیں کہ حکم ہو تو میں تول کر بتادوں، آپ چپ ہوجاتے ہیں وہ پھر عرض کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا دنیا کی قوموں میں نہ پہلے اس کی نظیر تھی اور نہ آئندہ اب تک ملی ہے بی بی صاحبہ کو مخاطب فرماکر ارشاد ہوتا ہے۔ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تم ترازو کے پلے میں مشک کو رکھو اور پھر یوں کرو (ہاتھ سے آپ نے اشارہ فرمایا) راوی کہتے ہیں کہ حضرت کا مقصد یہ تھا کہ چھونے چھانے سے ہاتھ میں مشک کی جو خوشبو رہ جائے گی۔ اور تم نے اوپر مل لیا تو؟ فا صیب بذالک فضلا علی المسلمین[۲]۔ عام مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ حصہ ہم تک پہنچ جائے گا بیت المال کا یہی مال ہے۔ مسلمانوں کے حقوق اس کے ساتھ اسی طرح بلاکم وکاست متعلق ہیں جس طرح پہلے تھے مگر خلافت کے نام سے رسولؐ کی وراثت کے مدعی بن کر جو بادشاہت کرتے تھے وہی اس مال کو خرچ کرتے ہیں اور کس پر خرچ کرتے ہیں ابن عبدربہ کی زبانی سنیئے۔

ولید نے مدینہ لکھا کہ اشعب (مسخرہ) کو میرے پاس بھیج دیا جائے۔ اشعب جب دمشق پہونچا تو ولید نے بندر کی کھال جس میں دم بھی تھی اسے پہنائی اور فرمائش

---

[۱] عقد الفرید ج ۱ ص ۳۰۰ [۲] ازالۃ الخفاء (شاہ ولی اللہ)

بِمَ تقضیٰ ؟ (پھر فیصلہ کیسے کرتے ہو ؟)[1]
بیچارے عابس اس کا کیا جواب دے سکتے تھے۔
ان ہی قاضی عابس صاحب کے تقرر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت معاویہ نے مصر کے والی کو لکھا کہ یزید (کربلائی) کے لئے لوگوں سے بیعت لی جائے۔ حسب الحکم مسلمہ نے بیعت لینی شروع کی۔ اور تو کسی طرف انکار نہیں ہوا لیکن مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فاتح مصر عمرو بن عاص کے مشہور صاحبزادے ہیں اور علم وفضل اور علو سیرت میں لوگوں نے باپ پر بھی انہیں ترجیح دی ہے۔ انھوں نے بیعت سے انکار کیا۔ مسلمہ نے انکار پر اعلان کیا۔
عبداللہ کو درست کرنے کے لئے کون آمادہ ہے؟
کہا جاتا ہے کہ یہی عابس بن سعید کھڑے ہو گئے اور بولے میں اس کام کو انجام دیتا ہوں۔ عبداللہ بن عمرو اس زمانہ میں اپنے والد کے مشہور قصر واقع فسطاط میں قیام فرما تھے۔ عابس پولیس کے نوجوانوں کو لے کر پہنچا اور ان کے مکان کو گھیر لیا کہلا بھیجا کہ بیعت یزید کے متعلق اب کیا ارادہ ہے؟ انھیں پھر بھی انکار ہی پر اصرار رہا۔ عابس نے اس کے بعد کیا کیا؟ مورخین لکھتے ہیں:-
اس نے آگ اور لکڑی جمع کی تاکہ ان کے قصر میں آگ لگا دے[2]
عبداللہ بن عمرو نے اس کے بعد اپنے آپ کو مجبور اور معذور پایا۔ بیچارے گھر سے نکلے اور جو کچھ اس جاہل کے کہنے کے لئے کہا دوہرا دیا۔ ان پڑھ عابس کا یہی سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ ایک صحابی کو آگ میں جلا دینے کی دھمکی دے کر حکومت میں سرخروئی حاصل ہوئی تھی۔ اسی سرخروئی کا یہ صلا ملا تھا۔
اور ان خلفا کا یہ رنگ دیکھ کر ان کے والیوں نے جو کچھ کیا وہ کم نہ تھا، بلکہ کہا جاسکتا ہے، نقش ثانی، نقش اوّل سے زیادہ معرکہ آرا تھا!

---

[1] حسن المحاضرہ (سیوطی) [2] ایضاً،

کی کہ کھال پہنے ہوئے تم میرے سامنے ناچو گاؤ اگر ایسا کرو گے تو ہزار درہم تمہیں انعام دوں گا۔ اشعب ولید کے سامنے ناچا گایا ولید کو پسند آیا اور ہزار درہم اس نے انعام میں دیئے ۱؎ "

مروان بن الحکم کی شخصیت سے ان اوراق کا مطالعہ کرنے والے ناواقف نہیں ہو سکتے، یہی تھا جو حضرت عثمانؓ کی تمام مصیبتوں کی جڑ تھا، یہی تھا جو امیر معاویہ کا دست راست تھا، یہی تھا جس نے یزید کے بعد حکمت علی سے مسند خلافت کو، اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا، یہی تھا جو اسلام کا اپنے وقت میں سب سے بڑا، نمائندہ تھا، !

" مروان مصر کے دورہ پر پہنچا اور قاضی کو بلایا جس کا نام قاضی عابس تھا عابس کے علم و فضل کا کیا حال تھا تاریخ والے بیان کرتے ہیں۔

قاضی عابس ان پڑھ تھا لکھنا ہی نہیں جانتا تھا۔

مروان نے اس غیر خواندہ قاضی کو مخاطب کر کے پوچھنا شروع کیا۔

اجمعت کتاب اللہ؟ (کیا تم نے قرآن یاد کر لیا ہے)

قاضی مصر نے جواب دیا:

لا (نہیں مجھے قرآن یاد نہیں ہے)

مروان نے دریافت کیا،

فاحکمت الفرائض؟ (کیا تم نے میراث کے مسائل کو پختہ کر لیا ہے)

مصر کے قاضی نے اپنے متعلق بتایا:

لا (ان سے بھی ناواقف ہوں)

مروان کو اس جواب پر حیرت ہو گئی اور بولا فبم تقضی؟ (آخر تم کس چیز سے فیصلہ کرتے ہو؟)

۱؎ عقد الفرید ج ۱ ص ۳۶۶

چنانچہ اہل تقویٰ کا بیان ہے :-

خرج الحجاج یوم الجمعة بالهاجرة فما زال يعبر مرة عن اهل الشام و يذمهم مرة عن اهل العراق ويذمهم حتى لم نر من الشمس الا حمرة على شرف المسجد ثم امر المؤذن بنا الجمعة ثم اذن فصلى بنا العصر ثم اذن فصلى بنا المغرب -

جمعہ کے دن دوپہر کے وقت حجاج باہر نکلا اور خطبہ منبر پر دینے لگا پھر کبھی اس خطبہ میں شام والوں کا تذکرہ کرکے ان کی تعریفیں کرتا اور کبھی عراق والوں کا ذکر کرکے ان کی مذمت کرتا رہا خطبہ اتنا طویل تھا اور اتنی دیر ہوگئی کہ مسجد کے میناروں پر دھوپ کی سرخی کے سوا اور کوئی چیز نظر نہ آنے لگی تب حجاج نے موذن کو حکم دیا اس نے اذان اور ہم لوگوں کو (حجاج) نے جمعہ کی نماز پڑھائی پھر معاً اسی کے بعد عصر کی اذان موذن نے دی اور حجاج ہی نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، اسکے بعد مغرب کی اذان ہوئی تو مغرب کی پڑھائی، ص[1]

جماعت میں بڑے بڑے لوگ شریک ہیں لیکن کچھ کہہ نہیں سکتے کہ تو کیا کر رہا ہے الجصاص ہی نے خواجہ حسن بصری کا ایک طویل بیان اس سلسلہ میں نقل کرتے ہوئے آخر میں ان کے یہ الفاظ دہرائے ہیں کہ -:

يصعد المنبر فيهذي حتى تفوته الصلوة لا من الله يتقي ولا من الناس يستحي فوقه الله وتحته مائة الف او يزيدون لا يقول له قائل الصلوة ايها الرجل (ایضاً)

منبر پر چڑھ جاتا اور بک بک شروع کر دیتا تا اینکہ نماز کا وقت جاتا رہتا، نہ خدا سے ڈرتا تھا اور نہ مخلوق خدا سے شرماتا تھا بس اوپر تو اس کے خدا تھا اور نیچے ایک لاکھ اور ایک لاکھ سے زیادہ ملازمین کوئی کہنے والا نہ تھا اے شخص نماز (یعنی نماز کا وقت جا رہا ہے) ص[2]

اشارہ ان ہی واقعات کی طرف ہے جو آئے دن پیش آتے رہتے تھے ہر شخص کے سر پر

---

[1] الجصاص ج ۲ ص۲ ایضاً

ننگی تلوار گویا لٹکی رہتی تھی ۔ زبان سے لفظ نکلا نہیں کہ سر گردن سے جدا کر دیا جاتا تھا خود خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ کا یعنی ۔ ھیھات ! واللہ حال دون ذلك السیف والسوط[1] مری ص ۴۴۴ افسوس! اس معاملہ میں تلوار اور کوڑا حائل ہو جاتا تھا ۔ اور قصہ کچھ حجاج ہی کے زمانہ تک محدود نہیں تھا اس قسم کا معمولی خوف قلوب میں حکومت کی جانب سے اس نے پیدا کر دیا تھا کہ کسی میں ہمت بھی کچھ کہنے کی اگر پیدا ہوتی تو حجاجی عہد کے خونیں مناظر اور کھلے ہوئے جیل خانوں کی آہ و بکا، شور و ہنگامہ کی یاد ارادوں کو پست کر دیتی تھی ۔

خلافت راشدہ کی آزادیوں کی جو سنت تھی اس کا تو عبد الملک ہی نے اپنے زمانہ میں تاریخی نقرہ سے خاتمہ کر دیا تھا یعنی خلفاء راشدین کے عہد میں عام مسلمانوں کو آتنا جری بنا دیا گیا تھا کہ بڑے بڑے حکام بلکہ خود خلیفہ وقت تک کو اتق اللہ یا امیر المومنین (امیر المومنین خدا سے ڈرو) کے ساتھ خطاب کرنا ایک معمولی بات تھی ، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ بغیر کسی جھجک کے ان الفاظ کے استعمال کرنے کا عادی تھا اور ان کو اس کا عادی بنا دیا گیا تھا ۔ جب حکومت کی باگ عبد الملک اموی کے ہاتھ میں آئی تو ایک دن مدینہ منورہ پہونچکر رسول علیہ السلام کے منبر سے اس نے اعلان کیا ۔

واللہ ما انا بالخلیفۃ المستضعف
یعنی عثمان ولا بالخلیفۃ المصانع
یعنی معاویۃ وانکم تامرونا باشیاء وتنسونها انفسکم
واللہ لا یامرنی احد بعد مقامی
ھذا بتقوی اللہ الا ضربت
عنقہ[2] ص ۸۲ تفسیر جصاص ج ۱

خدا کی قسم میں کمزور خلیفہ نہیں ہوں ، اشارہ
حضرت عثمان رض کی طرف کرتا اور نہ مدارات
کرنے والا سخن ساز خلیفہ ہوں اشارہ امیر
معاویہ کی طرف کرتا تم لوگ ہم لوگوں سے
(یعنی حکمرانوں سے تو) جس کی فرمائش کرتے ہو
خود اسے بھول جاتے ہو آج کے بعد سے جس نے
اتق اللہ (خدا سے ڈرو) کہا اسی وقت اسکی گردن اڑا دونگا[2]

علامہ ابو بکر الجصاص نے لکھا ہے کہ یہی پہلا منحوس دن اور پہلا مسلمانوں کا بادشاہ تھا کہ

---

[2] الجصاص ج ۲ ص ۸۸ [2] ایضاً ،

عبدالملک نے حجاج کو اتنا شوخ دیدہ بنا دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی اور خادم خاص حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھرے دربار میں اس نے توہین کی۔ ان کی گردن مبارک پر وہ مہر لگائی جو مجرموں کی گردنوں پر لگائی جاتی تھی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اور فتووں کا مذاق جن الفاظ میں اڑاتا تھا، نقل کرنا بھی ان کا دشوار ہے عبدالملک نے حجاج سے ایک دفعہ خود اسی سے اس کے متعلق رائے دریافت کی تو اس نے کہا سچی بات یہی ہے کہ میں سخت کینہ پرور، حاسد کاٹ کھانے والا آدمی ہوں[1]۔"

مولانا گیلانی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

بنی امیہ کے عہد میں سارا عالم اسلام ان کی خونچکاں مظالم سے تھرا رہا تھا۔ دنیا کے ان متوالوں سے وہ سب کچھ سرزد ہو چکا تھا، جس کی نظیر اسلام ہی کیا۔ شاید تاریخ عالم میں موجود نہیں، فرات کے ساحل پر اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نواسے اور ان کے خاندان کے پیاسے شہیدوں بہتے ہوئے لہو سے یہ اپنی حرص دآز کی پیاس بجھا چکے تھے رسول ؐ کا منورہ اور پاک شہر حرہ کے واقعہ میں لوٹا چکا تھا اور اس بری طرح لوٹا جا چکا تھا کہ جان و مال نہیں بلکہ عصمتیانِ حرم کی آبرو و ناموس تک کی پرواہ نہیں کی گئی۔ رسول ؐ کی مسجد میں سعید بن المسیب کے سوا ایک زمانے تک نماز پڑھنے والا کوئی باقی نہیں رہا تھا۔ اللہ کا گھر کعبہ تک بھی دنیا طلبی کی اس بھٹی کی چنگاریوں سے نذر آتش ہو چکا تھا جو اس خاندان کے سینوں میں جل رہی تھی۔ خلافتِ اسلامی کے پہلے خلیفہ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر بیت اللہ کی چوکھٹ پر ان ہی کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپ چکے تھے۔ "ظالم الامتہ" حجاج کی۔ بے پناہ تلوار لاکھوں مسلمانوں کی گردنیں معمولی معمولی باتوں میں اڑا چکی تھی جن میں صحابہ کی اولاد اور جلیل القدر تابعین بھی شامل تھے:

اس عہد میں دین کی کیا حالت تھی، اصول دین کے ساتھ کس طرح استہزا کیا جاتا تھا؟

---

[1] اس طرح بہت سے واقعات حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق... میں موجود ہیں۔

اوّل من قطع السنۃ الناس،   جس نے عام مسلمانوں کی زبانیں کاٹ دیں یعنی امر
بی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر   بالمعروف اور نہی عن المنکر سے زبانیں رک گئیں ۳؎"

صحابہ کرام کا وجود، مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کی متاع تھا، یہ رسولؐ کے تربیت یافتہ تھے، انھوں نے، رسولؐ کے ساتھ، تکلیف کا زمانہ دیکھا تھا، مصیبتیں برداشت کی تھیں، جب ساری دنیا اسلام کی مخالف تھی، جب مکہ کا ذرّہ ذرّہ داعی اسلام کا دشمن جاں تھا، جب صنادید قریش اور اشراف عرب رسولؐ کو ہجرت پر مجبور کر رہے تھے، جب دنیا میں کوئی نہ تھا جو اسلام کا پیام سنتا، جو داعی اسلام کی پکار پر کان دھرتا، جو اسلام کی تعلیم کو اپناتا، جب احد کی جنگ ہو رہی تھی، جب بدر کا معرکہ ہو رہا تھا، جب، حق و باطل، کفر اور اسلام میں متواتر اور مسلسل، رزم آرائی جاری تھی، کون تھا جس نے رسول اللہ کا ساتھ دیا تھا؟ کون تھا جس نے رسولؐ کی رفاقت کا حق ادا کر دیا تھا؟ کون تھا جو رسولؐ پر حق پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا تھا؟ کون تھا جس نے فرزند و زن، ہر چیز کو اللہ کے آخری پیام اور آخری رسولؐ پر قربان کر دیا تھا؟ ———— کیا صحابہ کرام کے سوا، کسی اور کا نام لیا جا سکتا ہے؟

دنیا میں ہر طرح کے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں، عالم، صوفی، زاہد، خطیب، مرد میدان، مدبر، سالار کارواں، سپہ سالار افواج، لیکن کیا صحابہ کا بدل بھی مہیا ہو سکتا ہے؟

یہی وجہ تھی کہ خلفائے راشدین، صحابہ رسولؐ کی زیادہ سے زیادہ قدر و منزلت کرتے تھے، اس لئے کہ شرف صحابیت سے مشرف ہو کر، اور اسلام کی راہ میں بیمثال قربانیاں کر کے انھوں نے اس قدر و منزلت کا استحقاق بھی پیدا کر دیا تھا،

یہ صحابہ رسولؐ کی زندگی میں دنیا کے پیچھے دوڑے، نہ رسولؐ کے بعد، انھیں صرف دین اور خدمت دین سے سروکار رہا، لیکن بنو امیہ کے دور میں انہیں بھی امان نہ ملی، مولانا گیلانی فرماتے ہیں:-

---

۳؎ ایضاً،

یہ الزام قائم کر کے کوفہ کی مسجدوں کے مینار ڈھائے جا رہے تھے اور دوسری طرف ستم ظرفی اسی ابن النصرانیہ کی یہ تھی کہ اپنی نصرانیہ ماں کے نام سے ایک عظیم الشان گرجا بھی اس نے کوفہ میں تعمیر کرایا مسلمانوں میں اس کے طرز عمل سے بے چینی پیدا ہوئی حتیٰ کہ مشہور رند مشرب شاعر فرزدق سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور ایک طویل قصیدہ اسلام اور مسلمانوں کی اسی بے کسی کا رونا روتے ہوئے اس نے کہا۔

بنی بیعۃ فیھا النصاریٰ لامہ ویھدم من کفر منار المساجد

حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں اپنے آقاؤں (بنی امیہ) کو خوش کرنے کے لئے صلواتیں سنایا کرتا تھا ـــــ ایک اموی صاحب نے ابن النصرانیہ سے کچھ امداد چاہی لیکن بیچارے کو صاف جواب دیا گیا چونکہ داد و دہش میں خالد کا ہاتھ کھلا ہوا تھا یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض بنی ہاشم والوں کے ساتھ وہ حسن سلوک بھی کیا کرتا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے عیوب کی پردہ پوشی کے لئے "دہن دوزی" کے نسخہ پر عموماً عمل کرتے ہیں۔ بہر حال جہاں سب ہی کو دیتا دلاتا تھا، ممکن ہے بنی ہاشم کے بعض افراد کو اس نے کچھ دیا ہو۔ اموی سائل نے اسی واقعہ کو پیش نظر رکھ کر کہا،

"لین دین کا تعلق تو خالد بنو ہاشم سے رکھتا ہے اور ہمارے لئے اس کے پاس صرف علی کی صلواتیں رہ گئیں ہیں"[1]

خالد تک جب اس اموی کی شکایت پہونچی تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا

لئن احببت فلنا عثمان بشئی یعنی اس کا اگر جی چاہے تو کچھ عثمان کو بھی سنا دوں[2] نقل کفر کفر نہ باشد وہ کبھی کبھی کہتا کہ اپنے اہل و عیال اور گھر والوں پر کسی کو کوئی اگر اپنا خلیفہ اور نمائندہ مقرر کرے کیا اس خلیفہ کے برابر وہ ہو سکتا ہے جسے اس شخص نے بطور ایلچی اور قاصد (رسول) کسی کے پاس بھیجا ہو؟ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ (عیاذاً باللہ) اشارہ اس کا ادھر ہوتا ہے کہ ان الخلیفۃ ھشاماً افضل من رسول اللہ،

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۵۲ [2] ایضاً ص ۸۲

اکابر اسلام کی کس طرح توہین و تذلیل کی جاتی تھی، یہ تاریخ کے معلوم و معروف واقعات ہیں، اس عہد میں دنیا کس طرح کمائی جاتی تھی، یا دنیا کے حاصل کرنے کے لئے کیا جتن کئے جاتے تھے؟ اور اذکار و عقائد کا کیا عالم تھا، ؟ یہ بڑی دل خراش داستان ہے، نمونہ کے طور پر، اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کافی ہوگا، :

• بنی امیہ کی فرماں روائی کی باگ ہشام بن عبد الملک کے ہاتھ میں تھی، کوفہ کا گورنر ہشام کی طرف سے پندرہ سال تک مسلسل اموی تاریخ کا مشہور شخص تھا، جسے عام طور لوگ ابن النصرانیہ کہتے تھے، اور اصلی نام اس کا خالد بن عبداللہ القسری تھا، ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک یہ کوفہ کا گورنر رہا۔ ابن النصرانیہ کیا تھا، تفصیلی حالات تو تاریخ میں پڑھئے۔ حاصل یہ ہے کہ باپ تو اس کا عربی قبیلہ بجیلہ سے تعلق رکھتا تھا" لیکن ماں ایک" رومیہ نصرانیہ" تھی، یعنی یوربین عیسائیہ عورت تھی یہ بھی لکھا کہ ماں اس کی مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب (عیسائیت) پر قائم رہی خود خالد تو بظاہر مسلمان تھا لیکن اگر یہ واقعات صحیح ہیں جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں سالا دہ علاقہ جو اس کی زیر ولایت و نگرانی تھا۔ وہاں غیر مسلموں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ کامل میں ہے۔ کان الاسلام ذلیلا والحکم فیہ لاھل الذمۃ اہل اسلام اس زمانہ میں ذلیل تھے اور حکومت اہل ذمہ (غیر مسلم رعایا) کے ہاتھ میں تھی ص۱

خالد کی معزولی کے بعد یوسف بن عمر جب کوفہ کا گورنر ہو کر آیا تو یحییٰ بن نوفل شاعر نے ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کا ایک شعر یہ بھی کہ :-

اتانا واھل الشرک اھل خراجنا   وحکامنا فیھا انتم ونجھم

یوسف بن عمر ایسے زمانہ میں آیا ہے جب ارباب شرک ہم سے ٹیکس وصول کرتے تھے اور کھلی ڈھنکی بات میں وہی ہمارے حاکم تھے۔

یہ قصہ بھی اسی خالد کا ہے کہ اس نے مسلمانوں کی مسجدوں کے میناروں کے منہدم کرانے کا حکم دیا تھا۔ وجہ یہ بتائی کہ ان پر چڑھ کر مؤذن لوگوں کی بہو بیٹیوں کو جھانکتے ہیں ادھر مؤذنوں کو

ص۱ [illegible]

یعنی خلیفہ ہشام (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے، خالد اور ہشام کے مابین یہ تعلقات ظاہر ہے عقیدت پر مبنی نہیں تھے، ان کی بنیاد ذاتی اغراض و مقاصد پر مبنی تھی، اور یہ ذاتی اغراض و مقاصد کچھ ایسے ڈھکے چھپے بھی نہ تھے، ان کی حقیقت اور اصلیت لوگوں کی نظر میں تھی، دونوں ایک دوسرے کے لئے حصول مقاصد میں ناگزیر بن کر رہ گئے تھے،!

"ہشام خلیفہ نے خالد کے نام بصیغہ راز یہ فرمان بھیجا کہ "کہ جب تک امیر المومنین یعنی (ہشام) کا غلّہ فروخت نہ ہو جائے کسی اور کو غلّہ بیچنے کی اجازت نہ دیجئے۔

خالد نے اسی کے مطابق تمام جگہ احکام نافذ کر دیئے نتیجہ ظاہر تھا کہ علاقہ میں غیر معمولی گرانی پھوٹ پڑی۔ لکھا ہے کہ کوفہ کے بازار میں کیلیجہ تھا بس سماھہر ایک کیلیجہ (چھوٹا پیمانہ غلّہ کا ایک درہم میں بکنے لگا۔ خلق خدا اس گرانی سے چیخ اٹھی۔ عوام کا الزام خالد پر تھا کہ اس نے کاشتکاروں کو غلّہ فروخت کرنے سے روک دیا ہے۔ خالد سخت دماغی کوفت میں مبتلا تھا۔ ہشام کے راز کو بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا اور صبح شام لوگوں کی گالیاں لعنت و ملامت بھی اس کے لئے ناقابل برداشت بنی چلی جا رہی تھی۔ آخر ایک دن اس نے برسر منبر دل کا بخار ان الفاظ میں نکالنا شروع کیا۔

زعمتم انی اغلّی سعار لمہ فعلی	تم لوگوں کا خیال ہے کہ اناج کو میں نے گراں کر رکھا ہے تو میں
من یغلیھا لعنتہ اللہ[۸۱]	تمہارے سامنے کہتا ہوں کہ جس کی وجہ سے گرانی ہے اس پر خدا کی لعنت

یعنی اشارہ ہشام کی طرف کر رہا تھا۔ کہ میرا کیا قصور۔ خود تمہارے امیر المومنین کا حکم ہے کہ پہلے سرکاری غلّے کا ایک ایک دانہ (من مانی قیمتوں پر) فروخت ہوتے، تب بازار میں دوسرے بیچنے والوں کو مال لانے کی اجازت دی جائے اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس ہشام کو وہ رسولوں پر بھی فضیلت دیتا تھا۔ اسی کو آج وہ برسر ممبر گالیاں سنا رہا تھا، لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اپنی

---

۸۱ ایضاً ص ۱۰۳

پرائیویٹ مجلسوں میں ہشام بیچارے کا نام ہی خالد نے "ابن الحمقی" ؎۱ رکھ چھوڑا تھا، جب اس کا نام لیتا تھا تو کہتا تھا کہ ابن الحمقی کا حکم آیا ہے ابن الحمقی نے اب یہ نیا شوشہ چھوڑا ہے اور گورنری کی مدت ابن النصرانیہ کی کل پندرہ سال ہے۔ لیکن اسی پندرہ سال میں اس نے جو کچھ لوٹا اور لٹایا اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب معزولی کا وقت اس کے آیا ہے تو اس نے خود اقرار کیا کہ حکومت کے خزانے کا بقایا میرے ذمہ پچاس کروڑ رہ گیا ہے تنخواہ میں حالانکہ کل بیس ہزار سالانہ کی جاگیر اس کو ملی تھی، لیکن مسلمانوں کے بیت المال کے روپے سے اس نے اپنی جاگیر میں نہروں کا جال بچھا دیا۔ اب تک اس کی متعدد نہروں مثلاً نہر خالد۔ نہر باجرا۔ نہر تار ماثا۔ نہر مبارک۔ نہر جامع۔ کورہ سالور کی نہر۔ نہر علیح کے نام تاریخوں میں درج ہیں ان ہی نہروں کی بدولت بیس ہزار کی آمدنی کی جاگیر پندرہ سال میں ایک کروڑ تیس لاکھ سالانہ کی آمدنی دینے لگی ان ہی حالات نے اس کے دماغ کو بے قابو کر دیا تھا۔ کہتے یہ ہیں کہ جوش میں آکر اپنے بیٹے کو کہتا کہ ہشام کے بیٹے مسلمہ سے تو آخر کس بات میں کم ہے کبھی کہتا!

"بیٹا! وہ کیا مزے کا زمانہ ہوگا۔ جب ہشام بھی تیرا محتاج بن کر رہے گا۔"

آخر میں تو سارے عراق کو وہ اپنی موروثی جائداد قرار دینے لگا تھا۔ حضرت عمرؓ پر الزام لگاتا تھا کہ میری قوم بجیلہ سے انھوں نے ؎۲ چھین کر زبردستی مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ اسی لیے کہتا۔

؎۱ یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا یعنی ہشام کی ماں جس کا نام عائشہ تھا اور وہ ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن الولید بن المغیرۃ المخزومی کی بیٹی تھی یعنی ابوجہل کے بھائی کے خاندان کی لڑکی تھی۔ لکھا ہے کہ حد سے زیادہ یہ عورت احمق تھی اس لئے تنگ آکر ہشام کے باپ عبدالملک نے اس کو طلاق دے دی تھی لوگ اسی وجہ سے ہشام کے پیٹھ پیچھے عموماً اسے ابن الحمقی ہی کہا کرتے تھے اور خالد بھی اسی لفظ کو استعمال کرتا تھا بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع شروع میں یہ خطاب اپنے آقا کو اسی نمک حلال نوکر ابن النصرانیہ نے دیا تھا۔ بعد کو دوسرے بھی کہنے لگے۔

؎۲ عراق جسے السواد بھی اسلامی تاریخ یوں کہتے ہیں جب فتح ہوا فتح کرنے والی فوج میں زیادہ تعداد بجیلہ قبیلہ والوں کی تھی یعنی وہ قبیلہ جس کی طرف مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوب ہیں۔ ابتداء میں فتوحات کے متعلق جب تک یہ بات طے نہ ہوئی تھی کہ اس کو فتح کرنے والی فوج میں تقسیم کر دیا جائے یا مسلمانوں کے بیت المال کے نام اس کو روک لیا جائے اسی لئے کچھ دنوں کے لئے سواد کے ربع (چوتھائی) علاقہ پر بجیلہ والوں کا قبضہ تھا لیکن جب صحابہ کے مشورہ سے تمام مفتوحہ زمینوں کو حکومت کے قبضہ میں رکھ کر تمام مسلمانوں کی مشترکہ جائداد کی حیثیت ان کو دیدی گئی تو بجیلہ والوں سے بھی یہ زمین واپس لے لی گئی، اسی کی طرف اشارہ خالد کر رہا تھا۔

انی مظلوم ماتحت قدمی شئ
الا ھولی —

میں مظلوم ہوں یعنی میرے پاؤں کے نیچے کا کوئی
حصہ بھی ایسا نہیں ہے جو میرا نہ ہو[1]

کوزہ میں خالد اور خالد کے گرد وپیش میں رہنے والوں کا روز روز عیدا ور شب شب برات کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اس کے ملازم طارق نے اپنے بچوں کے ختنہ کی اس تقریب میں اور تو جو کچھ خرچ کیا سو کیا صرف اپنے آقا ابن النصرانیہ کے سامنے تقریب کے سلسلے میں جو تحفے اس نے پیش کئے تھے ان میں علاوہ قیمتی تھانوں اور دوسری چیزوں کے ایک ہزار غلام اور ایک ہزار لونڈیاں بھی تھیں[2] ۔ الیافعی نے لکھا ہے کہ خالد کا بھائی اسد جسے اس نے اپنے علاقہ کے خراسانی حصہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا ۔ جس زمانہ میں وہ بلخ میں تھا مجوسیوں کی عید مہرجان ان ہی دنوں میں واقع ہوئی ہرات کے دہقان نے جو مجوسی تھا اسد[3] کے پاس عید کی عیدی جو پیش کی تھی ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس کی تفصیل دی ہے لکھا ہے — "چند طلائی لوٹے اور چند نقرئی لوٹے تھے ان کے بعد سیم وزر کے بڑے بڑے بادیے اور رکابیاں تھیں اور ان سب کے بعد مروزی ۔ قوی ۔ ہروی وغیرہ وغیرہ کپڑوں کے تھان کے تھان تھے ان ہی تحفوں کے ساتھ وہ (دہقان) اپنے ساتھ سونے کے چند کرے (گنید) بھی لایا تھا۔"

یہ رنگ تھا،

یہ تھا حال ان خلفاء کا، ان کے والیوں کا،

یہ تھی کیفیت بیت المال کی اور اس کے مصارف کی، فاعتبروا یا اولی الابصار،

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۰۸ [2] ایضاً [3] اسد کے متعلق لوگوں نے لکھا کہ ایک حد تک وہ دیندار آدمی تھا سب سے بڑی صفت اس کی سخاوت تھی ابن عساکر نے لکھا ہے کہ دہقان ہراۃ کے ان سارے تحفوں کو مجلس سے اٹھنے سے پہلے اسد نے بانٹ دیا ۔ آدمی بڑا بہادر تھا کافر ترکوں اور ان کے خاقان کی بڑی بڑی فوجوں کو اس نے شکست دی آخر میں ہراتا ہی میں ایک سرطانی زخم سے جو اس کے پیٹ میں تھا بلخ ہی میں مر گیا اور اسی کے بعد خالد پر بھی آفت آئی۔ پندرہ سال کا سارا خواب ختم ہو گیا معزول ہونے کے بعد شکنجے میں کسا گیا پہلے پاؤں میں شکنجہ کسا گیا ۔ اور ہڈیاں تڑاتڑ ٹوٹ گئیں یوں ہی شکنجے کو اوپر سرکاتے جاتے اور اس کی ہڈیاں توڑی جاتیں تا آنکہ دم نکل گیا ۔

وقت کے جو ائمہ اور صلحی اہل بیت اطہار کے ساتھ عقیدت اور میلان رکھتے، ان پر بھی اس حکومت کی کڑی نظر تھی، پہلے تو انہیں ساتھ ملانے کی کوشش کی، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو ان پر تشدد کیا گیا، اور ان کے لئے قید و بند، اور دار و رسن، بلکہ سوط (کوڑا) اور سیف (تلوار) کا بندوبست کر لیا گیا۔

مثال میں امام اعظم، ابوحنیفہ کے مصائب کا ذکر کافی ہوگا، انھیں اس لئے ہدف ستم بنایا گیا کہ نہ وہ کلمہ حق کہنے سے باز رہتے تھے نہ حق قبول کرنے سے،:

ابوبکر الجصاص نے شام کے مشہور محدث و فقیہ و مجتہد امام اوزاعی کا قول نقل کیا ہے۔

احتملنا اباحنیفة علی کل شئی — ابوحنیفہ کی ساری باتیں ہم برداشت کرتے رہے تا آنکہ بالآخر
حتی فما جاءنا بالسیف (یعنی — یہ شخص تلوار لے کر آ گیا (یعنی ظالم حکمرانوں کے خلاف تلوار
قتال الظلمہ) لا نحتملہ — اٹھا لینے کا فتویٰ اس نے دیدیا) ہم اس کی بات برداشت نہ کر سکے[1]

ابن حزم نے کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ اس پر متفق ہو جانے کے بعد کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے۔ آگے اس مسئلہ میں کہ فرض کی نوعیت کیا ہے۔ اہل السنت میں امام احمد بن جنبل کا مذہب یہ ہے کہ دل سے برا جاننا اس حد تک فرض ہے۔ اور زبان سے بھی اگر قدرت ہو لیکن حکومت کے مقابلہ میں خواہ ظالم ہی کیوں نہ ہو ہاتھ اٹھانا یا تلوار کھینچ لینا جائز نہیں ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ بالاتفاق شیعوں کا بھی یہی مذہب ہے یعنی جب تک امام مہدی جن کے وہ منتظر ہیں نہ نکل لیں تلوار اٹھانا ان کے ہاں ممنوع ہے خواہ دنیا کے تمام شیعہ قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں ابن حزم نے لکھا ہے کہ دوسرے طبقہ میں اہل السنت کا بھی ایک گروہ شریک ہے اور وہ تمام معتزلہ اور خارجی فرقہ کے لوگ نیز زیدیہ سب کا یہی مذہب ہے کہ جب منکر اور ظلم و جور کے ازالہ کی شکل تلوار نکالنے کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے تو اس وقت تلوار کھینچ لینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے فرض ہو جاتا ہے بشرطیکہ باطل کے مقابلہ میں کامیابی کا غالب گمان ہو۔ لیکن ضعف کی وجہ سے اگر مایوسی ہو تو اس

---

[1] الجصاص، ج ا، ص ۸۱

کہا کہ مولی۔ ہشام نے پوچھا کہ یمن کا فقیہ؟ عطانے کہا کہ طاؤس بن کیسان۔ ہشام عربی ہیں یا مولی؟ عطا۔ مولی! ہشام اہل یمامہ کے فقیہ؟ عطا مولی بن کثیر۔ ہشام عربی ہیں مولی؟ عطا مولی۔ ہشام اور شام کے؟ عطا مکحول۔ ہشام عربی ہیں مولی؟ ہشام خراسان کا؟ عطا ضحاک بن مزاحم۔ ہشام، عربی ہیں یا مولی؟ عطا۔ مولی۔ ہشام بصرہ کے؟ عطا الحسن البصری و ابن سیرین ہشام دونوں عربی ہیں یا مولی؟ عطا۔ مولی! ہشام کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ عطا۔ ابراہیم النخعی۔ ہشام عربی یا مولی؟ عطا نہیں یہ مولی نہیں، عربی النسل عالم ہیں، ہشام اس گفتگو کے بعد بے اختیار ہو کر بولا کہ قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جاتے اگر آخر میں تم ایک عربی النسل عالم کا نام نہ لے دیتے۔ اس سے دونوں چیزوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک تو عربی النسل لوگوں کی علم سے کنارہ کشی اور دوسرے ہشام کی نسلی جذبہ کی شدت کہ اس خبر سے شدت رشک و حسد کے باعث خود کہتا ہے کہ میری روح نکل پڑتی۔

حضرت علی پر گالیوں کی بوچھاڑ جمعہ کے روز خاص طور پر جامع مسجدوں میں ہوا کرتی تھی۔ یہ بنو امیہ کا شعار بن گیا تھا اہل بیت حتی کہ حضرت امام حسنؓ کے سامنے ان لوگوں کی زبانیں بند نہیں ہوتی تھیں، لیکن دینی مسائل میں ان کی رائے اور ان کے عمل اور ان کے فتوے کے بغیر کام بھی نہیں چل سکتا تھا، لہٰذا اس پہلو کو پیش نظر رکھ کر ان سے استفادہ بھی ضروری رہا چنانچہ:

ابو حنیفہؒ پہلی دفعہ دربار میں جب بلائے گئے تھے تو اس وقت بھی ایک عجیب پیچیدہ صورت پیش آئی یعنی امام مجتہد علیہ نے مسئلہ کا جو جواب دیا تھا اور جو پسند کیا گیا تھا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول تھا امام صاحب کا بیان ہے کہ بنو امیہ کے دربار میں حضرت علی کا نام لینے کی اجازت نہ تھی۔ فرماتے ہیں کہ مشائخ اور علماء کا اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب حضرت علی کے ذکر کی ضرورت ہوتی تو یوں کہتے کہ ہم "شیخ نے یوں کہا ہے" اور مراد شیخ سے حضرت علی کی ذات ہوتی۔ حسن بصری کا قاعدہ تھا کہ بجائے علی کے کہتے کہ ابو زینب کا یہ قول ہے۔ امام صاحب کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ من کان یذکر باسمہ یعاقبہ ھہ وان یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جو نام لیتا مروان اسے سزا دیتا۔

ایسی حکومت کا کوئی منصب قبول کرنا حضرت امام ابو حنیفہ کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ ان کی زبان بندی کرنے کے لئے انہیں اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ان کے علم کو اپنے مخصوص مقاصد میں استعمال کرنے کے لئے انہیں بلند سے بلند منصب پیش کیا گیا، ہر طرح کا لالچ دیا گیا۔ لیکن وہ انکار پر سختی سے قائم رہے ہر طرح کی ترغیب و تحریص اور ترہیب و تہدید کے باوجود ان کے پائے ثبات میں جنبش نہ آئی، چنانچہ مولانا گیلانی کا بیان ہے:

"انکار کے بعد ابن ہبیرہ امام کو تازیانے کی سزا دینے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن عجلت

لہ الموفق، ص ہ ۔ ک الموفق، ص ۱۷۱

وقت فرضیت تلوار نکالنے کی ساقط ہوجاتی ہے۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ مالک شافعی داؤد ظاہری سب کا یہی مذہب ہے۔ پھر دونوں فرقوں کے دلائل کا تفصیلی ذکر کرکے آخری مسلک کو ابن حزم نے ترجیح دی ہے۔ الجصاص نے بھی لکھا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت حکومت کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتی تھی، خواہ وہ کچھ بھی کررہی ہو بلکہ ہاتھ یا زبان سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم صرف عوام سے متعلق ہے بظاہر امام اوزاعی بھی ان ہی لوگوں میں معلوم ہوتے ہیں اور اہل السنت میں فقہی طور پر اس مسئلہ کو منقح امام ابوحنیفہ نے شروع شروع میں کیا اسی لئے ان پر محدثین کی طرف سے اظہار تعجب بھی کیا گیا۔ اور لعن طعن بھی لیکن بقول الجصاص ان ہی کمزوریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ فساق وفجار کے ہاتھوں میں حکومت چلی گئی۔ اور پھر کفار نے حکومت چھین لی مسلمانوں کی سرحدیں کمزور ہوگئیں،

خربت البلاد وذهب الدين والدنيا وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب الثنوية والخرمية والمزدكية ~~~ احکام (یعنی مسلمانوں کی آبادیاں کھنڈر بن گئیں کہ دین بھی رخصت ہوگیا اور دنیا ختم ہوگئی بت پرستی پھیلنے لگی بابک خرمی اور مزدک سے منسوب فرقے سر اٹھانے لگے۔ ؎۱

حقیقت یہ ہے کہ حکومت ملنے کے ساتھ ہی عربی قبائل سے تعلق رکھنے والے جتنے سربرآوردہ افراد تھے وہ سیاست میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ موالی یعنی عجم کے نومسلموں کا حکومت سے چونکہ زیادہ تعلق نہیں تھا اس لئے دین اور علم میں ترقی کرنے کا فراخ میدان ان کو مل گیا۔ ہشام کے دربار میں عطا پہنچے اس نے ان سے پوچھا کہ عطا اسلامی شہروں کیا اس وقت جو علما ہیں ان سے تم واقف ہو انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ہشام نے دریافت کرنا شروع کیا کہ بتاؤ مدینہ کا فقیہ آج کل کون ہے؟ بولے نافع یعنی ابن عمر کے مولی۔ اس نے پوچھا کہ مکّہ کے؟ کہا کہ عطا ابن ابی رباح۔ اس نے کہا کہ یہ عربی ہیں یا مولی؟ عطا نے

؎۱ الجصاص، ج ۲ ص ۳۴

ہوتی رہی لکھا ہے کہ جب قضا کی خدمت قبول کرنے سے بھی امام نے صاف انکار کر دیا تب ابن ہبیرہ کے غصّہ کی حرارت اپنے آخری درجہ پر پہنچ گئی سننے کے ساتھ ہی انتہائی غیظ میں معمور ہوکر قسم کھاتے ہوئے اس نے اعلان کیا کہ :-

ان لم یفعل لنضربنہ بالسیاط علی راسہ[1] — اگر اس خدمت کو بھی اس نے قبول نہیں کیا تو میں ان کے سر پر کوڑے مارکر رہوں گا۔

سننے کے ساتھ لوگ کانپ اٹھے! میر نے قسم کھالی اب وہ یہ کر گزرے گا۔ اسی کا لوگوں کو اندیشہ تھا۔ جو سامنے آگیا۔ امام تک ابن ہبیرہ کی اس ہولناک قسم کی خبر پہنچائی گئی خدا جانے لوگوں کا کیا خیال تھا کہ امام پر کیا حال طاری ہوگا۔ مگر آپ نے سن کر اطمینان کے ساتھ فرمایا۔

ضربہ فی الدنیا اسھل علیّ من مقامع الحدید فی الآخرۃ — دنیا میں اس کے مار لینے کو آخرت کے آہنی گرزوں کی مار سے میں آسان خیال کرتا ہوں،

اور جیسے ابن ہبیرہ اپنی امارت کے گھمنڈ میں قسم کھاچکا تھا اس طرح جو دین کے نشہ میں مخمور تھا۔ اس نے بھی اسی لب ولہجہ میں کہا

واللہ لا فعلت ولو قتلنی — خدا کی قسم میں ہرگز نہیں کروں گا خواہ مجھے ابن ہبیرہ قتل ہی کیوں نہ کر دے۔

امام کی یہ قسم کی خبر بھی ابن ہبیرہ کو پہنچائی گئی سننے کے ساتھ ہی غصے سے اس کا منہ تمتما اٹھا اور کہنے لگا۔

بلغ من قدرہ ان یعارض یمینی یمینہ — اب اس کا (ابوحنیفہ) کا درجہ اتنا بلند ہوگیا کہ میری قسم کا مقابلہ وہ اپنی قسم سے کرتا ہے۔

ابن ہبیرہ کے احساس برتری پر یہ ایسی چوٹ تھی کہ تلملا اٹھا، اسی وقت اس نے امام کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا جیل سے وہ ابن ہبیرہ کے سامنے لائے گئے

---

[1] الموفق ص ۲۲ - ایضاً

سے کام نہیں لیا

حبسہ صاحب الشرطۃ جمعتین ولم یضربہ | پولیس کے افسر اعلیٰ نے پندرہ دن تک ابو حنیفہ کو جیل میں رکھا اور مارا نہیں سلہ

پندرہ دن تک ابن ہبیرہ نے کوشش کی کہ یہ خدمت نہ سہی کوئی اور خدمت حکومت کی وہ قبول کرلیں۔ اس سلسلہ میں چند خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ترتیب کا لحاظ بیان کرنے والوں نے نہیں رکھا میں سمجھتا ہوں کہ خز کی تجارت کی وجہ سے ممکن ہے ابن ہبیرہ نے اس خدمت کو پیش کیا ہو۔ جس کا ذکر مورخین نے ان الفاظ میں کیا ہے اسرادہ ابن ہبیرۃ ان یدخل فی الطراز | ابن ہبیرہ نے ان سے خواہش کی کہ "طراز" کی نگرانی قبول کریں

موفق نے خدا جانے کس بنیاد پر "الطراز" کی شرح میں لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد بیت المال ہے گویا طراز والی خدمت اور جو خدمت پہلے پیش کی گئی تھی موفق کے نزدیک ایک ہی ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس سے وہی مراد ہے جو عام تاریخوں میں اس سے مراد لیتے ہیں یعنی شاہی خانوادے اور بڑے بڑے حکام و ولاۃ کے خصوصی لباس فرش فروش خیمے وغیرہ جس کارخانے میں تیار ہوتے تھے اسی کو "الطراز" کہتے تھے منتہی الارب لکھا ہے۔ "طراز معرب است جائے بافتن جامہائے نیکو و جید و گستردنی و جامہ است کہ برائے سلطان بافتند" اور مسلمانوں میں آخر وقت تک عام دستور تھا کہ صرف سلاطین بلکہ عام امرا کے لوازم میں چند کارخانے ہوتے تھے۔ مثلاً آبدار خانہ جہاں پانی کی تیاری کا کام ہوتا تھا۔ اسی طرح ایک مستقل کارخانہ ہر امیر کے پاس کپڑوں کے بننے اور بنانے کا بھی ہوتا تھا بہر حال میرا خیال یہی ہے کہ کوفہ میں جو "الطراز" تھا ابن ہبیرہ نے چاہا ہوگا کہ اسی کی نگرانی قبول کر لیجئے۔ کیوں کہ کپڑوں کی تجارت تو آپ کرتے ہی ہیں لیکن امام نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ آخر میں کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے اہل علم کا جو عام پیشہ تھا یعنی قضا یہ پیش کیا گیا۔ لیکن امام تو طے کر چکے تھے کہ کسی قسم کا کام خواہ دینی ہو یا دنیاوی میں اس کو قبول کر کے اس ظالم حکومت کے ساتھ موالات کا تعلق نہیں قائم کروں گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ دن جیل میں امام کے جو گذرے ان میں یہی رد و بدل اور گفتگو ابن ہبیرہ اور امام کے درمیان

سلہ الموفق ج ۲ ص ۲۲

نکل رہے ہتے کہتے ہیں کہ آخری فقرہ کو سن کر ابن ہبیرہ کا چہرہ فق پڑگیا - اب اشارہ سے جلاد کی طرف اشارہ کیا کہ "بس" لکھا ہے کہ پولیس (شرطہ) والے امام کو جیل خانے پھر واپس لے گئے ——————— رات وہیں جیل خانے میں گذری - صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ مظلوم امام کا چہرہ سوجا ہوا تھا - اور سر پر بیٹمز نکلے ہوئے ہیں [۱] "

منظر بدلتا ہے !!

خاندان عباسیہ تخت خلافت پر جلوہ گر ہوتا ہے،

سو سال تک حکومت کرنے کے بعد بنوامیہ کے دونوں خاندان (معاویہ و مروان) بساط حکومت سے محروم ہوئے ،

اب عباسی خاندان کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار کی کنجی تھی، اسے ناز تھا کہ یہ عم رسولؐ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں ہے ، اسے ذات رسالت مآبؐ سے شرف قرابت حاصل ہے ،

اب تک اس کی ساری جدو جہد کا مرکز یہی رہا تھا کہ منصب خلافت خاندان رسالتؐ میں منتقل ہوجائے - لیکن جب اس خواب کی تعبیر نکلی تو ساتھ ساتھ کچھ پریشانیاں اور دشواریاں بھی راستہ میں حائل ہوئیں -

خاندان رسالتؐ کے ہاتھ میں جو حکومت ہو، اسے سنت رسول و اسوۂ خلفائے راشدین سے الگ نہیں ہونا چاہیئے - بنوامیہ پر یہی اعتراض تو تھا کہ وہ بادشاہ بن بیٹھے ہیں - انھوں نے قرآن کے احکام ، احادیث کے ہدایات ، سنت رسول ، اور آثار صحابہ کو نظر انداز کرکے ایسی حکومت قائم کر لی ہے ، جس میں نہ شوریٰ ہے ، نہ انتخاب ، نہ بیت المال پر مسلمانوں کا تصرف ، نہ قاضی آزاد ہے ، نہ مفتی ، نہ عالم کو یارائے دم زدن ہے - نہ فرد امت کو اعلائے کلمۃ الحق کا حق ، اب بنوامیہ گئے - رسالت

---

[۱] الموفق ج ۲ ، ص ۲۲

ابن ہبیرہ کے سپاہی امام کو اس کے سامنے لئے کھڑے ہوئے تھے اور وہ قسمیں کھا کھا کر ان کے منہ پر کہہ رہا تھا ۔: ان لم یفعل لیضربن علی راسہ حتی یموت ۔ اگر اس نے حکومت کی خدمت قبول نہ کی تو اس کے سر پر اس وقت تک کوڑے لگائے جائیں گے جب تک کہ اس کا دم نہ نکل جائے اور مر نہ جائے ۔

لیکن امام کی سکینت و استقامت میں کسی قسم کی کوئی جنبش نہیں پیدا ہوئی ۔ ابن ہبیرہ جہنم کی طرح بھڑک رہا تھا ۔ اپنے اختیارات کی وسعتوں کو اس نے موت تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن سنتے ہو ۔ کتنی بے نیازی سے امام اس سے فرما رہے تھے ۔

انما ھی میتۃ واحدۃ   صرف ایک ہی موت تک (اس کا اقتدار ہے)

ابن ہبیرہ ان کی اس ادا اور اس جواب پر جس کا اس سے پہلے اسے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا ۔ آپے سے باہر ہو گیا ۔

جلوا نہ جلوا نہ کے ساتھ چیخنے لگا یہ کوڑے مارنے والوں کو کہتے تھے جو تازیانہ بدست حکام کے سامنے کھڑے رہتے تھے ۔ جلوا نہ دوڑ پڑے "بیس کوڑے اس شخص کے سر پر مسلسل لگائے جائیں" یہ حکم ابن ہبیرہ نے ان کو دیا ۔ امام کا سر کھلا تھا ۔ اور کوڑے اس سر پر پڑ رہے تھے جس میں خدا کی بڑائی کچھ اس طرح سما گئی تھی کہ مخلوق کی بڑائی کی گنجائش اس میں باقی نہیں رہی تھی چند کوڑوں تک امام خاموش رہے آخر یہ تاریخی فقرہ زبان مبارک میں نکلا جواب تک نقل کیا جاتا ہے ۔ ترجمہ جس کا یہ ہے ابن ہبیرہ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں ۔ یاد کر ! اس وقت کو جب اللہ تعالےٰ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائے گا ۔ اور اب میں تیرے سامنے جتنا ذلیل کیا جا رہا ہوں اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ خدا کے دربار میں تو پیش کیا جائے گا ۔

ابن ہبیرہ ! مجھے تو دھمکاتا ہے حالانکہ دیکھ میں شہادت دے رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے ۔ اقرار کرتا ہوں ہوں کہ (لا الہ الا اللہ)

دیکھ ! میرے متعلق تجھ سے بھی پوچھا جائے گا ۔ اس وقت بجز سچی بات کے کوئی جواب تیرا سنا نہیں جائے گا ۔ کوڑے پر کوڑے پڑ رہے تھے اور امام کی زبان سے یہ الفاظ

درد سر سے نجات حاصل کر لی جائے، اس لئے کہ ان اصحاب کا وجود ان کی بادشاہت کے راستہ کا سب بڑا سنگ گراں تھا، یہ دین کے نام پر، رسول کے نام پر، بر سر اقتدار آئے تھے، لیکن قیصر و کسریٰ بننے کی ہوس ان میں بھی تھی، اور قیصر و کسریٰ بننے کے بعد، تقدس کی عبا اتار کر، جامۂ شاہی زیب جسم کرنے کے بعد جب اورنگ نشین حکومت ہوئے، تو ان کی تلوار بھی بادشاہوں کی طرح میان سے نکلی، اور انھوں نے بے دریغ لوگوں کو قتل کیا، بیت المال ان کی جاگیر بن گیا، اور عمل کے اعتبار سے انھوں نے ثابت کر دیا کہ ان میں، اور دوسرے وقت کے دوسرے ملوک و سلاطین میں کوئی فرق نہیں ہے،

ایک نظر، —— وہ اک نظر جو بظاہر نگاہ سے کم ہے، —— عہد عباسی کی ستم رانیوں اور شاہ خرچیوں اور صالحین امت کے ساتھ بد سلوکیوں پر ڈال لیجئے۔

ابو سفیان ثوری جیسی بزرگ ترین شخصیت پابجولاں، خلیفہ مہدی کے سامنے لائی جاتی ہے، وہ اپنی حکومت و سطوت پر مغرور ر۔ خوف غیر اللہ سے بے نیاز کہتا ہے،

”بہت بھاگے بھاگے پھرتے تھے، اب کہاں جاؤ گے؟ کیا اگر میں کوئی حکم دوں تو بچ جاؤ گے؟“

وہ بے جھجک جواب دیتے ہیں، خدا تم پر اپنا حکم نافذ کر دے گا!“

”مہدی کا درباری امیر ربیع بھی اپنی تلوار پر ٹیک لگائے مہدی کے سر پر کھڑا ہوا تھا سفیان کے اس بے کانہ جواب سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے غصہ سے مبہوت ہو گیا اور مہدی کو خطاب کر کے کہنے لگا۔ اس گنوار جاہل کی یہ مجال کہ بر سر دربار آپ کی شان میں ایسی گستاخانہ بات کرے۔ اجازت دیجئے۔ اس کی گردن مار دیتا ہوں۔ اسی موقعہ پر مہدی نے ربیع سے کہا،

اسکت ویلک ما یرید ھذا و	بدبخت چپ رہ! یہ اور اس قسم کے لوگ یہی تو
امثالہ الا ان تقتلھم	چاہتے ہیں کہ ہم ان کو قتل کر کے ان کی کامیابی کرائیں
بسعادتھم نقشیٰ	بدبختی اور بدنامی کا ذریعہ بنائیں جا۔

عـه المسعودی [illegible]

مآبؐ سے شرفِ قرابت رکھنے والے مسندِ خلافت پر بیٹھے تو لوگوں کو بجا طور پر توقع تھی کہ اب پھر عہدِ سعادت، اور عہدِ خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ ہو جائے گی، خلیفہ کا انتخاب ہوگا، وہ شاری کا پابند ہوگا، بیت المال سے صرف اتنا ہی لے گا، جس سے اس کی زندگی قائم رہ سکے، باقی مسلمانوں پر، فلاحِ عامہ پر خرچ کرے گا، قاضی اپنے فیصلہ میں، مفتی اپنے فتوے میں عالم اپنی مسندِ درس پر آزاد ہوگا، اس کے کسی کام میں مداخلت نہ کی جائے گی، اس کے فیصلے اور فتوے تسلیم کرنے جائیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا،

اہلِ بیتِ نبویؐ کے باقیات الصالحات ابھی موجود تھے، ان کی زندگی تمامتر، قرآن کی زندگی تھی، زہد و تقدس، عبادت و ریاضت، اور، دیانت و امانت میں وہ آپ اپنا جواب تھے، لوگوں نے سوچا، جن اہلِ بیت نبویؐ کے لئے ہم سے بیعت لی گئی تھی وہ تو گوشہ نشین ہیں، اور سے بادشاہ پھر ابھر آئے، ان نئے بادشاہوں نے سوچا، اہلِ بیت نبوی کے لوگ جب تک موجود ہیں، تاجِ خسروی کانٹوں کا تاج اور فرشِ کمخواب، کانٹوں کا بستر بنا رہے گا، لہٰذا اس کانٹے کو راستہ سے کیوں نہ ہٹا دیا جائے کہ بے غل و غش زندگی بسر ہو، اور کسی طرح کا اندیشہ باقی نہ رہ جائے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ، اہلِ بیت نبویؐ کے باقیات الصالحات، عوام کی بے چینی عوام کے مطالبات، اہلِ مدینہ کی بے پناہ عقیدت، اور عالمِ اسلام کی مسلسل سفارتوں کے باوجود گوشہ گیر رہنا چاہتے تھے، وہ جس سیادت پر فائز تھے، اس کے لئے نہ تخت و تاج کی ضرورت تھی، نہ جاہ و مال کی نہ شکوہ و جلال کی نہ حاجب و دربان کی، ان کا بوریہ فقر، عظمت میں عرش کی ہمسری کرتا تھا انہیں حکومت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن "اسلامی حکومت" سے کم پر وہ مطمئن بھی نہیں ہو سکتے تھے، ان کی زندگی آئینِ اسلام کا پرتو تھی، ان کے شب و روز تعلیماتِ نبوی و اسلامی کی تعمیل میں بسر ہوتے تھے، لوگ ان کی طرف لپکتے تھے، اور انھیں حاملِ تاج و تخت بنانا چاہتے تھے، یہ ان کا دوسرا جرم تھا جو بنو عباس کے لئے ناقابلِ برداشت مجبور ہوتا جاتا تھا، آخر حالات ایسے پیدا کئے گئے کہ وہ میدان میں آنے پر مجبور ہو جائیں، تاکہ انھیں قتل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

عباسی حکومت نے اموی حکومت کی طرح پہلے انھیں تحریص و ترغیب سے رام کرنا چاہا
اس میں ناکامی ہوئی تو زرے لگانے سے کام نکلنا چاہا، یوں بھی مقصد حل نہ ہوا تو بالآخر
ان کی جان لے لی، یہ دل خراش داستان "ابوحنیفہ کی زندگی" سے جستہ جستہ ماخوذ ہے:
خلیفہ منصور نے امام صاحب کے سامنے درہم و دینار کی تھیلیاں رکھ دیں کہ قبول
فرمالیں، انھوں نے فرمایا:-

"امیر المومنین اگر ذاتی مال سے کچھ دیئے ہوتے تو شاید اس وقت میں اس کو
قبول بھی کر لیتا یہ جو کچھ آپ مجھے دے رہے ہیں یہ مسلمانوں کے بیت المال
کا روپیہ ہے۔ جس کا میں اپنے آپ کو کسی حیثیت میں بھی مستحق نہیں پاتا۔
میں نہ ننگا بھوکا، محتاج فقیر ہوں۔ اگر یہ صورت ہوتی تو فقیروں کی مد سے
لے لینا میرے لئے جائز ہوتا، اور نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو مسلمانوں کی
حفاظت کرتے ہوئے ان کے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ اگر میرا تعلق فوجیوں
سے ہوتا تو اس وقت بھی اس مد سے لے سکتا تھا جس مد سے سپاہیوں
کو امداد ملتی ہے میرا تعلق جب نہ اس گروہ سے ہی اور نہ اس طبقے سے
تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس رقم کو میں کس بنیاد پر لوں"[1]

امام اعظم کی آزمائش کا ایک اور واقعہ:

"موصل کے باشندوں نے اچانک منصور کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا ان کے
ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ دربار لگا ہوا تھا، جس میں ابوحنیفہ بھی بیٹھے تھے۔ منصور نے
مجلس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ موصل والوں نے یہ معاہدہ مجھ سے کیا تھا کہ میرے
اور میری حکومت کے وفادار رہیں گے، اور کبھی سرکشی پر آمادہ نہ ہوں گے معاہدے میں
موصل والوں نے یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ اگر حکومت عباسیہ کے خلاف وہ کبھی بھی بغاوت
پر آمادہ ہوں تو خلیفہ کو حق ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کو وہ قتل کر دے۔ منصور نے پوچھا

---

[1] الموفق ج ۱، ص ۲۱۱

مولانا گیلانی نے صحیح فرمایا :۔

"حسین کے قتل میں ہر زمانے کے یزیدوں کو اپنی موت کی تصویر نظر آئی ہے بلکہ سمجھنے والے اگر سمجھنا چاہیں تو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حکمراں (یعنی مہدی) کی مذکورہ بالا شہادت سے یہ نتیجہ بھی پیدا کر سکتے ہیں کہ حسینی نمونے کی اقتدا کرنے والوں نے بھی برعکس اس کے اپنی موت ہی میں اپنی زندگی کی ضمانتوں کو مستور پایا ہے" ۱؎

اور یہ سفیان ثوری جن سے یہ سلوک ہو رہا تھا، کون تھے؟

اسلام کی چیدہ چیدہ اور برگزیدہ ہستیوں میں ان کا شمار ہے۔ ابن مسلمہ کے حوالے سے ذہبی نے لکھا ہے۔ وہ کہتے تھے تم سے اگر کوئی کہے کہ میں نے سفیان سے بہتر اچھا آدمی دیکھا ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا۔ ابن جوزی نے ایک مفصل مستقل سوانح عمری ان کی لکھی ہے علم کے ساتھ تقوے اور تدین میں اپنی آپ نظیر تھے۔ اسی مہدی خلیفہ عباسی کے متعلق لکھتا ہے کہ سفیان نے اس سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے حج میں بارہ دینار خرچ کئے تھے لیکن تم ان ہی کی جانشینی کا دعویٰ کرتے ہو۔ اور تمہارے مصارف کا کیا حال ہے؟ اس پر مہدی بگڑ گیا اور بولا کہ تم کیا یہ چاہتے ہو کہ میں یہی افلاس و فلاکت زدگی کے اسی حال میں اپنے آپ کو رکھوں جیسے تم ہو سفیان نے کہا کہ نہیں یہ تو میں نہیں چاہتا لیکن جس معیار پر اس وقت تم اپنی زندگی گذار رہے ہو اس کو گھٹانے کی ضرور ضرورت ہے ۱۶۱ھ میں آپ کی وفات مہدی ہی کے زمانہ میں ہوئی"

امام ابوحنیفہ کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ عہد بنی امیہ میں انھوں نے زید شہید کا ساتھ دیا، اسی لئے معتوب ہوئے اور کوڑے کھائے، عہد عباسی میں بھی انھوں نے حکومت سے نہ صرف ترک موالات جاری رکھی، بلکہ نفس ذکیہ، (محمد) اور نفس رضیہ (ابراہیم) نے جب خروج کیا، تو امام صاحب نے ان کا ساتھ دیا۔

۱؎ امام ابوحنیفہ (مولانا گیلانی)

"اس کے بعد بھی اگر آپ ان کی خونریزی پر آمادہ ہوں گے تو ایک ایسی چیز میں آپ ہاتھ ڈالیں گے جو آپ کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہے۔

امیر المومنین! خدا کا عہد زیادہ مستحق ہے کہ اس کا ایفاء کیا جائے ح۱

منصور امام کی کھری کھری اس بے لاگ تقریر کو سن کر کچھ بدحواس سا ہو گیا۔ اسی وقت اس نے جلسہ کے برخاست ہونے کا حکم دیا جب لوگ چلے گئے۔ اس نے امام صاحب کو کہا۔ انصرف الی بلادک آپ اپنے وطن تشریف لے جائیے۔

امام صاحب چلے گئے۔ لیکن منصور تلا ہوا تھا کہ انھیں اسیر دام کرے، چنانچہ اس نے متعدد مرتبہ امام صاحب کو طلب کیا اور مجبور کیا کہ اس کی حکومت میں قضا کا عہدہ قبول کر لیں پہلے تو صرف اسی علاقہ کی قضا اس نے پیش کی جس میں وہ اپنے جدید شہر مدینہ السلام کو بنوا رہا تھا جب امام نے انکار کیا تو پھر اس نے بغداد کے ساتھ کوفہ اور بصرہ کو بھی ان کی عدالت کے حدود میں شریک کر دیا،

بصرہ کوفہ بغداد کے متعلقہ علاقوں کی قضا بھی امام کے نام مقرر کی ح۲

اور آخر میں سب کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سامنے منصور نے یہ عہدہ پیش کیا کہ

ان یتولی القضاء یخرج القضاۃ | قضا کا عہدہ ان کے سپرد کیا گیا اور یہ بھی کہ سارے
من تحت یدہ الی جمیع کور الاسلام | اسلامی قلمرو میں جو بھی قاضی مقرر ہوا امام ہی کے ہاتھ سے اس کا تقرر ہوگا۔

لیکن انکار ہی پر امام کا اصرار قائم رہا۔

اس انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے، امام صاحب کو برا بھلا کہا اور کوڑوں سے پٹوایا۔ پشت پر مار کے نشانات ابھر آئے، ایڑیاں خون سے تر ہو گئیں ح۳ امام

جو قتل کیا ہے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ قتل عمد میں ایک طرح سے شبہ کی گنجائش چونکہ پیدا ہو جاتی ہے اس لئے بجائے قصاص کے عام فتویٰ یہی ہے کہ دیت قاتل سے مقتول کے وارثوں کو دلوائی جائے گی اگرچہ امام زفر کا فتویٰ قصاص ہی کا ہے بہرحال یہ وہی مسئلہ ہے۔ جس کی تعبیر فقہ کی کتابوں میں "بذل مبالا نفس والا موال" سے کی گئی ہے یعنی مالیات میں بذل چل سکتا ہے۔ مگر جان میں بذل کی گنجائش نہیں ہے ح۲ الکردری (مناقب) ص ۱۷
ح۳ الکردری ج ۲ ص ۲۱ ح۲ الموفق ج ۲ ص ۱۷۲ ح۵ الموفق، ص ۱۸۲،

"دیکھو! میرے گورنر (عامل) کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا ان کی خونریزی خود ان کے معاہدے کی رو سے میرے لئے شرعًا جائز نہیں ہو چکی ہے؟"

دربار کے ایک خوشامدی امیر نے کھڑے ہو کر خلیفہ کو جواب دیا کہ "یقینًا آپ کا ہاتھ ان کے مقابلہ میں کھولا جا چکا ہے اور جو بھی ان کے متعلق آپ فیصلہ کریں اس کا آپ کو قطعًا اختیار حاصل ہے۔ اگر ان سے درگذر کیجئے تو عفو و درگذر آپ کا شیوہ ہے اور اگر سزا ہی ان کے لئے تجویز کی جائے تو وہ خود اپنے معاملہ کی رو سے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔"

لیکن منصور کا اشارہ سوال میں جس کی طرف تھا وہ یہ آدمی نہیں تھا درحقیقت وہ امام ابوحنیفہ کے فتوے اور ہمنوائی کا امیدوار تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ امام صاحب کچھ نہیں بولتے تو براہ راست ان کی طرف رخ کر کے منصور نے پوچھا "اے شیخ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟

آزمائش کی گھڑی پھر امام کے سر پر آکر کھڑی ہو گئی۔ منصور امام کے گذشتہ مداراتی طریقوں کو دیکھ کر شاید اپنے دل میں کسی انقلاب کی توقعات قائم کر چکا تھا۔ اسی لئے اس نے شخص مخاطب بنا کر سوال کیا تھا امام کھڑے ہوئے اور اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرنے لگے! امیر المومنین! موصل والوں نے اگر اس قسم کا کوئی معاہد آپ سے کیا تھا (یعنی بغاوت کی صورت میں ان کا خون خلیفہ کے لئے حلال ہو جائے گا) تو آپ کو معلوم ہونا چاہئیے۔ انھوں نے ایک ایسی چیز کا اختیار آپ کے سپرد کیا تھا۔ جس کے سپرد کرنے کا شرعًا انہیں قطعًا اختیار نہیں۔

مطلب یہ تھا کہ اپنی جان اور اپنے خون پر مسلمانوں کو اختیار ہی نہیں دیا گیا ہے اس لئے خودکشی اسلام میں حرام ہے پھر دوسروں کو یہ اختیار وہ کیسے منتقل کر سکتے ہیں[۱]۔ آخر میں امام نے فرمایا کہ :۔

---

[۱] دراصل یہ فقہ کا مسئلہ ہے اسی بنیاد پر یہ قانون ہے کہ کسی سے کوئی اگر کہے کہ مجھے مار ڈال یا قتل کر دے ... ایسا کہنے والے کو قتل کر دیا جائے تو قاتل یہ عذر پیش کر کے کہ میں نے تو مقتول کے حکم سے اس کو ...

صاحب نے فرمایا، مجھ میں اس منصب کی صلاحیت نہیں، منصور نے بپھر کر کہا،
کذبت انت تصلح جھوٹے ہو، تم میں اس منصب کی صلاحیت ہے
امام صاحب نے فرمایا - جھوٹا آدمی منصب قضا کا سزاوار کیسے ہو سکتا ہے؟ [۱]
منصور نے اور زیادہ بھڑک کر کہا، " خدا کی قسم تمہیں یہ کرنا ہوگا،" امام صاحب نے
اسی استقامت سے جواب دیا، خدا کی قسم یہ نہیں کروں گا،" منصور کے حاجب
ربیع نے سراپا حیرت بن کر کہا -
" امیر المومنین کی قسم پر کھاتے ہو یہ ہمت؟
امام صاحب نے جواب دیا " امیر المومنین بہ نسبت میرے اپنی قسم کا کفارہ آسانی
ادا کر سکتے ہیں،" [۲] اس کے بعد امام صاحب قید کر لئے گئے - اور اسی حال میں ان کا
انتقال ہو گیا [۳] -"

امام اعظم کی جان لینے کے بعد بھی، حکومت کے قہر و غضب میں کمی نہیں ہوئی، وہ
تلی بیٹھی تھی کہ ارباب دین کو، ارباب دنیا بنا کر رہے گی، لیکن دین کے متوالے، دنیا کی
وجاہت اور عیش و نعم پر نگاہ غلط انداز ڈالنے کو بھی تیار نہ تھے،
چنانچہ امام صاحب کے بعد ان کے دست راست اور شاگرد رشید - امام زفر
کی باری آگئی، طاش زادہ کبریٰ نے لکھا ہے :
" زفر کو مجبور کیا گیا کہ قضا کی خدمت قبول کر لیں، لیکن انھوں نے شدت کے ساتھ انکار
کر دیا اور روپوش ہو گئے - حکومت نے حکم دیا کہ ان کا گھر ڈھا دیا جائے - گھر گرا دیا گیا لیکن
اس کے بعد وہ زمانہ دراز تک روپوش ہی رہے کچھ دن کے بعد ظاہر ہوئے - اور اپنے
منہدم شدہ مکان کو درست کرایا اور حکومت نے دوبارہ پھر ان سے اصرار کیا - لیکن کسی طرح
راضی نہ ہوئے - آخر کار مجبور ہو کر ان کا پیچھا چھوڑ دیا گیا - اور معافی
دی گئی، [۴]

---

[۱] ایضاً، ج ۲، ص ۱۷۰ [۲] تاریخ بغداد، (خطیب بغدادی) [۳] الموفق ص ۲۷، [۴] مفتاح السعادۃ
ج ۲، ص ۱۲۴

اہل بیت، ائمہ کبار، علمائے وقت، صلحائے عصر، پر یہ مظالم اس لئے ہو رہے تھے کہ جس زندگی کو، ان حکمرانوں نے اختیار کر لیا تھا اسے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے، اور وہ زندگی ان کی موجودگی میں بسر کرنی ممکن نہ تھی،

بنوامیہ کے بعد، بنوعباس نے بھی مسند رسولؐ پر بیٹھ کر دنیا میں کس طرح جنت کے مزے لوٹے، تاریخ اسلام (عہد بنوعباس) کی رہنمائی میں ایک سرسری سی نظر ان جنت نگاہ مناظر پر ڈالی جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔

پایۂ تخت خلافت، سرزمین عرب کے دوسرے مقامات کی طرح بہر حال گرم تھا، لیکن، عوام سے حاصل کی ہوئی دولت، اس گرمی کو ٹھنڈک میں تبدیل کر سکتی تھی:

"گرمیوں میں ٹھنڈے پانی کا خاص انتظام تھا۔ آرام گاہوں میں مصنوعی طور پر پانی لایا جاتا تھا۔ جو سنگ مرمر کے تراشے ہوئے درندوں اور پرندوں کے منہ سے فوارے کی شکل میں چھوٹتا تھا۔ اور اوپر سے پنکھا چلتا تھا۔ اس سے گرم ہوا کے جھونکے نسیم سحری بن جاتے تھے۔ غرض لباس اور زینت آرائش حتیٰ کہ گھوڑوں کی آرائش تک میں دنیا کی جھولوں اور زیورات سے ایسی جدتیں پیدا کی تھیں کہ دنیا کی کوئی قوم اس درجہ کو نہ پہنچی تھی۔"[1]

مکانوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے اور بہت سے طریقے رائج تھے۔ عام اور سادہ طریقہ یہ تھا کہ کچی چھت کے گھر بنائے جاتے تھے۔ ان پر تہ گل ہوتی تھی۔ اور دیواروں کی پشت بانسوں اور بید کے ٹھاٹھ سے منڈھدی جاتی تھی اور اس کے در و دیوار کے درمیان کے خلا میں برف کے تودے بھر دیئے جاتے تھے۔

پھر ایک شخص ایوب خاری نے ایک آب گیر کپڑا جو خیش کے نام سے موسوم تھا ایجاد کیا۔ اس کو تر کر کے آرام کمرہ کی دار دل یا قبہ پر منڈھ دیا جاتا تھا۔ اس سے ٹھنڈک پیدا ہوتی تھی۔[2]

اس سے بھی زیادہ پر تکلف کہ بڑے بڑے سہ اوار کرے دیبقی (ایک قسم کا کپڑا)

---

[1] سفارۃ الاسلام ص ۹۹ [2] تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی ج ۲ ص ۲۰۸، ۱۳۹، ۱۲۵

سے منڈھ دیئے جاتے تھے۔ اور درمیان میں ایک قبہ یا چھوٹا حجرہ بنا دیا جاتا تھا۔ اس کے چاروں طرف بانس کے کھپاچے اور بید کی ٹٹی ہوتی تھی۔ اور دبیقی کو گلاب، کافور اور صندل کے عرق میں تر کر کے اس پر منڈھ دیا جاتا تھا۔ اور دروازوں پر ہوادار اور روشن دانوں، کے تمام راستوں پر برف کے تودے رکھ دیئے جاتے تھے۔ اور خدام انھیں بڑے بڑے پنکھوں سے ہوا دیتے تھے۔ اس سے کمروں میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی کہ گرم کپڑا پہننے کی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ لیکن یہ اہتمام صرف امرا کر سکتے تھے[1]

سردیوں میں گرمی پیدا کرنے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے مکانوں میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے ہوتے تھے اور ان کے گرد لکڑی اور لوہے کے جنگلے بنے ہوتے تھے۔ ان کے درمیان آتش دانوں اور انگیٹھیوں میں آگ بھری رہتی تھی۔ ان کو خدام دھونکنی سے برابر دہکاتے رہتے تھے۔ اور چوبی کمرے کے اندر چاندی کی انگیٹھیوں میں عود جلتا رہتا تھا۔ اس سے پورا کمرہ گرم ہو جاتا تھا[2]"

رسول اللہ ؐ کی خدمت میں، ابوبکرؓ و عمرؓ کی خدمت میں، عثمانؓ و علیؓ کی خدمت میں خراج اور مال غنیمت کے لاکھوں روپے آتے تھے، مگر وہ عوام پر خرچ کر دیئے جاتے تھے رسولؐ کے ہاں کبھی دو وقت مسلسل چولھا نہ جلا، خلفائے راشدین، روکھی سوکھی روٹی پر بسر کرتے رہے، بیت المال کے روپے میں ہاتھ لگاتے (اپنی ضرورت کے لئے) ڈرتے تھے، لیکن اسی مسند پر بیٹھنے والے ایک خلیفہ :

"ہارون رشید کے دسترخوان پر ایک وقت میں تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے مطبخ کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا[3] مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفیاں یومیہ تھا جس کا بڑا حصہ باورچی خانہ پر صرف ہوتا تھا[4] مقتدر کے عام اور خاص مطبخ کا خرچ دس ہزار اشرفی ماہانہ تھا۔ باورچیوں کی تنخواہ ایک ہزار اشرفی ماہانہ تھی۔[5]

---

[1] ابن ابی اصیبعہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ میں نے صرف ضروری مقدمہ نقل کیا ہے۔ دیکھو طبقات الاطباء ج ۱ ص [2] ایضاً ص ۱۴۰ [3] تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی جلد ۲ ص ۲۰۶

قاہر کے دسترخوان پر تیس اشرفی روزانہ کے میوے ہوتے تھے[1] اسی طرح امرا کا دسترخوان بھی بہت پرتکلف اور وسیع ہوتا تھا۔ وزیر ابوالحسن بن فرات کے باورچی خانہ میں تین سو اشرفی ماہانہ کا صرف مشک خرچ ہوتا تھا[2]

اس کے دو باورچی خانے تھے۔ ایک عام لنگر خانہ کے لئے۔ دوسرا خاص مطبخ عام میں نوے بکریاں، تیس برے۔ دو سو مرغیاں، دو سو چوزے۔ اور دو سو تیتر روزانہ خرچ ہوتے تھے۔ نان پز رات دن نان، سمید، اور مٹھائیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے۔ آبدار خانہ میں ہر وقت برف کے پانی کا انتظام رہتا تھا۔ خدام صاف ستھرے لباس میں ملبوس۔ ہاتھوں میں تولئے اور آبخورے لئے موجود رہتے تھے۔ جو ہر آنے جانے والے کو شکنجبین یا اور کوئی ہاضم چیز ملا ہوا پانی پلاتے تھے[3]

تقریبات کے موقع پر رات دن میں پانچ من برف صرف ہوتی تھی[4]"

جہاں کھانے کا یہ کچھ اہتمام ہوگا، وہاں "پینے" کے لئے کیا کچھ نہ کیا جاتا ہوگا؟ چنانچہ ساغر چھلکتے، صراحی گردش میں آتی، اور نبیذ کے نام سے سکر و سرور، اور نشہ و خمار کی محفلیں برپا ہوتیں۔

چنانچہ:

"خلیفہ موفق جب پینے کے لئے بیٹھتا تو پہلے ہاتھ دھونے کے لئے تسلا اور سونے کی کشتی میں بلور کے جام و مینا لگا کر پیش کئے جاتے[5]

اور جام و ساغر کی یہ محفلیں کتنی شاندار ہوتی تھیں؟:—

بعض محفلوں کا ذکر تاریخوں میں بھی ملتا ہے جس سے ان کی نفاست و لطافت اور تکلفات کا اندازہ ہوتا ہے۔

"ابوجعفر بن حمدون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ راضی باللہ نے ایک مقام کو فرش و فروش

---

[1] طبری جلد ص ۱۸۴ [2] کتاب الوزراء صابی ص ۲۵۲ [3] ایضاً ص ۴۱۹ [4] کتاب الوزراء صابی ص ۱۲۳، [5] طبقات الاطباء جلد ۱ ص ۲۵۱

ہارون کے دور کے ایک مشہور اور نابینا عالم ابو معاویہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون حج کے لئے مکہ آیا۔ میں اس سے ملنے گیا تو مجھے بیت الخلا جانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ہارون نے شہزادہ مامون اور امین سے کہا کہ اپنے چچا کو بیت الخلاء پہنچا دو۔ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیا۔ یہاں نہایت عمدہ خوشبو آرہی تھی [1]۔"

ابھی کچھ اور بھی :-

"مقتدر کی ماں نے اپنے صغیر السن پوتے کی ایک تقریب میں چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤں بنوایا تھا جس کے مکانات، کھیت، فصلیں، درخت، پھل، تالاب، نہریں، گلّے، بیل گھوڑے، اونٹ اور دوسرے مویشی وغیرہ وہ تمام چیزیں جو گاؤں میں ہوتی ہیں چاندی کی تھیں [2]۔

اس تقریب میں مقتدر نے وزیر ابن فرات کو کھانے کے تین خوان بھیجے تھے۔

——— بڑا خوان پچاس بالشت کا تھا۔ اس کو کئی خدام اٹھائے ہوئے تھے دو تھان کار چوبی کے۔ ایک تھان سبز اور تین سپید ریشمی کپڑوں کے۔ اور ایک سونے کی سینی میں دینار سرخ اور سونے کے بنے ہوئے بادام، اخروٹ، پستے اور دوسرے میوے تھے۔ جن کی قیمت پانچ ہزار اشرفی تھی [3]۔

اس زمانہ میں سونے کے پھلوں اور میووں کے تحفہ کا عام رواج تھا۔ صاحب استطاعت خوش ذوق اشخاص اس کی ضیافیاں کرتے تھے۔ بصرہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ بغداد کا ایک دلال بڑا مسرف تھا۔ ایک شب کو مجھے راستہ میں ملا۔ اس وقت وہ بغداد کی مشہور مغنیہ برعہ کے یہاں جا رہا تھا۔ مجھ کو اس کی آستین کے اندر کچھ بھرا ہوا معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا کیا ہے اس نے کہا خراسان کی مخلط (ایک قسم کی خوشبو) ہے۔ اس کو لے جا کر برعہ پر تصدق کروں گا۔ میں نے کہا تھوڑی سی مجھے بھی دیدو، اس نے تھوڑا سا نکال کر میری آستین میں ڈال دیا۔ میں بغیر دیکھے لئے ہوئے گھر چلا آیا۔ یہاں آکر دیکھا تو سونے کے بادام، چاندی کی شکر، عنبر کے پستے اور ند کے منقی تھے۔ اس لئے دوسرے

---

[1] تاریخ خطیب ج۵ ص ۲۴۳ [2] البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۱۱ ص ۱۵۵ [3] کتاب الوزرا ص ۸

سے آراستہ اور گلاب و نیلوفر سے سجانے کا حکم دیا۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی محفل کی آراستگی کے بعد راضی آیا۔ اور پھولوں کے انبار دیکھ کر بولا خالی پھول اچھے نہیں معلوم ہوتے، اور ان پر کافور چھڑکنے کا حکم دیا، خدام نے فوراً طلائی سینیوں میں بھر بھر کر کافور کا سفوف چھڑکنا شروع کیا۔ اور اتنا چھڑکا کہ کافور کی سپیدی سے پھولوں کی رنگت دب گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روئی دھنک دی گئی ہے یا کسی باغ پر برف باری ہوتی ہے۔ اندازاً ایک ہزار مثقال کافور چھڑکا گیا تھا۔ محفل برخاست ہونے پر راضی نے کافور لوٹنے کا حکم دیا۔ اس پر خدام نے کافور کے انبار جمع کر لئے ص[۱]

ایک مرتبہ متوکل کا دل چاہا کہ محفل شراب کی ہر چیز کا رنگ زرد ہونا چاہیئے اس کی اس طرح تعمیل کی گئی کہ ایک حوض پر سونے سے مرصع صندل کی لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا اور اس میں زرد دیبا کے پردے آویزاں کئے گئے اور اسی کا فرش بچھایا گیا۔ حوض کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں رواں تھیں۔ ان کے پانی میں زعفران گھولا گیا اور متوکل کے سامنے زرد دستنبو (ایک قسم کی خوشبو) لیموں اور زرد رنگ کی نبیذ سونے کی کشتی میں لگا کر پیش کی گئی۔ اس مجلس میں جو لونڈیاں شریک تھیں۔ ان کا لباس زرد کتان کا تھا۔ اس اہتمام میں کئی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں ص[۲]"

خلافت جب سلطنت میں تبدیل ہو گئی تو، عیش و تنعم کے لئے کیسے سانچے ڈھلے گئے، اور، راحت و آسائش کے کیا کیا ذرائع اختیار کئے گئے، یہ داستان بڑی طویل ہے، ـــــ لیکن مشتے نمونہ از خروارے:

"خلیفہ مقتدر کی ماں کے لئے ریشم کی جوتیاں بنتی تھیں۔ اور ان کی تہ میں مشک وغیرہ پیس کر جما دیا جاتا تھا۔ دس دن سے زیادہ ایک جوتی استعمال نہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد ملازمین مشک وغیرہ نکال لیتے تھے ص[۳]۔ انتہا یہ کہ بیت الخلا تک میں خوشبو کا انتظام رہتا تھا۔

ص[۱] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴ ا د ۱۴۵ ملخصاً ص[۲] ایضاً ص ۱۴۶ ا د ۱۴۷ ص[۳]

حضرت علی نے ، پھر امام حسین نے ، اور بعد میں دوسرے ائمہ نے ، وقت کے مسلمان ملوک و
سلاطین سے جو جنگ کی اس کی اصل غرض و غایت کیا تھی ؟

مولانا نے تحریر فرمایا ہے ۔ :
باوجود دیکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے ہیں ان کو کیسے دکھایا جا سکتا ہے ۔ علیؑ کی پچھلی زندگی
پر تنقید کرنے والے ان کی زندگی کے ابتدائی خدمات سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنا لیتے
ہیں ، وہ اسلامی اطلس میں ایران و مصر ، شام و عراق کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ۔ لیکن میں پوچھتا
ہوں کہ قادسیہ میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی ۔ کیا بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب
ہو سکتی تھی ؟ وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست ان کے دشمنوں
کو اٹھانی پڑی لیکن یرموک کی فتح پر خوشی کے شادیانے بجانے والوں سے کون پوچھے کہ ارے
محسن کشو ! یرموک تک تم پہونچ بھی سکتے تھے ۔ اگر کھولنے والا تم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں
کے دروازوں کو نہ کھول دیتا ۔ سچ کہتے تھے ابو ہریرہ جب کسی ملک کی فتح کی خبر مدینے پہنچتی
تھی کہ خبر گو آج آئی ہے ، لیکن نتیج کا یہ واقعہ تو اسی دن پیش آچکا تھا جب مدینہ کے اطراف میں
اللہ کے رسولؐ اور رسولؐ کے ساتھی خندق کھودنے میں مصروف تھے تم نے تو دجلہ
کے کنارے دیکھا کہ سعد بن وقاص اپنی فوج کو تراتے ہوئے مدائن کی طرف لے جا رہے ہیں
لیکن دیکھنے والوں نے اس واقعہ کو اسی وقت دیکھ لیا تھا ۔ جب مدینہ کی خندق کو پھاند کر
عمرو بن عبدود عرب کا سورما اس شخص سے مبارزت طلب کر رہا تھا ۔ جس نے ایک ہی
وار میں سو کے برابر سمجھے جانے والے اس پہلوان کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا یقیناً حافظے
کمزور بھی ہوتے ہیں لیکن کیا اتنے کمزور کہ ہر دوسرا قدم اٹھانے کے بعد دماغ سے
یہ بات نکل جائے کہ دوسرا قدم اٹھ ہی نہیں سکتا اگر پہلا قدم نہ اٹھتا یہ فطرت کی انتہائی
دناوت اور گندگی ہے کہ جس نے سارے جسم سے کانٹوں کو نکالا اس کے احسانوں
کا صرف اس لئے انکار کر دیا جائے کہ آنکھ جب کھلی تھی ـــ تو اس وقت ہمارے
سامنے صرف وہی تھا جس نے آخر میں آنکھ کے کانٹوں کو کھینچ لیا تھا ، ! "

بقول حضرت عمر بن عبد العزیز :-

دن لیجا کر میں نے اس کو واپس کرنا چاہا - اس نے کہا یہ واپس کرنے کی کون سی چیز ہے - میرے پاس جس قدر تھا سب برعہ اور اس کی لونڈیوں میں تقسیم کر دیا ص۱"

ظاہر ہے الناس علی دین ملوکھم، جب خلفا کا یہ حال تھا تو امراء کیوں پیچھے رہتے ؟

اس سلسلہ کو ختم کرنے سے پہلے ایک نمونہ اور:

" خلفاء کی بیویوں کے تکلفات اور عیش و نعم کے سامانوں کی کوئی انتہا نہ تھی، ہارون کی بیوی زبیدہ کے لئے دیبا کا ایک کارچوبی فرش تیار کیا گیا تھا - جس میں یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، اس کی قیمت دس لاکھ تھی -

اسی طریقہ سے مستعین کی ماں نے ایک فرش بنوایا تھا - اس میں سونے کے تاروں سے حیوانات اور طیور کی تصویریں کاڑھی گئی تھیں - اور ان کی آنکھوں میں یاقوت اور جواہرات جڑے تھے - اس کی قیمت کئی کروڑ روپے تھی ص۲"

"تصویر کا دوسرا رخ" میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا، اس رخ کو سامنے رکھ کر بھی کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسند خلافت پر جن ملوک و سلاطین نے قبضہ کر لیا تھا ان کے خلاف خروج اور بغاوت کی تحریک نادرست تھی ؟ کیا ان کے لئے اسلام کو ختم ہونے دیا جاتا ؟ یا اسلام کے لئے ان کو راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی ؟ خود اسلام کی تعلیم اس باب میں کیا ہے ؟ ——— کیا اتنی روشن بات پر بھی، روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے ؟

یہ باب، ختم کرنے سے پہلے، میں اس طویل تحریر کا خلاصہ پیش کروں گا - جو مولانا مناظر احسن گیلانی نے "حضرت علی اور غلطیہائے کے مضامین" کے نام سے اپنی کتاب ابوحنیفہ میں درج کی ہے، اس سے ایک طرف یہ اندازہ ہو گا کہ حضرت علی پر اتہامات جو لگائے جاتے ہیں، ان کی حیثیت کیا ہے، ؟ وہاں دوسری طرف یہ اندازہ بھی ہو گا کہ

ص۱ نشور المحاضرہ ص ۹۹ ص۲ المستطرف ج ۱، ص ۱۳۴

بگڑتی ہے ۔ پھر کیا کیا جائے ؟ ۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا کہ "اقضاھم" (علی) کی توشا فیصلہ مسلمانوں کو اگر اس وقت نہ مل جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمان نام رکھنے والی کوئی قوم دنیا میں رہ جاتی ۔ لیکن اسلام بھی باقی رہتا یا نہیں اس کی پیش گوئی مشکل تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے غائب ہوجانے کے بعد یہ کہنا کہ مسلمان قوم تو باقی رہ گئی ، کچھ بے معنی سی بات ہے ۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو صف آرا کرنے میں لوگ کامیاب ہوچکے ہیں ۔ مسلمانوں کے امام اور خلیفہ کے سامنے ایک عجیب صورت حال پیش ہوتی ہے کیا کیا جائے ، ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی بھی جائے یا نہ اٹھائی جائے ؟ پھر تو جنگ میں ان کے ساتھ بھی وہی طریقہ اختیار کیا جائے ۔ جو غیر مسلموں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے ؟ ان کے زخمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے ؟ شکست کھانے والے جس مال ومتاع کو چھوڑ کر بھاگیں گے اس کا انجام کیا ہوگا ؟ الغرض یہ اور ایسے بیسوں پریشان کن سوالات تھے ۔ جنھیں وہی حل کرسکتا تھا جسے پیغمبر کی زبان نے مسلمانوں کا سب سے بڑا "قاضی" قرار دیا تھا ۔ (بقول ابوحنیفہ)

سار علی فیہا بالعدل وھو علم المسلمین السنۃ فی قتال اھل البغی ص ۸۴ ج ۲

علی نے ان مواقع میں عدل کی روش اختیار کی اور مسلمان باغیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کو کیا برتاؤ کرنا چاہیئے اسکے قوانین حضرت علی نے ہی سکھائے اور بتائے

کوئی شبہ نہیں کہ گو واقعہ بعد کو پیش آیا لیکن وقوع سے برسوں پہلے قرآنی آیت نازل ہوچکی تھی ۔ یعنی ۔

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فقاتلوا التی تبغی حتی الی امر اللہ ۔

ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں اگر لڑ پڑیں تو ان میں جس نے سرکشی کی ہو اس گروہ سے مسلمانوں سے ۔ کریں تا آنکہ کے فیصلہ پر معاملہ کیا جائے (یعنی جو حق پر ہو وہ غالب آجائے)

آج بھی اس زمین کے کرہ پر ایسی ایسی محصول وصول کرنے والی قومیں پائی جاتی ہیں کہ ان کے محصول ادا کرنے والوں کے سامنے سے کہتے ہیں کہ آفتاب کبھی غائب نہیں ہوتا۔ اگر فضائل و کمالات کالے دے کر سارا معیار محصول ادا کنندوں کی تعداد کا اضافہ ہی ہے اور صرف اسی معیار کو پیش کر کے علی کے مقابلہ میں بنی امیہ کی حکومت سراہی جاتی ہے تو سراہنے والوں کا یہ گروہ اس وقت کیا کرے گا۔ جب ان ہی کے سامنے ان کو لالا کر کھڑا کر دیا جائے۔ جن کے محصول ادا کنندوں کی تعداد کے مقابلہ میں بنی امیہ کے محصول ادا کرنے والے شاید وہ نسبت بھی تو نہیں رکھتے جو کسی سیاہ رنگ کی گائے کے سیاہ بالوں میں ان چند سفید بالوں کی ہوتی ہے جو کہیں کہیں پیدا ہو جاتے ہیں۔

اگر خدا کے اس راستباز بندے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے نہ ہوتا جو غنا اور تونگری کی بلند ترین منزلوں پر پہنچنے کے بعد بھی دین کے ہر جزئی مطالبے کو زندگی کے آخری لمحوں تک پورا کرتا رہا اگر ان سارے واقعات کا ظہور اسلام کی تاریخ میں ٹھیک اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہا تو مسلمان قدرت کی اس غیبی امداد کے شکریہ سے کیا سبکدوش ہو سکتے ہیں جب دین سے چاہا جا رہا تھا کہ دنیا کو بھی دین بنا لیا جائے۔

تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس وقت سب سے بڑی فیصلہ کرنے والی شخصیت عین وقت پر ہر چیز سے بے پروا ہو کر وہ سب کچھ کرنے کے لئے اگر تیار نہ ہو جاتی۔ جس کے تصور سے بھی آج مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا اسلام جو صرف دین ہے دین کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے۔ اپنے دین ہونے کی حیثیت کو برقرار رکھ سکتا تھا؟

مسلمان مر رہے ہیں مارے جا رہے ہیں۔ کٹ رہے ہیں اور کاٹے جا رہے ہیں لیکن اسلام بچ رہا ہے اور بچایا جا رہا ہے اس بلند حوصلہ اور فولادی عزم کے ساتھ خدا کے دین کی آخری شکل کو بچانے کے لئے کھڑا ہونے والا جمل اور صفین کے میدان میں سینہ تان کر اگر کھڑا نہ ہو جاتا تو کیا وہ اسلام کو بچا لینے میں کامیاب ہو سکتا تھا؟

ایک طرف اسلام تھا اور دوسری طرف مسلمان تھے ان دونوں چیزوں میں پیدا کرنے والوں نے ایک ایسا تعلق پیدا کر دیا تھا ایک کو اگر پکڑا جاتا ہے تو دوسری چیز

خیال کیاکہ حضرت علیؓ کے خلاف ایسا وزن ڈال دیاگیا ہے کہ اس بوجھ کو وہ برداشت نہیں کر سکتے لیکن بجنسہٖ یہی موقعہ حضرت علی کو جب ملتا ہے یعنی عائشہ صدیقہؓ پر اپنی رائے کی غلطی جب واضح ہو گئی تو صدیقہؓ نے حضرت علیؓ سے اصرار شروع کیا کہ شام والوں کے مقابلہ میں اپنے ساتھ مجھے لے چلو لیکن اس قسم کی سیاست کو آپ ہمیشہ ناپسند کرتے تھے ام المومنین سے باصرار بلیغ آپ نے عرض کیا کہ رسول اللہؐ جس گھر میں آپ کو چھوڑ کر گئے ہیں۔ بس آپ اسی گھر میں جاکر آرام کیجیے اور ایک بڑی کارگر طاقت سے ناجائز سیاسی نفع حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

آپ فرماتے دین کے معاملہ میں مداہنت اور چشم پوشی سے کام نہیں لوں گا میں ریاکاری کی چالیں ہرگز اختیار نہیں کروں گا[1]۔ آپ کی اس معصوم اور مقدس خالص دینی سیاست کی بنیاد صرف صداقت اور راستبازی، عدل و انصاف پر قائم تھی۔ اس نے لوگوں کو غلط امیدوں کے قائم کرنے سے مایوس کر دیا۔ ایک طرف بات بات پر جاگیریں مل رہی تھیں۔ مسلمانوں کے بیت المال کا منہ کھول دیا گیا تھا اور دوسری طرف یہ حال تھا کہ حضرت کے سگے بھائی عقیل بن ابی طالب حق سے کچھ زیادہ مطالبہ کرتے ہیں آپ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ وہ اسی بنیاد پر شام والوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں سمجھا جاتا کہ سگے بھائی کی بھی پروا نہیں کی جاتی۔ وہاں لوگ کب تک لڑ سکتے تھے۔ لیکن علی کیا علی باقی رہتے اگر ان کے نزدیک بھی کامیابی و ناکامی کا وہی عامیانہ معیار ہوتا بنی امیہ کی اسی تراسی سال کی کامیابی کیا کوئی کامیابی ہے اور بیچارے حضرت امیر معاویہؓ کی ایک پشت بھی صحیح معنوں میں اس کامیابی سے مستفیض ہو سکی؟ جس کا لوگوں نے کامیابی نام رکھ چھوڑا ہے؟

خود مرتضیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ بعض دوسرے جلیل القدر صحابیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ان آئندہ آنے والے واقعات بلکہ ان کے جزئیات تک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلع فرما دیا تھا مرتضیٰ علیہ السلام بسا اوقات اس کا اظہار بھی

---

[1] مروج الذہب (مسعودی)

حکومت کے جس نظام کو اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک نے اپنے عملی نمونوں سے اس نظام پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ لیکن یہ بات کہ اپنے اس نظام کے قائم کرنے پر اسلام کو اتنا اصرار ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں نظر آنے لگے۔ لیکن ہر قیمت پر اس نظام کو قائم کرنے کی کوشش میں مسلمانوں کو آخر وقت تک منہمک رہنا چاہیئے۔ "اسلامی نظام سیاست" میں اتنی اہمیت صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عملی نمونے پیدا کر دی ہے۔

دس پانچ نہیں ہزار ہا ہزار بقول بعض لاکھوں تک نوبت قتل و شہید ہونے والے مسلمانوں کو پہنچی چلی جاتی تھی کشتوں کے پشتے لگتے چلے جاتے تھے مسلمانوں کی لاشوں کا پہاڑ جمع ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن یہ حد تھی کسی نصب العین پر اصرار کی کہ کسی قسم کا کوئی حادثہ یا کوئی مصلحت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ ہٹا سکی میں نہیں جانتا کہ کسی نصب العین کے حصول کی کوشش میں اس کی نظیر انسانیت کی تاریخ پیش کر سکتی ہے؟ سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا گیا۔ بلکہ کربلا کے میدان میں تو اسی نصب العین کے پیچھے علی کے گھرانے کا ایک ایک بچہ قربان ہو گیا۔ اب سمجھ میں آتی ہے ہمت اس سیاسی نظام کی جسے "اسلام" نے دنیا میں پیش کیا۔

خاص بات جس پر آپ کا اصرار اس حد کو پہنچ گیا۔ وہ یہی تھی۔ جسے بار بار اپنے خطبوں میں دہراتے "چلو ان لوگوں سے لڑنے کے لئے جو محض اس بنیاد پر لڑ رہے ہیں تاکہ وہ جبار (ڈکٹیٹر) بن کر لوگوں کے رب بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا نوکر چاکر بنا لیں اور مسلمانوں کے مال کو ایسا موروثی مال بنا دیں جو ان کے خاندان میں گھومتا رہے!"

یہ ترجمہ ہے حضرت والا کے ان عربی الفاظ کا۔ (یکونوا جبارین یتخذھم الناس اربابا ویتخذون عباد اللہ خولا ومالھم دولا) لوگ خلیفہ میں اور مسلمانوں میں امتیاز پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ اس غیر اسلامی امتیاز کے مخالف تھے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبید اللہ نے غریب نو مسلم ایرانی ہرمزان کو بلا وجہ مار ڈالا تھا آپ کو قصاص میں ان کے قتل پر اصرار تھا محض اس لئے کہ فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اسلام کے قانون سے وہ بچ نہیں سکتے۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرنے والے بغیر کسی تحقیق کے مطالبہ کرتے تھے کہ جس جس پر وہ شک کریں وہ حوالہ کر دیا جائے۔ آپ نے اس سے انکار کیا۔ آپ کو اس قسم کی جمہوری اور غیر اسلامی سیاست سے سخت نفرت تھی۔ جس میں سازش جوڑ توڑ، جھوٹ سچ سے کام لیا تھا مصر کا ملک کسی کو ضمن حیات جاگیر میں محض اس لئے دینے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے کہ میرا ساتھ دے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مختلف مغالطوں میں مبتلا کر کے لوگوں نے اپنی رفاقت پر آمادہ کیا۔ اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے لوگوں نے اسے بہت بڑی سیاسی چال قرار دی گویا اس ذریعے سے انہوں نے

امامت

سیاست کی قربان گاہ پر!

فرمادیتے تھے۔ بلکہ اس سلسلہ میں وہ سارے اقوال اگر جمع کر دیئے جائیں تو کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ بعد کو ہوا سب پہلے سے معلوم تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خاص صحابی جن کا نام حذیفہ بن یمان تھا۔ ان کی خصوصیت ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "اسرار" سے وہ واقف تھے صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے لوگ ان کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ وہ کوفہ میں تھے شہادت کے بعد کوفہ خبر پہنچی کہ لوگوں نے حضرت علیؓ کا خلافت کے لئے انتخاب کیا ہے۔ باوجودیکہ حضرت حذیفہ بیمار تھے۔ لیکن جامع مسجد میں تشریف لائے۔ لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس دن تک میں زندہ رکھا گیا اور فرمایا لوگو! اس کے بعد بہت سی لڑائیاں پیش آنے والی ہیں تو تم لوگ گواہ رہو اس کے بعد اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے فرمایا۔ اللھم اشھد انی بایعت علیا (اے خدا تو گواہ رہ میں نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی) پھر اپنے دونوں بیٹوں کو جن کا نام صفوان اور سعد تھا حکم دیا کہ علیؓ کی صف میں جا کر شریک ہو جاؤ۔ حضرت حذیفہ کا سات دن بعد انتقال ہو گیا اور دونوں صاحبزادے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رفاقت میں شہید ہو گئے ؎۱

یہ باب ختم ہوا، اب قلم کا مسافر آگے قدم بڑھاتا ہے۔!

؎۱ المسعودی ج، ص ۲۱۵

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیثِ عشق بیباکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ امت
ترا با شوخیِ رندانہ گفتم!

●

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگِ گراں اور!

خلافت راشدہ کے معاً بعد، اسلام کی تاریخ میں ملوک وسلاطین کا دور شروع ہو گیا،

عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، اور حسنؓ، مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے، اب بہ ظاہر کوئی روک موجود نہ تھی،

جس سمت بھی چل ہے صفت سیل چلا چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

اور کوئی شبہ نہیں یہ قافلۂ تاج وتخت، پوری سبک گامی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف بڑھنے لگا، اور اگر بے روک ٹوک اسے یونہی بڑھنے دیا جاتا تو ایک قوم کی حیثیت سے مسلمان تو شاید باقی رہ جاتے، لیکن ان کا دین ختم ہو جاتا، جیسے آج عیسائی ایک قوم کی حیثیت سے موجود ہیں، لیکن ان کا دین کہاں ہے؟

یہی وجہ تھی کہ گو یہ قافلہ بڑھتا رہا، لیکن اسے روکنے کے لئے جان پر کھیل کر، اور جان دے کر وقت کے ائمہ بڑھتے رہے، انھوں نے اپنی جان اس لئے دی کہ اسلام قائم رہے، اسلام کی روح پامال نہ ہونے پائے، اقدار اسلامی مجروح نہ ہوں، اور کوئی شبہ نہیں یہ سودا گراں نہ تھا، حیات مستعار قربان کر کے اگر اسلام کو بچایا جا سکتا ہے

عہد بنی امیّہ
کے
شہیدانِ باصفا

تو اس سے بڑھ کر سرمایۂ سعادت اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس باب کا موضوع یہی ہے، اس میں ان ائمہ وقت اور اصحاب عزیمت کا ماجرا بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے پوری استقامت کے ساتھ بغیر کسی جھجک اور تامل کے اپنی جان اسلام کو سربلند رکھنے کے لئے قربان کردی، ! — شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم، !ان کے پاس نہ دولت تھی نہ خزانہ، نہ سپاہ، نہ جاہ وحشم، نہ ملک، نہ مال، پھر بھی یہ ملوک وسلاطین کی بہلی کھیپ کی نظر اور دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتے رہے تاآنکہ ختم ہو گئے، !

یہ داستان طویل اور دل خراش ہے، میں اس کی طوالت کو اختصار کا جامہ پہنا سکتا تھا سو پہنا دیا، لیکن اس کی زہرہ گدازی کو ہلکا کرنا میرے بس میں نہ تھا، نہ کر سکا، کوشش کروں گا کہ تاریخی ترتیب کے ساتھ اس داستان کو بیان کروں، !

صحابیٔ رسولؐ حجر بن عدیؓ اور انکے ساتھیوں کا قتل

حضرت علیؓ مرتبۂ شہادت پر فائز ہو کر اپنے رب سے جا ملے، حضرت امام حسنؓ منصب خلافت سے دستبردار ہو گئے، اور بالآخر وہ بھی زہر سے ہلاک کر دیئے گئے، اہل بیت رسولؐ کے جتنے لوگ بھی اب موجود تھے. خانہ نشین، اور سیاست سے الگ تھلگ تھے، تاریخ سے ایک مثال بھی اس کی نہیں پیش کی جا سکتی کہ امیر معاویہؓ کے خلاف کسی اہل بیت کے فرد نے خروج کیا ہو، بغاوت کی ہو، کسی انقلابی تحریک کی رہنمائی کی ہو، یا اس میں حصہ لیا ہو، کوئی فوج قائم کی ہو، یا حکومت کے خلاف کوئی جماعت بنائی ہو،

لیکن اس کے باوجود۔ انھیں اکسایا جا رہا تھا کہ میدان میں آئیں اور قتل ہوں،! حضرت علیؓ کے خلاف، حکومت کے حکم سے، باقاعدگی کے ساتھ مساجد میں دشنام طرازی (سب وشتم) کا جو سلسلہ جاری تھا، آخر اس کی غرض وغایت کیا تھی؟ یہ سب کچھ اگر حضرت علی کی زندگی میں ہوتا تو شاید کھینچ تان کر اس کا جواز پیدا کیا جا سکتا، لیکن حضرت علیؓ کی شہادت، اور حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد مسجدوں میں منبروں پر حضرت علی کو نا ملائم اور نازیبا الفاظ سے کیوں یاد کیا جا رہا تھا؟

حضرت علیؓ کوئی معمولی شخص نہ تھے، وہ رسول اللہؐ کے بھائی، اور خویش تھے، وہ فاتح خیبر تھے، اسلام کے لئے انھوں نے جو خدمات انجام دیئے تھے وہ کسی طرح بھی فراموش نہیں کئے جا سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے

بہ جرمِ عشق تواَم می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

جو الفاظ، "مولی" "ہارون" وغیرہ کے ارشاد فرمائے وہ ان کی عظمت کی دلیل ہیں ایسی محبوب اور برگزیدہ ہستی کو اگر برسر منبر گالیاں دی جائیں، اس کے خلاف سب و شتم کیا جائے، تو اہل بیت کا کیا ذکر، عامۂ مسلمین کا ان حرکتوں پر مشتعل ہونا بالکل قدرتی تھا اور ایسا ہی ہوا،

جلیل القدر صحابی رسولؐ حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو، صرف اس جرم میں کہ سبّ علی برداشت نہیں کر سکتے تھے، جس سفّاکی اور بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ وہ بجائے خود تاریخ کا ایک نہایت دل دوز، اور جگر فگار واقعہ ہے،

اس حادثۂ خوں چکاں پر، تاریخ اسلام (عہد نبی امیہ) کے فاضل مصنف نے اس طرح روشنی ڈالی ہے،:

"کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدیؓ حضرت علیؓ کے بڑے فدائیوں میں تے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت حسنؓ کے ویسے ہی جاں نثار رہے۔!

امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب و شتم کی رسم جاری کی تھی۔ اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدیؓ اور ان کی جماعت کو قدرتاً اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔ اس کے جواب میں وہ بھی مغیرہ اور معاویہ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے[۱]

ایک مرتبہ حسب معمول مغیرہ بن شعبہؓ جناب امیر کو برا بھلا کہہ رہے تھے اس پر حجر بن عدیؓ نے کنکریاں پھینکیں۔ زبانی بھی نا ملائم الفاظ کہے — اور دوسرے ان کے ہمنوا ہو گئے[۲]

مغیرہ بن شعبہؓ کے بعد زیاد کے زمانے میں بھی رسم جاری رہی، اور اس کے ساتھ حجرؓ کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا۔ زیاد نے شروع میں انھیں سمجھا دیا تھا کہ

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۳ و ابو الفدا جلد اوّل ص ۱۸۴ [۲] اخبار الطوال ص ۲۳۴ و ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۷

وہ حضرت علیؓ کی مدح اور معاویہ کی مذمت کا طریقہ چھوڑ دیں۔ لیکن حجرؓ نے نہ سنا۔ زیاد کو اطلاع ملی کہ حجرؓ اور ان کی جماعت امیر معاویہؓ اور زیاد کی برائیاں اور ان کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتے ہیں ص۱ زیاد نے حجرؓ اور ان کی جماعت کو امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیا۔ اور ان کو لکھا کہ یہ لوگ فتنہ کی بنیاد ہیں۔ جب تک قتل نہ کئے جائیں گے۔ فتنہ کی جڑ باقی رہے گی، چند آدمیوں نے حجر بن عدیؓ کے خلاف شہادت دی۔ اس لئے امیر معاویہؓ نے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا ص۲

حضرت حجر بن عدیؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اس لئے ان کے قتل کا اثر بہت برا پڑا۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد ہی امیر معاویہؓ کے پاس ان کی سفارش کے لئے آدمی دوڑائے تھے لیکن وہ اس وقت پہنچے، جب حجرؓ قتل کئے جا چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ جس سال حج کے لئے گئے۔ اور حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ان سے فرمایا معاویہؓ تم کو حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر خدا کا خوف نہیں آیا؟ ۔ معاویہؓ نے عرض کیا انھیں ان لوگوں نے قتل کیا جنھوں نے ان کے خلاف گواہی دی تھی، ص۳"

آیئے اب اس بیان کا تجزیہ کریں:

مغیرہ بن شعبہؓ کا ذکر بھی آیا ہے، ان کے بارے میں کافی روشنی ڈال چکا ہوں، حجرؓ پر جو الزام ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ اشتعال انگریزی نہ برداشت کر سکے حالانکہ اشتعال کی حالت میں قتل تک کی سزا قصاص نہیں یہ بھی یاد ہوگا حضرت امام حسنؓ سے جو معاہدہ ہوا تھا اس میں یہ تصریح تھی کہ سبّ علی کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا۔

ایک جلیل القدر صحابیٔ رسولؐ کو ایک فاسق گورنر۔ امیر معاویہ کے پاس اس سفارش کے ساتھ بھیجتا ہے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں، وہ قتل کا حکم دے دیتے ہیں،

حجرؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کے اضطراب سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں، ایک یہ

ص۱ یعقوبی جلد۲ ص ۲۷۴ ص۲ اخبار الطوال ص ۲۳۷ ص۳ استیعاب ج ۱، ص ۱۳۸

تاریخ طبری سے لئے ہیں، :

زیاد اور حجر کی کشمکش کا منظر :

"جمعہ کے دن زیاد نے خطبہ میں بہت طول دیا اور نماز میں تاخیر ہوگئی۔ حجر بن عدی نے پکار کر کہا الصّلوٰۃ ۔ اس پر بھی اس نے خطبہ کو جاری رکھا ۔ انھوں نے پھر کہا الصّلوٰۃ اور اس نے خطبہ کو جاری رکھا ۔ جب حجر نے دیکھا نماز جاتی ہے تو ہاتھ مار کر مٹھی میں کنکر اٹھائے اور نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ سب لوگ اٹھے ۔ یہ رنگ دیکھ کر زیاد اتر آیا اور سب کو نماز پڑھائی ، فارغ ہونے کے بعد اس نے معاویہ کو ان کی شکایت میں ایک خط لکھا اور بہت سی باتیں لکھ بھیجیں ۔ معاویہ نے جواب میں لکھا اسے زنجیروں میں جکڑ کر میرے پاس روانہ کر دو ۔ یہ خط آیا تو ان کی ساری برادری حمایت پر آمادہ ہوگئی ۔ مگر حجرؓ نے ان سب کو منع کیا اور کہا سمع وطاعۃ غرض حجر کو پابزنجیر معاویہ کے پاس روانہ کر دیا ۔ یہ جب معاویہ کے سامنے گئے تو کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ معاویہ نے کہا ہاں امیر المومنین ۔ واللہ نہ تجھ سے درگذر کروں گا نہ درگذر ہونے دوں گا ۔ لے جاؤ اسے یہاں سے اور اس کی گردن مارو ، جب انھیں باہر لے کر آئے تو جو لوگ اس کام پر مقرر تھے ان سے درخواست کی کہ دو رکعت نماز مجھے پڑھ لینے دو ۔ انھوں نے کہا پڑھ لو ۔ حجر نے دو رکعتیں جلدی سے پڑھ لیں اور یہ کہا کہ تم لوگوں کے بدگمان ہونے کا اندیشہ مجھے نہ ہوتا تو جی چاہتا تھا ذرا اور اس نماز میں طول دیتا ۔ مگر جو نمازیں کہ آج تک پڑھتے پڑھی ہیں اگر وہی میرے کام نہ آئیں گی تو ان دو رکعتوں سے کیا ہوگا ۔ پھر ان کے اقربا میں سے جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے کہا " نہ میری زنجیر اتارنا نہ خون کو دھونا کل میں اسی طرح معاویہ سے صراط پر ملاقات کروں گا " پھر انھیں آگے بڑھا کر گردن ماری گئی ۔ ام المومنین عائشہ اور معاویہ سے غالباً مکہ میں ملاقات ہوئی تو پوچھا " معاویہ تمہارا حلم حجر کے معاملہ میں کدھر چلا گیا تھا؟ " معاویہ نے کہا ۔ " ام المومنین کوئی عقل دینے والا اس وقت میرے پاس نہ تھا " اور جب معاویہ کی وفات ہونے لگی ۔ اور گھنگرو بولنے لگا

کہ وہ حجرؓ کی کتنی وقعت کرتی تھیں، دوسرے یہ کہ جس الزام میں انھیں قتل کیا گیا وہ ......
...... اتنا کمزور تھا کہ حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ سے فرمایا:

"حجر اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر تمہیں خدا کا خوف نہ آیا؟

امیر معاویہؓ کا جواب کہ حجر کو ان لوگوں نے قتل کرایا جنہوں نے ان کے خلاف گواہی دی"۔ اس اعتبار سے تو صحیح ہے کہ قتل گواہی لے کر کیا گیا، لیکن گواہی قابل اعتبار تھی یا نہیں، (اور اس کا فیصلہ اسی کو کرنا ہوتا ہے جو قتل کا حکم دیتا ہے) اسے تاریخ نے اپنے اوراق میں محفوظ رکھا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گواہی تمام تر جعلی، فرضی، مصنوعی، اور جبری تھی، لہٰذا قطعًا ناقابل قبول تھی، ایسی گواہی کو قبول کر کے قتل کا فیصلہ صادر کر دینا، انصاف تو نہیں کہا جا سکتا، !

زیاد نے حجر کے خلاف جو "شہادت نامے" بھیجے تھے ان میں شریح بن ہانی کی بھی گواہی تھی، جو یکسر جعلی تھی، شریح نے اپنا فرض امیر معاویہ کو فوراً خط لکھ کر ادا کر دیا:

"معاویہ نے اس خط کو بھی پڑھا۔ لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بندۂ خدا امیر المومنین معاویہ کو شریح بن ہانی کی طرف سے، مجھے خبر ملی ہے کہ زیاد نے آپ کے پاس میری شہادت حجر بن عدی کے خلاف لکھ کر بھیجی ہے۔ حجر بن عدی کے باب میں میری شہادت یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں میں، زکوٰۃ دینے والوں میں، ہمیشہ حج و عمرہ بجالانے والوں میں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والوں میں ہیں، ان کا خون بہانا، ان کا مال لینا حرام ہے۔ آپ چاہو ان کو قتل کر چاہو چھوڑ دو۔ !" ہ[1]

شریح کا یہ تردیدی خط پانے کے بعد بھی اگر امیر معاویہ نے حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا، تو کیا اب بھی اس قتل ناحق کی ذمہ داری گواہوں کے سر ڈالی جائے گی؟

اب مختصر طور پر، حجر اور ان کے بعض ساتھیوں کا انجام دیکھ لیجئے، یہ واقعات میں نے

---

[1] طبری ج ۲ ص ۱۲۲، (واقعات ۵۱ھ)

تو کہہ رہے تھے"۔ اے حجر تمہارے سبب سے میرا دن پہاڑ ہے [۱] [۲]"

طبری کی اس روایت کے کئی سبق آموز حقائق نظر کے سامنے آجاتے ہیں،

- اتنے شدید اختلاف کے باوجود حجرؓ پابندی سے نماز اسی مسجد میں پڑھتے ہیں جہاں حاکم وقت نماز پڑھاتا ہے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا کرتے ہیں،
- حجرؓ نے بہادری سے جان دی، اس لئے کہ انھیں اپنے برسرحق ہونے کا یقین تھا، قتل سے پہلے نماز پڑھنے اور پل صراط پر امیر معاویہ سے ملنے کا ذکر خاص طور پر توجہ طلب ہے۔
- بعد میں خود امیر معاویہ نے بھی اپنی یہ غلطی محسوس کر لی،

اب حجر کے بعض ساتھیوں کے قتل کا منظر بھی دیکھ لیجئے:۔

"قیس بن عباد شیبانی نے زیاد سے آکر کہا کہ ایک شخص ہم میں سے بنی ہمام کا جسے صیفی بن فسیل کہتے ہیں اصحاب حجر کے سر گروہوں میں ہے اور سب سے بڑھ کر تمہارا دشمن ہے زیاد نے ان پر دوڑ بھیجی لوگ انھیں بھی پکڑ کر لے آئے۔ زیاد نے کہا۔ اے دشمن خدا ابوتراب کے باب میں تیری کیا رائے ہے؟ کہا میں ابوتراب کو نہیں جانتا۔ کہا تو خوب جانتا ہے۔ کہا میں تو نہیں جانتا۔ کہا علی ابن ابی طالب کو تو نہیں جانتا، کہا ہاں جانتا ہوں۔ کہا وہی ابوتراب ہیں۔ کہا ہرگز نہیں وہ تو ابوالحسن والحسین ہیں۔ اب صاحب شرطہ (پولیس) بول اٹھا کہ امیر تو کہتا ہے وہی ابوتراب ہیں اور تو کہتا ہے نہیں۔ کہا امیر جھوٹ بولے تو تو چاہتا ہے کہ میں بھی جھوٹ بولوں۔ اور امر ناحق پر شہادت دوں؟۔ زیاد نے کہا قصور داری اور زبان درازی الاؤ تو میرا عصا۔ عصا آیا اور زیاد نے پھر پوچھا تبا تیری کیا رائے ہے۔ کہا بندگان خدا میں سے کسی بندۂ مومن کی نسبت جیسی میری رائے ہونی چاہیئے اس سے بڑھ کر ہے۔ لوگوں کو حکم دیا عصا لے کر اس کے شانہ پر اس قدر مارو کہ زمین پر لوٹنے لگے۔ آخر صدمات ضرب سے وہ زمین پر گر پڑے۔ اب مار کو موقوف کرنے کا حکم ہوا اور پوچھا اب تبا علی کے باب میں

---

[۱] ... (معجم طبرانی) [۲] طبری ج ۲، ۱۰ (واقعات سنہ ۵۱ ہجری)

تیری کیا رائے ہے۔ کہا واللہ اگر تو چھریوں سے میری بوٹیاں اڑا ڈالے جب بھی میں اس کے سوا نہ لوں گا۔ ... تو [illegible] کہا ان پر لعنت کر نہیں تو تیری گردن ماروں گا۔ کہا واللہ اس سے پیشتر ہی میری گردن مار۔ اگر تو میری گردن مارے گا تو میں حکم خدا پر راضی ہو جاؤں گا اور تو شقاوت میں مبتلا ہو جائے گا۔ کہا اب اس کی گردن کی خبر لو۔[1]"

حجر کے ایک اور ساتھی قبیصہ حب علیؑ کے جرم میں مقتل کی طرف بھیجے جا رہے ہیں:

"قبیصہ نے اپنے گھر کی طرف ایک نظر کی، دیکھا کہ بٹیاں ان کی کسی بلندی پر چڑھ کر دیکھ رہی ہیں۔ انھوں نے وائل وکثیر سے کہا کہ مجھے اتنی اجازت دو کہ اپنے عیال کو وصیت کر لوں۔ دونوں نے اجازت دیدی۔ جب یہ گھر کے قریب پہنچے۔ تو دیکھا کہ لڑکیاں رو رہی ہیں۔ پہلے یہ ذرا خاموش رہے۔ پھر ان سے کہا کہ چپ ہو جاؤ، وہ سب چپ ہو گئیں تو کہا، خدائے عزوجل سے ڈرو اور صبر کرو میں اپنے پروردگار سے امید رکھتا ہوں کہ دو باتوں میں سے ایک بات مجھے ضرور حاصل ہو گی۔ یا تو شہادت ہو گی اور وہ تو بہت بڑی سعادت ہے یا تمہارے پاس خیر و عافیت کے ساتھ واپس چلا آؤں گا۔ اور سنو رزق جو تمہیں دیتا تھا اور تمہاری پرورش میں میرا معین رہتا تھا وہ خدا تعالیٰ ہے۔ وہ تو زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ تم کو ضائع نہ ہونے دے گا۔[1]"

حجر کے ایک اور ساتھی کا حشر:

"معاویہ نے عبدالرحمٰن عنزی کی طرف رخ کر کے کہا۔ بتا اے [illegible] علی کے باب میں تیرا کیا قول ہے؟ کہا یہی بہتر ہے کہ یہ بات مجھ سے نہ پوچھ۔ کہا جب تک تو یہ نہیں بتائے گا میں چھوڑنے کا نہیں۔ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ذکر خدا کرنے والے اور حق پر حکم کرنے والے تھے۔ اور عدل کے قائم رکھنے والے اور لوگوں سے درگزر

صلہ طبری، ج ۲ ح ا (واقعات سنہ ۵۱ھ) طبری ج ۲ - ح ا (واقعات سنہ ۵۱ھ)

تو کسی گلی سے ایک شخص نکل آیا اور ادھر سے اس کے اردلی کے سوار آپڑے۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر اسے برچھی مار دی، سوار جب نکل گئے اور سمرہ اس مقام تک پہنچا تو اسے خاک و خون میں لوٹتے دیکھا۔ پوچھنے لگے یہ کیا ماجرا ہے۔ کسی نے کہا آپ کی سواری کے لوگوں نے یہ کیا۔ سمرہ نے کہا تم لوگ جب سنا کرو کہ ہم سوار ہوئے ہیں تو ہماری برچھیوں سے حذر کیا کرو۔[۱]

اور ظلم و تعدی کی یہ گرم بازاری صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ نہ تھی، جو حکومت کے مخالف تھے، ان لوگوں کے ساتھ بھی تھی جو حکومت کے یار دار اور دست بازو تھے، اگر ذرا بھی یہ محسوس ہوا کہ کسی وقت ان کا وجود خطرناک ہو سکتا ہے تو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا گیا،

مثالاً میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا واقعہ پیش کرتا ہوں!

"اس سال عبدالرحمٰن بن خالد زمین روم سے حمص کی طرف واپس آئے ابن اُثال نصرانی نے شربت میں زہر ملا کر انھیں دے دیا۔ انھوں نے وہ شربت پی لیا۔ اسی زہر میں ان کا کام تمام ہو گیا۔

سبب اس کا یہ ہوا کہ ملک شام میں عبدالرحمٰن بن خالد کی شان بہت بڑھ گئی تھی۔ لوگ یہاں کے دل سے ان کی طرف مائل تھے۔ ان کے والد خالد بن ولید کے آثار لوگوں کے پاس موجود تھے۔ دوسرے زمین روم میں مسلمانوں کے لئے ان کی جفاکشی ان کا رعب و دبدبہ تھا۔ معاویہ تک کو ان سے خوف ہو گیا۔ کہ ان کے سبب سے ضرر نہ پہنچے۔ اسی خیال سے معاویہ نے ابن اُثال کو حکم دیا کہ ان کے قتل کا کوئی حیلہ نکالے اور اس بات کی ضمانت کر لی کہ اگر اس نے ایسا کیا تو عمر بھر کے لئے خراج اسے معاف ہو جائے گا، اور حمص کے خراج کی تحصیل اس کے متعلق کر دی جائے گی۔ ابن اُثال نے اپنے کسی غلام کے ہاتھ عبدالرحمٰن کے پاس زہر ملا ہوا شربت بھیجا۔ وہ پی کر حمص میں مر گئے۔

---

[۱] طبری ج ۲ - ح ا (واقعات سنہ ۵۱ھ)

کرنے والے تھے۔ کہا عثمان کے باب میں تیرا کیا قول ہے۔ کہا انہیں نے سب سے پہلے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کے دروازوں کو ہلا ڈالا۔ کہا تو نے اپنے تئیں آپ قتل کیا۔

معاویہ نے (غ ز ی) کو زیاد کے پاس واپس کر دیا اور اسے لکھ بھیجا کہ تیرے بھیجے ہوئے لوگوں میں سب سے بدتر عزی ہے اس کو ایسی سزا دے جس کا وہ سزاوار ہے اور بہت ہی بری طرح اسے قتل کر،

زیاد کے پاس جب (غ ز ی) پہنچے، تو اس نے ان کو قس ناطف میں جیتا گاڑ دیا[1]

—— اور عزی گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

بہ جرم عشق تو ام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اور خلافت راشدہ کے بعد فوراً جو یہ اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی، اس کا انداز فرماں روائی یہ تھا!

"ایک شخص نے حضرت انس بن سیرین سے سوال کیا کہ سمرہ (حاکم بصرہ) نے بھی کیا کسی کو قتل کیا؟ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ سمرہ نے جتنے لوگوں کو قتل کیا ہے ان کا کیا شمار بھی ہو سکتا ہے؟ زیاد سمرہ کو اپنا جانشین کر کے کوفہ میں چلا آیا۔ جب واپس گیا ہے تو سمرہ آٹھ ہزار آدمیوں کو قتل کر چکے تھے۔ زیاد نے پوچھا کہ تمہیں اس کا اندیشہ تو نہیں ہے کہ کسی کو بے گناہ قتل کیا ہو؟ جواب دیا اگر اتنے ہی اور قتل کرتا جب بھی مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا۔

ابو سوار عدوی کا بیان ہے کہ سمرہ نے میری قوم کے لوگوں میں سے فقط ایک دن صبح کے وقت سینتالیس آدمیوں کو قتل کیا۔ وہ سب کے سب جامع قرآن تھے۔

سمرہ شہر سے باہر جا رہے تھے بنی   کے محلہ تک جب سواری پہنچی ....

---

[1] طبری، ج ۲، ح ۱، (واقعات ۵۱ھ)

مسلم بن عقیلؓ کا قتل

حضرا امام حسینؓ کے پاس اہل کوفہ کے متواتر پیام پہنچے کہ آپ تشریف لائیے۔ اور زمام کار اپنے ہاتھ میں لیجئے، جب خطوط سے کام نہ چلا تو وفود آنے شروع ہوئے، اور التجاو استدعا نے اصرار اور مطالبہ کی صورت اختیار کر لی، امام عالی مقام کی خدمت میں اہل کوفہ کی طرف سے جو خطوط آتے تھے ان کی نوعیت کیا ہوتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک خط کافی ہے! ——

"سلام علیک ہم لوگ حمد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی سزاوار پرستش نہیں ہے اور اس کے۔ شکر ہے اللہ کا کہ اس نے آپ کے سرکش و گمراہ دشمن کو خاک میں ملا دیا۔ جس نے اس امت کی حکومت کو دبا لیا تھا۔ غنائم کو چھین لیا تھا۔ ان کی بغیر مرضی ان کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ نیک بندوں کو اس نے قتل کر ڈالا تھا اور بدکاروں کو رہنے دیا تھا۔ مال خدا کو ظالموں میں وہ دست بدست پھرا رہا تھا۔ عذاب اس پر نازل ہو جس طرح ثمود پر نازل ہوا۔ ہم لوگوں کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ آپ تشریف لائیے۔ شائد آپ کی وجہ سے خدا ہم سب کو حق پر مجتمع کر دے۔[1]

اب حالات کا جائزہ لینے کے لئے آپ نے مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا۔

---

[1] طبری، ج ۲ ح ۱

معاویہ نے نصرانی (ابن اثال) سے جو جو وعدے کئے تھے پورے کر دیئے ۔ خراج اسے معاف ہو گیا اور حمص کی تحصیل اس کے متعلق ہو گئی ۔ عبدالرحمن کا بیٹا خالد مدینہ میں جو آیا تو ایک دن عروہ بن زبیر سے ملاقات کی ، سلام کیا تو عروہ نے طنز سے کہا کہو ابن اثال کی کیا خبر ہے خالد اسی وقت اٹھ کھڑا ہو ۔ سیدھا حمص میں پہنچا ۔ اور ابن اثال کی کمین میں رہنے لگا ۔ دیکھا ایک دن وہ سوار جا رہا ہے ۔ خالد نے بڑھ کر روکا اور تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر ڈالا ۔ یہ خبر معاویہ کو ہوئی تو کچھ دنوں خالد کو قید کر لیا ۔ اور اس سے خون بہا لینے کا حکم دیا ۔ مگر اس کو عوض میں قتل نہیں کیا [1]

اور ان خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حسین بن علی کی طرف سے جماعت مومنین و مسلمین کو۔ ہانی اور سعید تم لوگوں کے خطے کر میرے پاس آئے ۔ تمہارے قاصدوں میں یہ دونوں شخص سب کے آخر میں وارد ہوئے ۔ جو کچھ تم نے لکھا اور بیان کیا اور تم سب لوگوں کا یہ قول کہ "ہمارا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے ۔ آپ آئیے شائد اللہ آپ کے سبب سے ہم کو حق و ہدایت پر مجتمع کر دے ۔" مجھے معلوم ہوا ۔ میں نے اپنے ابن عم کو جن پر مجھے بھروسہ ہے اور میرے اہل بیت میں ہیں تمہارے پاس روانہ کیا ہے میں نے ان سے کہہ دیا ہے تم لوگوں کا حال اور سب کی رائے ۔ وہ مجھے لکھ کر بھیجیں اگر ان کی تحریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمہاری جماعت کے لوگ اور صاحبان فضل و عقل تم میں سے سب اس بات پر متفق الرائے ہیں ۔ جس امر کے لیے تمہارے قاصد میرے پاس آئے ہیں اور جو مضامین تمہارے خطوں میں میں نے پڑھے ہیں ۔ تو میں بہت جلد انشاء اللہ تمہارے پاس چلا آؤں گا اپنی جان کی قسم رہنمائے قوم وہی شخص ہو سکتا ہے جو قرآن پر عمل کرے عدل کو لیئے رہے ۔ حق کا طرفدار ہو ۔ ذات خدا پر توکل رکھے ۔ والسلام۔

حضرت امام حسین نے جو شرط اپنے تشریف لے جانے اور زمام کار سنبھالنے کی لکھی تھی ۔ اور امام وقت کے جن خصوصیات کی طرف اشارہ فرمایا تھا ، ان الفاظ کو میں نے جلی کر دیا ہے ۔

بہر حال مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے اور وہاں کی شایان شان پذیرائی ہوئی ، اور اس کے بعد کوفیوں نے وہی کیا جو ہمیشہ سے کرتے چلے آئے تھے ، یعنی غداری اور بے وفائی ، یزید کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے غلام سرجون[۱] سے مشورہ کر کے عبید اللہ بن زیاد کو ، والی کوفہ بنا کر بھیجا اسے حکم دیا اور کہا کہ مسلم کا خاتمہ کر دو[۲] اس کی تعمیل کیلئے

---

[۱] یہ مذہباً عیسائی تھا ۔ [۲] طبری ج ۲ ۔ ج ۱

شمشیر برہنہ بن کر وہ کوفہ پہونچا، اور مسلم کی تلاش و جستجو میں مصروف و منہمک ہو گیا، (ابن زیاد کے) انتظامات کو دیکھ کر مسلم بن عقیل محب اہل بیت ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں منتقل ہو گئے اسے انھیں ٹھہرانے میں تامل ہوا۔ لیکن پاس مروت سے انکار نہ کر سکے اور با دل ناخواستہ انھیں جگہ دیدی۔ یہاں بھی شیعان علیؓ کی آمد و رفت برابر جاری رہی اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ انھوں نے حضرت امام حسین کو لکھ بھیجا کہ "حالات موافق ہیں آپ فوراً تشریف لائیے۔"

عبیداللہ بن زیاد برابر مسلم کی جستجو میں لگا ہوا تھا۔ لیکن پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر میں اس کے غلام معقل نے شیعان علیؓ کا بھیس بدل کر پتہ چلا لیا۔ اور مسلم سے مل کر عبیداللہ بن زیاد کو خبر کر دی۔

ہانی بن عروہ عمائد کوفہ میں تھے۔ اس لئے کوفہ کے والیوں کے یہاں ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ لیکن جب سے مسلم ان کے گھر آ گئے تھے۔ اس وقت سے انھوں نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس آنا جانا بند کر دیا تھا۔ ایک دن وہ بعض شرفائے کوفہ کے ساتھ عبداللہ کے پاس گئے اس نے پوچھا تم نے مسلم کو چھپایا ہے؟ اور لوگوں کو ان کی بیعت لئے جمع کرتے ہو؟ انھوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر معقل نے شہادت دی۔ اس عینی شہادت کے بعد انکار کی گنجائش نہ تھی، ہانی نے اقرار کر لیا۔ اور اصل واقع بیان کر دیا۔ کہ میں نے ان کو بلایا نہیں تھا، وہ خود میرے یہاں آ گئے۔ مجھے انھیں ٹھہرانے میں تامل تھا۔ لیکن مروت سے انکار نہ کر سکا۔ ابن زیاد نے کہا تم یہاں سے نہیں جا سکتے یہیں انھیں بلا کر ہمارے حوالے کر دو۔ ہانی کی غیرت نے اسے گوارا نہ کیا۔ انھوں نے کہا میں اپنے پناہ گزین کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ ان کے انکار پر ابن زیاد نے انہیں پٹوا کر قید کر دیا۔

کوفہ میں خبر پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ یہ افواہ سن کر مسلم اپنے اٹھارہ ہزار عقیدت مندوں کو لے کر نکل پڑے۔ عبیداللہ بن زیاد کو قصر امارت میں گھیر لیا۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ صرف پچاس آدمی تھے۔

ان میں کچھ پولیس کے آدمی اور کچھ اشرافِ کوفہ تھے۔ ابن زیاد نے اعلان کرادیا کہ جو شخص امیر کی اطاعت کریگا وہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اور جو مخالفت کریگا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ کچھ لوگ اس دھمکی کے خوف سے اور کچھ اشراف کوفہ کے سمجھانے سے مسلم کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ کچھ لوگوں کے اعزہ و اقربا انہیں واپس لے گئے۔

غرض مسلم کے ساتھ صرف تیس چالیس آدمی رہ گئے۔ اس وقت وہ بہت گھبرائے اور ایک بوڑھی عورت کے گھر میں پناہ لی۔ ابن زیاد نے یہ بھی اعلان کرادیا تھا کہ مسلم جس کے گھر سے برآمد ہوں گے اسے سخت سزا دیجائے گی۔ اور جو انھیں گرفتار کرکے لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی گھروں کی تلاشی شروع کرادی۔ اس اعلان سے خوف زدہ ہوکر بوڑھی عورت کے لڑکے نے بتا دیا۔ ابن زیاد نے اسی وقت محمد بن اشعث کو گرفتاری کے لئے بھیج دیا۔ انھوں نے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ مسلم نے جب دیکھا کہ بچنے کی صورت نہیں ہے تو جان پر کھیل کر نکل آئے۔ اور تن تنہا پوری جماعت کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہوگئے اس وقت محمد بن اشعث جان بخشی کا وعدہ کرکے انھیں ابن زیاد کے پاس لے آیا۔ اور اس سے کہا کہ میں انھیں امان دے چکا ہوں۔ ابن زیاد نے ڈانٹا کہ میں نے تمہیں گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ امان دینے کا کیا حق تھا؟ یہ سن کر مسلم نے محمد بن اشعث سے کہا کہ میرا بچانا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ لیکن اتنا کرنا کہ حسینؓ کو میرے انجام کی خبر کرکے کہلا دینا کہ وہ کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کریں۔ پھر عمر بن سعد سے جو ان کا قریب عزیز اور اموی حکام میں تھا وصیت کی کہ میں نے سات سو درہم اہل کوفہ سے قرض لئے تھے۔ انھیں ادا کر دینا۔ میری لاش کو دفن کر دینا۔ اور حسینؓ کو اطلاع دے کر راستہ سے واپس کر دینا۔ ان وصیتوں کے بعد ابن زیاد نے قتل کرادیا۔ [1]"

---

[1] تاریخ اسلام (عہد بنو امیہ)

طبری نے قتل کی تفصیل یہ دی ہے:

"عبید اللہ کے حکم سے قصر کی چوٹی پر ان کو لے گئے، وہاں ان کی گردن ماری، اور لاش لوگوں کے سامنے سے پھینک دی،"!

جو لوگ، خدا کے لئے میدان میں نکلتے ہیں وہ خدا سے ڈرتے ہیں۔ اس کے احکام و اوامر کی تعمیل کرتے ہیں، خود جان دے دیتے ہیں، مگر کسی کی جان نہیں لیتے، یہی ابن زیاد، جس نے، مسلم کو قتل کیا، جب مسلم کی مٹھی میں اس کی جان تھی تو انھوں نے اس کی جان نہیں لی، یہی ہانی بن عروہ جنہیں زیاد نے ہلاک کیا، اس کے روادار نہ ہوئے کہ ان جانے میں مسلم کی جان ان کے گھر میں لے لی جائے،

طبری کی روایت ہے:

"شریک بن عور بیمار ہوئے۔ ابن زیاد اور تمام اُمرا ان کی تعظیم کرتے تھے ابن زیاد نے کہلا بھیجا کہ میں شام کو تمہارے دیکھنے کے لئے آؤں گا۔ شریک نے مسلم سے کہا آج شام کو یہ مردود میری عیادت کو آنے والا ہے۔ جب وہ آکر بیٹھے تو تم نکل کر اسے قتل کر ڈالنا۔ اس کے بعد قصر میں جاکر بیٹھ جانا کوئی تمہیں نہیں روکے گا۔ میں اس بیماری سے اچھا ہوگیا تو خود بصرہ میں جاکر تمہارے لئے سب انتظام کردوں گا۔ شام کو عبید اللہ بن زیاد شریک کی عیادت کے لئے آیا۔ مسلم آڑ میں چلے گئے اور شریک نے تاکید کی کہ دیکھو جس وقت وہ آکر بیٹھے پھر اسے ہرگز نہ دم لینے دینا۔ یہ سن کر ہانی بن عروہ مسلم کے پاس گئے اور کہا میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر میں وہ قتل ہو۔ ہانی اس بات کو کچھ معیوب سمجھے، عبید اللہ آیا بیٹھا باتوں کو جب طول ہوا اور شریک نے دیکھا کہ مسلم نہیں نکلے انھیں خوف ہوا کہ یہ موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے تو یہ شعر پڑھنے لگے۔

ما تنتظرون بسلمیٰ اَن تحیّوها

اسقونیها وان کانت بها نفسی

یعنی سلمیٰ کو سلام کرنے میں تمہیں اب کیا انتظار ہے؟ مجھے پلا دو خواہ میری جان بھی چلی جائے۔ شریک نے دو تین دفعہ اس شعر کو پڑھا۔ عبید اللہ کچھ نہیں سمجھا۔ پوچھا

ان کا کیا حال ہے دیکھو یہ تو ہذیان بک رہے ہیں۔ ہانی نے کہا خدا آپ کا بھلا کرے ہاں
یہی ان کی حالت ہے۔

عبید اللہ اٹھا اور چلا گیا۔ اب مسلم باہر آئے۔ شریک نے پوچھا اسے تم نے کیوں
قتل نہ کر ڈالا کہا دو امر مانع ہوئے ایک تو یہ کہ ہانی کو گوارا نہ ہوا کہ ان کے گھر میں یہ امر
واقع ہو۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ لوگ نبیؐ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ اچانک
قتل کرنے کو ایمان مانع ہے۔ اور مومن کو اچانک قتل کرنا نہ چاہیے۔
ہانی نے کہا واللہ اسے قتل کرتے تو ایک بڑے فاسق و فاجر اور کافر و غادر کو قتل کرتے مگر
مجھے گوارا نہ تھا کہ میرے گھر میں اسے قتل کرو۔ شریک بن اعور اس کے بعد تین دن اور
زندہ رہے پھر مر گئے؛[1]"

مسلم کے قتل کی جو تفصیل طبری نے دی ہے، وہ، عہد یزید کے مزاج و رنگ طبیعت
کی غماز ہے، مسلم گرفتار کر کے جب قصر زیاد میں لائے گئے، تو انھوں نے پانی طلب
کیا:

"عمارہ نے اپنے غلام قیس کو بھیجا وہ ایک مٹکی لے کر آیا اس پر رومال پڑا ہوا تھا
اور اس کے ساتھ ایک کٹورہ تھا کٹورے میں پانی انڈیل کر مسلم کو اس نے پلایا۔ یہ جب پینا
چاہتے تھے کٹورہ خون سے بھر جاتا تھا۔ جب تیسری دفعہ غلام نے کٹورہ بھر کر دیا اور مسلم
نے پینے کا ارادہ کیا تو سامنے کے دونوں دانت کٹورے میں آرہے۔ مسلم نے کہا "الحمد للہ

عبید اللہ بن زیاد اور مسلم آمنے سامنے موجود ہیں، دونوں میں اس آخری موقع پر
جو باتیں ہوتی ہیں، مختصر سا جائزہ ان کا بھی:

"ابن زیاد نے کہا ابن عقیل بتا لوگ یہاں امن کی حالت میں تھے اور سب یک
زبان تھے تو اس لیے آیا کہ ان میں تفرقہ ڈالے انھیں پریشان کر دے بعض کو بعض سے
لڑوا دے؟"

---

[1] طبری، ج ۲،

مسلم نے کہا - ہرگز ایسا نہیں ہے - میں اس لئے نہیں آیا بلکہ اہل شہر یہ کہتے ہیں کہ تیرے باپ نے ان میں سے نیک لوگوں کو چن چن کے قتل کیا ان کا خون بہایا ان کے ساتھ قیصر و کسریٰ کی طرح پیش آیا - ہم اس لئے آئے کہ عدل کے ساتھ حکم کریں اور حکم قرآن کی طرف دعوت دیں - کہا " او بدکار کجا تو کجا یہ دعوے - جب مدینہ میں تو شراب پیا کرتا تھا جب تجھے یہ خیال نہ آیا کہ ان لوگوں میں عدل کرے -

کہا : میں شراب پیتا ہوں ! واللہ خدا خوب جانتا ہے کہ تو جھوٹا ہے - اور جو کچھ تو نے کہا ناواقفیت سے کہا ، اور میں ایسا نہیں ہوں جیسا تو کہہ رہا ہے - شراب تو وہ پیئے گا جو مسلمانوں کا خون پی لیا کرتا ہے - خدا نے جس کا قتل حرام کیا ہے اسے قتل کرتا ہے - جس نے کوئی خون نہیں کیا اس کا خون بہایا کرتا ہے - غضب ناک ہو کر اور بغض کی وجہ سے اور بدگمان ہو کر خون ریزی کرتا ہے - پھر اس طرح بھول جاتا ہے جیسے کچھ کیا ہی نہیں ۔"

آخر گفتگو زیادہ تند و تیز ہو جاتی ہے - مسلم کے سامنے موت کھڑی ہے ، لیکن وہ ہراساں نہیں ہیں ، ابن زیاد نے کہا ،

"خدا مارے مجھے اگر میں اس طرح تجھے قتل نہ کروں کہ اسلام میں کوئی اس طرح نہ قتل ہوا ہوگا ۔

کہا ہاں بے شک اسلام میں جو ظلم کبھی نہیں ہوا - اس کی ایجاد کرنے کا تو ہی سزاوار ہے - بری طرح قتل کرنا ، بری طرح سر کاٹنا ، بدافعالی کرنا - غالب ہو کر ملامت سمیٹنا تیرا ہی حصہ ہے - اور دنیا بھر میں تجھ سے بڑھ کر کوئی اس کا سزاوار نہیں - !"

یہ کلمہ حق نہ ابن زیاد کے لئے قابل برداشت تھا - نہ اس کے درباریوں کے لئے چنانچہ اب :

" ابن سمیہ نے مسلمؑ اور حسینؓ اور علیؓ و عقیلؓ کو گالیاں دینی شروع کیں - اور مسلم نے سکوت کیا "

ابن زیاد کا پیمانہ صبر اب لبریز ہو چکا تھا اس نے اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کی

تیاریاں شروع کردیں ۔ اس نے قتل کا حکم دے دیا چنانچہ لوگوں سے کہا ۔ اسے قصر کی چھت پر لے جاؤ اور گردن مارو ۔ اور سر کے ساتھ جسم کو بھی نیچے پھینک دو ۔ مسلم کو کوٹھے پر لے چلے ۔ وہ تکبیر و استغفار وصلوات پڑھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ۔ خداوند ہمارا اور ان لوگوں کا انصاف تیرے ہاتھ ہے ۔ جنہوں نے ہمیں دھوکا دیا ہم سے جھوٹ بولے ہمیں ذلیل کیا ۔" قصر کی اس چھت میں جہاں آج شتر قصاب رہتے ہیں مسلم کو لے کر گئے ۔ وہاں ان کی گردن ماری ۔ اور سر کے ساتھ جسم کو بھی نیچے پھینک دیا ۔ بکیر جس نے مسلم کو قتل کیا تھا کوٹھے سے اترا تو ابن زیاد نے پوچھا اسے قتل کر آیا؟ بکیر نے کہا ہاں پوچھا جب تم اسے کوٹھے پر لے جا رہے تھے تو کیا کہتا جاتا تھا ۔ کہا تکبیر و تسبیح و استغفار پڑھ رہا تھا جب میں نے قتل کرنے کو اسے اپنی طرف کھینچا تو کہا خداوند ہمارا اور ان لوگوں کا انصاف تیرے ہاتھ ہے جو ہم سے جھوٹ بولے ۔ جنہوں نے ہم کو دھوکا دیا ۔ ہمیں چھوڑ دیا ، ہمیں قتل کیا !" ۔

اللہ اللہ مردان راحق کے تیور کہ قاتل کے سامنے بھی نہ زبان میں لکنت نہ پائے ثبات میں لغزش ، !

ہانی بن عروہ کا قتل

مسلم بن عقیل کے سلسلۂ شہادت میں بتایا جاچکا ہے کہ ہانی بن عروہ نے انھیں اپنے گھر میں پناہ دے دی تھی، اور اس کی سزا یہ ملی کہ انھیں قتل کر دیا گیا،

طبری کی روایت ہے:

"عبیداللہ قصر میں آکر اترا اور اپنے ایک غلام آزاد کو بلا کر تین ہزار درہم اسے دیئے اور کہا جاؤ اس شخص کا پتہ لگاؤ جس سے اہل کوفہ بیعت کر رہے۔ اس سے کہنا کہ میں حمص سے بیعت کے لئے آیا ہوں۔ اور یہ مال اسے دے دینا کہ اس سے زور پیدا کرے۔ آخر اہل کوفہ میں سے ایک پیرمرد کے پاس جو بیعت لیا کرتا تھا اسے کسی نے پہنچا دیا۔ یہ اس سے ملا اور سب حال بیان کیا۔ شیخ نے کہا کہ تمہارے ملنے سے میں بہت خوش بھی ہوا اور رنج بھی مجھے ہوا۔ خدا نے تم کو یہ ہدایت کی اس سے تو دل خوش ہوا، مگر ہمارا کام ابھی تک استحکام کو نہیں پہنچا اس سبب سے ملال ہوا۔ یہ کہہ کر وہ شیخ غلام کو اندر لے گیا۔ مال اس سے لے لیا اور اس سے بیعت لی۔ غلام نے عبیداللہ کے پاس آکر سب حال کھول دیا۔ عبیداللہ جب کوفہ میں آیا تو مسلم ابھی تک جس گھر میں تھے اسے چھوڑ کر ہانی بن عروہ مرادی کے گھر میں چلے آئے۔ اور حسین بن علی کو لکھ بھیجا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے۔ آپ ضرور تشریف لائیے۔ ادھر عبیداللہ نے رؤسائے کوفہ سے پوچھا کہ سب لوگوں کے ساتھ ہانی بن عروہ میرے پاس کیوں نہیں

اور کہا ارے کوئی عصا نہیں، کوئی چھری نہیں، کوئی پتھر نہیں، کیا اونٹ کی کوئی ہڈی بھی نہیں کہ انسان اسی کو لے کر اپنی جان بچانے کے ہاتھ پاؤں مارے" یہ کہہ رہے تھے کہ لوگ ان پر پل پڑے۔ اسی میں پھر ان کو باندھ لیا۔ پھر ان سے کہا اپنی گردن آگے بڑھاؤ۔ کہا میں ایسا سخی نہیں ہوں کہ اپنا سر دیدوں۔ میں اپنی جان لینے میں تمہاری اعانت نہیں کرنے کا۔" اب ابن زیاد کے ایک غلام ترکی نے جس کا نام رشید تھا تلوار کا وار ان پر کیا۔ لیکن تلوار نے کچھ کام نہ کیا۔ ہانی کہنے لگے "خدا ہی کے پاس جانا ہے۔ خداوندا اپنی رحمت و رضوان میں مجھ کو لے" ترکی نے دوسرے وار میں ان کو قتل کیا۔" !

ابن زیاد نے اپنے اس کارنامہ کی اطلاع یزید کو بہ روایت طبری بایں الفاظ دی:

"الحمد اللہ۔ خدا نے امیر المومنین کے حق کو محفوظ رکھا۔ دشمن کی فکر سے بچالیا۔ میں امیر المومنین کو خبر دیتا ہوں کہ مسلم نے ہانی بن عروہ کے گھر میں پناہ لی تھی۔ میں نے ان دونوں پر جاسوس مقرر کئے۔ کچھ لوگ فریب سے ان کے پاس بھیجے۔ اور ان سے مکرو کید کرکے ان دونوں کو میں نے باہر نکالا۔ اور خدا کے فضل سے دونوں میرے قابو میں آگئے۔ میں نے دونوں کی گردن ماری۔ اور ان کے سر ہانی بن ابی حیہ و زبیر بن ارواح کے ساتھ آپ کے پاس بھیجتا ہوں یہ دونوں شخص تابع فرمان و اطاعت گذار خیر خواہ ہیں۔ امیر المومنین جس بات کو چاہیں ان سے دریافت کریں۔ دونوں واقف کار و راست گو و صاحب فہم و پرہیزگار ہیں۔ والسلام۔" یہ واقعات، اور اس طرح کے دوسرے واقعات اپنی جگہ کافی لرزہ خیز ہیں لیکن ان کی زہرہ گدازی قطع نظر دیکھنے کی جو چیز ہے وہ "کردار" ہے "امیر المومنین" (دروغ برگردن راوی) یزید کے مداح یہ نہیں دیکھتے کہ آیا اس کردار میں اسلامی اقدار کی ذرا بھی جھلک ہے؟ ابھی مسلم بن عقیل کے باب میں گذر چکا ہے کہ ابن زیاد انہی ہانی کے گھر میں بالکل ان کی زد پر تھا، انہیں مشورہ بھی دیا گیا کہ دشمن کی گردن پیچھے سے دار کر اڑا دیجئے لیکن وہ جواب دیتے ہیں یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے چنانچہ قابو میں آیا ہوا دشمن صحیح سلامت چلا جاتا ہے اور یہاں وہی ابن زیاد، اس ہانی کو جس نے اسے قتل نہیں ہونے دیا بقول خود "مکروکید" سے گرفتار کرتا، اور قتل کرڈالتا ہے، اور فخر کرتا ہے، ! ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؟

آئے۔ یہ سن کر محمد بن اشعث اپنی برادری کے لوگوں کو لئے ہوئے ہانی کے پاس آیا۔ دیکھا کہ وہ دروازہ کے باہر ہی ہیں ان سے کہا کہ حاکم نے ابھی تمہارا ذکر کیا اور یہ کہا کہ انھوں نے آنے میں بہت تاخیر کی، تم کو اس کے پاس جانا چاہیئے۔ یہ لوگ اسی طرح اصرار کرتے رہے۔ آخر ہانی سوار ہو کر ان لوگوں کے ساتھ عبیداللہ کے پاس چلے آئے۔ اس وقت قاضی شریح بھی وہاں موجود تھے۔ ہانی کو دیکھ کر عبیداللہ نے شریح سے کہا لو اجل گرفتہ اپنے پاؤں سے تمہارے پاس چلا آیا۔ ہانی نے جب اسے سلام کیا تو کہنے لگا بتاؤ مسلم کہاں ہے؟ ہانی نے کہا میں نہیں جانتا۔ عبیداللہ نے اپنے غلام کو جو درام لے کر گیا تھا بلایا جب وہ ہانی کے سامنے آیا تو یہ اسے دیکھ کر متحیر ہو گئے۔ کہنے لگے امیر کا خدا بھلا کرے واللہ مسلم کو میں نے اپنے گھر میں نہیں بلایا وہ خود سے آئے اور اپنے تئیں میرے اوپر ڈال دیا عبیداللہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ ہانی نے جواب دیا واللہ اگر میرے پاؤں کے نیچے وہ چھپے ہوئے ہوتے تو میں وہاں سے قدم نہ سرکاتا عبیداللہ نے حکم دیا کہ اسے میرے قریب لاؤ۔ ہانی کو اس کے قریب لے کر گئے۔ اس نے ان پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ بھوں خون آلود ہو گئی۔ ہانی نے ایک سپاہی کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ ———— مگر لوگوں نے روک لیا۔ عبیداللہ نے کہا تمہارا قتل کرنا خدا نے اب حلال کر دیا۔ یہ کہہ کر قید کا حکم اس نے دیا۔ اور قصر کی ایک جانب وہ محبوس کر دیئے گئے۔"

لیکن یہ قید صرف اس وقت تک کیلئے تھی جب تک مسلم قتل نہیں کر دیئے گئے، ان کے قتل کے بعد، حسب روایت طبری، ابن زیاد نے:

"حکم دیا لوگ ہانی کو گھسیٹتے ہوئے گھوڑے پر لے گئے۔ اور وہاں ان کو سولی دیدی"

اسی سلسلہ میں طبری کی تفصیلی روایت:

"مسلم کے قتل ہوتے ہی اس نے حکم دیا کہ ہانی کو بازار میں لے کر جاؤ اور اس کی گردن مارو۔ ہانی کو بازار میں اس مقام پر لے گئے جہاں بکریاں بکتی تھیں۔ ان کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور بار بار کہتے جاتے تھے کہاں ہیں بنی مذحج آج میری کمک نہیں کرتے ہیں جب دیکھا کوئی کمک کو نہیں آتا تو اپنے ہاتھ کو زور سے کھینچا اور رسی میں سے نکال لیا۔

شہادت

امام عالی مقام حسین علیہ السّلام

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اصولی طور پر اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ امیر معاویہؓ نہ خلیفہ راشد تھے۔ اور نہ ان کی حکومت خلافتِ راشدہ، یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی، بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے۔ اور ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہؓ میں یقیناً کمزوریاں تھیں۔ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال۔ حضرت علیؓ پر سب و شتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی، یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں۔ جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولیعہدی نے خلافت کی اصل روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

(تاریخ اسلام، (مولانا شاہ معین الدین ندوی ــــ عہد بنو امیہ)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ:

شاہ است حسینؓ، بادشاہ ہست حسینؓ،
دین است حسینؓ، دیں پناہ ہست حسینؓ
سر داد، و نہ داد، دردست یزید،
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؓ!

اقبال

سرِّ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود!

حسینؑ میدان میں کیوں نکلے؟

شہادت حسینؑ، ـــــ تاریخ انسانیت کی سب سے بڑی ٹریجڈی، تاریخ شجاعت کا ہولناک ترین باب، چشم فلک نے از آدم تا ایندم خوں ریزی، سفاکی، درندگی، بہیمیت اور سنگ دلی کا ایسا روح فرسا اور زہرہ گداز منظر کبھی نہیں دیکھا، حکومت کے لئے، طاقت کے لئے، اقتدار کے لئے، تاج خسروی اور تخت شاہی کے لئے، جاہ و سطوت کے لئے، شوکت و حشمت کے لئے، عیش و عشرت کے لئے کیا انسان آنا بھی گر سکتا ہے کہ کئی دن پیاسا رکھ کر نبیؐ کے صالح اور طاہر و طیّب نواسے کے حلقوم پر کند چھری پھیر دے، ؟ خاندان رسالت کے چھوٹے چھوٹے معصوم اور بے گناہ بچوں کو قتل کر دے ؟ اس خاندان کی بے جرم و خطا خواتین کی تذلیل کر ڈالے ؟ خیمے اکھاڑ کر پھینک دے ؟، اور جو کچھ بھی مال و اسباب ہو اسے لوٹ لے ؟ ـــــ اس ناممکن کو تاریخ نے پہلی مرتبہ دیکھا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا،

رسولؐ کا یہ نواسہ تاج و تخت کا جویا نہیں تھا، مال و دولت کا طلبگار نہیں تھا، وہ اسلامی حکومت کا علمبردار تھا، وہ دین محمدیؐ کے اصولوں اور قدروں کو مٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا، وہ اپنی اور اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کی جان قربان کر سکتا تھا، اور کر دی، اور سرخ رو ہو کر اپنے رب سے جا ملا،

اس نے بیضہ کے مقام پر ایک دل ہلا دینے والا خطبہ دیا تھا، اور اس خطبہ میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا، اس نے کہا تھا، ا!

"لوگو، ا! ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے کسی ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے۔ احکام خدا رسول کی مخالفت کرنے والے، اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا، اور قولاً وعملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے،

لوگو ــــ خبردار ہو جاؤ، ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کر لی / اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے / مالِ غنیمت میں اپنا حصہ بڑھا لیا ہے۔ خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام، اور حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے، اس لئے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے، ا"[1]

اور اس صورت حال پر فرزند بتول رض اور سبط رسول م سے زیادہ غیرت آنے کا حق بھی کسے تھا،

اس ساری تقریر میں، کہیں یہ دعویٰ ہے کہ میں رسول کا نواسہ ہوں اس لئے خلافت کا منصب میرا حق ہے؟ میں فاطمۃ الزہرہ کا لخت جگر ہوں۔ اس لئے خلافت کی مسند میرے قبضہ میں ہونی چاہیئے؟ میں علیؑ کا نور چشم ہوں۔ لہٰذا خلافت میری اور صرف میری ہے؟ نہیں، حسینؑ نے یہ کچھ نہیں کہا، بلکہ کہا تو یہ کہ چونکہ حدود اللہ معطل ہو رہے ہیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جا رہا ہے، بندگان خدا پر ظلم کیا جا رہا ہے، احکام

---

[1] یہ طویل تقریر طبری جلد ۴ ص ۳۰۰ میں درج ہے، اوپر اس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے،

اب میں امام دالامقام کی شہادت کا موضوع لیتا ہوں، میں نے مواد کا بڑا حصّہ تاریخ طبری سے لیا ہے، کہیں کہیں تاریخ اسلام (عہد بنوامیہ) سے بھی استفادہ کیا ہے'!

خدا اور رسولؐ کی مخالفت کی جا رہی ہے، ـــــــــــــــ اور اس مجمع عام میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس نے ان الزامات کی تردید کی ہو ـــــــ اور جو شخص ان منکرات کو دیکھتا ہے اور خاموش رہتا ہے۔ وہ بھی غضب الٰہی کا سزاوار ہے، لہٰذا میں میدان میں اترا ہوں"!

پھر جب اپنے ۷۲ فدائیوں کے ساتھ حسینؑ میدان میں صف آرا ہوئے، تو سب سے پہلے بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر اگڑگڑا کر انھوں نے دعا کی"؛

"خدایا تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ، اور ہر تکلیف میں میرا سہارا ہے، مجھ پر جو وقت پڑے ان میں تو ہی میرا پشت پناہ تھا، غم و اندوہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے، کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں، کشائش کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں۔ دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور دشمن طعنہ زن ہوتے ہیں، میں نے ایسے نازک وقتوں میں سب کچھ چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا، تجھ ہی سے اس کی شکایت کی، تو نے مصائب کے بال چھانٹ دیئے، اور ان کے مقابلے میں میرا سہارا بنا تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر بھلائی کا مالک، ہر آرزو اور تمنا کا منتہیٰ ہے"! [1]

کیا خدا سے یہ تعلق اور خدا کے لئے یہ استقامت اس شخص میں بھی پائی جا سکتی ہے، جس کا مقصد حصول دنیا ہو؟ ـــــ کلاّ ثم کلاّ"!

کیا حسینؑ کے خطبہ سے اور ان کی دعا سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کی جدوجہد کا مرکز صرف رضائے الٰہی تھا؟ اگر وہ دنیا کے لئے نکلے ہوتے تو ان میں یہ استقامت ہو سکتی تھی؟

---

[1] طبری، ابن اثیر، اخبار الطوال، دینوری، یعقوبی،

اسے موقع مل گیا۔ چنانچہ انھوں نے مغیرہ سے پوچھا اس مہم کو انجام کون دے گا۔ مغیرہ نے کہا کہ کوفہ کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ بصرہ کو زیاد ہموار کرلے گا اور حجاز کی ذمہ داری مروان بن حکم کے متعلق کی جائے۔

کوفہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کا بڑا اثر تھا۔ اور یہاں بنی امیہ کے حامیوں کی بھی ایک جماعت موجود تھی۔ اس لئے مغیرہ نے کوفہ جاکر یہاں کے چند معززین کا ایک وفد شام بھجوایا۔ انھوں نے امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر خود یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ ص[1]

قبیصہ بن جابر اسدی کا قول ہے:

"میں عمرؓ کی صحبت میں رہا ہوں۔ میں نے ان سے بڑھ کر فقہ میں اور وعظ و نصیحت میں کسی کو نہ پایا۔ پھر طلحہ بن عبید اللہ کی صحبت میں بھی رہا، میں نے ان سے بڑھ کر مال کثیر کا بے مانگے دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر معاویہ کی صحبت میں رہا ہوں۔ میں نے ان سے بڑھ کر رفیق و دوست اور ظاہر و باطن کو یکساں رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اور مغیرہ کو اگر ایسے کسی شہر میں رکھا جاتا۔ جس کے تمام دروازوں سے بے مکر و دغا کے نکلنا محال ہوتا تو وہ اُس میں سے بھی نکل ہی آتے۔ ص[2]

"کوفہ اور بصرہ سے زیادہ اہم معاملہ حجاز کا تھا کہ یہاں ایسے متعدد بزرگ موجود تھے جو یزید کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے خلافت کے زیادہ مستحق اور اس کے مدعی ہوسکتے تھے۔ اور جن کی جانب سے اس تجویز کی مخالفت کا خطرہ تھا۔ اس لیے اس کی ذمہ داری امیر معاویہؓ نے مروان بن حکم کے سپرد کی۔ اور اسے ایک خط لکھا،

مروان نے اس مسئلہ کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کیا۔ امیر معاویہؓ نے خط میں کسی جانشین کا نام نہیں لکھا تھا۔ بلکہ محض جانشینی کی مجمل تجویز تھی۔ مروان نے اس کے متعلق رائے لی۔ اس حد تک یہ تجویز نامناسب نہ تھی۔ اس لیے سب نے اس سے اتفاق کیا۔ مروان

ص[1] طبری ج ۷ ص ۵۶ ص[2] تاریخ طبری، ج ۲ ع ۱

ذبحِ عظیم

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی'!

اس باب میں شہادت حسینؑ کا پس منظر، قافلۂ بلاکشاں کی قتل گاہ کی طرف روانگی، میدان کربلا کے حوادث، اور واقعات شہادت اور ان کے اسباب و مؤثرات، اور عواقب پر بحث و گفتگو کروں گا!

یہ کتنی عجیب بات ہے، عہد عمرؓ و علیؓ میں، جو لوگ معتوب و مقہور تھے، عہد معاویہ میں وہی حل و عقد بن گئے یعنی مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن العاصؓ، اور مروان بن الحکم وغیرہ۔

یزید کی ولی عہدی درحقیقت شہادت حسینؑ کا پس منظر:

مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہؓ کی خیر خواہی میں خلافت کا سلسلہ ان کی نسل میں منتقل کر دینا چاہا چنانچہ یزید کو ادھر توجہ دلائی۔ یزید نے امیر معاویہؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔ یہ ان کے دل کی بات تھی۔ لیکن اسے وہ ناممکن العمل سمجھ کر زبان سے نہ کہہ سکتے تھے۔ مغیرہ کی تجویز پر

تھی۔ اس لئے آخر میں کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور کچھ کو لطف و کرم سے ہموار کر لیا۔ اور عراق و شام کے باشندوں نے یزید کی بیعت کر لی ۔ ص[1]

لیکن بصرہ، اور شام کی بیعت بے حقیقت تھی ۔ جب تک حجاز بیعت نہ کر لیتا اس مہم کو سر کرنے کے لئے امیر معاویہ نے خود زحمت سفر برداشت کی، مدینہ اور وہاں سے مکہ پہونچے ۔

اور ان سبکو (حسینؓ عبدالرحمن بن ابی بکر وغیرہ) لطف و مدارات اور حسن خلق سے مائل کرنے کی کوشش کی، ان لوگوں نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کے بجائے عبداللہ بن زبیرؓ کو جو سب میں زیادہ تجربہ کار اور گویا تھے ۔ اپنا نمائندہ بنایا امیر نے ان سے کہا کہ یزید تمہارا بھائی اور ابن عم ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے صرف خلیفہ کا لقب دیدو باقی حکومت کا پورا انتظام، عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل و وصول اور اس کا صرف تمہارے ہاتھوں میں رہے گا ۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ انتخاب خلیفہ کی تین نظیریں **ہیں۔ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجئے۔ مسلمان جسے پسند کریں گے، منتخب کر لیں گے، یا ابو بکرؓ کی طرح ایسے شخص کو نامزد کیجئے۔ جس کا آپ سے کوئی تعلق نہ ہو یا عمرؓ کی طرح چند آدمیوں میں سے ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دیجئے۔ اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم نہیں قبول کر سکتے ۔**

امیر معاویہ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ بیعت کرنے والے نہیں ہیں تو انھیں دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے کوئی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا ص[2]

ــــ • احنف بن قیس رئیس وفد بصرہ نے امیر معاویہ کے روبرو یزید پر جو الزامات لگائے امیر نے ان کی تردید نہیں کی،

ص[1] طبری ج ۷، ص ۵۸ ص[2] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۰، ۲۲۱ (تاریخ اسلام)

نے امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ اس کے بعد انھوں نے دوسرا حکم جانشین کے اعلان کا بھیجا۔ اس وقت مروان نے یزید کے نام کا اعلان کیا۔ یہ نام سنتے ہی لوگوں نے مخالفت کیا۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اٹھ کر کہا تم اور معاویہ دونوں غلط کہتے ہو۔ اس سے امت کی بھلائی مقصود نہیں ہے۔ بلکہ خلافت کو ہرقل کی شاہنشاہی بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اس کا جانشین ہو۔

ایک روایت یہ ہے کہ مروان نے یہ کہا تھا کہ امیر المومنین چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح یزید کو نامزد کر جائیں۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ ان دونوں نے اپنے لڑکوں کو ولی عہد نہیں بنایا۔ بلکہ اپنے خاندان والوں کو اس سے دور رکھا۔ یہ حالات مروان نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجے۔ ؎۱

اب متعدد مقامات سے وفود شام پہونچنے لگے، چنانچہ مدینہ اور بصرہ کا وفد بھی پہونچا، بصرہ کے رئیس وفد احنف بن قیس تھے۔ یہ بڑے مدبر اور با اثر شخص تھے۔ امیر معاویہ نے ان سے پوچھا کہیے آپ کی رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا۔

"اگر سچ کہتا ہوں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولوں تو خدا کا خوف ہے، آپ یزید کے شب و روز کے مشاغل، اس کے ظاہری اور پوشیدہ حالات سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی اس کو امّتِ محمدیؐ کے لئے آپ بہتر سمجھتے ہیں تو پھر اس میں صلاح و مشورہ کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو خود دوسرے عالم کو جاتے ہوئے اس کو دنیا کا توشہ نہ دیجیے۔ ورنہ یوں تو آپ کا جو حکم ہو ہمارا کام اس کا سننا اور بجالانا ہے۔"

لیکن امیر معاویہؓ یزید کی ولی عہدی طے کر چکے تھے۔ یہ محض رسمی کارروائی

؎۱ طبری، ج ۷، ص ۷۵ (تاریخ اسلام)

• مکہ میں ابن زبیر وغیرہ سے استدعا کی کہ وہ صرف "نام" کا خلیفہ یزید کو رہنے دیں باقی سارا کام خود سنبھال لیں،

• ابن زبیرؓ نے امیر معاویہ کے سامنے جو معقول ترین تجویز رکھی - اسے بھی انھوں نے قبول نہیں کیا بلکہ برہم ہوکر "تلوار" سے کام لینے کی دھمکی دی،

چنانچہ، چند کے سوا، بہتوں نے تلوار کے سامنے گردن جھکا دی، اور یزید کی بیعت جو درحقیقت جبری بیعت تھی، اور جس کی شرعاً کوئی حیثیت نہ تھی، عمل میں آگئی -

امیر معاویہ کی زندگی کا قافلہ ۷۸ منزلیں طے کر چکا تھا کہ سنہ ۶۰ ھ میں بیمار ہوئے یہ بیماری مرض الموت ثابت ہوئی - اس نازک وقت پر بھی، ولی عہد سلطنت یزید، دمشق سے باہر سیر و تفریح میں مصروف تھا، سامنے ہوتا تو زبانی پند و نصیحت کرتے، غیر حاضر تھا، لہٰذا بہر پدری سے مجبور ہوکر یہ وصیت نامہ لکھوایا،

جانِ پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے - دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی ہیں - اور تمہارے لئے ایک بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے - میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کے حقوق کا ہمیشہ لحاظ رکھنا کہ وہ تمہاری اصل بنیاد ہیں - اہل عراق کی ہر خواہش پوری کرنا - اگر وہ روزانہ عاملوں کا تبادلہ چاہیں تو روزانہ کر دینا - شامیوں کو اپنا مشیر بنانا، ان کا خیال ہر حال میں مدنظر رکھنا - جب کوئی دشمن تمہارے مقابلہ میں آئے تو ان سے مدد لینا - لیکن کامیاب ہونے کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا -

سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے - عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ کوئی حریف نہیں ہے - عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں، انہیں زہد و عبادت کے علاوہ اور کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے - عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انھیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا - عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں ہے جو ان کے ساتھی کریں گے وہ اس کی پیروی

کر لیں گے ۔ البتہ حسینؓ ابن علیؓ کی جانب سے خطرہ ہے ۔ اہل عراق انھیں تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے ۔ جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا کہ وہ قربت دار، بڑے حقدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں ۔ البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ کرے گا ۔ وہ عبد اللہ بن زبیر ہے ۔ اگر وہ صلح کر لیں تو فبہا ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا ۔ اور ان کے ٹکڑے اڑا دینا۔ط۱"

امیر معاویہ کی وفات کے بعد، یزید تخت نشین ہوا، اس نے سب سے پہلے اس امر پر توجہ مبذول کی کہ امیر معاویہ نے اپنے وصیت نامہ میں جن لوگوں سے متوقع خطرات کا اظہار کیا تھا ان سے بیعت لی جائے ۔ چنانچہ اس نے مدینہ کے گورنر، ولید بن عتبہ کو لکھا، ا

"حسین، اور عبد اللہ بن عمر، اور عبد اللہ بن زبیر سے بیعت لینے میں پورا تشدد کرو ۔ اور جب تک یہ بیعت نہ کر لیں ذرا مہلت نہ دو، اھ ط۲

طبری ہی کی روایت ہے کہ جب ولید نے حضرت امام حسینؓ کو بیعت کے لئے بلایا تو آپ نے فرمایا:

"بیعت کا جو تم نے مجھ سے سوال کیا تو میں پوشیدہ طور پر بیعت کرنے والا نہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ تم کو بھی مجھ سے پوشیدہ طور پر بیعت لینے کی جرأت نہ کرنا چاہئیے ۔ مجھ سے تو سب لوگوں کے سامنے علانیہ بیعت لینا چاہئیے ۔ ولید نے کہا اچھا" حسین نے کہا جب لوگوں کے مجمع میں آکر تم سب سے بیعت لینا تو ان کے ساتھ ہی ہم سے بھی لینا .... ولید کا مزاج عافیت پسند تھا ۔ کہنے لگا بسم اللہ آپ تشریف لے جائیے ۔ سب لوگوں کے مجمع ہی میں ہم سے ملئے گا ۔ مروان بول اٹھا اگر اس وقت بغیر بیعت کئے ہی تمہارے پاس سے چلے گئے تو واللہ پھر تمہارے قابو میں یہ نہ آئیں گے ۔ اس شخص کو قید کر لو ۔ بیعت کرے تو کرے نہیں تو اس کی گردن مارو ۔ حسینؓ اٹھ کھڑے ہوئے کہا ابن الزرقا کیا تو مجھے قتل کرے گا یا یہ قتل کرے گا؟ یہ کہہ کر

ط۱ یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے طبری ج ۵ ص ۱۹۶، ۱۹۷، الفخری ص ۱۰۲ ط۲ طبری، ج ۲ ج ۱/

"حضرت امام حسینؓ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مع اہل وعیال مکہ سے کوفہ روانہ ہوگئے۔ مکہ سے نکلنے کے بعد فرزدق شاعر جو کوفہ سے آرہا تھا ملا۔ اس نے بتایا کہ کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

آپ کی روانگی کے بعد آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے عمرو بن سعید اموی حاکم مکہ سے خط لکھوا بھیجا کہ "آپ لوٹ آئیے۔ اس راہ میں ہلاکت ہے۔ میں ہر طرح سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ اطمینان وسکون کے ساتھ مکہ میں قیام کیجئے۔ میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا۔ یہ خط آپ کو راستہ میں ملا ——————— آپ نے اس کے جواب میں عمرو بن سعید کو شکریہ کا خط لکھا مگر واپس نہ ہوئے۔

شامی حکومت کو آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی، اس لئے آپ کی نقل وحرکت کی اطلاع اور آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان نامہ وپیام کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔

حالات کی نزاکت بڑھتی جارہی تھی، پیش آنے والا وقت قریب آتا جارہا تھا، عزیزوں اور ساتھیوں کے قتل کی اطلاعات پے بہ پے آنے لگیں، دشمن کی فوجی اور عسکری تیاریاں نقطۂ عروج پر پہونچ گئیں۔ کوفہ سے غدر وفریب کی اطلاعیں آنے لگیں۔ لیکن آپ کے عزم وثبات اور شوق شہادت میں کوئی فرق نہ آیا، البتہ اپنے ساتھ دوسروں کو آپ مبتلائے آلام نہ کرنا چاہتے تھے، آپ نے مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے قتل کی خبر سنکر اپنے ہمسفروں کو جمع کیا، اور فرمایا،

"ہمارے ساتھیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، پس تم میں سے۔ جو شخص واپس جانا چاہے،، وہ شوق سے واپس جا سکتا ہے، میری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں!"

یہ سن کر عوام کا ہجوم جو راستہ سے ساتھ ہو گیا تھا چھٹنے لگا اور صرف وہی جان نثار باقی رہ گئے۔ جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے، ص۱

ص۱ تاریخ اسلام (عہد بنو امیہ)

اُٹھے اور چلے گئے۔ مروان نے ولید سے کہا تم نے میرا کہنا نہ مانا۔ ایسا موقع اب تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔ ولید نے کہا تم مجھے ایسا مشورہ دیتے ہو جس سے میرے دین کی تباہی ہے۔ واللہ حسینؓ کو قتل کرکے ساری دنیا کا مال و ملک جہاں تک آفتاب طلوع وغروب کرتا ہے مجھے مل جائے تو مجھے منظور نہیں۔ سبحان اللہ حسینؓ کو ایک بیعت کے نہ کرنے پر میں قتل کردوں، واللہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس شخص سے خون حسین کی باز پرس ہوگی وہ قیامت کے دن خدا کے سامنے خفیف المیزان ٹھہرے گا۔[۱]

طبری کی ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ :-

● یزید کے بارے میں یہ خیال غلط ہے کہ وہ حضرت امام حسینؓ کو کشتۂ ستم نہیں بنانا چاہتا تھا، یہ حرکت صرف اس کے ملازموں کی تھی، کیونکہ اس نے سرجون کے مشورہ سے ابن زیاد کو والی کوفہ بنایا، اور اسے حکم دیا کہ وہ مسلم کو قتل کردے، اس نے ولید بن عتبہ والی مدینہ کو فرمان بھیجا کہ حسینؓ وغیرہ سے بیعت لینے میں "پورا تشدد" برتے، اور "ذرا مہلت نہ دے"۔

● پھر امیر معاویہ کے دست راست، اور بعد میں یزید کے تخت حکومت پر متمکن ہونے والے مروان نے جو اشتعال انگیز الفاظ حضرت کی موجودگی میں استعمال کئے، وہ اس خاندان کے ذہن اور مزاج کی ترجمانی کرتے ہیں۔

● ولید نے مروان کو جواب دیتے ہوئے جو کچھ کہا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود اس کی نظر میں امام کا مؤقف درست، اور یزید کا غلط تھا،

بہرحال جب بیعت کے مطالبہ نے شدت اختیار کرلی، اور کوفہ کے لوگوں کا اصرار بڑھا تو آپ نے مسلم بن عقیل کو بھیجا، اور پھر خود عزم سفر فرمایا، عزیزوں اور خیر خواہوں نے باز رکھنا چاہا، مگر آپ اپنے فیصلہ پر قائم رہے، کیونکہ سوال اپنی جان بچانے کا نہ تھا، اسلام کو بچانے کا تھا چنانچہ :

---

[۱] بحوالہ ج ۴، ص (تاریخ اسلام)

لیکن آپ ہراساں نہ ہوئے، آپ نے بصرہ کے رؤسا اور اشراف کو جن میں احنف بن قیس اور منذر بن جارود وغیرہ شامل تھے۔ خط لکھا،

میں نے اپنا قاصد تم لوگوں کے پاس یہ خط دیکر روانہ کیا ہے۔ میں تم کو کتاب خدا و سنت رسول اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ سنت رسول اللہ مٹا دی گئی ہے اور بدعت کو رواج دیا گیا ہے۔ اگر تم لوگ میری بات کو سنوگے اور میری اطاعت کروگے تو میں تم کو راہ ہدایت پر لگا دوں گا۔ والسلام وعلیکم ورحمۃ اللہ[1]

آپ کا یہ خط پہونچا، لیکن حالت یہ تھی کہ دل آپ کے ساتھ تھے۔ اور تلواریں حاکم وقت کے ساتھ۔ چنانچہ صورت حال یہ تھی:

"شرفائے بصرہ میں سے جس جس نے اس خط کو پڑھا اس نے چھپا ڈالا۔ البتہ منذر بن جارود عبیداللہ کے پاس قاصد کو لئے ہوئے چلا آیا اور خط بھی اسے دکھا دیا۔ عبیداللہ نے اسی وقت قاصد کی گردن ماری اور۔۔۔ حمد وثنائے الٰہی بجا لایا اور کہا واللہ کوئی کیسا ہی منہ زور ہو۔ میرے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ کسی کی دشمنی کی میں پرواہ نہیں کرتا۔ جو مجھ سے عداوت رکھے اس کے لئے میں عذاب ہوں۔ جو کوئی مجھ سے جنگ آزمائی کرے میں اس کے حق میں زہر ہوں، اے اہل بصرہ، دیکھو بغاوت و مخالفت سے بچے رہنا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اگر تم میں سے کسی شخص کی مخالفت کا حال مجھے معلوم ہوگا۔ تو میں اس کے سرغنہ کو اس کے ہوا خواہ کو ضرور قتل کر دوں گا۔ میں قریب کو بعید کے عوض میں پکڑوں گا۔ کہ تم سب میری اطاعت کرنے لگو۔ تم میں کوئی مخالف اور معاند نظر نہ آئے۔ میں زیاد کا بیٹا ہوں۔ دنیا میں سب سے زیادہ اس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہوں۔ مجھے کسی ماموں یا چچا کے ساتھ مشابہت نہیں ہے[2]

اور ابن زیاد کا یہ سخت رویہ یزید کے حسب الحکم تھا، اس نے مسلم اور ہانی کے قتل پر اسے سند خوشنودی دیتے ہوئے لکھا تھا۔

---

[1] طبری، ج ۲۔ [2] تاریخ طبری ج ۲،

یزید نے جواب میں لکھا جو میں چاہتا تھا وہی تو نے کیا۔ تو نے عاقلانہ کام اور دلیرانہ حملہ کیا مجھے مطمئن و بے فکر کر دیا۔ میں تجھے جیسا سمجھتا تھا۔ تیری نسبت میری جو رائے تھی تو نے اپنے کو ویسا ہی ثابت کیا۔ دونوں قاصدوں کو میں نے بلا کر ان سے کچھ پوچھا۔ کچھ راز کی باتیں کیں۔ جیسا تو نے ان کے فضل و فہم کے بارے میں لکھا ہے ویسا ہی ان کو پایا۔ نیکی کے ساتھ ان سے پیش آنا چاہیئے۔ اور مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ عراق کی طرف آرہے ہیں۔ دیدبان مقرر کر مورچے تیار رکھ۔ جس سے بدگمانی ہو اس کی نگرانی کر۔ جس پر تہمت بھی ہو اسے گرفتار کرلے۔ ہاں جو تجھ سے خود جنگ نہ کرے۔ اسے قتل نہ کرنا۔ اور جو جو واقعہ پیش آئے اس کا حال مجھے لکھتا رہ۔ والسلام علیک و رحمۃ اللہ[۱]

ابن زیاد کے نام یزید کی اس تحریر سے کیا یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کربلا میں جو کچھ ہوا۔ اس کا نقشہ خود یزید نے بنا رکھا تھا؟

اور خود امام حسینؑ کو بھی پیش آنے والے حوادث کا پورا پورا اندازہ تھا۔ چنانچہ جب عبداللہ بن زبیر نے انھیں رائے دی کہ مسجد حرام میں بیٹھ جایئے تو فرمایا:

"اگر ایک بالشت بھر اس مسجد کے باہر میں قتل ہو جاؤں تو واللہ میں اسے اس بات سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ایک بالشت بھر اندر مسجد کے قتل ہوں۔ بخدا اگر میں حشرات الارض کے کسی سوراخ میں بھی چھپوں گا تو لوگ مجھے وہاں سے بھی نکال لیں گے۔ اور جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں کریں گے۔ اور واللہ مجھ پر یہ لوگ ایسا ظلم کریں گے جیسا یہود نے روز سبت کیا تھا[۲]"

بہرحال قافلہ بلاکشاں چلتا رہا،:

"مقام ذی حشم میں حر بن یزید تمیمی ایک ہزار سپاہ کے ساتھ جسے ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کو گھیر کر لانے کے لئے بھیجا تھا آیا اس سے آپ نے فرمایا کہ میں خود سے نہیں آیا ہوں بلکہ تم لوگوں کے خطوط اور آدمی آئے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ آکر ہماری

تاریخ طبری، ج ۲ ص[۱] تاریخ طبری ج ۲،

رہنمائی کیجئے۔ آپ نے کوفیوں کے تمام خطوط حر کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ اس نے کہا ہم کو اس سے بحث نہیں ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں کہیں مل جائیں آپ کو لے جا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔

عذیب الجانات پہونچ کر طرماح بن عدی نے جو کوفے سے آرہے تھے قیس بن مسہر کے قتل کی خبر سنائی۔ اور کوفہ کے جنگی انتظامات کا حال بیان کر کے اپنے یہاں یمن چلنے کی دعوت دی۔ لیکن آپ نے قبول نہ فرمائی۔

نینوا میں حر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسینؑ کو ایسے چٹیل میدان میں اتارو جہاں کوئی اوٹ اور ربائی وغیرہ نہ ہو۔ حر نے حضرت حسینؑ کو یہ حکم سنا دیا اس کی تعمیل پر کوئی اصرار نہیں کیا اور ۳ محرم سنہ ۶۱ھ کو حضرت حسینؑ نے کربلا میں قافلہ اتارا تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔

عمر بن سعد نے ۷ محرم سنہ ۶۱ھ سے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت حسینؑ کے بھائی عباس بن علیؑ بڑے بہادر تھے۔ یہ چند آدمیوں کو لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

عمر بن سعد حکومت کی طمع میں حضرت امام حسینؑ سے مقابلہ کے لئے تیار تو ہو گیا تھا لیکن تلوار اٹھانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس اُمید پر جنگ کو ٹال رہا تھا کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد کو اس کا اندازہ ہو گیا اس نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھا کہ میں نے تمہیں حسینؑ کی خیر خواہی اور ان کو بچانے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ میرا حکم پہنچتے ہی ان سے بیعت لے کر ان کو میرے پاس بھیجدو۔ اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج شمر ذی الجوشن کے حوالہ کر دو۔ ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گذرا۔ لیکن رے کی حکومت کا چھوڑنا اس سے زیادہ دشوار تھا۔ اس لئے با دل ناخواستہ اس کی تعمیل کے لئے تیار ہو گیا۔ اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت حسینؑ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی۔ لیکن مصالحت کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ حضرت امام حسینؑ بیعت کر نہیں سکتے تھے اور شام کی حکومت بغیر بیعت لئے ہوئے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے آخری گفتگو بھی ناکام رہی۔ اور حضرت امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔

"لوگو! موعودہ وقت آپہنچا اس لئے میں تم کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میرے اہل بیت کو ساتھ لے کر لوٹ جاؤ۔"

عوام کی بھیڑ پہلے ہی سے چھٹ چکی تھی۔ صرف خواص اور اعزہ باقی رہ گئے تھے۔ ان کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس کے جواب میں سب نے جاں نثاری کا اظہار کیا حضرت نے اہل بیت کے خیموں کی حفاظت کے انتظامات کر کے صبح کو بہتر جاں نثاروں کی مختصر فوج مرتب کی میمنہ پر زہیر بن قیس کو، میسرہ پر حبیب بن مظہر کو متعین کیا۔ اور عباس کو علم مرحمت فرمایا

اور اس عزم غیر متزلزل کا سبب کیا تھا اسے بھی پیش نظر رکھنا چاہئیے:

"علی بن الحسینؑ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ مکہ سے نکلے تو عبداللہ بن جعفر نے عون و محمد اپنے دونوں فرزندوں کے ساتھ ایک خط حسینؑ بن علیؑ کو بھیجا کہ "میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ میرا خط دیکھتے ہی واپس چلے آیئے۔ مجھے خوف آتا ہے کہ آپ ہلاک اور اہل بیت تباہ نہ ہو جائیں۔ آپ اگر ہلاک ہو گئے تو دنیا میں اندھیر ہو جائے گا۔ اہل ہدایت کے رہنما اور اہل ایمان کا سہارا آپ ہی کی ذات ہے۔ پھر عبداللہ بن جعفر عمرو بن سعید کے پاس گئے اس سے گفتگو کی اور کہا حسینؑ کو ایک خط لکھو جس میں انھیں امان دینے کا اور ان کے ساتھ نیکی کرنے اور احسان کرنے کا وعدہ ہو۔ عمرو بن سعید نے کہا جو تمہارا جی چاہے لکھ کر میرے پاس لے آؤ میں اس پر مہر کر دوں گا۔ عبداللہ بن جعفر خط لکھ کر عمرو بن سعید کے پاس لے آئے اور کہا اس پر مہر کر کے اپنے بھائی یحیٰی بن سعید کے ہاتھ روانہ کرو۔ یحیٰی کے جانے سے ان کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ سمجھ جائیں گے کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے دل سے لکھا ہے عمرو بن سعید نے ایسا ہی کیا یہ بھی یزید کی طرف سے مکہ کا حاکم تھا غرض یحیٰی نے خط دیا اور دونوں شخصوں نے بہت اصرار کیا۔ آپ نے یہ عذر کیا کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ جو انھوں نے حکم دیا ہے اسے میں بجا لاؤں گا۔ اس میں ضرر ہو یا میرے لئے یا نفع ہو۔ دونوں شخصوں نے پوچھا کہ وہ کیا خواب ہے۔ آپ نے کہا نہ میں نے کسی سے بیان کیا نہ بیان کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے خدا سے ملاقات کر لوں گا۔" ۱

---

۱ طبری ج ۲، ج ۱

اپنے لوگوں کو لے کر سوار ہوا اور ان لوگوں پر چڑھائی کر دی۔

اس وندان شکن جیب کے بعد وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا، ؟ علیؑ کے بیٹے علیؑ کے بیٹے تھے، وہ حسینؑ کے مقابلہ میں اپنی جان کو ہیچ سمجھتے تھے، ان پر اپنی جان قربان کر دینا باعث افتخار تھا ان کے لئے!

قیامت کی گھڑی سر پر کھڑی ہے،!

چند گھنٹوں کے بعد وہ حادثہ رونما ہونے والا تھا۔ جس پر شجر وحجر اور زمین وآسمان خون کے آنسو روئیں گے،! —— دجلہ بہ دجلہ، یم بہ یم،!

طبری کی روایت ہے:

"علی بن حسین کہتے ہیں ابن سعد کے پاس سے ایک قاصد ہم لوگوں کے پاس آیا اور ایسے مقام پر کھڑا ہو گیا۔ جہاں سے آواز سنائی دیتی تھی۔ اور کہا ہم نے تم لوگوں کو کل صبح تک کی مہلت دی ہے۔ اگر تم اطاعت کر لو گے تو تم کو اپنے امیر ابن زیاد کے پاس روانہ کر دینگے اگر تم انکار کر دو گے تو پھر ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے۔ ابن سعد جب لشکر کو لے کر واپس گیا ہے اس وقت شام ہونے کو تھی تو حسین نے اپنے انصار کو جمع کیا۔ علی بن حسین کہتے ہیں یہ دیکھ کر میں آپ کے قریب چلا گیا کہ سنوں کیا فرماتے ہیں۔ اور میں بیمار تھا میں نے سنا کہ میرے والد اپنے الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ خدائے تبارک وتعالےٰ کی بہترین حمد ثنا میں بجا لاتا ہوں اور راحت ومصیبت میں اس کا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت کی کرامت دی۔ تو نے ہم کو قرآن کی تعلیم دی۔ تو نے ہم کو علم دین عطا کیا۔ تو نے ہم کو سماعت و بصارت ودل دیا۔ تو نے ہم کو مشرکوں میں شمار نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد مجھے یہ کہنا ہے کہ اپنے انصار سے افضل و بہتر انصار اور اپنے اہل بیت سے زیادہ وفادار فرمانبردار اہل بیت میں نے نہیں دیکھے۔ سنو میں سمجھ چکا ہوں کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں صبح کو ہم لوگوں کی قضا ہے سنو تم سب کے باب میں میری یہ رائے ہو چکی ہے کہ میری اجازت سے تم سب چلے جاؤ میری طرف سے کوئی روک تم پر نہیں ہے۔ دیکھو رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اسے غنیمت سمجھو۔

ابن زیاد کی شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو پیاسا رکھ کر ایذا دے کر، اور شہادت کے بعد بھی ان کے جسم اطہر کو گھوڑوں سے پامال کرا کے اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا،

"اور ابن سعد کو جو خط ابن زیاد نے لکھا اس کا یہ مضمون تھا۔ میں نے تجھے حسینؑ کے مقابلہ میں اس لئے نہیں بھیجا کہ تو ان کے بچانے کی فکر کرے یا ان پر احسان کرے، یا ان کی سلامتی منائے۔ یا ان کا سفارشی میرے سامنے بن بیٹھے۔ سن اگر حسینؑ اور ان کے انصار میرے حکم پر سر جھکا دیں اور گردنیں خم کر دیں تو سب کو اطاعت گذاروں کی طرح میرے پاس بھیج دے۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان پر اس طرح لشکر کشی کر کہ سب قتل ہو جائیں۔ اور سب کا سر کاٹ لے۔ وہ سب اس کے سزاوار ہیں۔ حسینؑ جب قتل ہو جائیں تو ان کے سینے پر اور پشت پر سواروں کو دوڑا دے کہ وہ نافرمان مخالف، خودسر مخالف ہیں۔ میرے دل کی یہ بات نہیں ہے کہ اس سے مرنے کے بعد کچھ ان کو ایذا پہنچے گی۔ لیکن میں زبان سے کہہ چکا ہوں کہ اگر میں انھیں قتل کرتا تو ان کے ساتھ یہ سلوک کرتا۔ اگر ان کے بارے میں تو ہمارے حکم کو جاری کرے گا تو تجھ کو وہ عوض ملے گا جو ایک فرمانبردار، اطاعت گذار کو ملنا چاہیئے۔ اور اگر تجھے یہ منظور نہیں ہے تو ہماری خدمت سے اور ہمارے لشکر سے علیحدہ ہو جا۔ لشکر کو شمر پر چھوڑ دے۔ ہم نے اسے اپنے احکام بتا دیئے ہیں والسلام"۔

ایک حکمت عملی یہ تھی کہ حسینؑ اور ان کے سوتیلے بھائیوں میں پھوٹ ڈلوا دی جائے ابن سعد، حضرت علیؑ کے ان بیٹوں کا جو حضرت فاطمہؑ کے بطن سے نہ تھے۔ ننھیالی رشتہ دار تھا۔ اس رشتہ کو بیچ میں لاکر اس نے اپنی پوری پوری کوشش کی، طبری کی روایت ہے۔

"یہ محرم کی نویں تاریخ تھی پنجشنبہ کا دن شام کا وقت تھا شمر آکر انصار حسین کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا ہم لوگوں کی بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ یہ سن کر عباس و جعفر و عثمان بن علیؑ اس کے پاس آئے کہا تجھے کیا کام ہے کیا کہتا ہے؟ کہا میری بہن کے فرزند تمہارے لئے امان ہے۔ ان نوجوانوں نے جواب دیا۔ خدا کی تجھ پر لعنت، تیری امان پر لعنت تو جو ہمارا ماموں ہے تو ہم کو امان دیتا ہے اور رسول اللہؐ کے فرزند کو امان نہیں؟ ابن سعد نے اب ندا کی اے فوج خدا کے سوارو گھوڑوں پر چڑھو اور خوش ہو۔ نماز عصر کے بعد

جو ہزاروں کی تعداد میں تھا، ۲۷ نفوس قدسی کو مارنے ہلاک کرنے ،اور قتل کرنے کے لئے بڑھا، :

"ابن سعد روز عاشورا شنبہ کا دن تھا یا جمعہ صبح کی نماز جب پڑھ چکا تو اپنی فوج کو ساتھ لے کر نکلا۔ حسین نے بھی اپنے انصار کی صفیں جمائیں۔ آن کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ آپ کے ساتھ بتیس سوار تھے اور چالیس پیادے۔ آپ نے میمنہ پر زہیر بن قیس کو میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو مقرر کیا۔ اور علم اپنے بھائی عباس بن علی کو دیا۔ خیموں کو پشت پر رکھا۔۔۔۔۔۔ [۱]ط

دشمن کا لشکر سامنے کھڑا ہے، !

مسلم بن عوسجہ کی زد پر ایک فاسق، جس کی ہیبت مسلم تھی آجاتا ہے۔ وہ حملہ کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، لیکن آپ پہل کرنے کی اجازت نہیں فرماتے، جن لوگوں کو اسلام کا دعویٰ ہو، کسی قیمت پر بھی آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان پر پہل کریں۔

البتہ ایک غم آپ کو ضرور تھا، یہ چار ہزار مسلمان یادگار رسولؐ کو قتل کرنے جمع ہوئے تھے، ممکن ان کی دنیا بن جائے۔ لیکن خدا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ رسولؐ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ یہی جذبہ تھا۔ جس سے متاثر ہو کر آپ نے ایک تقریر فرمائی، آپ نے کہا : -

"میرے خاندان کا خیال کرو کہ میں کون ہوں۔ پھر اپنے اپنے دل سے پوچھو اور غور کرو کہ میرا قتل کرنا، میری ہتک اور حرمت کرنا کیا تم لوگوں کے لئے حلال ہے کیا میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی و ابن عم کا فرزند نہیں ہوں۔ جو کہ خدا پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور خدا کے پاس سے اس کا رسول جو احکام لے کر آیا انھوں نے اس کی تصدیق کی؟۔ کیا سید الشہدا حمزہ میرے والد کے چچا نہیں ہیں۔ کیا جعفر طیار شہید ذوالجناحین میرے

---

[۱] طبری ج ۲۔

لیکن اس اجازت سے ، اس موقع سے ، ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا ؟ ——
تاریخ کا جواب انکار میں ہے ، حضرت امام نے ان لوگوں کو واپس جانے کی ترغیب دی ،
اور انھوں نے پوری سعادت مندی سے انکار کر دیا آپ نے فرمایا -
یہ لوگ میرے ہی طلبگار ہیں - مجھے قتل کر لیں تو پھر کسی اور کا خیال بھی نہ کریں گے
یہ سن کر آپ کے بھائی ، بیٹے ، بھتیجے ، بھانجے سب کہنے لگے ہم سے یہ نہ ہو گا - آپ کے
بعد ہم زندہ رہیں - خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے -
سب سے پہلے عباس بن علی نے یہ کلمہ کہا پھر سب نے اسی طرح کے کلام کیئے "
سب سے زیادہ فکر آپ کو ، مسلم بن عقیل کی اولاد کی تھی ، مسلم کا قتل ایک گھاؤ تھا
جو اب تک رس رہا تھا ، اب ان کی صوری اور معنوی یادگاروں کو ، آپ درطۂ ہلاکت
میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے ، لیکن وہ فداکار بھی اپنی آن پر قائم رہے - طبری کی روایت ہے :
" اے اولاد عقیل مسلم کا قتل ہونا تمہارے لئے کافی ہے - تم چلے جاؤ میں
اجازت دیتا یہ سن کر انھوں نے کہا لوگ کیا کہیں گے - یہی کہیں گے نا کہ ہم اپنے
بزرگ ، اپنے سردار اور ان کے ساتھ اپنے بنی عم کو جو بہترین بنی عم تھے
چھوڑ کر چلے آئے - نہ ان کے ساتھ شریک ہو کر ایک تیر لگایا ، نہ برچھی کا وار
کیا ، نہ کوئی تلوار کا ہاتھ مارا - یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ ان پر کیا گذری - ہرگز نہیں
واللہ ہم سے یہ نہ ہو گا - بلکہ ہم اپنی جانیں ، اپنا مال اپنے اہل و عیال کو آپ پر
فدا کر دیں گے - آپ کے ساتھ شریک ہو کر قتال کریں گے جو آپ کا حال ہو گا
وہی ہمارا بھی ہو گا - خدا وہ زندگی نہ دے جو آپ کے بعد ہو "
اور یہ صرف الفاظ نہ تھے ، یہ صرف جذبات نہ تھے ، ان کے ساتھ عمل بھی تھا ،
اولاد عقیل نے جو کچھ کہا تھا وہ کر بھی دکھایا ، کربلا کی خاک آج تک اس حقیقت کی
گواہ ہے ، !
آخر وہ گھڑی آگئی ، جس کا انتظار تھا !!
وقت آگیا جب سبط رسول نے میدان شہادت میں قدم رکھا ، اور اشقیا کا لشکر

کسی کو زخمی کیا ہے؟ اس کا قصاص مجھ سے چاہتے ہو؟ اب کوئی آپ کی بات کا جواب نہیں دیتا تھا۔ آپ نے پکار کر کہا "اے شبث بن ربعی اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث تم لوگوں نے مجھے یہ نہیں لکھا تھا کہ میوے پک گئے ہیں۔ باغ سرسبز ہو رہے۔ تالاب چھلک رہے ہیں۔ آپ کی نصرت کے لئے لشکر یہاں آراستہ ہیں۔ آئیے۔ ان لوگوں نے جواب دیا ہم نے نہیں لکھا تھا۔ آپ نے کہا نہیں واللہ تم نے لکھا تھا۔ لوگو تمہیں میرا آنا ناگوار ہوا ہو تو دنیا میں کسی گوشۂ امن کی طرف مجھے چلا جانے دو۔ قیس بن اشعث نے کہا آپ اپنے قرابت داروں کے حکم پر کیوں نہیں سر جھکا دیتے۔ یہ سب آپ سے اسی طرح پیش آئیں گے۔ جیسا آپ چاہتے ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی امر آپ کے ناگوار خاطر ہرگز ظہور میں نہ آئے گا۔ آپ نے جواب دیا۔ "آخر تو محمد بن اشعث کا بھائی ہے اب تو یہ چاہتا ہے کہ مسلم بن عقیل کے خون سے بڑھ کر بنی ہاشم کا تجھ سے مطالبہ ہو۔ واللہ میں ذلت کے ساتھ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینے والا۔ نہ غلاموں کی طرح اطاعت کا اقرار کرنے والا ہوں۔ عباد اللہ انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون۔ اعوذ بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب۔ یعنی اے بندگان خدا میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں ہر ایسے ظالم سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ کہہ کر آپ نے ناقہ کو بٹھا دیا۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا۔ انھوں نے ناقہ کو باندھ دیا۔[1]

---

[1] یہ خطبہ طبری (ج ۲) سے لیا گیا ہے۔

چچا ہیں؟ کیا تم میں سے کسی نے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ صلعم نے میرے اور میرے
بھائی کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں - جو کچھ میں تم
سے کہہ رہا ہوں یہ حق بات ہے - اگر تم میری تصدیق کرو گے تو حق دو - واللہ
مجھے جب سے اس بات کا علم ہوا کہ جھوٹ بولنے والے سے
خدا بیزار ہوتا ہے - اور جھوٹ بنانے والے کو اس کے جھوٹ
سے ضرر پہنچتا ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا - اگر تم مجھ کو جھوٹا
سمجھتے ہو تو سنو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ ان سے تم پوچھو
وہ بیان کریں گے - جابر بن عبداللہ انصاری یا ابو سعید خدری
یا سہل بن سعد ساعدی یا زید بن ارقم یا انس بن مالک سے
پوچھ کر دیکھو یہ لوگ تم سے بیان کریں گے کہ انھوں نے میرے
اور میرے بھائی کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی
کہتے سنا ہے - کیا یہ امر بھی تم لوگوں کو میرا خون بہانے میں
مانع نہیں ہے ؟ شمر نے کہا یہ خدا کی عبادت ایک ہی رخ سے کرتے
ہیں - خدا جانے کیا کہہ رہے ہیں - حبیب بن مظاہر نے جواب دیا - واللہ
میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی عبادت ستر رخ سے کرتا ہے - بے شک تو سچ
کہتا ہے - تیری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں - خدا نے تیرے
دل پر مہر کر دی ہے ———— پھر آپ نے ان لوگوں
سے کہا تمہیں اس بات میں اگر شک ہے تو کیا اس امر میں بھی شک
ہے کہ میں تمہارے نبیؐ کا نواسہ ہوں ؟ واللہ اس وقت مشرق
سے مغرب تک میرے سوا کوئی شخص تم میں سے ہو یا تمہارے
سوا ہو کسی نبی کا نواسہ نہیں ہے ———— اور میں خاص تمہارے
نبیؐ کا نواسہ ہوں - یہ تو بتاؤ کیا تم اس لیے میرے درپے ہو کہ میں
نے تم میں سے کسی کو قتل کیا ہے ؟ یا تمہارے کسی مال کو ڈبو دیا ہے ؟ یا میں نے

چار ہزار کے لشکر گراں، اور ۷۲ نفوس کے درمیان لڑائی پوری شدت سے جاری تھی، شقاوت، سنگ دلی، اور سفاکی کا کوئی دقیقہ نہ تھا جو چار ہزار کی اس فوج نے ۷۲ آدمیوں کے مقابلہ میں اٹھا رکھا ہو:

"آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ کوئی آدمی آپ کے پاس لے آیا - آپ نے اسے گود میں بٹھا لیا۔ یہ بچہ عبداللہ بن حسین تھا - بنی اسد میں سے ایک شخص نے تیر مارا بچہ ذبح ہو گیا - حسین نے اس کے زخم میں چلو لگا دیا - دونوں چلو لہو سے بھر گئے تو زمین پر اس خون کو پھینک دیا - اس کے بعد کہا - بار خدایا تو نے آسمان سے ہمارے لئے اگر نصرت نہیں نازل کی تو جو اس سے بہتر ہے وہ ہم کو دے۔"

آپ لڑ رہے تھے پیاس سے نڈھال، زخموں سے چور، لیکن حوصلہ سے معمور، نہ کوئی اندیشہ تھا نہ فکر، نہ ڈر نہ دہشت، نہ فکر مال و منال، نہ فکر فرزند و زن، :

"پیاس کی جب شدت ہوئی تو آپ پانی کی طرف آئے۔ حصین بن تمیم نے آپ کو تیر مارا دہانہ پر آ کر لگا - آپ خون کو منہ سے لیتے جاتے تھے اور آسمان کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ اس کے بعد خدا کا شکر بجا لائے اور حمد و ثنا کی - پھر دونوں ہاتھوں کو ملا کر کہا - اللھم احصہم عددا واقتلہم بددا ولا تذر علی وجہ الارض منہم احدا۔ یعنی خداوندا ان سے گن گن کر بدلے لے - ان کو چن چن کر قتل کر، ان میں سے کسی کو روئے زمین پر نہ چھوڑ۔"

اور کون کہہ سکتا ہے کہ قاتلین حسینؑ سے گن گن کر قدرت نے بدلہ نہیں لیا؟ چن چن کر یہ قتل نہیں کئے گئے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اللہ کا نشتر ـــــــ مختار ثقفی ـــــــ جب شمشیر بکف آیا، تو ان میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ بچا، اور ان روح فرسا حالات میں بھی آپ کا انداز جنگ کیا تھا؟ طبری کی روایت:

بہر حال معرکۂ کارزار گرم ہوا، :

"پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا - اور حسینی فوج کے چند آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی - دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا - ایک طرف چار ہزار سپاہ تھے - دوسری طرف کل ۷۲ آدمی تاہم یہ مٹھی بھر آدمی بڑی شجاعت سے لڑے دوپہر تک حضرت حسین رض کے بہت سے آدمی کام آگئے۔ ص [1]

ان کے بعد باری باری سے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم، جعفر طیار کے پوتے عدی عقیل کے فرزند عبدالرحمٰن، ان کے بھائی حضرت حسن رض کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ میدان میں کام آئے اور شہید ہوئے - ان کے بعد حضرت امام حسین رض نکلے - عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کردی آپ کے بھائی عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہوگئے - اور چاروں نے شہادت حاصل کی - اب حضرت امام حسین رض بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے - پیاس کا غلبہ تھا - فرات کی طرف بڑھے پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے تیر چلایا - چہرہ مبارک زخمی ہوگیا - آپ فرات سے لوٹ آئے - اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی - عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا - زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر تلوار کے وار کئے سنان بن انس نے تیر چلایا اور زخموں سے چور ہو کر گر پڑے - آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس جدا کر دیا - یہ حادثۂ عظمیٰ ۱۰ محرم ۶۸۱ء میں پیش آیا - اس معرکہ میں ۷۲ آدمی شریک ہوئے - جس میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے - شہادت کے دوسرے دن غاغریہ والوں نے شہدا کی لاشیں دفن کیں حضرت امام حسین رض کا جسم مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا - سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیجا گیا - ص [2]

لڑائی پوری شدت کے ساتھ جاری تھی، !

ارے تمہاری مائیں تمہیں روئیں اسے قتل کرو - اب ہر طرف سے آپ پر
حملہ ہوا - زرعہ بن شریک تمیمی نے وار کیا - دست چپ کی ہتیلی پر
اس کی ضرب پڑی پھر سب ہٹ گئے - اس وقت آپ اٹھتے
تھے اور گر پڑتے تھے - پھر اسی حالت میں سنان بن انس نخعی نے
آپ کو برچھی ماری - آپ گر پڑے تو اس نے خولی بن یزید اصبحی
سے کہا کہ سر کاٹ لے - خولی نے ارادہ کیا مگر اس سے یہ کام
نہ ہو سکا کانپنے لگا - سنان بن انس نے کہا - خدا تیرے بازو درد
کو توڑے - تیرے ہاتھوں کو قطع کرے یہ کہہ کر وہ آپ کی طرف بڑھا
آپ کو ذبح کیا اور آپ کا سر کاٹ لیا - اور خولی کو دیدیا - ذبح
ہونے سے پہلے بہت سی تلواریں بھی آپ پر پڑ چکی تھیں - سر جدا
کرنے سے پہلے سنان بن انس کی یہ حالت تھی کہ جسے دیکھتا
تھا کہ حسین کے قریب آرہا ہے - اس پر حملہ کر بیٹھتا تھا - اسے
یہ ڈر تھا مجھے ہٹا کر کہیں وہی سر نہ لے جائے -"

لیکن حسینؑ کے قتل کرنے کے بعد بھی ان کی سفاکی اور شقاوت میں کوئی فرق
نہ آیا، یہ اب درندے بنے ہوئے تھے، :

"آپ جو لباس پہنے ہوئے تھے - وہ بھی لٹ گیا - بجر بن کعب
نے پاجامہ لیا - قیس بن اشعث نے چادر اتار لی - جب سے
اس کا نام قیس قطیفہ مشہور ہوگیا - یعنی چادر والا - اسود نے
نعلین آپ کی اتار لی - بنی نہشل کے ایک شخص نے تلوار نکال
لی - اس کے بعد وہ حبیب بن بدیل کے خاندان میں آئی - پھر
یہ لوگ واس (زعفران) اور پوشاک اور اونٹوں کی طرف
جھکے اور یہ سب چیزیں لوٹ لے گئے - پھر اہل حرم اور مال و
متاع کو لوٹنے کو گئے - یہ حال تھا کہ ایک بی بی کے سر سے

” عبداللہ بن عمار پر لوگوں نے عتاب کیا کہ تو بھی قتل حسین میں شریک تھا۔ عبداللہ
نے کہا میں نے تو بنی ہاشم پر احسان کیا۔ پوچھا احسان تو نے کیا کیا۔ کہا میں نے برچھی
تان کر حسین پر حملہ کیا تھا۔ ان کے قریب پہنچا اور واللہ میں چاہتا تو ان کو برچھی مار دیتا
پھر میں ان کے پاس سے ہٹ آیا۔ اور میں نے دل میں کہا۔ میں کیوں انھیں قتل کروں۔
کوئی اور قتل کرے تو کرے۔ میں نے دیکھا ان کے دائیں، بائیں جو پیادے نرغہ کئے ہوئے
تھے۔ انھوں نے آپ پر حملہ کیا۔ آپ نے داہنی جانب کے پیادوں پر حملہ کر کے سب
کو منتشر کر دیا۔ بائیں جانب کے پیادوں پر حملہ کر کے سب کو منتشر کر دیا۔ آپ عمامہ
باندھے ہوئے تھے۔ اور خز کا قمیض گلے میں تھا۔ واللہ کسی ایسے بے کس اور بے بس
کو جس کی اولاد، اہل بیت و انصار سب قتل ہو چکے ہوں۔ اس دل سے اور اس
حواس سے اور اس جرأت سے لڑتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ واللہ نہ ان سے
پیشتر ان کا مثل دیکھنے میں آیا نہ ان کے بعد کہ ان کے داہنے بائیں لوگ اس طرح بھاگ
رہے تھے۔ جیسے گرگ کے حملہ کرنے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ اسی حالت میں ان
کی بہن زینب بنت فاطمہ خیمہ سے نکل آئیں۔ واللہ ان کے کان کے بندے ہلتے ہوئے
اب تک میری نگاہ میں ہیں۔ کہہ رہی تھیں۔ ہائے آسمان زمین پر پھٹ نہیں پڑتا۔ ابن سعد
اس وقت حسین کے قریب آیا تو کہنے لگیں۔ اے ابن سعد حسین قتل ہو رہے ہیں اور
تو دیکھ رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابن سعد کے آنسو نکل آئے۔ داڑھی تک بہتے ہوئے
گئے۔ اور اس نے زینب کی طرف سے منہ پھیر لیا —؟

لیکن یہ جنگ کب تک جاری رہ سکتی تھی؟
۷۲ آدمی کب تک چار ہزار کی فوج سے جنگ و پیکار کا سلسلہ قائم رکھ سکتے تھے؟
مگر پھر بھی امام والا تبار کے رعب کا یہ عالم تھا کہ:
” لوگ قتل کرنا چاہتے تو ممکن تھا لیکن ایک کے پیچھے ایک چھپتا تھا۔ یہ
چاہتا تھا وہ اس کام کو کرے۔ وہ چاہتا تھا یہ اس کام کو کرے۔ آخر شمر نے
پکار کر کہا وائے تم لوگوں پر اب اس شخص کے باب میں کیا انتظار ہے تمہیں؟

چادر کوئی اتار رہا تھا۔ دوسرا اس سے چھین کر لے جاتا تھا۔"
حسینؑ کے ساتھ اور ان کی نعش کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ تو خیر ہوا لیکن یہ لوگ اتنے درندے بن چکے تھے کہ انھوں نے ایک میت کا احترام بھی نہ کیا، جس کا نانا غیر مسلم کی لاش دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس کے نواسے کی لاش پامال کی جا رہی تھی ——
اور اس کی خواتین کو لوٹا جا رہا تھا، —— تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو، !
حسینؑ مظلوم کا سر، ابن زیاد کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، !
جشن مسرت کی سی کیفیت طاری ہے، حسینؑ کا قتل، کتنی بڑی کامیابی تھی، کتنی بڑی خوش بختی تھی، !
ابن زیاد لوگوں سے ملنے کو دربار میں بیٹھ گیا۔ اور تہنیت دینے لوگ آنے لگے۔ ان لوگوں کو اس نے اندر بلا لیا اور سب کو بھی اذن دیا۔ حسین کا سر اس کے سامنے رکھا تھا۔
ان کے دانتوں کو ایک ساعت تک وہ چھڑی سے کھٹکھٹاتا رہا۔ صحابیٔ رسولؐ زید بن ارقمؓ نے جب دیکھا کہ وہ کھٹکھٹانا نہیں موقوف کرتا تو کہا۔ ان دانتوں پر سے ہٹا اس چھڑی کو۔ اس وحدہ لاشریک کی قسم کہ رسول اللہ صلعم کو میں نے دیکھا کہ اپنے ہونٹ ان دانتوں پر رکھ کر پیار کرتے تھے۔ یہ کہا اور وہ پیر مرد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا خدا تجھے رلائے۔ اگر تو پیر فرتوت نہ ہوتا جس کی عقل جاتی رہی ہے تو واللہ میں تیری گردن مارتا۔ زید یہ سن کر اٹھے اور چلے گئے۔!"
یہ مسلمان امیر تھا، !
جس نے سبط رسولؐ کو اس لئے قتل کرایا کہ وہ یزید کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور صحابیٔ رسولؐ کی تذلیل سر دربار اس لئے کی کہ انھوں نے سچی بات کہہ دی؟

لیکن آنسوؤں اور آہوں کی یہ داستان ابھی ختم کہاں ہوئی :

حسین کے سر کے ساتھ ان کے اہل و عیال ان کی بہنیں سب کے سب ابن زیاد کے سامنے لائے گئے - زینب بنت فاطمہ نے چھٹا پرانا لباس پہن لیا تھا - کنیزیں آپ کو گھیرے ہوئے تھیں - جب داخل ہوئیں تو بیٹھ گئیں - ابن زیاد نے پوچھا یہ جو بیٹھی ہوئی ہے کون عورت ہے ؟ آپ نے کچھ جواب نہ دیا - اس نے تین دفعہ پوچھا اور آپ نے ہر دفعہ جواب نہیں دیا - اب کے آپ کی کسی کنیز نے کہا - کہ یہ زینب بنت فاطمہ ہیں - ابن زیاد نے کہا کہ شکر ہے خدا کا جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا قتل کیا تمہاری کہانیوں کو جھوٹا کر دیا - آپ نے جواب دیا - شکر ہے خدا کا جس نے محمد صلعم کے سبب سے ہم کو عزت دی - ہم کو طیب و طاہر کیا - تو نے جو کہا ایسا نہیں ہے - رسوا وہ ہوتا ہے، جھوٹا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو - ابن زیاد نے کہا - تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے خاندان والوں سے خدا نے کیا سلوک کیا - کہا ان کے مقدر میں قتل ہونا تھا وہ اپنی قتل گاہ کی طرف چلے آئے - اب تو بھی اور وہ لوگ بھی خدا کے سامنے جائیں گے - وہیں تم لوگ اپنی نزاع و خصومت کو پیش کرو گے - یہ سن کر ابن زیاد غضب ناک اور برافروختہ ہو گیا - عمرو بن حریث نے کہا خدا امیر کا بھلا کرے - یہ ایک عورت ہیں - کیا عورت کی کسی بات مواخذہ ہو سکتا ہے ؟[1]

ابن زیاد، اور زینب بنت فاطمۃ الزہرا کی یہ گفتگو کتنی معنویت رکھتی ہے - !

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی -!

---

[1] طبری ج ۲،

عمر بن سعد نے یہ اطلاع ابن زیاد کو بھیجی :
ابن زیاد نے کہا کہ وہ جب تک وہ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں نہ پکڑا دیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ حسین نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا ۔ اس بات پر ابن سعد نے لڑائی شروع کر دی ۔ اور تمام انصار حسین قتل ہو گئے ۔ جن میں سترہ ، اٹھارہ نوجوان ان کے اہل بیت میں سے تھے اور ایک تیر آکر ایک بچہ کے لگا ۔ جو آپ کی گود میں تھا ۔ حسین اس کا خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ۔ خداوند ہمارا اور ان لوگوں کا تو انصاف کر ۔ انھوں نے نصرت کرنے کے لئے ہمیں بلایا اور ہم کو قتل کیا ۔ اس کے بعد آپ نے ایک چادر منگائی اسے پھاڑا اور گلے میں پہن لیا ۔ پھر تلوار لے کر نکلے لڑے اور مارے گئے ۔ صلوات اللہ علیہ ۔ آپ کو بنی مذحج میں سے ایک شخص نے قتل کیا ۔ اور آپ کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا ۔[1]

حسینؑ قتل ہو گئے ، !
حسین کے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کر لیا ،
اور اب یہ قافلۂ بلاکشاں ، —— خاندان نبوت کی عورتیں ، لڑکیاں ، لڑکے ، بیمار ، تندرست —— رسن بستہ ، کربلا سے دارالحکومت دمشق کی طرف روانہ ہوتے ہیں ،
یزید کے پاس ابن زیاد کا تحفہ —— حسین کا کٹا ہوا سر —— پہونچتا ہے : —
" یزید نے لوگوں کو دربار میں آنے کا اذن دیا ۔ لوگ داخل ہوئے دیکھا کہ آپ کا سر یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے ۔ یزید کے ہاتھ میں چھڑی ہے ۔ وہ آپ کے دانت

---

[1] طبری ، ج ۲

دنیا کے سب سے بڑے انسان "افضل البشر" ، اور سید الانبیاءؐ کے بہت بڑے صالح ، متقی ، سخی ، جواد ، اور طاہر وطیّب نواسہ کا قتل ، ایران کے زخم خوردہ ، اور نومفتوحہ نو مسلم باشندوں نے نہیں کیا تھا ، نہ روم سے کوئی فوج آئی تھی کہ آتش انتقام بجھانے کے لئے اس نے رسول مقبولؐ کے نواسے کی گردن اتار لی ہو ، یہ تاریخ کا جگر زگار ا در روح فرسا حادثہ ، امتیان محمد کے ہاتھوں انجام پایا تھا ، جو توحید کے نعرے لگا رہے تھے کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے ، محمدؐ کی رسالت پر ایمان کا اعلان کر رہے تھے - لیکن انھوں نے اسے قتل کر دیا ، جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی طرف دعوت دے رہا تھا ، !

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ نعش جگر گوشۂ رسولؐ

بہر حال دنیا کی سب سے بڑی ٹریجڈی پیش آگئی ، پیش آکر رہی ، اس ٹریجڈی کا ذکر میں نے بہت مختصر طور پر کیا ہے تاکہ سلسلہ بیان میں خلل نہ پڑے ، اب ، اس سلسلے کے کچھ ضروری واقعات پیش کروں گا ، !

کوفیوں کی بدعہدی اور غداری کے بعد امام حسین نے ابن سعد کے سامنے تین تجویزیں رکھی تھیں : ،

۱ - " میں جہاں سے آیا ہوں وہیں چلا جاؤں ، " یعنی اگر مسلمان ایک غیر اسلامی حکومت کو گوارا کرنے پر تیار ہیں ، اور حکومت الٰہیہ کے قیام میں میرے معاون نہیں بنتے تو پھر لستُ علیھم بمسیطر ،

۲ - مجھے یزید کے پاس جانے دو ، ! " کہ اتمام حجت اور اعلائے کلمۃ الحق کے فرائض وہیں انجام دوں -

___ شاید کہ ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال ،

۳ - " کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو ، ! " یعنی تم جانو ، اور یزید ، میں رضا کارانہ طور پر جلا وطن ہوا جاتا ہوں کہ کم از کم اقدار اسلامی کی بربادی اور پامالی اپنی آنکھوں سے تو نہ دیکھوں گا - ورنہ پھر ، کافروں سے جہاد و قتال میں عمر صرف کر دوں گا ،

کر چھڑی سے کھٹکھٹا رہا تھا اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے ابوبرزہ اسلمی نے یہ دیکھ کر کہا اے یزید تیری چھڑی اور حسین کا دانت! تیری چھڑی کس مقام پر ہے۔ میں نے اس جگہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلعم چومتے تھے۔ سن رکھ قیامت کے دن تیرا حشر ابن زیاد کے ساتھ ہوگا اور حسین محمد صلعم کے ساتھ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ دربار سے اٹھے ہوئے چلے گئے۔ [1]

یزید کا دربار گرم ہے:

فاطمہ بنت علی بیان کرتی ہیں ہم لوگ جب یزید کے سامنے لے جا کے بٹھائے گئے تو ایک سرخ رنگ کا آدمی اہل شام سے یزید کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین اس عورت کو (یعنی مجھے) مجھکو دیدیجئے۔ میں اس زمانہ میں کم سن تھی اور صورت دار تھی۔ میرے تن بدن میں تھر تھری پڑ گئی میں ڈر گئی۔ مجھے بدگمانی ہوئی کہ یہ بات ان کے مذہب میں جائز ہوگی۔ میں نے اپنی بڑی بہن زینب کا آنچل پکڑ لیا۔ وہ مجھ سے زیادہ عقل رکھتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ وہ بول اٹھیں۔ جھک مارا تو نے اور بیہودہ لکا نہ تیری یہ مجال ہے نہ یزید کی۔ یزید کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا واللہ تم نے غلط کہا۔ مجھے یہ اختیار ہے میں کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں کہا واللہ نہیں ہو سکتا۔ خدا نے یہ اختیار تجھے ہرگز نہیں دیا۔ ہاں اگر ہمارے مذہب سے تو نکل جائے۔ اور ہمارے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے تو دوسری بات ہے۔ یزید غضبناک ہو گیا۔ برہم ہو کر کہنے لگا۔ تو مجھ سے یہ گفتگو کرتی ہے۔ دین سے

---

[1] تاریخ طبری ج ۲

تیرے باپ بھائی نکل گئے کہا، خدا کے اور میرے باپ بھائی
کے دین سے اور میرے جد کے دین سے تونے تیرے باپ
نے تیرے جد نے ہدایت پائی۔ یزید نے کہا او دشمن خدا تو
جھوٹ کہہ رہی ہے۔ کہا تو حاکم ہے۔ غالب ہے۔ ناحق سخت
زبانی کرتا ہے۔ اپنی حکومت کیسے دباتا ہے۔ اب تو یزید کو واللہ
حیا آگئی۔ چپ ہو رہا۔ شامی نے پھر وہی کلمہ کہا۔ امیر المومنین یہ کنیز مجھے
دے ڈالیئے۔ یزید نے کہا دور ہو،"

اور یہ لڑکی کون تھی؟ ——— حسینؑ کی بہن، علی کی بیٹی!

حسینؑ کی بہن کو، علی اور فاطمہ کی لڑکی کو، محمدؐ کی نواسی کو، میدان جنگ کے پکڑے ہوئے قیدیوں میں سے بطور باندی کے کون طلب کر رہا ہے،؟ ——— ایک مسلمان، ایک محمدؐ کا کلمہ گو: ایک "امیر المومنین یزید" کا درباری، عترت رسولؐ کی بے حرمتی کا یہ منظر۔ چرخ نیلگوں نے پہلی مرتبہ دیکھا، اور تھرا اٹھا!

حسینؑ کی سیرت اور کردار

کربلا میں جو کچھ پیش آیا، اور امام حسین علیہ السلام نے جس طرح اپنی جان راہ حق میں قربان کی، تاریخی ترتیب لیکن اجمال اور جامعیت کے ساتھ میں اس کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ لیکن یہ موضوع تشنہ اور نامکمل رہ جائے گا، اگر اس سلسلے میں مشتے نمونہ از خروارے کچھ ایسے واقعات نہ پیش کئے جائیں۔ جو حسینؑ کے کردار رفیع اور سیرت عالیہ کے ترجمان ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ خصائص و ممیزات عترت رسولؐ کے سوا، کسی اور کا حصہ بن ہی نہیں سکتے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ حق کے لئے رضائے الٰہی کیلئے دین الٰہی کی سربلندی کیلئے گھر کی عافیت چھوڑ کر، جنگ کے میدان میں ہر طرح کی بے سروسامانی، اور وسائل و ذرائع سے محرومی، اور سازوسامان جنگ کی کمی کے باوجود مردانہ وار اترتے ہیں، وہ صرف اصحاب حق ہی ہوتے ہیں، حق سے وابستگی ہی ان میں عزیمت و استقامت، اور ثبات و استقلال کی وہ کیفیت پیدا کر دیتی ہے کہ

"دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا!
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی!!"

مسلم بن عقیل وغیرہ کے قتل کی خبر سن کر حضرت حسینؑ ہراساں نہ ہوئے، عزیمت و استقامت نے اور زیادہ شدت اختیار کرلی:

یہ خبر جب آپ کو ملی تو آپ نے سب لوگوں کو ایک تحریر پڑھ کر سنائی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ایک بہت سخت واقع کی خبر مجھے پہونچی ہے مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، عبداللہ بن بقطر قتل کر دیئے گئے ہمارے شیعوں (ساتھیوں) نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ تم میں سے جو کوئی جانا چاہے چلا جائے۔ میں نے تم سے اپنا ذمہ اٹھا لیا۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ کوئی داہنی جانب چلا کوئی بائیں طرف یہ نوبت پہنچی کہ جو لوگ مدینہ سے آپ کے ساتھ چلے تھے۔ بس وہی رہ گئے۔ اور آپ نے جو ایسا کہا تو یہ سمجھ کر کہا کہ یہ اعرابی جو ساتھ چلے آئے ہیں سمجھے ہوئے ہیں کہ حسینؑ کسی ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں سب لوگ ان کی اطاعت پر آمادہ ہیں۔ آپ کو مناسب نہ معلوم کہ ان کو ساتھ لے چلیں۔ جب تک ان کو وثوق نہ ہو جائے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ کو یقین تھا کہ ان کو مفصل حال معلوم ہو جائے گا تو پھر وہی لوگ ساتھ دیں گے جو میرا ساتھ دینے والے، میرے ساتھ مرنے والے ہوں گے۔ باقی سب متفرق ہو جائیں گے۔[۱]

لشکر حسینؑ کی ناکہ بندی شروع ہو چکی ہے، صرف ایک راستہ کھلا ہے، اور وہ ہے کربلا کا، اس راستہ کے علاوہ اگر کسی اور طرف رخ کرتے، "برچھیوں کے پھل شہد کی مکھیوں کے غول" اور "برچھیوں کی بیرقین گدھ کے پروں کی طرح" پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس فوج کا سالار حر تھا۔ لیکن اس دشمن جماعت کے ساتھ بھی آپ کا طرز عمل کیا تھا؟

"آپ ذو حُسم تک پہنچ گئے اور وہیں اتر پڑے حکم دیا خیمے نصب ہو گئے، ہزار سواروں کا رسالہ لئے ہوئے حر اس جلتی دوپہر میں آپ کے مقابل آکر ٹھہرا دیکھا آپ اور آپ کے انصار عمامے باندھے ہوئے ہیں۔ تلواریں لگائے ہوئے ہیں۔ آپ نے خادموں کو حکم دیا کہ سب لوگوں کو پانی پلا کر ان کی پیاس بجھا دو۔ اور گھوڑوں کو بھی پانی دکھاؤ۔ خدام اٹھ کھڑے ہوئے رسالہ کے سواروں

---

[۱] طبری ج ۲،

آپ نے کہا تو مجھے مرنے سے ڈراتا ہے۔ کیا یہاں تک نوبت پہنچے گی۔ کہ تم لوگ مجھے قتل کر دو گے۔ اس بات کے جواب میں وہی بات میں کہوں گا۔ جو بنی اوس میں سے ایک صحابی نے اپنے ابن عم سے کہی تھی جب وہ رسول اللہؐ کی نصرت کو چلے تھے اس نے کہاں جاتے ہو؟ مارے جاؤ گے؟" انھوں نے جواب دیا۔ (شعر کا ترجمہ)

میں جاؤں گا اور موت سے اس شخص کو کا ہے کی شرم
جس نے حق کی نیت کی ہو اور مسلم ہو کر جہاد کیا ہو
جس نے اپنی جان سے بزرگانِ صالح کی غمخواری کی ہو!"

حر نے یہ بات سنی تو آپ کے پاس سے سرک گیا۔

کو پانی پلا پلا کر سیر کر دیا۔ پھر کاسے کرڈے تشت بھر بھر کر گھوڑوں کے سامنے لے گئے گھوڑا جب تین یا چار یا پانچ دفعہ پانی میں منہ ڈال چکتا تھا تو ظرف کو ہٹا کر دوسرے گھوڑے کو پانی پلاتے تھے اس طرح سب گھوڑوں کو پانی پلایا۔ حر کے رسالہ کا ایک شخص پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے آپ نے جب میری اور میرے گھوڑے کی حالت جو پیاس سے ہو رہی تھی دیکھی تو کہا راویہ کو بٹھاؤ میں مشک کو راویہ سمجھا تو آپ نے کہا اے لڑکے اونٹ کو بٹھا، میں نے اونٹ کو بٹھایا تو کہا پیو میں جب پیتا تھا مشک سے پانی اونڈل اونڈل پڑتا تھا۔ آپ نے کہا مشک کے دہانہ کو الٹ دو مجھ سے الٹتے بن نہ پڑا آپ خود اٹھ کھڑے ہوئے اور دھانہ کو الٹ دیا۔ میں نے پانی پیا اپنے گھوڑے کو پلایا۔ ط

طبری نے، امام حسین کا وہ خطبہ دیا ہے، جو آپ نے ذی قسم میں دیا تھا، جب کہ حر اپنے ایک ہزار لشکریوں کے ساتھ آپ کو یزید کی بیعت کے لئے کوفہ لے جانے پر مصر تھا، اور آپ اس مطالبہ کے ماننے سے انکار فرما رہے تھے

اس موقعہ پر آپ نے، ایک ولولہ انگیز خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، :

"تم لوگ دیکھ رہے ہو یہ کیا حال ہو رہا ہے؟ دنیا بدل گئی، پہچانی نہیں جاتی، نیکیاں رو گرداں ہو گئیں اور بالکل گئی گذریں، اب رہا کیا؟ برتن کا دھون رہ گیا۔ اور بری زندگی اور ناگوار چارہ، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا۔ باطل سے پرہیز نہیں کیا جاتا مومن کو اب چاہیئے کہ حق پر رہ کر خدا سے ملاقات کرے میں دیکھتا ہوں کہ مرجانا شہادت ہے اور ظالموں میں زندگی گذارنا ناگوار امر ہے۔ حر آپ کے ساتھ ساتھ چلا آتا تھا اور آپ سے کہتا جاتا۔ یا حسینؑ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنی جان کا خیال کیجئے۔ میں کہے دیتا ہوں کہ آپ خود حملہ کریں گے تو قتل ہو جائیں گے۔ یا آپ پر حملہ ہو گا تو بھی آپ ہی ہلاک ہوں گے۔

ط۔ طبری، ج ۲

ان میں سے ایک نے بھی توپیٹھ نہیں دکھائی، کسی نے بھی تو کمزوری کا اظہار نہیں کیا، کسی دل میں بھی تو زندہ رہنے کی امنگ نہیں مچلی، یہ صرف ایک لفظ کہہ کر، ـــ یہ صرف ایک لفظ کہہ کر نہ صرف اپنی جان بچا لے جا سکتے تھے۔ بلکہ سربلندیاں اور سرفرازیاں بھی حاصل کر سکتے تھے، لیکن انھیں موت منظور تھی، باطل سے سودا کرنا منظور نہ تھا، ابن مریمؑ کا جب وقت قتل آیا، تو حواری تک ساتھ چھوڑ گئے، سبط رسولؐ کی قتل گاہ میں، نوجوان اور نو عمر رزم آرا بھی بہادری کے ساتھ اپنے آقا، ہادی، اور رہنما پر قربان ہو گئے، !

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جب حق و باطل کی جنگ ناگزیر ہو گئی

باطل نے ہر قیمت پر، حق کو مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا، اور حق کے پرستار اپنی جان دے کر بھی حق کو سربلند رکھنے پر تل گئے۔

تو یزیدی فوج میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جو اپنے ضمیر کی کھٹک برابر محسوس کر رہے تھے، ان میں دو آدمیوں کا میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ان دو آدمیوں میں پہلا آدمی عمر بن سعد تھا، کچھ کشمکش کے بعد اس کا نفس، ضمیر کی ملامت پر غالب آ گیا، اور پورے جوش و خروش کے ساتھ اس نے اس فوج کی قیادت کی جو حسینؑ کو قتل کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی، دوسرا شخص، حر بن یزید تمیمی تھا، اس کے نفس پر، ضمیر غالب آیا، اور ایک روز بے سان و گمان یہ لشکر یزید سے اٹھا، اور حلقہ امام میں پہنچ گیا،

لڑائی سے پہلے، اور لڑائی کے دوران میں، عزیزوں، رشتہ داروں، عقیدت مندوں اور فدائیوں نے جس طرح، باطل کی فوج گراں کا استقلال و ثبات کے ساتھ مقابلہ کیا۔ وہ تہور اور شجاعت کی تاریخ کا سب سے روشن، تابناک اور زریں ورق ہے۔ اور میں یہ ورق آپ کے مطالعے میں حاضر کروں گا، جان کسے پیاری نہیں ہوتی، جو خوشی خوشی کسی مقصد پر جان دینے کو تیار ہو جائے۔ اس سے بڑھ کر حق پرست کون ہو گا!

حسینؑ کے فدائی اور جاں نثار!

دنیا میں بڑی اور چھوٹی جنگیں اتنی ہو چکی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ لیکن ان جنگوں میں کچھ جنگیں ایسی ہیں، جنہیں ضروری تفصیلات کے ساتھ تاریخ نے اپنے سینہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا ہے، کربلا کی جنگ بھی ایسی ہی تھی!

دو فوجوں میں جب لڑائی ہوتی ہے، تو کوئی غالب آتا ہے، کوئی مغلوب ہوتا ہے، کوئی ہارتا ہے کوئی جیت جاتا ہے، جنگ جب فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوتی ہے، فتح کی امید مایوسی سے بدل جاتی ہے، تو بڑے بڑوں کے حوصلے شکست ہو جاتے ہیں، بڑے بڑے دلاوروں، اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، احد اور بدر کی جنگ میں، اور پھر فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مسلمانوں کا حوصلہ چھوٹ گیا، اور بعض لوگ اپنی جگہ کھڑے نہ رہ سکے، ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہو گئی،

لیکن تاریخ محاربات میں کربلا کی جنگ پہلی جنگ ہے جو ہارے جانے کے لئے لڑی گئی تھی، جو سر کٹانے کے لئے برپا کی گئی تھی، جس میں ہر شخص پہلے ہی دن سے جانتا تھا کہ ہمیں مرنا ہے، ہمیں جان دینی ہے، اور پھر کسی نے پیٹھ پر زخم نہیں کھایا

ایک طرف چار ہزار کا لشکر گراں،

دوسری جانب، صرف ۷۲، نفوس۔

ابن سعد حکومت کی ہوس میں رہا، اور حر نے فخر شہادت حاصل کر لیا، :

"اور جن لوگوں کو ابن زیاد نے بھیجا تھا ان میں حر بن یزید نہشلی بھی ایک رسالہ کے رئیس تھے۔ انھوں نے جب حسینؑ کی درخواست کو سنا تو ان لوگوں سے کہنے لگے۔ کیا تم ان کی درخواست کو قبول نہ کرو گے واللہ اگر ترک و دیلم میں سے بھی کوئی تم سے یہ درخواست کرتا تو اس کا بھی رد کرنا تم کو جائز نہ تھا۔ انھوں نے حکم ابن زیاد کے سوا ہر بات کا انکار کر دیا۔ حر نے اپنے گھوڑے کا منہ پھیر دیا۔ اور حسینؑ و انصار حسینؑ کی طرف چلے۔ یہ لوگ سمجھے کہ حر ہم سے لڑنے آ رہا ہے حر نے ان کے قریب آ کر اپنی سپر الٹی کر لی اور سب کو سلام کیا۔ اس کے بعد ابن زیاد کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے دو شخصوں کو قتل کیا اور خود بھی قتل ہو گئے۔ خدا ان پر رحمت کرے۔[۱]

حُر یزید کے لشکر سے کٹ کر کس طرح امام کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوئے۔ طبری کی روایت ہے :

" جب ابن سعد حملہ کرنے کو بڑھنے لگا تو حر نے پوچھا۔ خدا تیرا بھلا کرے کیا تو ان سے لڑے گا۔ ابن سعد نے کہا ہاں۔ واللہ لڑنا بھی ایسا لڑنا جس میں کم سے کم یہ ہو گا کہ سر اڑیں گے اور ہاتھ قلم ہوں گے۔ حر نے کہا کیا ان کی تین باتوں میں سے کسی بات کو تم لوگ نہیں مانو گے؟ ابن سعد نے کہا واللہ اگر میرا اختیار ہوتا تو ایسا ہی کرتا۔ لیکن تیرا امیر اسے نہیں مانتا۔ یہ سن کر حر ایک طرف جا کر ٹھہرے اور اپنی برادری کے ایک شخص قرہ بن قیس سے کہنے لگے۔ قرہ تم اپنے گھوڑے کو آج پانی پلا چکے ہو؟ کہا نہیں پلایا۔ کہا پھر اسے پانی پلانے چلتے نہیں؟ قرہ کو یہ گمان ہوا کہ حر کنارہ کیا چاہتا ہے۔ یہ جنگ میں شریک نہ ہو گا اور چاہتا ہے کہ میں اس بات سے بے خبر رہوں مجھ سے ڈرتا ہے کہ اس راز کو فاش نہ کر دوں۔ اس خیال سے قرہ نے کہا۔ ابھی تک پانی گھوڑے کو نہیں پلایا۔ اب جا کر پلاتا ہوں۔ یہ کہہ کر قرہ وہاں سے سرک گیا

---

[۱] تاریخ طبری، ج ۲

وہ کہتا تھا واللہ اگر حر نے مجھے اپنے ارادے سے مطلع کیا ہوتا تو میں بھی اس کے ساتھ حسینؑ کے پاس چلا جاتا۔ اب حر نے حسینؑ کی طرف بڑھنا شروع کیا مہاجرین اوس اسی کی برادری کا ایک شخص حر کا یہ حال دیکھ کر کہنے لگا۔ اے ابن یزید تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا تم حملہ کرنا چاہتے ہو؟ حر یہ سن کر چپ رہا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ اس پر ابن اوس نے کہا۔ تمہارا یہ حال دیکھ کر واللہ مجھے شبہ ہوتا ہے۔ میں نے کسی مقام پر تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جو اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ مجھ سے کوئی پوچھے کہ اہل کوفہ میں سب سے بڑھ کر جری کون ہے تو میں تمہارا ہی نام لوں گا۔ پھر یہ کیا حالت میں تمہاری دیکھ رہا ہوں؟ حر نے جواب دیا واللہ میں اپنے دل سے پوچھ رہا ہوں کہ دوزخ میں جانا چاہتا ہے یا بہشت میں؟ اور قسم ہے خدا کی۔ اگر میرے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں۔ اور میں زندہ جلا دیا جاؤں، جب بھی میں کسی شے کے لئے بہشت کو نہیں چھوڑنے کا۔

یہ کہہ کر حر نے گھوڑے کو تازیانہ مارا اور حسین علیہ السلام کے پاس جا پہنچا۔ عرض کی یا ابن رسول اللہؐ میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ میں وہی شخص ہوں۔ جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ جو راستہ بھر آپ کے ساتھ ساتھ پھرا کیا۔ جس نے آپ کو اسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے خداوند وحدہ لاشریک کی کہ میں ہرگز یہ نہ سمجھتا تھا کہ جتنی باتیں آپ ان لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ یہ ان میں سے کسی امر کو نہ مانیں گے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی۔ میں دل میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ بعض باتوں میں ان لوگوں کی اطاعت کروں تو کیا مضائقہ ہے۔ ہوگا یہی کہ حسینؑ جن باتوں کو پیش کرتے ہیں۔ یہ ان باتوں کو مان لیں گے۔ واللہ اگر میں یہ جانتا کہ آپ کی کوئی بات یہ لوگ قبول نہ کریں گے تو میں اس امر کا مرتکب نہ ہوتا۔ مجھ سے جو قصور ہو گیا ہے خدا کے سامنے اس کی توبہ کرنے کو اور اپنی جان آپ کی نصرت میں فدا کرنے کو آیا ہوں۔ میں آپ کے سامنے ہی مر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ فرمایئے کیا اس طرح کی توبہ قبول ہوگی؟ کہا ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ اور تجھے بخش دے گا۔

نہ جاؤ "زہیر آپ کے پاس گئے اور بہت جلد خوش خوش بشاش چہرہ کے ساتھ واپس آئے اپنا خیمہ ڈیرا ساز و سامان مال و متاع اٹھوا کر حسینؑ کی طرف بھجوا دیا بی بی سے کہا میں نے تم کو اپنے نکاح سے باہر کیا تم اپنی برادری میں چلی جاؤ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے نیکی کے سوا کوئی برائی تمہارے لئے ہو۔ پھر اپنے ساتھ والوں سے کہا تم میں سے جو چاہے میرے ساتھ چلے ورنہ یہ سمجھ لے کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ میں ایک حدیث تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں ایک غزوہ میں خدا نے ہم کو فتح دی، مال غنیمت ہمارے ہاتھ آیا تو سلیمان فارسی نے ہم سے پوچھا کیا خدا نے جو یہ فتح تم کو دی اور مال غنیمت تمہارے ہاتھ آیا تو تم خوش ہو گئے؟ ہم نے کہا ہمیں خوشی تو ہوئی۔ کہنے لگے جو ان آل محمدؐ کا زمانہ تمہیں ملے اور ان کی نصرت میں قتال کرو تو اس مال غنیمت سے زیادہ تر خوش ہو گی۔ مجھ کو جو پوچھو تو میں تم سے خدا حافظ کہتا ہوں۔ اس وقت سے زہیر سب کے آگے ہی آگے رہے تا اینکہ قتل کئے گئے۔ ح[۱]"

زہیر نے جب حسینؑ کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا، تو ان کے شناساؤں کو بڑی حیرت ہوئی، اس لئے کہ زہیر جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، وہ حضرت علیؑ، اور حضرت حسینؑ کے مخالفوں کا گروہ تھا، مخالف جماعت کے ایک سربرآوردہ شخص کا اپنے افکار و خیالات سے دست بردار ہو کر، حریف کا حلیف بن جانا، "دشمن" کو دوست بنا لینا، اور اس کے پسینہ پر خون بہا دینے کا فیصلہ کر لینا یقیناً حد درجہ عجیب فیصلہ تھا، چنانچہ:

عروہ نے کہا اے زہیر اہل بیت کے شیعوں میں سے ہم تجھ کو نہیں جانتے تھے تو تو عثمان والوں میں تھا۔ زہیر نے کہا مجھے اس مقام پر دیکھ کر بھی کیا تو نہیں سمجھتا کہ میں ان ہی لوگوں میں سے ہوں؟ سن بخدا نہ میں نے کبھی کوئی خط حسینؑ کو

ح[۱] طبری ج ۲،

نام تیرا کیا ہے؟ کہا حر (آزاد) کہا تو آزاد ہے۔ تیری ماں نے جس طرح تیرا نام آزاد رکھا ہے۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت میں تو آزاد ہے۔ اب گھوڑے سے اتر د۔ حر نے کہا میرا گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ ایک ساعت ان لوگوں سے قتال کروں گا۔ جب میرا آخری وقت ہوگا تو گھوڑے سے اتروں گا۔

ایوب بن مشرح کہتا تھا۔ واللہ حر کے گھوڑے کو میں نے پے کیا اس کے حلق میں تیر اتار دیا۔ بس گھوڑا ڈگمگایا اور گرا۔ حر اس کی پشت پر سے اس طرح سے کود پڑا معلوم ہوا جیسے کوئی شیر تلوار کھینچ کر میدان میں آگیا۔ اس وقت حر کی زبان سے یہ شعر نکلا۔

ان تعقروا بی فانا ابن الحر   اشجع من ذی لبد هزبر

یعنی۔ میرے گھوڑے کو پے کر دیا تو کیا ہوا   میں شیر ببر سے بڑھ کر بہادر اور شریف ہوں

ابن مشرح کہتا تھا حر کی طرح تیغ زنی کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا ، !

اور بالآخر حر مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گیا۔

سعادت مندروحیں ، ہر جگہ ہوتی ہیں ،

یہ زہیر ہیں جو دوست نہ تھے ، لیکن فدائی بن گئے ، :

" زہیر بن قین بجلی کا قافلہ مکہ سے جو نکلا تو حسینؑ کا ساتھ ہو گیا تھا۔ ان لوگوں کو کسی منزل میں بھی آپ کا ساتھ ہونا گوارا نہ تھا، جب آپ روانہ ہوتے تھے تو زہیر ٹھہر جاتے۔ جب آپ اتر پڑتے تھے تو زہیر آگے بڑھ جاتے تھے۔ ایک منزل میں ایسا اتفاق ہوا کہ سوا اس کے کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ ہم اور حسینؑ وہیں مقام کریں۔ حسینؑ ایک طرف اترے ہم لوگ دوسری جانب۔ ہم سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ حسین کے پاس سے ایک پیامی آیا۔ اس نے سلام کیا اندر پہنچا اور کہا اے زہیر بن قین ابو عبد اللہ حسینؑ بن علی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم ان کے پاس چلو۔ یہ سنتے ہی سب نے نوالہ ہاتھ سے ڈال دیا۔ معلوم ہوا کہ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے زوجہ زہیر کہنے لگی۔ سبحان اللہ فرزند رسول اللہؐ تم کو بلائیں اور تم ان کے پاس

ایک ہی دفعہ قتل ہوجاتا ہے۔ اور اس میں وہ شرف وکرامت ہے جسے ابد تک زوال نہیں۔ پھر میں اسے کیوں نہ حاصل کروں؟"

یہ کہا اور حسین کی پشت پناہی میں قتل ہوگئے،!

کیسے کیسے بہادر اور باحوصلہ شخص تھے، جو موت سے پنجہ لڑاتے ذرا نہ جھجکتے تھے!

"زبالہ میں آپ کو اپنے برادر رضاعی عبداللہ بن لقطر کے قتل کی خبر ملی۔ ان کو آپ نے رستہ میں سے مسلم کے پاس بھیجا تھا۔ ابھی آپ کو یہ نہ معلوم تھا کہ مسلم قتل ہوگئے۔ ابن لقطر قادسیہ تک پہنچے تھے کہ حصین بن نمیر کے سواروں نے انھیں گرفتار کرلیا اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اس نے کہا قصر پر چڑھ جا اور کذاب بن کذاب پر لعنت کر۔ پھر وہاں سے اتر تو میں تیرے باب میں حکم دوں۔ عبداللہ بن یقطر کوٹھے پر چڑھ گئے۔ جب سب لوگوں کا سامنا ہوا تو پکارے ایھا الناس میں حسینؑ بن فاطمہ بنت رسول اللہؐ کا پیامبر ہوں کہ اس ابن مرجانہ لپسر سمیہ والدالحرام کے مقابلہ میں ان کی نصرت اور مدد کرو۔ ابن زیاد کے حکم سے وہ قصر پر سے زمین پر گرا دیئے گئے۔ ہڈیاں چور چور ہوگئیں۔ ابھی کچھ جان باقی تھی کہ ایک شخص نے آکر ذبح کر ڈالا۔ اس کا نام عبدالملک بن عمیر لخمی تھا۔ لوگوں نے اس کی اس حرکت پر اعتراض کیا تو اس نے کہا میں چاہتا تھا کہ اس کی مشکل جلد آسان ہوجائے۔"

اور واقعی شہید راہ حق وصداقت کی مشکل آسان ہوگئی،!

مسلم بن عوسجہ بھی اس وقت موجود تھے، جب امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ موقع سے فائدہ اٹھائیں، فرصت کو غنیمت جانیں جان شیریں ان کے لئے نہ گنوائیں اور رخصت ہوجائیں۔

دوسرے فداکاروں، اور جان نثاروں کی طرح مسلم بن عوسجہ پر بھی یہ بات شاق گذری اور کسی طرح بھی اس پیش کش سے فائدہ اٹھانے پر وہ اپنے آپ کو آمادہ نہ کرسکے،

لکھا نہ کبھی کوئی قاصد ان کے پاس بھیجا نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا، بس راہ میں ان سے مجھ سے ملاقات ہوگئی، ان کو دیکھ کر مجھے رسول اللہ علیہ و صلعم یاد آگئے اور اُن کا مرتبہ جو ان کے رشتہ سے ہے اس کا خیال آگیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ دشمنوں میں اور تمہارے جرگہ کے لوگوں میں جا رہے ہیں بس میری رائے یہ ہوئی کہ ان کی نصرت کروں۔ ان کے جرگہ میں شریک ہوجاؤں۔ اپنی جان ان کی جان پر فدا کردوں۔"

جس نے حسینؑ کی صورت دیکھ کر، رسولؐ کو یاد کیا اور اپنے سارے معاندانہ اور مخالفانہ خیالات سے دستبردار ہوگیا۔ اس کی سعادت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ اور پھر فدائیت کے جوش اور جذبہ کا یہ عالم کہ جب ایک موقعہ پر حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو ترغیب دی کہ واپس چلے جائیں۔ اور ان کے لئے اپنی جان خطرہ میں نہ ڈالیں۔ تو یہ بے ساختہ کہہ اٹھے تھے:

واللہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اسی طرح ہزار دفعہ قتل ہوں۔ کہ خدا آپ کو اور اہل بیت کے ان نوجوانوں کو بچالے۔!"

اور زہیر نے یہی کیا۔ حسینؑ پر اپنی جان شیریں قربان کردی!

اسی موقع پر ایک دوسرے فدائی:

سعد بن عبداللہ نے کہا واللہ ہم آپ کو چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ خدا یہ تو دیکھ لے کہ رسول اللہؐ کی غیبت میں ہم نے آپ کی کیسی حفاظت کی۔ واللہ اگر میں جانتا کہ میں قتل ہوجاؤں گا۔ پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ پھر جیتا جلا دیا جاؤں گا۔ پھر میری خاکستر اڑا دی جائے گی۔ ستر مرتبہ یہی حالت مجھ پر گذرے گی تو بھی آپ کی نصرت میں جب تک مجھے موت نہ آجاتی۔ آپ سے جدا نہ ہوتا۔ اور اب تو

اس موقع پر اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح انھوں نے پیکر اخلاص و صداقت بن کر کہا۔:

"کیا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں؟ حالانکہ ابھی خدا کے سامنے آپ کے حق سے نہیں ہوئے۔ ہاں واللہ جب تک میری برچھی ان لوگوں کے سینہ میں ٹوٹ کر نہ رہ جائے جب تک قبضہ میرے ہاتھ میں ہے تلواریں ان پر نہ چلالوں، میں آپ سے جدا نہ ہوں گا اگر ان سے لڑنے کے لئے ہتھیار میرے پاس نہ ہوتے تو میں آپ کی نصرت میں انھیں پتھر مار مار کر آپ ہی کے ساتھ مر جاتا۔"

اور بالآخر مسلم بن عوسجہ نے بھی، یادگار رسول کو بچانے کے لئے اپنی جان بھینٹ چڑھادی، بغیر کسی تامل، اور تذبذب کے ،،

مسلم بن عوسجہ کی امام والا مقام سے عقیدت کا کیا حال تھا، یہ بھی ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ جنگ جاری ہے، مسلم لڑ رہے ہیں:

"پسر سعید کے میمنہ میں عمرو بن حجاج نے فرات کی طرف سے حملہ کیا۔ ایک ساعت تک جنگ ہوتی رہی اس میں مسلم بن عوسجہ اسدی انصار حسین میں سب سے پہلے زخمی ہو کر گرے۔ ابن حجاج حملہ کر کے جب پلٹا اور غبار چھٹا تو دیکھا کہ مسلم بن عوسجہ زمین پر پڑے ہیں۔ حسین ان کے پاس آئے۔ ابھی ذرا جان باقی تھی۔ آپ نے کہا مسلم بن عوسجہ خدا تم پر رحم کرے۔ منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلا۔ یعنی مجاہدوں میں کسی نے اپنی جان فدا کر دی۔ کوئی انتظار کر رہا ہے۔ انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔ پھر حبیب ابن مظاہر نے قریب آ کر کہا اے ابن عوسجہ تمہارے قتل ہونے کا مجھے بڑا قلق ہے۔ تمہیں بہشت مبارک ہو۔ بہت آہستہ جواب دیا خدا تمہیں خیر و خوبی مبارک کرے۔ حبیب نے کہا میں جانتا ہوں کہ تمہارے پیچھے ہی پیچھے میں بھی اسی وقت تمہارے پاس آنے کو ہوں۔ ورنہ یہ کہتا کہ جو جی چاہے اس بات کی وصیت مجھے کرو کہ تم سے قرابت و اخوت دینی کا جو مقتضیٰ ہے اس کے مطابق تمہاری وصیت کو میں بجالاؤں۔ مسلم بن عوسجہ نے حسین کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا بس ان کے باب میں تم سے

میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان پر اپنی جان فدا کرنا ۔ حبیب نے کہا واللہ میں ایسا ہی کروں گا
جوں ہی مسلم بن عوسجہ کی روح نے مفارقت کی اور ان کی کنیز ان کا نام لے لیکر بین کرنے لگی
حجاج کے لشکر میں شور مچ گیا کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ اسدی کو قتل کیا!"

جن کی قسمت میں سعادت لکھی تھی، وہ راہ چلتے نعمت الٰہی سے فیض یاب ہوتے تھے
اور شرف شہادت حاصل کر لیتے تھے :

"ایک شخص بنی علیم میں سے عبداللہ بن عمیر کوفہ میں آئے ہوئے تھے ۔ قبیلہ ہمدان میں
جعد کے کوئیں کے پاس گھر لے کر اترے تھے ۔ ان کی بیوی ام وہب ان کے ساتھ تھیں ۔
عبداللہ نے مقام نخلیہ میں دیکھا کہ حسینؑ پر فوج کشی کرنے کے لئے عرض لشکر کا سامان
ہے ۔ عبداللہ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کسی نے کہہ دیا حسین بن فاطمہ بنت
رسول اللہ صلعم پر لشکر کی چڑھائی ہے ۔ عبداللہ کو مدت سے آرزو تھی کہ مشرکین سے
جہاد کریں ۔ خیال آیا کہ اپنے پیغمبر کے نواسہ پر یہ لوگ لشکر کشی کر رہے ہیں ۔ ان سے
جہاد کرنا بھی عند اللہ جہاد مشرکین کے ثواب سے کم نہیں ہے ۔ یہ سوچ کر کر ام وہب کے
پاس آئے ۔ جو کچھ سن کر آئے تھے ۔ اور جو بات دل میں ٹھان لی تھی بیان کی ۔ انھوں نے
کہا کیا اچھی بات تم نے کہی خدا تمہاری بہترین تمنا کو پوری کرے ۔ چلو اور مجھے بھی ساتھ لیتے
چلو ۔ عبداللہ راتوں رات بیوی کو ساتھ لئے ہوئے آپ کے لشکر میں آ گئے اور وہیں مقیم
ہو گئے ۔ جب ابن سعد نے قریب آکر تیر مارا اور سب لوگوں نے بھی تیر مارے تو زیاد بن
ابی سفیان کا غلام آزاد لیار اور عبیداللہ بن زیاد کا غلام آزاد سالم دونوں صف سے
نکلے ۔ اور کہا کوئی تم میں سے ہمارے مقابلہ میں آئے؟ یہ سن کر حبیب بن مظاہر و بریر بن
حضیر اٹھ کھڑے ہوئے ۔ مگر آپ نے ان دونوں صاحبوں سے کہا بیٹھ جاؤ ۔ یہ دیکھ کر
عبداللہ بن عمیر کلبی اٹھے اور عرض کی ۔ ابا عبداللہ الحسین رحمک اللہ مجھے ان دونوں سے
لڑنے کی اجازت دیجیے ۔ آپ نے نظر جو اٹھائی تو دیکھا ایک شخص گندمی رنگ دراز قامت
قوی بازو، قوی ہیکل سامنے کھڑا ہے فرمایا ۔ اچھا تم لڑنا چاہتے ہو تو لڑو ۔ عبداللہ ان دونوں
کے مقابلہ میں نکلے ۔ دونوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے اپنا نسب ان دونوں کے سامنے

بیان کیا ۔ انھوں نے کہا ہم تمہیں نہیں جانتے ۔ زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر یا بریر بن حضیر کو ہمارے مقابلہ میں آنا چاہیئے ۔ یسار اس وقت سالم سے آگے بڑھا ہوا تھا عبداللہ کلبی نے جواب دیا اور یسر فاحشہ کسی شخص سے مقابلہ کرنے میں تجھے بھی عار ہے! تیرے مقابلہ میں وہی شخص آئے جو تجھ سے بہتر ہو؟ یہ کہتے ہی یسار پر حملہ کیا اور ایک تلوار ماری کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا ۔ یہ اس پر وار کرنے میں ابھی مشغول ہی تھے کہ سالم نے ان پر حملہ کیا اور للکار کر کہا کہ میں آپہنچا ۔ عبداللہ نے اس کی طرف توجہ نہ کی ۔ اور اس نے آتے ہی ان پر وار کر دیا ۔ انھوں نے اس کی تلوار کو بائیں ہاتھ پر روکا ہاتھ کی انگلیاں تلوار سے اڑ گئیں اس کے بعد ہی انھوں نے مڑ کر اس پر وار کیا اور قتل کر ڈالا ۔ دونوں کو قتل کر کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے ۔ مضمون ۔

تم لوگ مجھے نہیں پہچانتے تو سنو میں بنی کلب سے ہوں یہ فخر میرے لئے کافی ہے کہ میرا گھر قبیلہ علیم میں ہے ۔

میں صاحب قوت و نصرت ہوں ۔ مصیبت پڑے تو بزدل نہیں ہو جاتا ۔

۔ اے ام وہب میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ بڑھ بڑھ کر تلواروں کے وار ان لوگوں پر کروں گا ۔

جو شیوہ کہ خدا پرست نوجوان کا ہوتا ہے ۔

ام وہب نے یہ سنکر ایک عمود ہاتھ میں لیا ۔ اور اپنے شوہر کی طرف یہ کہتی ہوئی بڑھیں ۔ میرے ماں باپ تم پر فدا ہو جائیں ۔ ذریت رسول اللہ کی طرف سے لڑے جاؤ ۔ عبداللہ کلبی زوجہ کی آواز سن کر پلٹ پڑے کہ ان کو عورتوں میں لے جاکر بٹھائیں ۔ ام وہب ان کے دامن سے لپٹ گئیں کہتی تھیں تمہارے سامنے جب تک نہ مرلوں تم کو نہ چھوڑوں گی ۔ حسین نے پکار کر کہا " اہل بیت کی طرف سے جزائے خیر تم دونوں کو ملے ۔ بی بی عورتوں کی طرف واپس چلی آ ، انہی کے پاس بیٹھی رہ ۔ عورتوں کو قتال نہیں چاہیئے ۔ ام وہب اس حکم کو سن کر عورتوں کی طرف پلٹ گئیں ۔"

لیکن جب شوہر نے جام شہادت پی لیا تو :

"اسی حالت میں زوجہ کلبی اپنے شوہر کی لاش پر آئیں - ان کے سرہانے بیٹھ گئیں -
گرد و غبار ان کے چہرے سے پاک کرتی جاتی تھیں اور کہہ رہی تھیں - تم کو بہشت میں
جانا مبارک ہو - شمر نے رستم نامی غلام سے کہا مار لٹھ اس عورت کے سر پر لٹھ پڑا اسر
پاش پاش ہوگیا - اسی جگہ وہ مرگئیں "

مردوں ہی کی نہیں عورتوں تک کی جاں نثاری اور فداکاروں کا یہ حال تھا، کیا ایسے
لوگ ناحق کا ساتھ دے سکتے ہیں؟

ابھی ذرا دیر پہلے حبیب بن مظاہر نے مسلم بن عوسجہ سے وعدہ کیا تھا، اس کے
پورا کرنے کا وقت آ گیا، :

" ابو ثمامہ صائدی نے آپ سے کہا یا ابا عبداللہ میری جان آپ پر فدا - یہ لوگ
آپ سے قریب آ گئے - اور واللہ جب تک میں آپ کی نصرت میں قتل نہ ہو جاؤں
انشاء اللہ آپ قتل نہ ہوں گے - میرا دل یہ چاہتا ہے کہ نماز کا وقت قریب ہے اس
نماز کے بعد حق تعالٰے سے ملاقات کروں - یہ سن کر آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا -
خدا تم کو نماز گذاروں میں اور اہل ذکر میں محسوب کرے کہ تم نے نماز کا ذکر کیا - ہاں یہ نماز
کا اول وقت ہے - ان لوگوں سے کہو کہ ہم کو اتنی مہلت دیں کہ نماز پڑھ لیں - حصین بن تمیم
نے کہا کہ نماز قبول ہی نہ ہوگی - حبیب بن مظاہر نے جواب دیا - تیرے زعم میں آل رسولؐ
کی نماز تو قبول ہی نہ ہوگی، اور تیری نماز قبول ہوگی - ابن تمیم نے یہ سن کر حملہ کیا - حبیب نے
بڑھ کر اس کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری وہ الف ہوا - یہ گھوڑے سے گرا اس
کے اصحاب دوڑے اور اٹھالے گئے - اسے بچا لیا - حبیب رجز پڑھتے جاتے تھے
اور بڑے شدومد سے شمشیر زنی کر رہے تھے کہ بنی تمیم میں سے ایک شخص بدیل بن صریم
نے ان پر حملہ کیا - اور ان کے سر پر تلوار مار کے انھیں قتل کیا - بنی تمیم کے ایک اور شخص
نے بڑھ کر برچھی کا وار کیا - حبیب گر کر اٹھنا چاہتے تھے کہ حصین بن تمیم نے ان کے سر پر
تلوار ماردی اور وہ گر گئے - مرد تمیمی نے گھوڑے سے اتر کر ان کا سر کاٹ لیا - حصین نے
کہا میں بھی ان کو قتل کرنے میں شریک تھا - اس نے کہا واللہ میں نے انھیں قتل کیا ہے -

حسین نے کہا یہ سر ذرا مجھے دیدے ۔ میں اپنے گھوڑے کے گلے میں لٹکا دوں ۔ لوگ دیکھ لیں اور اتنا جان جائیں کہ میں بھی ان کے قتل میں شریک ہوں ۔ پھر یہ سر تم مجھ سے لے لینا ابن زیاد کے پاس لے جانا ۔ ان کے قتل کا جو صلہ تمہیں ملے گا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ تمیمی نے کہنا اس کا نہ مانا ۔ اس کی قوم والوں نے دونوں کے درمیان پڑ کر اس بات پر صلح کرا دی ۔ اس نے حبیب کا سر حصین کو دے دیا ۔ یہ اپنے گھوڑے کے گلے میں سر کو ڈال کر تمام لشکر میں پھر آیا ۔ اور اس سر کو پھر تمیمی کے حوالہ کر دیا ۔ یہ لوگ جب کوفہ میں واپس آئے ہیں ۔ تو حبیب کے سر کو اپنے گھوڑے کے سینے پر لٹکائے ہوئے تمیمی ابن زیاد کے قصر کی طرف آیا ۔"

حسینؑ کے ساتھیوں کے سر مرنے کے بعد بھی کٹنے کے بعد بھی کتنے قیمتی تھے کہ ان کے لئے جھگڑے ہوتے تھے، کشمکش ہوتی تھی ،

جنگ کی ہولناکی پوری شدت کے ساتھ جاری تھی، سر کٹ رہے تھے ، دھڑ گر رہے تھے ، خون کی ندی بہہ رہی تھی، مگر فدائیان حسین ہر چیز سے بے پروا ، اپنے امام، اپنے مقتدا ، اپنے رہنما کے لئے سینہ سپر ہو رہے ، ! :

" ظہر کے بعد پھر بہت شدت سے کشت و خون ہونے لگا ۔ دشمن حسین تک پہنچ گئے ۔ یہ دیکھ کر حنفی آپ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے ۔ آپ کو اور آپ کے انصار کو بچانے کے لئے تیروں کا نشانہ خود بن گئے ۔ وہ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے ۔ اور داہنی طرف سے اور بائیں جانب سے ان پر تیر پڑ رہے تھے ۔ آخر تیر کھاتے کھاتے گر گئے ۔"

کیا یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ وہ غزوات نہیں یاد آجاتے جب آپؐ شریک جنگ ہوتے تھے ۔ اور شمع نبوت کے پروانے ہر چہار طرف سے آ آکر آپؐ پر قربان ہونے لگتے تھے ۔ آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دوہرا رہی تھی ، آج سبط رسول پر بھی رسولؐ کے امتی ، جان قربان کر رہے تھے ، اور خوش تھے کہ حیات مستعار دے کر، حیات ابدی حاصل کر لی ، !

میدان کربلا کا :

"نافع بن ہلال جملی نے تیروں کے سوفاروں پر اپنا نام لکھا تھا زہر میں بجھے ہوئے تیر لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ۔ میں جملی اور دین علی پر ہوں ۔ پسر سعد کے اصحاب میں سے بارہ شخصوں کو انھوں نے قتل کیا ۔ کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے ۔ ان پر وار ہوا اور دونوں بازوان کے ٹوٹ گئے ۔ زندہ گرفتار ہو گئے ۔ شمر اور اس کے اصحاب انھیں دھکیلتے ہوئے پسر سعد کے پاس لائے ۔ ابن سعد نے کہا ۔ اے نافع تم نے اپنے نفس کے ساتھ ایسی برائی کیوں کی ۔ نافع نے کہا میرے ارادہ کا حال خدا خوب جانتا ہے ۔ ان کی داڑھی پر خون بہتا جاتا تھا اور کہہ رہے تھے میں نے زخموں کے علاوہ بارہ شخصوں کو تمہارے قتل کیا اور ذرا بھی مجھے پشیمانی نہیں ۔ میرے دست بازو ٹوٹ نہ گئے ہوتے تو مجھے تم اسیر نہ کر سکتے ۔ شمر نے ابن سعد سے کہا ۔ خدا آپ کو سلامت رکھے ، قتل کیجئے ۔ ابن سعد نے کہا تو ہی ان کو لے کر آیا ہے ۔ قتل کرنا چاہتا تو قتل بھی تو ہی کر ۔ شمر نے تلوار کھینچی تو نافع نے کہا ۔ واللہ اگر تو مسلمان ہوتا تو ہم لوگوں کا خون گردن پر لے کر خدا کے سامنے جانا تجھے شاق ہوتا ۔ شکر ہے خدا کا کہ جو لوگ بدترین خلائق ہیں ۔ ان کے ہاتھوں ہماری موت اس نے مقدر کی ۔ اس کے بعد شمر نے انھیں قتل کیا ۔ !"

یہ جرأت ، یہ تہوّر ، یہ تیور ، یہ حوصلہ ، یہ جذبہ ، یہ جوش حق پرستوں کے سوا کہیں اور بھی مل سکتا ہے ؟

نافع قتل ہو گئے ، ان کی جگہ دوسرے فدائی نے لی :

" اسی اثنا میں حنظلہ بن اسعد شبامی آپ کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے ۔ پکار کر کہنے لگے ۔ یا قومِ انی اخافُ علیکم مثل یوم الاحزاب مثلاً قوم نوحٍ وعادٍ وثمود ۔ والذین من بعدھم ۔ وما اللہ یرید ظلماً للعباد ویا قوم انی اخاف علیکم یوم التناد ۔ یوم تکونَ مدبرین مالکم

من اللہ من عاصم ۔ ومن یضلل اللہ فمالہ من ھاد ۔ یا قوم لا تقتلوا حسینًا فیسحتکم اللہ بعذاب ۔ وقد خاب من افتریٰ ۔ یعنی اے میری قوم والو مجھے ڈر ہے کہ تم لوگوں پر جنگ احزاب کا سا عذاب نازل ہوگا ۔ جیسا کہ قوم نوح و عاد و ثمود پر اور ان کے بعد والوں پر نازل ہوا ۔ اور خدا بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے لئے روز قیامت کا ڈر ہے ۔ جس روز کہ تم پیٹھ پھیرے ہوئے بھاگتے پھیرو گے ۔ اور خدا کی طرف سے تمہارا کوئی بچانے والا نہ ہوگا ۔ اور سنو جب خدا گمراہ کرتا ہے ۔ اسے کوئی راہ پر لگانے والا نہیں ملتا ۔ اے میری قوم کے لوگو حسین کو نہ قتل کرو کہ خدا عذاب نازل کر کے تم کو تباہ نہ کر دے اور سنو جس نے خدا پر بہتان کیا وہ زیاں کار ہے "۔ حنظلہ کا یہ کلام سن کر آپ نے کہا رحمک اللہ ابن اسعد یہ لوگ تو اسی وقت سے سزا وار عذاب ہو چکے ہیں ۔ جب تم نے انھیں حق کی طرف پکارا اور انھوں نے تمہارے قول کو رد کر دیا ۔ تمہارا اور تمہارے اصحاب کا خون بہانے کو آمادہ ہو گئے ۔ اور اب تو یہ لوگ تمہارے برادران صالح کو بھی قتل کر چکے ۔

حنظلہ نے کہا میں آپ فدا ہو جاؤں آپ نے سچ فرمایا ۔ آپ مجھ سے فقہ ہیں اور اس منصب کے احق ہیں ۔ کیا ہم اپنے بھائیوں سے ملنے کو نہ جائیں؟ آپ نے اجازت دی کہ جاؤ دار البقا کی طرف جو دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے ۔ حنظلہ نے کہا السلام علیک یا ابا عبد اللہ خدا آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر صلوات بھیجے اور ہم کو آپ کو بہشت میں ملائے ۔ آپ نے یہ سن کر دوبارہ آمین کہی ۔ حنظلہ آگے بڑھے شمشیر زنی کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ قتل ہو گئے ۔!"

حنظلہ قتل ہو گئے ، !

لیکن ابھی کچھ فدائی اور جان نثار باقی تھے ، وہ آگے بڑھے ، ——————

یہ ایک غلام تھا ، :

"عابس بن ابی شبیب شاکری اپنے غلام آزاد شوذب کو ساتھ لئے ہوئے آئے شوذب سے پوچھا کہو کیا ارادہ ہے ؟ اس نے کہا ارادہ کیا ہے ۔ بنت رسول اللہؐ کے

فرزند کی طرف سے میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہو کر قتال کروں گا اور قتل ہو جاؤں گا
عابس نے کہا مجھے تجھ سے یہی امید تھی - پھر اگر جینا نہیں منظور ہے تو ابا عبداللہ کے سامنے
جا کر تجھے رخصت کریں - جس طرح اپنے انصار کو انھوں نے رخصت کیا ہے اور میں
بھی تجھے رخصت کروں - اگر اس وقت تجھ سے بڑھ کر میرا کوئی عزیز ہوتا تو میرے لئے
خوشی کا باعث تھا کہ میرے سامنے آتا اور میں اسے رخصت کرتا - آج کا دن وہ دن
ہے کہ جتنا ہم سے ہو سکے ثواب لوٹ لیں - بس آج کے بعد عمل خیر کا موقع نہیں - پھر
روز حساب آنے والا ہے - شوذب نے حسین کو جا کر سلام کیا لڑنے کو نکلا اور یہاں
تک جنگ کی کہ قتل ہو گیا "

غلام قتل ہو گیا ،!

آقا نے غلام کی پیروی کی ، اور اس کے نقش قدم پر تلوار سونت کر نکل
کھڑا ہوا،!

عابس بن ابی شبیب نے اب آپ سے عرض کیا - یا ابا عبداللہ آپ سے
بڑھ کر روئے زمین پر کوئی قریب یا لبعید واللہ مجھے عزیز نہیں ہے - اگر
اپنی جان دینے سے اور خون بہانے سے بڑھ کر کوئی ایسی بات ہوتی کہ میں
آپ کو مصیبت سے اور قتل سے بچا سکتا - تو میں وہ بھی کر گذرتا - السلام علیک
یا ابا عبداللہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کے پدر بزرگوار کی
ہدایت پر میں قائم ہوں - یہ کہہ کر تلوار کھینچے ہوئے دشمنوں کی طرف چلے ان کی پیشانی
پر ایک زخم کا نشان بھی تھا - ربیع بن تمیمی نے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا - یہ اور
معرکوں میں بھی ان کو دیکھ چکا تھا - یہ بہت بڑے بہادر تھے ربیع نے لوگوں سے کہا - یہ
شیر میدان وغا ہے - یہ عابس بن ابی شبیب ہے - تم میں سے کوئی ایک شخص ان سے لڑنے
کو ہرگز نہ جائے - ابن سعد نے حکم دیا کہ پتھر پھینک پھینک کر اس شخص کو چور کر دو -
چاروں طرف سے پتھر آنے لگے - یہ دیکھ کر انھوں نے اپنی زرہ اور مغفر کو اتار ڈالا
اور ان لوگوں پر حملہ کیا - ربیع کہتا ہے - واللہ یہ دو سو سے زیادہ آدمی تھے جو بھاگ

کھڑے ہوئے ۔ مگر بھاگے ہوئے پھر پلٹ پڑے ہر طرف سے حملہ کر دیا وہ قتل ہو گئے "

عابس نے حسینؑ پر اپنی جان دیدی، اجو کہا تھا اسے کر دکھایا،

اب ایک اور فدائی ابو شعثاء میدان میں شربت شہادت پینے آتے ہیں:

"بنی بہدلہ میں سے ابو شعثاء یزید بن زیاد حسین کے سامنے آکر دونوں زانوں کو ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور سو تیر دشمنوں کے مارے ۔ ان میں سے پانچ تیر خطا گئے یہ شخص قدر انداز تھے ۔ جب تیر سر کرتے تھے تو کہتے تھے ۔ انا ابن بهدلہ فرسان العرجلہ " یعنی میں بہدلہ سے ہوں جو لوگ کہ شہسوار لشکر ہیں ۔ حسین کہتے جاتے تھے ۔ بار خدا ان کے نشانہ کو صائب کر اور بہشت انھیں نصیب کر ۔ جب تیر لگا چکے تو اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا پانچ تیروں کے سوا میرا کوئی تیر خطا نہیں ہوا ان کے رجز کا یہ مضمون تھا ۔ کہ میرا نام یزید ہے ۔ میرے باپ کا نام مہاجر ہے میں شیر بیشہ شجاعت ہوں ۔ خدا وندا میں حسین کا ناصر ہوں اور ابن سعد کا ساتھ میں نے چھوڑ دیا ۔ اور اس سے دوری اختیار کی ۔" پہلے یہ ابن سعد کے لشکر میں تھے ۔ جب انھوں نے دیکھا کہ حسین نے جتنی شرطیں پیش کیں وہ سب رد ہو گئیں، تو انصار حسین میں آکر مل گئے ۔ اور مشغول قتال رہے ۔ یہاں تک کہ قتل ہو گئے ۔"

عقیدت اور جاں نثار، پروانہ وار کٹ رہے تھے، جن سے خون کا رشتہ تھا، وہ کیسے کسی سے پیچھے رہ سکتے تھے؟

"اولاد ابو طالب میں سے سب سے پہلے علی اکبر ابن حسین قتل ہو گئے ان کی والدہ لیلیٰ بنت ابو مرہ ثقفی تھیں ۔ یہ دشمنوں پر حملہ کرنے لگے اور بار بار اس مضمون کا رجز پڑھنے لگے ۔ میرا نام علی بن حسین ہے برب کعبہ ہم لوگ رسول اللہؐ سے قریب تر ہیں ۔ واللہ پسر ابن سمیہ کے حکم کو ہم نہ مانیں گے ۔" مرہ بن منقذ عبدی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا ۔ یہ جوان میری طرف سے اسی طرح لڑتا ہوا اور یہی حکم کہتا ہوا گذرے ۔ اور میں اس کے ماتم میں اس کے باپ کو نہ لاؤں تو عرب کی پھٹکار مجھ پر ہو ۔ علی اکبر شمشیر زنی

کرتے ہوئے اس کی طرف گذرے مُرہ نے سامنے آکر انھیں برچھی ماری - وہ گرے -
دشمنوں نے گھیر لیا - تلواریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - حمید بن مسلم کہتا ہے میں نے اپنے
کان سے سنا کہ حسین کہہ رہے - خدا پر اور رسول کی آبرو ریزی پر ان کی کس قدر
جرأت بڑھی ہوئی ہے - بس تیرے بعد دنیا پر خاک ہے - میں نے دیکھا
ایک بی بی دوڑ کر نکل آئیں - یہ معلوم ہوا کہ آفتاب نے طلوع کیا -
پکار رہی تھیں - اے بھیا اے میرے بھتیجے - میں نے لوگوں سے پوچھا
تو معلوم ہوا کہ یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ ہیں - وہ آئیں
اور علی اکبر کی لاش پر گر پڑیں - یہ دیکھ کر حسین ان کا ہاتھ تھامے ہوئے
خیمہ میں لے گئے - اور لڑکوں کو ساتھ لے کر لاش پر آئے - حکم دیا کہ
بھائی کی لاش کو اٹھاؤ - لڑکے لاش کو مقتل سے اٹھا لائے جس خیمہ
کے سامنے میدان کارزار تھا وہیں لاش کو لٹا دیا -

مسلم بن عقیل نے ، حسین کی نصرت میں جان دیدی ، تو بیٹے باپ کے نقش قدم
پر کیوں نہ چلتے ؟ :

"مسلم بن عقیل کے فرزند عبداللہ کو عمرو بن صبیح صدائی نے تیر مارا - عبداللہ نے
ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا کہ سر کو تیر سے بچائیں - تیر ہاتھ کو چھیدتا ہوا ماتھے تک
پہنچ گیا - اب یہ ہاتھ کو ذرا جنبش نہ دے سکتے تھے - پھر اس نے ہٹ کر
دوسرا تیر قلب پر مارا -"

اور اس طرح وہ اپنے رب سے جا ملے ، !

اب عون وغیرہ کی باری آتی ہے ، ———————— خاندان رسالت کا ایک
اور جاں باز نوجوان ، !

"اب چار طرف سے دشمنوں کا ہجوم ہوگیا - عبداللہ بن قطبہ طائی نے عون بن عبداللہ
بن جعفر پر حملہ کر کے انھیں قتل کیا - عامر بن نہشل نے عون کے بعد محمد پر حملہ کر کے قتل کیا
عثمان بن خالد جہنی اور بشیر بن سوط ہمدانی عبدالرحمن بن عقیل پر جا پڑے - دونوں

اپنے فرزند علی اکبر کے پہلو میں اور جو لوگ ان کے خاندان کے - ان کے گرداگرد قتل ہوئے تھے - ان کی لاشوں میں لٹا دیا - میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ طفل کون ہے - معلوم ہوا کہ یہ قاسم بن حسن ہے -

معرکہ کربلا کا آخری سپاہی :

"آپ کے انصار میں سوید بن عمرو زخموں چور ہو کر کشتوں پر پڑے ہوئے تھے - انھوں نے لوگوں کو کہتے سنا کہ حسین قتل ہو گئے - ذرا چونکے تو دیکھا کہ تلوار تو کوئی لے گیا ہے مگر ایک چھری پاس موجود ہے اسی چھری سے وہ کچھ دیر تک لڑتے رہے - آخر عروہ بن بطار تغلبی اور زید بن رقاد جہنی نے مل کر انھیں قتل کیا اور وہ سب کے آخر میں قتل ہوئے -"

یہ آخری سپاہی تھا جو اپنے امام اور آقا پر فدا ہوا ، !

حسینؑ کے ساتھ کربلا میں ۷۲ آدمی آئے تھے جن میں سے ستّر قتل ہو گئے ، صرف دو بچے ، جن میں ایک بیمار تھا ، ایک طفل کم سن ، ! طبری نے شہدا کی فہرست یہ دی ہے :

"حسین بن علی علیہ السلام جب قتل ہوئے تو ان کے اور ان کے عزیزوں کے اور انصار کے سر ابن زیاد کے پاس لائے گئے - بنی کندہ تیرہ سر لے کر آئے - ان کا سردار قیس بن اشعث تھا - بنی ہوازن بیس سر لائے ان کا سردار شمر ذی الجوشن تھا - بنی تمیم سترہ سر لائے - بنی اسد چھ سر - بنی مذحج سات - باقی لشکر والے بھی سات سر لائے - یہ سب ستر سر ہوئے -

مقتولوں میں :-

۱- حسین بن علی ہیں - ان کی ماں دختر رسول اللہ صلعم ہیں - سنان بن انس نے آپ کو قتل کیا اور خولی بن یزید آپ کا سر لے کر آیا -

۲- اور عباس بن علی بن ابی طالب - ان کی ماں ام البنین ہیں - آپ کو زید بن رقاد

نے مل کران کو قتل کیا۔ عبداللہ بن عزرہ خثعمی نے جعفر ابن عقیل کو تیر مار کر قتل کیا،،

منظر ابھی تک قائم ہے،،!

خاندان رسالتؐ کے نوجوان اور نوعمر، افراد اپنے بزرگ پر قربان ہو رہے ہیں

——— بچے تک،، ! اب قاسم بن حسنؑ کی باری ہے،،:

،،حمید بن مسلم نے ایک طفل کو دیکھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے۔ معرکہ کی طرف بڑھا۔ اس کے گلے میں کرتہ تھا پاؤں میں پائجامہ اور مجھے خوب یاد ہے کہ ان کی نعلین کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر عمرو بن سعید ازدی مجھ سے کہنے لگا۔ اسے تو واللہ میں قتل کروں گا۔ میں نے کہا سبحان اللہ اس کے قتل کرنے سے تجھے کیا مقصود ہے؟ انصار حسین میں سے یہ لوگ جن کو تم نے گھیر لیا ہے۔ بس ان کا قتل ہو جانا تجھے کافی ہے۔ اس نے جواب دیا واللہ اسے تو میں قتل کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے حملہ کیا۔ اور ان کے سر پر تلوار مار کر پلٹا۔ وہ طفل منہ کے بل گر پڑا۔ چچا چچا کہہ کر پکارا۔ یہ سن کر حسین اس طرف جھپٹ کر آئے جیسے شاہین آتا ہے۔ اور شیر غضبناک کی طرح آپ نے حملہ کیا۔ عمرو کو تلوار ماری۔ اس نے تلوار کو ہاتھ پر روکا۔ ہاتھ اس کا کہنی کے پاس سے جدا ہو گیا۔ وہ چلایا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ اہل کوفہ کے سوار دوڑے کہ اس کو حسین کے ہاتھ سے بچا کر لے جائیں۔ گھوڑے اس کی طرف پلٹ پڑے اس کے قدم اٹھ گئے۔ سواروں کو لئے ہوئے اس کو پائمال کرتے ہوئے گذر گئے آخر میں وہ مر گیا۔ غبار رفع ہوا تو دیکھا کہ حسین اس طفل کے سرہانے کھڑے ہوئے ہیں وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں قیامت کے دن تیرے جد بزرگوار تیرے خون کا دعویٰ کریں گے۔ واللہ چچا پر یہ امر شاق ہے کہ تو پکارے وہ جواب نہ دے سکے۔ جواب دے بھی تو اس سے تجھے کچھ نفع نہ ہو۔ واللہ تیرے چچا کے دشمن بہت ہیں۔ مددگار کم رہ گئے ،، پھر آپ نے آپ نے ان کو گود میں اٹھا لیا۔ میں نے دیکھا کہ حسین ان کو سینہ سے لگائے ہوئے تھے۔ دونوں پاؤں ان کے زمین پر گھسٹے جا رہے تھے ... کہہ رہا تھا کہ انھوں نے گود میں کیوں اٹھا لیا۔ دیکھا کہ ان کی لاش کو

۱۶- اور عبدالرحمن بن عقیل ان کی ماں بھی کنیز تھیں ان کو عثمان بن خالد جہنی نے قتل کیا۔
۱۷- اور عبد بن عقیل ان کی ماں بھی کنیز تھیں - ان کو عمرو بن صبیح صدائی نے تیر مار کر قتل کیا۔
۱۸- اور مسلم بن عقیل ان کی ماں بھی کنیز تھیں - یہ کوفہ میں قتل ہوئے -
۱۹ اور عبداللہ بن مسلم ان کی ماں رقیہ بنت علی ابن ابی طالب تھیں - رقیہ کی ماں کنیز تھیں ان کو بھی عمرو بن صبیح صدائی نے قتل کیا - بعض کہتے ہیں اسد بن مالک حضرمی نے انہیں قتل کیا -
۲۰- اور محمد بن ابی سعید بن عقیل ان کی ماں کنیز تھیں ان کو لقیط بن یاسر جہنی نے قتل کیا۔
حسن بن حسن کمسن سمجھے گئے ان کی ماں خولہ بنت فزاری تھیں - اور عمرو بن حسن بھی کمسن سمجھے گئے ان کی ماں کنیز تھیں - یہ دونوں صاحبزادے قتل سے بچ گئے
نیز ، علی بن حسین بھی ، !
۲۱ - آپ کے آزاد غلاموں میں سے سلیمان بھی قتل ہوئے - ان کو سلیمان بن عوف حضرمی نے قتل کیا -
۲۲- اور منج بھی دوسرے شخص ہیں - یہ بھی آپ کے ساتھ قتل ہوئے -
۲۳- اور عبداللہ بن لبقطر آپ کے برادر رضاعی (کوفہ میں قتل ہوئے)
عون اور محمد کے باپ نے اپنے فداکار بیٹوں کی شہادت کا ماجرا سن کر کیا کہا؟
"عبداللہ بن جعفر کو حسین کے ساتھ اپنے دونوں بیٹوں کے قتل ہونے کی خبر جب پہنچی تو ان کے بعض خدام اور سب لوگ پرسا دینے کو ان کے پاس آئے - خدام میں ایک غلام آزاد ان کا شاید ابوالسلاس کہنے لگا - یہ مصیبت ہم پر حسین نے ڈالی - عبداللہ بن جعفر نے یہ سن کر اسے جوتا کھینچ مارا اور کہا حسین کی نسبت ایسا کلمہ تو کہتا ہے - واللہ میں خود اگر وہاں ہوتا تو ہرگز ان سے جدا نہ ہوتا - اور یہی چاہتا کہ ان کے ساتھ ہی میں بھی قتل ہو جاؤں - واللہ وہ ایسے ہیں کہ ان دونوں فرزندوں کے عوض اپنی جان ان پر فدا کرتا ان دونوں فرزندوں کی مصیبت کو میں مصیبت نہیں سمجھتا - انھوں نے میرے بھائی

جہنی اور حکیم بن طفیل سنبسی نے قتل کیا ۔
۳۔ اور جعفر بن علی ان کی ماں بھی ام البنین ہیں ۔
۴۔ اور عبداللہ بن علی ان کی ماں بھی ام البنین ہیں ۔
۵۔ اور عثمان بن علی ان کی ماں بھی ام البنین ہیں ۔ خولی بن یزید نے تیر مار کر ان کو قتل کیا ۔
۶۔ اور محمد بن علی ابی طالب ان کی ماں کنیز تھیں ان کو قبیلہ بنی ابان کے ایک شخص نے قتل کیا ۔
۷۔ اور ابوبکر بن علی بن ابی طالب ۔ ان کی ماں لیلیٰ بنت مسعود ہیں ۔ ان کے قتل ہونے میں بعض مورخین کو شک بھی ہے ۔
۸۔ اور علی بن حسین بن علی ان کی ماں لیلیٰ بنت ابومرہ ہیں ۔ یہ میمونہ بنت ابوسفیان بن حرب کی بیٹی ہیں ۔ ان کو مرہ بن منقذ عبدی نے قتل کیا ۔
۹۔ اور عبداللہ بن حسین ان کی ماں رباب بنت امراء القیس ہیں ۔ ان کو ہانی بن ثبیت حضرمی نے قتل کیا
۱۰۔ اور ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالب ۔ ان کی ماں ایک کنیز تھیں ۔ ان کو عبداللہ بن عقبہ غنوی نے قتل کیا ۔
۱۱۔ اور عبداللہ بن حسن ان کی ماں بھی کنیز تھیں ۔ حرملہ بن کاہن نے تیر مار کر قتل کیا ۔
۱۲۔ اور قاسم بن حسن ان کی ماں بھی کنیز تھیں ۔ ان کو سعد بن عمرو ازدی نے قتل کیا ۔
۱۳۔ اور عون بن عبداللہ بن جعفر ان کی ماں جمانہ بنت مسیب تھیں ۔ ان کو عبداللہ بن قطبہ نبہانی نے قتل کیا ۔
۱۴۔ اور محمد بن عبداللہ بن جعفر ان کی ماں خوصاء بنت خصفہ تھیں ۔ ان کو عامر بن نہشل تیمی نے قتل کیا ۔
۱۵۔ اور جعفر بن عقیل ان کی ماں ام البنین بنت شقر تھیں ان کو بشر بن حوط ہمدانی نے قتل کیا ۔

میرے ابن عم کے ساتھ ان کی رفاقت میں صبر و رضا کے ساتھ اپنی جان دی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے ہم نشینوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے خداوند عالم کا جس نے قتل حسین کے غم و ماتم میں ہم کو مبتلا کیا اگر حسینؑ کی نصرت میرے ہاتھ سے نہ ہوئی تو میرے فرزندوں سے تو ہوئی۔"

جو لوگ اس جنگ میں عملی طور پر شریک نہ تھے، وہ بھی اگر کلمۂ حق کہہ گزرتے تھے، اور سنگ دلی و شقاوت کے لرزہ خیز مناظر کی تاب نہیں لا سکتے تھے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا تھا، جو جنگ آزما دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے،!

"ابن زیاد جب قصر میں داخل ہوا۔ اور سب لوگ بھی آئے۔ تو الصلاۃ جامعۃ کی ندا ہوئی، یعنی نماز کے بعد دربار عام ہو گا۔ غرض بڑی مسجد میں لوگ جمع ہو گئے۔ ابن زیاد منبر پر گیا اور کہا شکر ہے خدا کا جس نے حق کو اور اہل حق کو قوی کیا۔ اور امیر المومنین یزید بن معاویہ کی ان کے گروہ والوں کی نصرت کی۔ اور کذاب بن کذاب حسین بن علی کو اور ان کے گروہ والوں کو قتل کیا۔ ابن زیاد ابھی اس گفتگو سے فارغ نہ ہونے پایا تھا کہ عبداللہ بن حفیف ازدی اٹھ کر اس کی طرف دوڑے یہ شخص علی کرم اللہ وجہہ کے گروہ کے تھے۔ بائیں آنکھ ان کی جنگ جمل میں جاتی رہی تھی۔ جبکہ یہ علی کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے۔ جنگ صفین میں ایک ضرب ان کے سر پر پڑی تھی۔ اور ایک ضرب بھوں پر لگی تھی، اس کے صدمہ سے دوسری آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ جب سے بڑی مسجد سے یہ نکلتے ہی نہ تھے۔ رات تک نمازیں پڑھتے رہتے تھے۔ اس کے بعد واپس آتے تھے۔ ابن زیاد کا یہ کلمہ انھوں نے سن کر کہا۔ اولیسر مرجانہ کذاب ابن کذاب تو اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے حاکم بنایا اور اس کا باپ۔ او پسر مرجانہ تم لوگ پیغمبروں کے فرزندوں کو قتل کرتے ہو اور راست بازوں کا سا قول منہ سے کہہ ڈالتے ہو۔ ابن زیاد نے کہا لاؤ تو اس کو میرے پاس۔ سپاہیوں نے ان پر

حملہ کر کے گرفتار کر لیا ۔ عبداللہ بن حفیف ازدی نے یامبرور رکہ کرندا کی۔ یہ کلمہ ازدیوں کا شعار تھا ۔ عبدالرحمن بن مخنف ازدی وہیں بیٹھے تھے ۔ انھوں نے کہا تمہارا بھلا نہ ہو تم نے اپنے کو بھی تباہ کیا ، اور اپنی قوم کو بھی تباہ کیا اور اپنی قوم کو بھی تباہ کیا ۔ کوفہ میں اس وقت سات سو ازدی سلحشور موجود تھے ۔ چند شخص ان میں سے عبداللہ بن حفیف کی طرف دوڑے ان کو چھڑا لائے ۔ انھیں ان کے گھر میں پہنچا آئے اس کے بعد ابن زیاد نے کچھ لوگ بھیج کر انھیں بلوا لیا اور قتل کیا ۔ اور حکم دیا کہ زمین شور پر ان کی لاش دار پر چڑھا دی جائے ۔ اور ایسا ہی کیا گیا ۔"

مصعب بن زبیرؓ کا قتل

مصعب، عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی تھے، سراپا کردار و عمل، ــــــ آگے چل کر عبداللہ بن زبیرؓ کے حادثہ شہادت، دعوائے خلافت اس کے محرکات و عوامل، اور ان کی شخصیت پر، نیز دیگر حالات پر ذرا تفصیلی گفتگو کروں گا، ــــــ تاریخی بھائی کی نصرت و حمایت میں لڑتے ہوئے، اس جہان گزراں سے رخصت ہو گئے۔ چونکہ حتی الامکان ترتیب کو قائم رکھنا ہے، اور چونکہ یہ اپنے بڑے بھائی سے پہلے قتل ہوئے تھے، اس لئے ان کا ذکر پہلے کر رہا ہوں،

شجاعت اور دلیری، مصعب کو بھی اپنے برادر بزرگ کی طرح وراثت میں ملی تھی، بڑی سے بڑی فوج، اور بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہ لانا، اور جان پر کھیل جانا ان کی سرشت تھی۔

یہ عبداللہ بن زبیر کی طرف سے عراق پہونچے، اور زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی، عراق میں مصعب کو طرح طرح کی پیچیدگیوں اور الجھنوں سے دوچار ہونا پڑا، لیکن وہ عہدہ برآ ہو گئے، اور اتنی طاقت حاصل کر لی کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان لرز اٹھا، اور خود باوجود فوج گراں دمشق چل کر یہ جنگ جیتنے کے لئے عراق پہنچ گیا، کیونکہ:

عراق پر مصعب کا قبضہ عبدالملک کے لئے بہت مضر تھا۔ اس لئے عمرو بن سعید کی جانب سے اطمینان اور قیصر روم سے مصالحت کے بعد ۷۱ھ میں پوری قوت کے ساتھ اس نے عراق پر فوج کشی کر دی، مصعب بن زبیر بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ میں آئے۔ لیکن عین موقع پر عبدالملک نے مصعب کے بہت سے آدمیوں کو رشوت کے ذریعہ ملالیا۔ عراق کے مردانی بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ مصعب کے دست راست ابراہیم بن اشتر کو بھی ملانے کی کوشش کی۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ط[۱]

دیر جاثلیق میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ مصعب کی قوت کمزور پڑ چکی تھی لیکن بڑی شجاعت کے ساتھ انھوں نے مقابلہ کیا۔ ابراہیم نے جن کو بنی امیہ سے دلی نفرت تھی۔ بڑی جاں بازی دکھائی۔ اور اموی فوج کو کمزور کر دیا۔ لیکن تازہ دم امداد نے ان کی حالت سنبھال لی۔ ط[۳]

ابراہیم کی شجاعت دیکھ کر قبیلہ ابیفتہ نے جو مصعب کی فوج کا اہم حصّہ تھا۔ محض رشک و حسد کی بنا پر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس سے مصعب کی قوت اور کمزور ہو گئی۔ لیکن ابراہیم کی شجاعت نے اس کمی کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ اس لئے اموی فوج ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑی اور ان کا کام تمام کر دیا۔ ان کے بعد مصعب کے لڑکے عیسٰی نے اسی بہادری سے لڑ کر جان دی۔

ان دونوں کے قتل سے مصعب کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ تاہم وہ تنہا مقابلہ کرتے رہے۔

عبدالملک اور مصعب کے تعلقات بہت قدیم تھے سیاست کی بازی نے ایک کو دوسرے کا حریف بنا دیا تھا۔ جب ایک شامی عبیداللہ بن ظبیان نے ان کو قتل کر دیا۔ ط[۳] ان کا سر

ط۱ اخبار الطوال، ص ۳۱۷ و طبری جلد ۸ ص ۸۰۴ ط۲ طبری، ص ۸۰۶ ط۳ مروج الذہب (مسعودی) ج ۲ ص ۵۱۳ (تاریخ اسلام)

مدینۂ مظلوم

مدینہ کے لوگوں نے ، امیر معاویہ کی بیعت میں تامل کیا ، یزید کی بیعت سے انکار کیا ، امویوں کے خلاف ان کے جذبات ہمیشہ ناقابل ضبط رہے ، !

اس کی وجہ کیا تھی ؟

جن لوگوں نے ، جس شہر کے باشندوں نے ، جہاں کے رہنے والوں نے ، محض اتفاق بین المسلمین کے لئے ، محض ملت کی شیرازہ بندی کے لیے ، محض ، فلاح عامۂ مسلمین کے لئے ، اپنے ہر حق سے دستبرداری اختیار کرلی ، اور اس وقت جب وہ بزورِ قوت مسند آرائے حکومت ہو سکتے تھے ، جب بعض مفسد انھیں اکسا رہے تھے کہ حکومت پر قبضہ کر لیں ، اور جو مہاجرین ، ——— ابوبکرؓ و عمرؓ وغیرہ ——— مخالفت کریں ، انھیں قتل کر دیں ، یا جلاوطن کر دیں ، برضاو رغبت ، دعوائے حکومت واپس لے لیا ، پھر ابوبکرؓ کی بیعت کرلی ، اور اس کے بعد عہد خلافت راشدہ تک ، یعنی حضرت امام حسنؑ کی دستبرداری تک برابر سمع و طاعت کے مسلک پر گامزن رہے ،

اور ——— یہ وہی اہل مدینہ تو تھے کہ جب نومسلموں کو مال غنیمت میں سے فتح مکہ کے بعد تالیف قلب کے لئے آپؐ نے ان کے استحقاق سے زیادہ دیا ، تو بعض جوانان مدینہ کو یہ بات شاق گذری ، اور انھوں نے برملا کہا " مصیبت

قلم کر کے عبد الملک کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا کہ "اب قریش میں ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں"۔ مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبد الملک کا قبضہ ہوگیا۔ اور عراقیوں نے اس کی بیعت کر لی۔ ط۱

مصعب بن زبیر کا قتل بھی، اس حقیقت کا شاہد ہے کہ فریق مخالف نے زک دینے اور فتح حاصل کرنے کے لئے ہر وسیلہ اور ذریعہ اختیار کیا حتیٰ کہ "رشوت" بھی!

ط۱ اخبار الطوال ص ۳۰۹، تاریخ اسلام)

اسوۂ نبیؐ کا تابع ہوگا، کم سے کم ان منکرات وفواحش کی گرم بازاری نہیں رہے گی جو عام ہوتے چلے جا رہے ہیں، چنانچہ:

نعمانؓ بن بشیر کی واپسی کے بعد حجاز میں انقلاب بپا ہوگیا - ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کے علاوہ کل اہل حجاز نے ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ اور تمام اموی اعمال کو مدینہ سے نکال دیا۔ [۱]

اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد عبداللہ بن حنظلہ انصاریؓ کو اپنا امیر بنایا اور مدینہ میں جو بنی امیہ مقیم تھے ان کو گھیر لیا۔ انھوں نے مدد کے لئے شام سے آدمی بھیجا ان سے یزید کو حالات معلوم ہوئے [۲] ایک روایت یہ ہے کہ ابن زبیرؓ نے تمام امویوں کو نکال دیا تھا - اور خود امویوں کی زبانی یزید کو حالات معلوم ہوئے۔

اس انقلاب کی خبر کو سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ مری کو دس ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی۔ کہ پہلے مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا۔ جب وہ انکار کریں اس وقت تلوار اٹھانا - اور انھیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا [۳]

اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کی آمد کی خبر ملی تو انھوں نے مقابلہ کے انتظامات کئے اور محصور امویوں کو قتل کر دینا چاہا۔ لیکن پھر اس شرط کے ساتھ ان کو رہا کر دیا کہ وہ مسلم کو یہاں کے انتظامات کی خبر نہ کریں گے۔ یہاں سے چھوٹ کر یہ لوگ آگے بڑھ کر مسلم کی فوج سے مل گئے۔ اور ان کو اہل مدینہ کا نقشۂ جنگ بتا دیا۔

مسلم نے مدینہ پہنچ کر یزید کی ہدایت کے مطابق چند آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ امیرالمومنین تم کو اپنی اصل و بنیاد سمجھتے ہیں - اس لئے میں تمہاری خونریزی پسند نہیں کرتا۔ تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں خوب غور کر لو - اگر تم نے اپنی روش کو چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا تو میں مکہ چلا جاؤں گا ورنہ اس کے بعد میں ذمہ داری پوری کر چکا - تین دن کے بعد پھر مسلم نے آخری مرتبہ پوچھا کہ تم لوگ صلح چاہتے ہو یا جنگ؟ اہل مدینہ نے جواب دیا جنگ۔ [۴]

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۷۴ [۲] ابن اثیر جلد ۳ ص ۴۴ [۳] ایضاً ص ۴۵ [۴] ایضاً ص ۴۶ و تاریخ اسلام

کے وقت ہم یاد کئے جاتے ہیں، اور عیش کے وقت دوسرے یاد کئے جاتے ہیں۔!"
یہ سن کر سرکار دو عالم نے انھیں جمع کیا اور پوچھا، تو چھوٹوں نے شرم سے گردن جھکالی، اور بڑوں نے چھوٹوں کی طرف سے معذرت کی۔ اسی موقع پر آپؐ نے فرمایا تھا،

" تم کہو کہ محمدؐ جس وقت لوگوں نے تجھے جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی جب لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا ہم نے تجھے پناہ دی، تو اپنے ہاں سے مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی، —— تم یہ کہتے جاؤ، میں جواب دیتا جاؤں گا۔" ہاں تم سچ کہتے ہو، !" لیکن کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں، اور تم محمدؐ کو اپنے گھر لے جاؤ؟"

انصار یہ ارشاد سن کر چیخ اٹھے، بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا" ہمیں محمدؐ کے سوا کچھ درکار نہیں، !" [۱]

جن لوگوں کی شیفتگی ذاتِ رسالتؐ سے اس درجہ بڑھی ہو وہ اسلام کے لئے تو سب کچھ چھوڑ سکتے تھے، لیکن سب کچھ لے کر اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے تھے، !

وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ خلافت راشدہ کے بعد حکومت کا چلن بگڑ گیا ہے، اس کا آئین و دستور قرآن نہیں، بلکہ اغراض و مقاصد ہیں، لہٰذا وہ کسی قیمت پر بھی اپنے آپ کو سمع و طاعت پر آمادہ نہ کر سکے، چنانچہ حادثۂ کربلا کے بعد بھی انھوں نے یزید کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

اہل مدینہ کی دلی خواہش تھی کہ اہل بیت میں سے کسی کو امیر اور امام بنائیں، لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی ہے [۲] اور ابن زبیر نے دعوائے خلافت کیا تو وہ ان کے ساتھ ہو گئے، کیونکہ انھیں یقین تھا، ابن زبیر کی حکومت، بہرحال بڑی حد تک اسلامی حکومت ہی ہو گی، اس کا دستور و آئین بہرحال قرآن اور

---

[۱] تفصیل کے لئے بخاری اور فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے [۲] طبقات ابن سعد، ص ۱۵۹

اس جواب کے بعد مسلم بن عقبہ نے جنگ شروع کردی۔ تین دن تک نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن حکومت کی فوج کا مقابلہ دشوار تھا۔ اس لئے آخر میں بڑی فاش شکست کھائی اس جنگ میں بہت سے اکابر و اشرافِ قریش اور انصار کام آئے۔ فضل بن عباس بن ربیعہ، عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن مطیع ایک ایک کرکے قتل ہوئے۔ شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہیں۔ چوتھے دن امن قائم ہوا۔ لیکن اس وقت بھی یہ اعلان تھا کہ جو شخص بیعت نہیں کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن اب مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس لئے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی [1]

طبری نے مدینۂ منورہ کی لوٹ اور بربادی کی داستان ذرا وضاحت سے بیان کی ہے جو یہ ہے کہ جب مدینہ پر دھاوا ہوا تو وہاں کے رزم آراؤں میں :

"فضل مسلم بن عقبہ کے تخت تک پہنچ گئے۔ ان کے چہرہ کا رنگ سرخ تھا تلوار اٹھا کر وار کیا چاہتے تھے کہ وہ چلایا۔ "یارو تم کہاں ہو یہ مرد سرخ مجھے قتل کئے ڈالتا ہے اے نیک بی بیوں کے فرزند دوڑو اسے برچھیوں پر لو" فضل کی طرف برچھیاں لے کر لوگ دوڑے، وہ برچھیاں کھا کر گر پڑے۔ اس کے بعد مسلم کے سوار اور پیادے سب کے سب ابن غسیل کی طرف چلے اور قریب پہنچ گئے۔ اس وقت مسلم گھوڑے پر سوار ہو کر اہل شام کا دل بڑھانے لگا۔ کہ اے اہل شام تم حسب نسب میں عرب سے بڑھ کر نہیں ہو، شمار میں ان سے زیادہ نہیں ہو۔ تمہارے بلاد اتنے وسیع نہیں ہیں۔ پھر بھی خدا نے تمہیں یہ خاص مرتبہ عنایت کیا ہے۔ کہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کی۔ تمہارے

---

[1] واقعہ حرّہ کی تفصیلات تاریخ میں بہت طویل ہیں میں نے خلاصہ لکھا ہے۔

اماموں کے دل میں تمہاری منزلت پیدا کردی، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ تم طاعت گذار ہو اور اپنے دین پر قائم ہو، اور اس قوم نے اور جو جو اُن کے مثل ہے ان سب نے دین کو بدل ڈالا - خدا نے بھی ان کی حالت کو بدل دیا - جس طاعت گذاری پر تم قائم ہو اسے خوبی سے پورا کردو کہ خدا ابھی جو نصرت اور غلبہ تم کو دے رہا ہے اسے پورا کرد- یہ کہہ کر جہاں وہ تھا وہیں پھر چلا آیا - سواروں کو حکم دیا گیا کہ ابن عقیل پر اور ان کے اصحاب پر حملہ کردیں - لیکن جب سوار اپنے گھوڑوں کو اہل مدینہ کی طرف بڑھاتے تھے - وہ لوگ برچھیوں سے تلواروں سے وار پر وار کرتے جاتے تھے، گھوڑے بھڑک جاتے تھے منتشر ہو جاتے تھے - رخ پھیر دیتے تھے - یہ دیکھ کر مسلم نے پکار کر کہا: "اے اہل شام خدا نے ان لوگوں کو تم سے بڑھ کر ثابت قدم میدان جنگ میں نہیں بنایا ہے - اے حصین بن نمیر تو اپنی فوج کو لے کر میدان کارزار میں آؤ، حصین اہل حمص کو لے کر اہل مدینہ سے نبرد آزمائی کرنے چلا - ابن غسیل نے جب ان لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک فوج اپنے اپنے علم کے ساتھ یورش کرنے کو آرہی ہے تو اپنے اصحاب میں یہ خطبہ پڑھا " لوگوں جس طریقہ سے تمہیں جنگ کرنا مقصود تھا - وہی طریقہ تمہارے دشمن نے تم سے جنگ کرنے کا اختیار کیا - مجھے یقین ہے کہ ایک ہی ساعت میں تمہارے اور ان کے درمیان خدا فیصلہ کردے گا تمہارے موافق ہو یا خلاف سنو تم لوگ صاحب بصیرت ہو دار الہجرت کے رہنے والے ہو واللہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ بلاد اسلام میں سے کسی شہر کے لوگوں سے خدا اتنا خوش نہ ہوگا جتنا کہ تم لوگوں سے خوش ہے اور بلاد عرب میں کسی شہر کے لوگوں پر خدا ایسا غضبناک نہ ہوگا جیسا ان لوگوں پر غضبناک ہے جو تم سے لڑنے آئے ہیں - تم سب کو ایک دن مرنا ہے اور واللہ کسی طرح کی موت شہید ہو کر مرنے سے بہتر نہیں - لو شہادت کی دولت خدا نے تمہارے سامنے رکھ دی ہے اسے لوٹ لو - اور واللہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جتنی تمہاری مرادیں ہیں سب پوری ہو جائیں -"

قریب آپہونچا۔ مسلم نے عبداللہ بن عضاۃ کو پانچو قدر اندازوں کے ساتھ ابن غسیل پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ تیروں کا مینہ اہل مدینہ پر برسنے لگا۔ ابن غسیل نے کہا کہ آخر کب تک تیر کھایا کروگے۔ جسے بہشت میں چلنے کی جلدی ہو وہ اس علم کے ساتھ ہولے۔ یہ سنتے ہی جتنے جاں باز تھے وہ اٹھ کھڑے ہوئے ابن غسیل نے کہا اپنے پروردگار کے حضور میں چلو واللہ مجھے امید ہے کہ بس ایک ساعت کی دیر ہے کہ تمہاری آنکھیں خنک ہو جائیں گی۔ یہ سن کر سب جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ ایک ساعت تک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ کہ اس زمانہ میں کم ہوئی ہوگی۔ ابن غسیل نے اپنے فرزندوں کو ایک ایک کرکے میدان جنگ میں بھیجا سب ان کے سامنے قتل ہوگئے۔ وہ خود رجز پڑھتے جاتے تھے اور شمشیر زنی کر رہے تھے اسی طرح قتل ہوگئے۔ ان کے برادر اخیافی محمد بن ثابت انھیں کے ساتھ قتل ہوئے۔ یہ کہتے تھے کہ کفار دیلم مجھے قتل کرتے تو میں ایسا خوش نہ ہوتا۔ جیسا ان لوگوں کے ہاتھ سے قتل ہو جانے میں خوش ہو رہا ہوں۔ انھیں کے ساتھ محمد بن خرم انصاری بھی قتل ہوئے۔ ان کی لاش پر مردان بن حکم گذرا لاش سے خطاب کرکے کہنے لگا، خدا تم پر رحم کرے۔ میں نے کتنے رکنوں کے پاس تمہیں طولانی نمازیں پڑھتے دیکھا ہے۔!"

اور اس کے بعد طبری ہی کا بیان ہے:

"مسلم بن عقبہ نے تین تک مدینہ کی لوٹ شامیوں کو مباح کردی، وہ لوگوں کو قتل کرتے پھرتے، اور ان کے مال لوٹتے رہتے تھے،!"

مدینہ لوٹا جا رہا تھا،!

اہل مدینہ قتل کئے جا رہے تھے،!

مدینہ ——— جہاں گنبد خضرا کا مکین محمدؐ خواب تھا،!

[illegible] سر جھکا کر حاضر ہوتے تھے،

جہاں جبریل امین وحی الہٰی لے کر وارد ہوا کرتے تھے، جو سرکار دو عالم کا زندگی میں بھی مسکن تھا، اور وفات کے بعد بھی،

وہ مدینہ لوٹا جا رہا تھا،!

اس مدینہ کے باشندے قتل کئے جا رہے تھے،!

کسی رسولؐ کے امتیوں نے اپنے رسولؐ کے خاندان، اور شہر، اور انصار کے ساتھ کیا کبھی اور کہیں ایسا سلوک کیا تھا؟

اور جن لوگوں کو مسلم بن عقبہ، یزید کے سالار فوج نے قتل کیا یا ایذا دی، ان کا جرم کیا تھا؟ ان کی خطا کیا تھی؟

طبری کی روایت ہے:

"صحابہ میں سے جو لوگ مدینہ میں ہراساں ہوئے۔ ابو سعید خُدری شہر سے نکل کر پہاڑ کی کوہ میں جا کر چھپے۔ ایک شامی نے انھیں دیکھ لیا۔ وہ تلوار کھینچے ہوئے اس غار تک پہونچا۔ خذری نے بھی اسے دھمکانے کے لئے تلوار کھینچ لی کہ شاید بے لڑے ہوئے پلٹ جائے۔ اس پر کچھ اثر نہ ہوا بڑھتا ہوا چلا آیا جب انھوں نے دیکھا کہ وہ باز نہیں آتا تو اپنی تلوار میان میں رکھ لی۔ اس سے کہا کہ اگر تو میرے قتل کرنے کو ہاتھ اٹھائے گا تو میں تیرے قتل کرنے کو ہاتھ اٹھانے والا نہیں ہوں پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔"

یہ کیفیت تو ایک صحابئ رسولؐ کی ہوئی۔ جس کے مرویات سے کتب صحاح بھری پڑی ہیں،

اب جو لوگ قتل ہوئے، ان کے جرم پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے:

"مسلم نے مقام قبا میں لوگوں کو بیعت کرنے کے لئے بلایا۔ قریش میں سے یزید بن زمعہ اور محمد بن ابی الجہم کے لئے اور معقل بن سنان کے لئے امان طلب کی گئی تھی۔ لڑائی کے ایک دن بعد یہ تینوں شخص مسلم کے پاس لائے گئے۔ مسلم نے دونوں قریشیوں سے بیعت کرنے کو کہا۔ انھوں نے کہا کہ ہم کتاب اللہ اور سنت

کی بنیاد یہی تھی ،!

لیکن آج صرف چند سال بعد ، عثمان کے بیٹے کو ، صرف اس جرم میں کہ وہ دوسرے اموایوں کی طرح مدینہ سے نہیں نکلے تھے ، ناسزا الفاظ کہے ۔ داڑھی نچوالی اور تذلیل کی ،! جب عثمان رضؓ کے بیٹے کے ساتھ یہ ہو سکتا تھا ، تو دوسروں کے ساتھ جو نہ ہوتا کم تھا ، !

مدینہ تاراج ہوگیا ، وہاں کے جتنے باشندوں کو قتل ہونا قتل ہوگئے ، عبدالملک بن مروان اپنے باپ مروان کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا ، لیکن ——— لیکن مدینہ اب بھی مظلوم تھا ، مدینہ کے باشندوں پر اب بھی ظلم توڑے جا رہے تھے ، ایک اہل دل اور صاحب بصیرت شخصیت مولانا گیلانی نے اس وقعۂ فاجعہ پر قلم اٹھاتے ہوئے لکھا ہے ، :

بنی امیہ اور ان کے سنگ دل و سیاہ سینہ ولاۃ (گورنروں) کی بدتمیزیوں کے اس بے پناہ طوفان نے ایک ایسا دہشت ناک اور مہیب منظر دنیائے اسلام میں قائم کر دیا تھا کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر دم بخود تھا ، منکرات دیکھے جا رہے تھے لیکن ہاتھ سے روکنے کی جرأت کسی کو کیا ہوتی ، بڑے بڑوں کی زبانیں تک خاموش تھیں ، یزید ، ابن زیاد اور حجاج جیسے رسوائے زمانہ ہی نہیں بلکہ ان میں جو نیکی اور حلم و بردباری میں شہرت رکھتے تھے ان کے درباروں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابیوں کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان (جو اپنی مذہبی زندگی میں امتیاز رکھتا تھا) کے پاس بوڑھے اور نابینا

صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے چل کر دمشق اس لئے آتے ہیں کہ واقعۂ حرہ کے بعد انتقاماً مدینہ منورہ پر جو ظلم توڑے جا رہے تھے ۔ ان کو بند کرنے کی درخواست کریں ۔ اس وقت رسول اللہؐ کے پڑوسیوں پر زندگی کے تمام ذرائع بند کر دیئے گئے تھے

رسول اللہؐ پر تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ مسلم نے کہا واللہ میں تمہاری اس بات کو ہرگز نہیں معاف کروں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں سامنے لائے گئے اور دونوں کی گردن ماری گئی۔

یعنی "کتاب اللہ، اور سنت رسول اللہؐ" پر اصرار اتنا بڑا جرم تھا کہ اس کی سزا موت سے کم ہو ہی نہیں سکتی تھی،

ایک اور واقعہ:

"پھر یزید بن وہب کو مسلم کے سامنے لائے مسلم نے اس سے کہا کر بیعت کر۔ اس نے کہا کہ میں سنت عمرؓ پر تجھ سے بیعت کروں گا کہا واللہ میں تیرے قصور کو معاف نہ کروں گا۔ مروان اور ابن وہب میں عروسی و دامادی کا رشتہ تھا۔ اس سبب سے مروان نے کچھ سفارش کی۔ مسلم نے حکم دیا کہ مروان کا گلا گھونٹ ڈالو۔ خادموں نے گلا اس کا دبا دیا۔ اور مسلم نے کہا کہ تم لوگ اس بات پر بیعت کرو کہ تم سب کے سب یزید بن معاویہ کے غلام ہو۔ اس کے بعد ابن وہب کے قتل کا حکم دیا وہ قتل ہو گیا"

گویا، مسلم بن عقبہ، اہل مدینہ کسے یزید کی بیعت کتاب اللہ پر اور سنت رسول اللہؐ پر نہیں بلکہ یزید کی غلامی پر لینا چاہتا تھا، اور اس سے انکار، جرم مستوجب قتل تھا،!

صرف ایک واقعہ اور:

"اس کے بعد عمرو بن عثمانؓ کو مسلم کے سامنے لائے۔ یہ بنی امیہ کے ساتھ مدینہ سے نہیں نکلے تھے مسلم ان کو دیکھ کر پکارا اے اہل شام اس شخص کو پہچانتے ہو کہا کہ نہیں کہا یہ ایک طیب اور طاہر کا خبیث فرزند ہے۔ یہ امیر المومنین عثمانؓ کا بیٹا ہے۔ یہ کہہ کر مسلم نے ان کی داڑھی نچوا ڈالی۔"

کے نقش قدم پر چل کر انھوں نے اپنے کو بادشاہ بنالیا ہے۔ قبیصہ پر عبدالملک چونکہ بہت بھروسہ کرتا تھا، اور یہ بات مشہور تھی، اس لئے حضرت جابر نے یہ سن کر قبیصہ سے فرمایا

"مگر تم کو کوئی عذر کا موقع حاصل نہیں ہے کیونکہ تمہارا صاحب تمہاری بات تو سنتا ہے"

اس پر قبیصہ نے جو بات کہی، اس سے خلفا کے طرز عمل کی کیسی اچھی تشریح ہوتی ہے انھوں نے کہا: "حضرت! وہ سنتا بھی ہے اور نہیں بھی سنتا ہے جو بات منشا اور مرضی کے مطابق ہوتی ہے بس اسی کو سنتا ہے" [1]

اور جس کی مسند خلافت پر عبدالملک متمکن تھا، اسی نے مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بعد آخری خطبہ جو دیا تھا، اس میں انصار مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا، ا

"ایها الناس"!

میں انصار کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں عام مسلمان بڑھتے جائیں گے۔ لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے، جس طرح کھانے میں نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا چاہیئے، وہ میرے (جسم میں بمنزلہ) معدہ کے ہیں یعنی جو تمہارے امور نفع و نقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو، اسے چاہیئے کہ ان میں سے جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا سرزد ہو، ان کو معاف کردے"!

"رسول اللہ کا یہی آخری خطبہ تھا، جسے یاد دلاتے ہوئے صحابیٔ رسول اللہ

---

[1] الطبقات ابن سعد ص [2] بخاری ج ا مناقب انصار، "قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبلوا محسنهم وتجاوزوا عن مسیئهم"!

ہر شخص گویا اپنے گھروں میں قیدیوں کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ رسول اللہ کے صحابی اس پر رحم کی سفارش لے کر آتے ہیں اور خلیفہ عبدالملک سے کہتے ہیں۔

"امیرالمومنین! مدینہ منورہ جس حال میں ہے آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہ "طیبہ" (یعنی پاک شہر) ہے یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا رکھا ہے اس کے باشندے آج کل قیدیوں کی طرح محصور ہیں، امیرالمومنین کو اگر صلہ رحمی کا خیال ہے اور ان کے حق کو پہچانیں تو ایسا کرنا چاہیئے۔

پیغمبر کے ایک صحابی پیغمبر کے شہر کے بے قصور باشندوں بچوں اور عورتوں پر رحم کی درخواست پیش کرتے ہیں لیکن بجائے سمجھنے کے عبدالملک کے سینہ میں غصّہ کی آگ بھڑکنے لگی چہرہ سرخ ہوگیا۔ حضرت چونکہ نابینا تھے اس لیئے ان کو اس کی ناراضگی کا پتہ نہ چلا۔ آپ بار بار اسی بات کو دہرا رہے تھے قریب تھا کہ ان کے ساتھ بھی کوئی سخت واقعہ پیش آئے۔ لیکن اتفاق سے دربار میں ان کے ایک شاگرد قبیصہ موجود تھے۔ انھوں نے حضرت کو خاموش کیا۔ ہاتھ پکڑ کر باہر نکال لائے، اور حضرت کو سمجھانے لگے کہ :- یا اباعبد اللّٰہ ان ھؤلاء القوم صاروا ملوکا (ابن سعد) حضرت یہ لوگ (بنی امیہ) اب بادشاہ بن گئے ہیں۔ ط۱

مطلب یہ تھا کہ آپ ابھی تک ان لوگوں کو واقعی مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ سمجھ رہے ہیں۔ یہ اپنے کو رسول اللہ کا جانشین نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ گزشتہ رومی اور ایرانی سلاطین

ط۱ طبقات ابن سعد

جریر بن عبداللہ ، عبدالملک ـــــ خلیفۂ وقت ـــــ کے پاس اسلئے پہونچے تھے کہ وہی اب مسلمانوں کے "نفع نقصان کا متولی" یعنی خلیفہ تھا ، ـــــ لیکن عبدالملک نے یہ قول حق نہ سنا ، اس نے انصار مدینہ کے ساتھ کوئی رعایت نہ کی ، !

مکّہ مکرّمہ پر سنگ باری

مکّہ، خدا کا گھر ہے، ــــــ دنیا کے بت کدے میں پہلا وہ گھر خدا کا، اِ وہ حرم محترم ہے، اس کی حرمت، تحفظ و بقا کے لئے آپؐ نے طرح طرح کی ایذائیں جھیلیں تکلیفیں اٹھائیں، یہی وہ مقام ہے جو ابراہیم و اسماعیل کے صدق و صفا کی یادگار ہے، یہی وہ مقدس جگہ ہے جہاں آپ نے طواف کیا، عبادت کی، اور اس راہ میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔

یہ مکّہ ہے، جس پر اصحاب فیل نے چڑھائی کی تھی کہ خدا کے اس گھر کو ڈھا دیں، لیکن "طیر ابابیل" نے بالائے ہوا سے ابرہہ اور اس کے لشکریوں پر کنکریاں پھینکیں، جو ان کے لئے تیر قضا بن گئیں، اور سارا لشکر اس طرح برباد ہو گیا۔ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْل، جیسے کھایا ہوا بھوسہ، !

کافروں سے خدا کا گھر بچ گیا، لیکن اسلام کے نام لیواؤں نے اس کی حرمت خاک میں ملا دی، اس پر منجنیقوں سے پتھر پھینکے، ــــــ

ــــــ جس طرح کافروں کے قلعوں پر، سنگ باری کی جاتی ہے، مکّہ کے باشندوں نے کلمہ گویان اسلام کا یہ کارنامہ دیکھا اور آہ کر کے رہ گئے، وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے،

اے بہ سراپردۂ یثرب بہ خواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب!

لیکن مکّہ پر یہ چڑھائی کرنے والے وہی تو تھے، جو یثرب کو مدینۃ الرسولؐ کو تاراج کر کے وہاں کے باشندوں کو لوٹ کے، اور وہاں کے لوگوں کو یزید کا قن (غلام) بنا کے، آئے تھے۔

شب و روز میں نہ جانے کتنی مرتبہ اللہ کے لئے "رحمان" و "رحیم" کے الفاظ ہمارے منہ سے نکلتے ہی یہ الفاظ تکیہ کلام بن گئے ہیں۔ روانیٔ کلام میں بے ساختہ ہمارے منہ سے نکل جاتے ہیں ہم ان کی معنویت، حقیقت اور صداقت پر غور نہیں کرتے، اگر کرتے تو فوراً محسوس کر لیتے کہ واقعی اس خدا سے بڑھ کر رحمان و رحیم کون ہو سکتا ہے، جو سبط رسول اللہؐ کا گلا کاٹنے والوں، مدینۃ الرسولؐ کو تاراج کرنے والوں اور خانہ خدا پر سنگباری کرنے والوں کو بھی قہر و غضب کا شکار نہیں بناتا، انھیں مہلت دیتا ہے، ڈھیل دیتا ہے، یمدّھم فی طغیانھم ——!

یہ مکّہ جس پر سنگ باری کی گئی! آج زبان حال سے پکار رہا ہے۔ اور یزید سے فریاد کر رہا ہے کہ جب ابوسفیان پر زندگی کے دروازے بند ہو گئے تھے، جب ابوسفیان کے لئے مجد و شرف کی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں رہ گیا تھا، جب وقت آیا تھا کہ وہ کیفر کردار کو پہونچے تو رحمۃ اللعالمینؐ نے فرمایا تھا،

"جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے اماں ہے،!"

میں نے ابوسفیان کو پناہ دی، اس کے گھر کو بیت الامن بنایا، اور آج میرے سینے پر پتھر چلائے جا رہے ہیں ——؟

مکّہ نے دادا ابوسفیان کے ساتھ کتنا بڑا احسان کیا تھا، اور پوتا (یزید) اس احسان کا بدلہ کس طرح ادا کر رہا تھا؟

مکّہ کہہ رہا تھا، میں نے ابوسفیان ہی کو پناہ نہیں دی، ہندہ —— ابوسفیان کی بیوی کو بھی پناہ دی، جس نے عم رسولؐ حمزہ رضؓ کو قتل کرایا، ان کی لاش کی بے حرمتی کی، اور ان کا کلیجہ چبا گئی،! —— کیا تو میرا احترام بھی قائم نہیں رکھ سکتا،!

شاید طاقت کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا ہے،

یہی بات اقبال نے کہی ہے،

صاحب نظراں نشۂ قوت ہے خطرناک

لیکن جو نشۂ قوت سے مخمور ہوتے ہیں، وہ صاحب نظر رہ کب جاتے ہیں، !؟

بہر حال مکہ پر چڑھائی ہوئی اور اس کی اینٹ سے بجا دینے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا گیا، !

انتقام کا جذبہ اتنا تند اور تیز تھا کہ وہ ہر چیز پر غالب آگیا تھا، !

دین پر بھی، عقیدت پر بھی، حد یہ کہ ایمان پر بھی، ! :

ربیع الاول ۶۴ھ کی تیسری تاریخ اور شنبہ کو ان لوگوں نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور آگ لگا دی اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے یہ منجنیق ایک شتر مست ہے کہ ہم اس سے کعبہ پر نشانہ لگا رہے ہیں ! عمرو بن حوط سدوسی کہتا جاتا تھا کیف تری صنیع ام فروۃ۔ تاخذھم بین الصفا والمروۃ، ذرا ام فروہ کو دیکھنا کہ صفا و مروہ کے درمیان لوگوں کو کس طرح نشانہ بنا رہی ہے۔

ام فروہ اس نے منجنیق کا نام رکھا تھا۔ مثلاً بیں مسلم کے دفن ہونے کے بعد ابن نمیر محرم ۲۳ تیئیس تاریخ کو مکہ طرف روانہ ہوا اور ۲۶ چھبیس کو مکہ پہونچا چونسٹھ دن تک محاصرہ کئے رہا۔ غرۂ ربیع الآخر کو یزید کے مرنے کی خبر سن کر محاصرہ اٹھا لیا۔ !

مکہ کا محاصرہ ۶۴ دن تک، !

خدا کے گھر کا محاصرہ، دو مہینہ سے زیادہ عرصہ تک، !

یہ سعادت اسلام کی ۱۴ سو برس کی تاریخ میں ایک مسلمان ہی کے حصہ میں آئی ، !

تامل نہیں کیا۔

—● وہی تھا جس نے توابین کو ہلاک کرنے کے لئے جو پہلا قدم اٹھایا وہ صحابی رسول سلیمان بن صرد کی جان لے کر اٹھایا،

"مروان کی وفات کے بعد رمضان ۶۵ھ میں عبدالملک تخت نشین ہوا اس کی تخت نشینی کے بعد توابین کا جو مروان کے زمانے میں بڑے زور شور سے اٹھے تھے خاتمہ ہوا۔ ان کی تاریخ یہ ہے کہ کوفہ کے ایک ممتاز بزرگ سلیمان بن صرد جنہیں شرف صحابیت بھی حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کے بڑے فدائیوں میں تھے۔ آپ کے بعد وہ کوفہ میں حضرت حسینؓ کے داعی بن گئے۔ ان کا گھر شیعانِ علیؓ کا مرکز تھا۔ یہیں سے آپ کو بلاوے کے خطوط جاتے تھے۔ لیکن جب حضرت حسینؓ کوفہ تشریف لائے تو سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی آپ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اور کربلا کا خونیں حادثہ پیش آ گیا۔ اس غلطی پر ان کو اور ان کی پوری جماعت کو بڑی ندامت و شرمندگی تھی۔ انھوں نے اس کے کفارہ میں قاتلین حسینؓ سے انتقام لینا اپنا فرض قرار دیا۔ اور "توابین" اپنا لقب رکھا۔ اس جماعت نے یزید ہی کے زمانہ سے خفیہ تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ بہت سے لوگ جو حضرت امام حسینؓ کا ساتھ نہ دے سکے تھے اس دعوت میں شریک ہو گئے تھے۔ مروان کے زمانہ ۶۵ھ میں جب ان کی قوت مضبوط ہو گئی تو یہ لوگ چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ اور حضرت امام حسینؓ کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے شام کی طرف بڑھے۔

اس زمانہ میں عبداللہ بن زیاد عراق کی بعض مہموں میں مصروف تھا۔ اس لئے اس کا اور توابین کا سامنا ہو گیا۔ دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ توابین بڑی جانبازی سے لڑے۔ لیکن آخر میں انھیں شکست ہوئی۔ سلیمان بن صرد اور ان کے تمام بڑے ساتھی کام آئے۔ اور چھ ہزار توابین میں سے بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی اس جماعت کا آغاز مروان کے زمانہ میں ہوا تھا۔ لیکن خاتمہ عبدالملک کے زمانہ میں ہوا[1]

[1] تاریخ اسلام (عہد بنو امیہ)

چھ ہزار توّابین کا خاتمہ

عبد الملک بن مروان کا عہد گوناگوں شقاوتوں سے بھرپور ہے، ان شقاوتوں اور سفاکیوں کا مظاہرہ کر کے اس نے ثابت کر دیا کہ اس نے اسلاف کے روایات میں اضافہ کیا کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی،

عبد الملک کے عہد پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا اسی نے :

— مکہ معظمہ پر سنگ باری کرائی، اور اس کی حرمت کو نقصان پہونچایا،

— وہی تھا جس کی گردن مصعب بن زبیرؓ کا خون ہے،

— وہی تھا جس نے عمرو بن سعید کو متفقہ معاہدے کے باوجود محض اس اندیشہ سے قتل کرا دیا کہ کہیں آگے چل کر ان کا وجود اس کے لئے خطرہ کا باعث نہ بن جائے،

— وہی تھا جس نے عبد اللہ بن زبیرؓ جیسی برگزیدہ اور یگانہ شخصیت کو بے دردی سے قتل کرا دیا،

— وہی تھا جو جلیل القدر صحابیٔ رسولؐ حضرت انس بن مالک کی تذلیل و توہین کا سبب بنا،

— وہی تھا جس نے رشوتیں دے کر، لوگوں کے ضمیر خریدنے کی متعدد مواقع پر کوشش کی،

— اور وہی تھا جس نے چھ ہزار توابین کو ہلاک و برباد، اور قتل کرنے میں ذرا بھی

ایھا الناس۔ خداوندعالم جانتاہے کہ تم کس نیت سے نکلے ہو۔۔۔۔۔
ہو اور کس بات کے طالب ہو، دنیا کا سودا اور ہے آخرت کا اور۔ جو آخرت کا سودا کرتاہے
وہ آخرت کی طرف دوڑتا ہے اس کے حاصل کرنے میں دم نہیں لیتا۔ کسی قیمت پر اسے نہیں
چھوڑتا، رکوع وسجود و قیام و قعود میں ہمیشہ بسر کرتا ہے، زر و سیم و دنیا اور لذت دنیا
سے مطلب نہیں رکھتا، اور جسے دنیا عزیز ہے۔ وہ دنیا ہی کی طرف منہ کے بل گرتا ہے۔
اسی میں چرتا چگتا ہے کسی مبادلہ پر اسے چھوڑنا نہیں چاہتا، رحمکم اللہ اس راہ میں راتوں
کو نمازیں بسر کرو۔ ہر حال میں ذکر خدا کرتے رہو پھر اس دشمن ظالم جبار سے
مقابلہ ہوجائے تو جہاد کرو۔ تم اپنے پروردگار سے جہاد اور نماز سے بڑھ کر
کسی عمل کو ذریعہ توسل نہیں بناسکتے۔ جہاد تمام اعمال کی چوٹی ہے، خداوندکریم
ہم کو تم کو نیک بندوں، جہاد کرنے والوں، مصیبت میں ثابت قدم رہنے والوں میں
شمار کرے۔"

ایک اور موقع پر:
"سلیمان بن صرد نے دعا کی" خداوندا حسین شہید بن شہید مہدی بن مہدی،
صدیق بن صدیق پر رحمت نازل فرما۔ خداوندا تو شاہد رہنا کہ ہم سب ان ہی کے
دین پر ہیں، انھیں کی راہ کے سالک ہیں، ان کے قاتلوں کے دشمن۔ ان کے دوستوں
کے ہواخواہ ہیں۔" اور سب لوگ پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔" خداوندا ہم اپنے پیغمبر
کے فرزند کو چھوڑ کر بیٹھ رہے، جو کچھ ہم نے کیا اسے عفو کردے۔ ہماری توبہ قبول
کرلے۔ تو رحیم اور تواب ہے، حسین اور اصحاب حسین، شہدائے صدیقین پر اپنی
رحمت نازل کر پروردگار تو گواہ ہے کہ جس راہ میں وہ قتل ہوئے ہیں ہم بھی اسی راہ پر
ہیں۔ اگر تو ہمارے گناہ کو نہ بخشے گا، اگر تو ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم سب خائب وخاسر
تباہ و برباد ہوجائیں گے۔" پھر اس وقت سے کر دوسرے دن کی صبح تک جس وقت
انھوں نے قبر حسین کے قریب نماز پڑھی۔ آپ کے اور آپ کے انصار کے لئے

اب میں تاریخ طبری سے توابین کے شوق شہادت اور جرأت ایمانی کے کچھ واقعات پیش کرتا ہوں، !

یہ توابین کس دم خم کے تھے ؟ طبری کی روایت ہے :-

" ابن صرد نے ایک عربی کمان پر سہارا دے کر لوگوں سے اس طرح خطاب کیا ایھاالناس - جو لوگ رضائے خدا اور جزائے آخرت کے خیال سے شریک ہوئے ہیں وہ ہمارے اور ہم ان کے ہیں ، ان پر خدا کی رحمت نازل ہو، حیات میں بھی اور موت میں بھی ، اور جو لوگ دنیا اور حطام دنیا کی ہوس رکھتے ہیں - وہ سن لیں کہ خوشنودی پروردگار عالم کے سوا نہ ہمیں مال غنیمت ملنے والا ہے نہ ہمارے پاس سیم وزر ہے نہ خز وحریر ہے - بس ہمارے کاندھوں پر تلواریں ہیں ، ہمارے ہاتھوں میں سنانیں ہیں - اور بس اتنی زاد راہ ہے - جس قدر کہ دشمن تک پہونچنے میں کفایت کرے - تو جس کسی کا مقصود اس کے علاوہ ہو اُسے ہمارے ساتھ نہ آنا چاہئے - یہ سن کر صخر مزنی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا " خدا نے آپ کو ہدایت کی اور فیصلہ کی بات آپ کو بتادی قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی جو لوگ دنیا کی ہوس اور طمع میں ہمارے ساتھ شریک ہوئے ہیں - ہمیں ان سے خیر کی امید نہیں ، ایھاالناس - ہم اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور اپنے پیغمبر صلعم کے نواسے کا انتقام لینے نکلے ہیں نہ ہمارے پاس دینار ہیں نہ درہم - ہم تو تلواروں کی دھار اور برچھیوں کی نوکوں کے سامنے جا رہے ہیں - " ہر طرف سے لوگ پکارنے لگے ہم دنیا کے طالب نہیں ہیں - اور نہ دنیا کے لئے نکلے ہیں ، "

جوش وخروش اور جذبہ وشوق کا عجیب عالم تھا ، طبری کا بیان ہے :

" سلیمان ابن صرد خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے ، خدا کی حمد وثنا کی پھر کہا -

نزول رحمت کی دعا برابر کرتے رہے، اس واقعہ سے ان کا جوش اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس کے بعد سلیمان نے کوچ کا حکم دیا۔ اب قبر حسین کے وداع کرنے کو چلا۔ ہر ایک آپ کی قبر کے پاس آتا تھا اور نزول رحمت و مغفرت کی دعا کرتا تھا۔ حجر اسود پر بھی لوگوں کا ایسا اژدحام نہیں ہوتا تھا جیسا آپ کی قبر پر تھا۔

مسیب ایک جگہ پہونچتے ہیں۔ وہاں کا حاکم دیکھ کر اٹھتا ہے:

"تمہارے ساتھ جنگ وجدال میں مبتلا ہونا ہمیں گوارا نہیں ہے، تم لوگوں کے صلاح و تقویٰ اور سیرت حسنہ کا حال میں سن چکا ہوں" یہ کہہ کر اپنے بیٹے کو پکارا اسے حکم دیا کہ بازار کی چیزیں ان لوگوں کو منگوادے۔ اور ہزار درہم اور ایک گھوڑا مسیب کو عطا کیا، مسیب نے کہا درہم اور دینار کی ہمیں حاجت نہیں، واللہ نہ ہم لوگ اس لئے نکلے ہیں نہ اس کے طلبگار ہیں۔ ہاں گھوڑے کو ہم نے قبول کیا۔ شاید میرا گھوڑا نہ چل سکے یا میری سواری میں رہ جائے تو اس کی مجھے ضرورت ہوگی۔"

حکومت وقت بھلا توابین کو کیسے معاف کر سکتی تھی؟:

"صبح کو ادہم باہلی دس ہزار کا لشکر لے کر وارد ہوا، اسی وقت سے ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا یہ تیسرا دن جنگ کا جمعہ کا تھا، دن چڑھے تک بہت سخت جنگ ہوتی رہی۔ اس کے بعد اہل شام ہر طرف سے توابین پر ٹوٹ پڑے۔ سلیمان نے جو اپنے اصحاب کو اس مصیبت میں دیکھا تو گھوڑے سے اتر پڑے اور ندا کی۔ بندگان خدا جسے اپنے پروردگار سے ملاقات کرنا منظور ہو جسے اپنے گناہ سے توبہ اپنے عہد کو پورا کرنا مقصود ہو وہ میرے ساتھ آئے۔ یہ کہہ کر میان کو توڑ ڈالا اور بہت سے لوگ ان کی آواز پر اتر پڑے اور تلواروں کی کاٹھیوں کو توڑ کر سب نے پھینک دیا۔ یہ سب لوگ سلیمان کے ساتھ

پیدل چلے۔ ان لوگوں کے گھوڑے لشکر ہیں سے ہوتے ہوئے کسی طرف نکل گئے اب انھوں نے ایسی شمشیر زنی کی کہ اور سب لوگ حملہ کرنے کو تلواریں سونت کر گھوڑوں سے کود پڑے۔ کاٹھیوں کو توڑ کر پھینک دیا، سواروں نے سواروں پر حملہ کیا۔ تلوار چلی اہل شام میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور بہت سے شامیوں کو زخمی کر دیا۔ حصین نے ان کے ثبات قدم ان کی سطوت کو دیکھ کر پیادوں کو بھیجا کہ ان کو تیروں کا نشانہ بنائیں۔ اب سواروں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ ایسی حالت میں سلیمان بن صرد رحمتہ اللہ قتل ہو گئے ان کو یزید بن حصین نے تیر مارا تیر کھا کر گرے پھر حملہ کیا۔ پھر گرے۔ ان کے بعد مسیب نے عَلم اٹھا لیا اور سلیمان سے خطاب کر کے کہا۔ "بھائی خدا کی رحمت ہو تم پر جو کہا تھا وہی کیا اور جو تمہارے ذمہ تھا اس کام کو تم نے پورا کر دیا۔ ہمارے ذمہ جو کام ہے وہ ابھی باقی ہے۔" یہ کہہ کر مسیب نے علم لے کر حملہ کیا اور ایک ساعت لڑتے رہے اس کے بعد واپس آئے۔ پھر حملہ کیا اور لڑے پھر واپس آئے۔ اسی طرح بہت دفعہ حملہ کر کے واپس آئے پھر قتل ہو گئے۔"

یہ لوگ قتل ہونے کے لئے نکلے تھے، اور قتل ہو رہے تھے،!

"دوسرے دن پھر جنگ شروع ہوئی، مگر توابین کے دم خم میں فرق نہیں آیا،!

"شام کے قریب ادھم باہلی توابین سے قتال کرنے پر آمادہ ہوا اور بہت سے سواروں اور پیادوں کو لے کر اس نے حملہ کیا۔ عبداللہ بن وال اس جنگ میں قتل ہو گئے۔ ادھم باہلی نے انھیں قتل کیا۔ وہ خود لوگوں سے حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ذکر کرتا تھا کہ امرائے عراق میں سے عبداللہ بن وال سے مجھ سے مقابلہ ہوا یہ شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا۔" لا تحسبن الذین قتلو فی سبیل اللہ اموا تا بل احیاء عند ربھم یرزقون الخ یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہو لئے انھیں مردہ نہ سمجھو وہ تو زندہ ہیں اور خوش ہیں۔ اپنے خدا کے پاس رزق پاتے ہیں۔ مجھے یہ سن کر غصہ آیا۔ میں نے دل میں کہا یہ لوگ ہم کو مشرکین کے مثل سمجھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ہم جس کو قتل کرتے ہیں وہ شہید ہوتا ہے

میں نے اس پر حملہ کیا، بائیں ہاتھ پر اس کے وار کیا، ہاتھ اڑ گیا تو میں نے ذرا سا رک کر پوچھا — ،میں جانتا ہوں اس وقت تجھے آرزو ہوگی کہ کاش گھر میں بیٹھا رہا ہوتا - ابن وال نے جواب دیا تیرا خیال غلط ہے واللہ مجھے اس کی بھی آرزو نہیں کہ میرے ہاتھ کے بدلے تیرا ہاتھ قطع ہوتا ہاں تیرا ہاتھ قطع کرنے میں اگر مجھے اتنا ہی اجر ہوتا جتنا اجر اپنے ہاتھ کے قطع ہو جانے میں مجھے حاصل ہوا ہے - میں نے پوچھا یہ کیوں کہا کہ اس لئے میرا ہاتھ کاٹنے میں خدا تیرے گناہ کو شدید کر دے - اور میرے ہاتھ کا اجر عظیم مجھے دے یہ سن کر مجھے اور بھی غصہ آیا - میں نے سواروں کو اور پیادوں کو جمع کر کے اس پر اور اس کے اصحاب پر حملہ کیا اور اسے برچھی مار کر میں نے قتل کیا، وہ میری طرف منہ کئے رہا - برچھی کے وار سے اپنے کو نہ بچایا - لوگوں سے میں سنتا ہوں کہ عراق کے ان فقہا میں سے تھا جو صوم و صلوٰۃ میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں اور جن سے لوگ فتویٰ لیا کرتے تھے -" عبداللہ بن وال کے قتل ہو جانے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ابن خازم انہی کے پہلو میں قتل کئے ہوئے پڑے ہیں -

---

ایک اور دل گداز منظر :

عبداللہ بن عزیز کندی (تو ابین میں سے) اپنے ایک چھوٹے سے لڑکے محمد کو ساتھ لے کر نکلے اور کہا کہ اے اہل شام کیا تم میں سے کوئی بنی کندہ کا ہے - یہ سن کر کچھ لوگ لشکر سے نکلے اور کہا ہم لوگ کند   ہیں کہا اپنے بھتیجے کو مجھ سے لے لو - اپنے خاندان کے پاس کوفہ میں بھیج دینا میں عبداللہ بن عزیز کندی ہوں انھوں نے کہا تم ہمارے ابنِ عم ہو تمہارے لئے امان ہے - عبداللہ کندی نے جواب دیا" واللہ میں اپنے بھائیوں کے مقتل سے جدا ہونا نہیں چاہتا - یہ ایسے برادر ایمانی تھے - جن سے شہروں میں اجالا تھا - جن سے زمین اپنی جگہ پر قائم

تھی۔ ذکر خدا ایسے ہی لوگوں کے دم سے جاری تھا۔" ان۔ کے بیٹے نے رونا شروع کیا تو کہنے لگے۔ "اے فرزند اگر اطاعت خدا سے بڑھ کر کسی چیز کو میں سمجھتا تو بیشک تجھی کو سمجھتا۔" شامیوں میں جو لوگ اس کے خاندان کے تھے۔ انھوں نے بہت قسمیں دیں۔ ان کے فرزند کا اپنے باپ کے لئے تڑپنا اور رونا ان سے نہ دیکھا گیا، یہ لوگ بھی بے اختیار رونے لگے۔ عبداللہ کندی اب اس طرف مڑے۔ جدھر ان کے اصحاب تھے۔ اور شامیوں کی صف پر قریب شام کو حملہ کیا اور جب تک قتل نہیں ہو گئے لڑتے گئے،"

توابین ہلاک ہو گئے :

" ادھم باہلی نے جا کر عبدالملک کو فتح کی مبارکباد دی یہ خبر سن کر وہ منبر پر گیا، حمد و ثنائے الہی بجا لایا اور کہا۔ "خدا نے رؤسائے عراق میں سے بڑے فتنہ انگیز اور گم کردہ راہ سلیمان بن صرد کو ہلاک کیا۔ اور سنو تلوار والوں نے مسیب کے سر کو گیند کی طرح اچھال دیا۔ اور سنو خدا نے ان کے دو بڑے سرداروں کو جو بڑے گمراہ اور گمراہ کنندہ تھے قتل کیا۔ عبداللہ بن ازدی، اور عبداللہ بن وال اب ان لوگوں کے بعد کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو دفع یا منع کی قدرت رکھتا ہو"

جنگ عین الوردہ کے ایک شریک اور شاہد کا بیان :۔

"ایک زمانہ کے بعد حمید سے اور عبدالملک سے مکہ میں ملاقات ہوئی، باتوں باتوں میں جنگ عین الوردہ کا ذکر نکلا۔ ازدی نے کہا کہ ان لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد نہایت عجیب واقعہ یہ ہو کہ ایک شخص نے آکر تلوار کا مجھ پر وار کیا۔ میں بھی لڑنے پر آمادہ ہو گیا وہ بہت زخمی ہو گیا تھا اور کہتا جاتا تھا،

میں اللہ سے اللہ ہی کی طرف بھاگ کر جاتا ہوں۔ اے اللہ تیری خوشنودی کی آرزو میرے ظاہر و باطن میں ہے

میں نے پوچھا تو کس خاندان سے ہے کہا اولادِ آدم سے۔ میں نے خاندان ہی کو پھر پوچھا کہا اے کعبہ کو خراب کرنے والو! میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں اور تم مجھے پہچانو، سلیمان بن عمرو اس سے لڑنے کو نکلا وہ اس زمانہ میں بڑا قوی اور شہ زور تھا۔ دونوں شخصوں نے ایک دوسرے کو زخموں سے چور کر دیا۔ پھر ہر طرف سے اہل شام ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کیا۔ میں نے ایسا حملہ آور کسی کو نہیں دیکھا یہ ذکر سن کر حمید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ازدی نے پوچھا کیا تمہاری اس سے قرابت تھی۔ حمید نے کہا قرابت تو نہ تھی یہ شخص خاندان مضر سے تھا۔ میرا دوست تھا اور بھائیوں کی طرح تھا، کہا خدا تجھے روتا ہی رکھے۔ ایک شخص بنی مضر کا گمراہ ہو کر مارا گیا اور تو روتا ہے۔ حمید نے کہا واللہ گمراہ ہو کر نہیں مارا گیا وہ اپنے پروردگار کی ہدایت اور دلیل روشن پر مارا گیا، کہا جہاں وہ گیا خدا تجھے بھی وہیں پہنچا دے، حمید نے کہا آمین، اور تجھے حصین بن نمیر کی جگہ خدا پہنچاوے اور اس کے ماتم میں خدا تجھے روتا رکھے،

عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت

اسلام کی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا حادثۂ شہادت بھی ایک ایسا واقعہ ہائلہ ہے، جسے کبھی اور کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا،

جن اہل حق نے امیر معاویہ کو ان کی بے اعتدالیوں، اور اجتہادی غلطیوں، اور بیت المال پر تصرف بے جا کے باوجود برداشت کرلیا تھا، وہ ضبط کی انتہا تھی، اس سے زیادہ برداشت کرنا اسلام سے غداری تھی، لہٰذا جبری بیعت کی بنا پر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو معاملہ ناقابل برداشت ہوگیا،!

اور پھر جب حسین علیہ السلام کو کربلا میں شہید کر دیا گیا، تو اہل مدینہ و مکہ کا پیمانۂ صبر چھلک گیا، وہ کسی طرح غیر اسلامی سلطنت کو برداشت نہ کرسکے،! چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ:

"اہل حجاز نے شروع ہی میں یزید کی خلافت خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کی تھی، بعض بزرگوں نے بیعت بھی نہیں کی تھی۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کا اور زیادہ برا اثر ان پر پڑا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس واقعہ کو لے کر اہل مکہ کو یزید کی مخالفت پر آمادہ کردیا۔"[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۰ ۴ (تاریخ اسلام)

یزیدکو ابتدا سے ان کی جانب سے خطرہ تھا۔ اس لئے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہی اس نے چند آدمیوں کو ابن زبیرؓ سے بیعت لینے اور انکار کی صورت میں گرفتار کرنے کیلئے مکہ بھیجا۔ انھوں نے مکہ جاکر ابن زبیرؓ کو یزید کا پیام سنایا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ ؎۱

"رشوت" اہل حق کو کبھی نہ خرید سکی:

"عثمان بن محمد حاکم مدینہ نے اشراف مدینہ کا وفد شام بھجوایا یزید نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ انھیں بڑے بڑے عطیے دیئے۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو ایک ایک لاکھ اور ان کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار دیئے۔ منذر بن زبیر کو ایک لاکھ کی رقم عطا کی ؎۲ لیکن ان بزرگوں پر اس کی داد و دہش کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ شام سے اور زیادہ بددل ہوکر لوٹے۔ اور عبداللہ بن حنظلہ نے مدینہ واپس آکر یزید کی مخالفت شروع کردی۔ اس کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے نعمان بن بشیر انصاری کو چند آدمیوں کو ساتھ مدینہ بھیجا۔ کہ اہل مدینہ اور ابن زبیر کو سمجھائیں کہ میں امن وعافیت چاہتا ہوں، وہ لوگ مخالفت کرکے فتنہ نہ پیدا کریں ؎۳ انھوں نے جاکر پہلے اہل مدینہ کو سمجھایا کہ تم لوگ امن و اطاعت سے کام لو۔ فتنہ و فساد کا انجام برا ہے۔ تم میں شامیوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور لوگ خود نعمان سے بگڑ گئے۔ اس لئے وہ لوٹ گئے ؎۴

پھر مدینہ سے مکہ جاکر ابن زبیرؓ کو یزید کا پیام پہنچایا کہ میں امن وعافیت چاہتا ہوں اس لئے تم طاعت وجماعت سے الگ ہوکر اختلاف نہ پیدا کرو۔ یہ پیام سن کر ابن زبیرؓ نے نعمان کے ایک اور ساتھی ابن عصارۃ سے پوچھا کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کرو گے؟۔ اس نے جواب دیا اگر

[illegible] ؎۲ ابن اثیر جلد ۴ ص [illegible] ؎۳ ایضاً ؎۴ اخبار الطوال ص ۲۶۳ [illegible]

تم بیعت نہ کروگے تو میں اس سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

یہ جواب سن کر ابن زبیرؓ نعمان بن بشیر کو الگ لے گئے۔ اور اپنا اور یزید کا موازنہ کر کے ان سے پوچھا کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے؟ نعمان نے ان کے فضائل کا اعتراف کیا۔ اور کہا میں کبھی آپ کو اس کا مشورہ نہ دوں گا۔ اور نہ آئندہ آپ کے پاس اس مقصد کے لئے آؤں گا۔[1]

طبری نے ابن زبیرؓ کی وہ تقریر درج کی ہے جو انھوں نے شہادت حسینؓ کے بعد کی تھی،

"اسی سال ابن زبیر نے یزید سے مخالفت کی اسے خلافت سے خلع کیا اور اور خود لوگوں سے بیعت لی۔ حسین علیہا السلام جب قتل ہو گئے تو ابن زبیر نے اہل مکہ سے حمد و صلوٰۃ کے بعد اس باب میں ایک تقریر کی۔ اس واقعہ کو بہت عظمت دی اور اہل کوفہ کو خصوصاً اور اہل عراق کو عموماً ملامت کی۔ کہا کہ اہل عراق چند لوگوں کے سوا سب کے سب غدار و بدکار ہیں اور بدترین اہل عراق کوفہ والے ہیں۔ حسینؓ کو انھوں نے اس لئے بلایا کہ ان کی نصرت کریں گے۔ ان کو اپنا فرمانروا بنائیں گے۔ جب وہ ان کے پاس چلے آئے تو ان سے لڑنے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے یا تو اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیدو۔ ہم تمہیں بغیر لڑے بھڑے ابن زیاد پسر سمیہ کے پاس بھیج دیں گے۔ کہ وہ جو سلوک تم سے کرنا چاہے کرے۔ نہیں تو ہم سے جنگ کرو۔ واللہ حسینؓ اس بات کو سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں وہ اور ان کے انصار تھوڑے سے ہیں۔ خدا نے یہ علم غیب تو کسی کو نہیں دیا ہے کہ وہ سمجھتے کہ قتل ہی ہو جائیں گے۔ لیکن وہ عزت سے مر جانا اس

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۷۰ بہ (تاریخ اسلام)

اس بات کو جانتے تھے، سب نے یہ بات مان لی۔ یہ سعادت تو چودہ سو برس
بعد، ایک "شخص" نامحمود کے حصہ میں آئی کہ اس نے "امیر المومنین یزید کو وقت کا
امام معصوم ثابت کر دیا، اور اس کی تمام خامکاریوں سے یکسر انکار کر دیا!! اور بعض
علمبرداران حق و صدق نے بھی اسے بڑھاوا دینے میں کوئی کمی نہیں کی، ربنا
لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا،

اور خود یہ عبداللہ بن زبیر کیا تھے؟

ان کی شخصیت کیا تھی؟ ان کی سیرت اور کردار کا کیا عالم تھا؟ کس خاندان سے
تھے؟ دین کے لئے اپنے نقطہ نظر سے کسی بات کو صواب سمجھ لینے کے بعد اس پر
مر مٹنے، اور جان دے دینے کا جذبہ کہاں تک کارفرما تھا؟ سن رشد کو پہنچنے کے
بعد سے، شہادت کے دن تک، ان کا عمل ان کا انداز حیات، اور اسلوب کار
کیا تھا؟

یہ وہ چیزیں ہیں جو گو مختلف فیہ نہیں لیکن کوئی حرج بھی نہیں اگر ان پر ایک سرسری
نظر ڈال لی جائے:

"حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مشہور صحابی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے
بھائی حواری رسول حضرت زبیرؓ بن عوام کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ماں حضرت
اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان
رشتوں سے ابن زبیرؓ کی ذات میں بڑی خصوصیتیں جمع ہو گئیں تھیں۔

ابن زبیرؓ سنہ ۱ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے، ہجرت کے بعد بہت دنوں تک
مہاجرین کی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ ان کے سحر کا
نتیجہ ہے عین اسی زمانہ میں عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کی ولادت
کی بڑی خوشی ہوئی۔ سات آٹھ سال کی عمر میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہاتھ پر بیعت کی۔ بچپن سے وہ بڑے بہادر، شجاع اور حوصلہ مند تھے۔ اور اسی زمانہ
سے ان میں بڑائی کے آثار نمایاں تھے۔ سن شعور کے بعد وہ اکثر مہمات میں شریک رہے

بُری زندگی سے بہتر سمجھے۔ خدا رحم کرے حسینؓ پر اور ان کے قاتل کو ذلیل کرے۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ان سے لوگوں کی مخالفت کرنا اور نافرمانی ظاہر کرنا متنبہ ہو جانے کے لئے کافی تھا۔ لیکن جو مقدر میں ہے وہ ہوتا ہے اور خدا جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ نہیں ٹلتی۔ کیا حسینؓ کے بعد بھی ہم ان لوگوں کی طرف سے اطمینان رکھ سکتے ہیں۔ نہیں نہیں ہم انھیں اس لائق نہیں سمجھتے ـــ واللہ ان لوگوں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے۔ جو زیادہ تر قائم اللیل اور اکثر صائم النہار تھا۔ اور ان سے بڑھ کر ریاست کا حقدار اور دین و فضل میں امارت کا سزاوار تھا۔ واللہ وہ ایسے نہ تھے کہ قرآن کے بدلے غنا کریں۔ اور خوف میں رونے کے بدلے گیت گایا کریں۔ وہ ایسے نہ تھے کہ روزے چھوڑ کر شراب پئیں اور حلقۂ ذکر و فکر سے نکل کر شکار کے لئے سوار ہوں!"

اس تقریر میں، ابن زبیرؓ نے اہل مکہ کے مجمع عام میں، امام حسینؓ سے یزید کا موازنہ کرتے ہوئے یزید پر بڑے سنگین الزامات لگائے تھے،

- وہ قرآن کی تلاوت کے بجائے نغمہ و موسیقی میں وقت گذارتا ہے،
- خشیت الٰہی کے باعث وہ روتا نہیں، گاتا ہے، گانا سنتا ہے، اس کا دل صرف دنیا میں اٹکا ہوا ہے،
- وہ روزہ نہیں رکھتا شراب پیتا ہے،
- وہ ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں خلفائے راشدین اور اصحاب رسول اللہؐ کی طرح منہمک نہیں رہتا، سیر و شکار میں منہمک رہتا ہے،

یہ الزامات بھرے مجمع میں ایک بڑی اور ذمہ دار شخصیت نے لگائے لیکن مخالفت میں ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی، یہ اتنی معروف، متواتر اور تسلیم شدہ حقیقت تھی کہ کسی نے اعتراض نہیں کیا، کسی نے جرح نہیں کی، سب

موجود ہیں۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبین میں بھی ایک تقریر نمونۃً نقل کی ہے۔
فضائل اخلاق کے لحاظ سے ان کی زندگی نمونہ تھی۔ وہ عبادت وریاضت، زہد و تقویٰ کا پیکر تھے، ان کی نماز ہوبہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی۔ ؎۱ اس سکون واستغراق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے۔ ؎۲ رکوع اتنا طویل ہوتا کہ دوسرے لوگ سورہ بقرہ ختم کر دیتے تھے۔ اور ان کا رکوع تمام نہ ہوتا۔ ؎۳ سجدہ کی طوالت اور استغراق سے چڑیاں اڑ اڑ کر پیٹھ پر بیٹھتی تھیں ؎۴ خانہ کعبہ کے محاصرہ کے زمانہ میں جبکہ ہر طرف سے سنگباری ہوتی تھی۔ وہ نہایت سکون د اطمینان کے ساتھ حطیم میں نماز پڑھتے تھے۔ روزہ اور حج وغیرہ تمام ارکان سے یہی ذوق د شوق نمایاں تھا اس طرح کے بہت واقعات طبقات صحابہ میں مذکور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو خود زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے ان کی مذہبی زندگی کے معترف تھے۔ ؎۶
کسی کام میں سنتِ نبویؐ کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو بن زبیرؓ کے درمیان کسی معاملہ میں تنازع ہوگیا۔ سعید بن العاص حاکم مدینہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے دونوں کے مرتبہ کے خیال سے اپنے پہلو میں جگہ دی عمرو تو بیٹھ گئے، لیکن ابن زبیرؓ نے انکار کر دیا کہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حکم کے سامنے بیٹھنا چاہیئے۔ ؎۷
امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ ابن زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ انہی کے دامن میں انھوں نے پرورش پائی تھی۔ اس لئے ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ بڑی فیاض تھیں۔ ابن زبیرؓ جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں۔ ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کی زبان سے اس کی شکایت نکل گئی، حضرت عائشہؓ کو اس سے تکلیف پہنچی انھوں نے ابن زبیرؓ

؎۱ مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۶ ؎۲ ۲۸۹ اصابہ ج ۴ ص ۷۵ ؎۳ اسدالغابہ جلد ۳ ص ۱۶۲ ؎۴ ابن اثیر جلد ۴ ص ۳۹۲، ؎۵ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳، ؎۶ مستدرک جلد ۳ ص ۵۵۲، ؎۷ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۶

طرابلس انہی کی کوششوں سے فتح ہوا تھا۔ ؎۱

جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت میں پیش پیش تھے ۔ ان کی حفاظت میں اس بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑے کہ بدن زخموں سے چور ہو گیا تھا ۔ پورے جسم میں چالیس سے زیادہ زخم تھے ۔ ؎۲"

ابن زبیرؓ کی زندگی پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سراپا خیر شخصیت کے حامل تھے ، انھوں نے اپنی زندگی اسلام کے رنگ میں رنگ لی تھی ، ومن احسن من اللہ صبغۃ ؟

چنانچہ ابن زبیرؓ کا سراپا تاریخ اسلام (عہد بنو امیہ) میں بالفاظ ذیل ملتا ہے :

" ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کے دامن میں پرورش پائی تھی ۔ اس لئے فضل و کمال کے لحاظ سے وہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے ۔ قرآن کے بہت اچھے قاری تھے ۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کی قرأت کے معترف تھے ۔ ؎۳

احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیرؓ بن عوام ، حضرت عائشہؓ صدیقہ خلفائے راشدین اور بعض دوسرے اکابر صحابہ سے خوشہ چینی کی تھی ۔ ان کی ۳۳ روائتیں حدیث کی کتابوں میں ہیں ۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہے ۔ ؎۴

فقہ میں استادرک تھا کہ مدینہ کے صاحب علم وافتا صحابہ میں تھے ۔ ؎۵

عربی کے علاوہ مختلف زبانوں سے واقفیت تھی ۔ ان کے غلام مختلف قوم اور نسل کے تھے ۔ اور ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے ۔ ؎۶

بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے ۔ عثمان بن طلحہ کا بیان ہے کہ فصاحت و بلاغت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا ؎۷ اس کی تصدیق ان تقریروں سے ہوتی ہے ۔ جو تاریخوں میں

؎۱ ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۹ و ۸۵ ؎۲ صحابہ تذکرہ ابن زبیرؓ ؎۳ بخاری کتاب التفسیر ؎۴ تہذیب التہذیب

؎۵ اعلام الموقعین ، ؎۶ مستدرک ج ۳ ص ۵۴۹ ، ؎۷ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳ ،

آخر وقت تک، پوری بے جگری، استقامت، اور عزم و حوصلہ کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے۔

واقعہ حرہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے بزور شمشیر دوبارہ اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لے لی تھی۔ یزید کی موت کے بعد پھر وہ ابن زبیر کے ساتھ ہو گئے۔

ابن زبیرؓ کی شخصیت ہر لحاظ سے محترم تھی، اور معاویہ بن یزید کے بعد بنی امیہ میں کوئی حوصلہ مند کھڑا بھی نہیں ہوا۔ اس لئے حجاز و عراق اور مصر و شام میں اردن کے والی حسان بن بحدل کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے حکام و عمائد ان ابن زبیرؓ کے حامی و مددگار بن گئے تھے۔ اور یہاں کے باشندوں نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی[۱]۔ بصرہ کو البتہ عبیداللہ بن زیاد نے سنبھالنے کی کوشش کی۔ اور اہل بصرہ کو جمع کر کے تقریر کی۔

"میرا مولد و منشا یہی شہر ہے۔ میں نے ہر شعبہ کو اتنی ترقی دی کہ جس وقت یہاں کا والی ہوا ہوں۔ اس وقت فوجی دفاتر کا خرچ کل ۷۰ ہزار تھا اور آج ایک لاکھ ہے۔ حکام کے دفاتر کے اخراجات کل نوّے ۹۰ ہزار تھے۔ اور آج ایک لاکھ چالیس ہزار ہیں۔ جتنی مخالف طاقتیں تھیں سب کو جیل میں بھر کر ختم کر دیا۔ اب کوئی قوت ایسی نہیں ہے جس سے تمہیں خطرہ ہو۔ یزید کا انتقال ہو چکا ہے اور شام میں اختلاف بپا ہے۔ تم لوگ دولت و ثروت قوت و شوکت ہر چیز میں سب میں ممتاز ہو اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کا لحاظ کر کے تم جسے اپنا امیر بناؤ گے میں بھی اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ اور اگر اہل شام کسی اور کو منتخب کریں اور تم بھی اسے پسند کرتے ہو تو اسے مان لینا ورنہ اپنا امیر الگ منتخب کرنا تم کو دوسرے ملکوں کی تائید و حمایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے ملک خود تمہارے محتاج ہیں۔[۲]"

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۰۴ [۲] ابن اثیر جلد ۳ ص ۵۲،

ترک کلام کی قسم کھالی۔ ان کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی اور مختلف وسیلوں سے عفوِ تقصیر کی کوشش کی۔ لیکن حضرت عائشہؓ اپنی قسم توڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تھیں۔ آخر میں بڑی وشواری اور سفارشوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا یہ فرمان یاد دلانے کے بعد کہ "کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں" حضرت عائشہؓ نے اپنی قسم توڑ دی۔ اور اس کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے۔ اور خالہ بھانجے میں پھر وہی مہر و محبت کے تعلقات قائم ہو گئے۔[۱]

ابن زبیرؓ قریش کے شجاع ترین لوگوں میں تھے۔ ہر معرکہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی پوری زندگی شجاعانہ کارناموں سے معمور رہی۔ یہ ان کی شجاعت ہی تھی کہ بنی امیہ جیسی باجبروت حکومت کا سات برس تک مقابلہ کرتے رہے۔

شجاعت ہی کا ایک رخ براءت و بے باکی اور حق گوئی ہے۔ ابن زبیرؓ بڑے جری اور حق گو تھے۔ کسی موقع پر ان کی زبان اظہار حق میں خاموش نہ ہوتی تھی۔ امیر معاویہؓ کے دبدبہ و شکوہ پولٹیکل تدبیروں اور دانشمندیوں نے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دی تھیں۔ لیکن ابن زبیرؓ پر ان کا بس نہ چل سکا۔ ان کے سامنے اُن کی تمام تدبیریں ناکام رہیں۔ اور انھوں نے کسی طرح یزید کی ولیعہدی کی بدعت تسلیم نہیں کی۔

ان کے والد حضرت زبیر ابن عوامؓ قریش کے بڑے دولت مند لوگوں میں تھے۔ ان کا تجارتی کاروبار بڑا وسیع تھا۔ اپنے بعد پانچ کروڑ سے زیادہ روپیہ چھوڑا۔ اور ایک تہائی کی وصیت ابن زبیرؓ کے لئے کر گئے تھے[۲]۔ نقد کے علاوہ جاگیر اور مکانوں کی شکل میں الگ سرمایہ تھا۔ اس لئے ابن زبیرؓ کی زندگی شروع سے آخر تک نہایت فراغت اور اطمینان سے بسر ہوئی۔!"

یہ تھے ابن زبیرؓ جو حکومت بنی امیہ کے خلاف میدان جنگ میں اترے، اور

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ میں یہ واقعہ مفصل ہے۔ [۲] بخاری کتاب المغازی باب برکۃ الغازی فی مالہ

یہ تقریر سن کر اہل بصرہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ لیکن اس نے انکار کیا۔ جب اہل بصرہ زیادہ مصر ہوئے تو وہ آمادہ ہوگیا۔ اہل عراق کی فطرت میں نفاق تھا۔ اس لئے اس وقت بھی جبکہ وہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے۔ دل سے اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ جب بیعت کرکے باہر نکلے تو ہاتھوں کو دیواروں پر رگڑ کر صاف کرتے اور کہتے ابن مرجانہ سمجھتا ہے کہ ہم اتفاق اور اختلاف ہر حالت میں اس کی اطاعت کریں گے۔

اہل بصرہ کی بیعت کے بعد ابن زیاد نے کوفہ آدمی بھیجا۔ اس نے جاکر اہل کوفہ سے کہا کہ بصرہ والوں نے ابن زیاد کے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے۔ اس لئے تم لوگ بھی جماعت میں شامل ہو جاؤ، یہاں بڑی مخالفت ہوئی۔ کوفہ والوں نے کہا خدا نے ہم کو ابن سمیہ سے نجات دی ہے۔ اب ہم دوبارہ اس کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں گے۔

اہل بصرہ پہلے دل سے ابن زیاد کے خلاف تھے۔ کوفہ والوں کا جواب سن کر انھوں نے علانیہ مخالفت شروع کردی۔ ابن زیاد نے بہت سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ اور اس کی مخالفت اتنی بڑھی کہ اسے عراق چھوڑ کر شام بھاگ جانا پڑا ابن زیاد کے عراق چھوڑنے کے بعد اہل کوفہ اور بصرہ نے بڑے اختلاف اور ہنگاموں کے بعد ابن زبیرؓ کو خلیفہ مان لیا۔[1]

اس وقت قریباً کل دنیائے اسلام میں ابن زبیرؓ کی خلافت مسلم ہوگئی تھی کہ عین اس وقت انھوں نے ایک ایسی فاش غلطی کی کہ بنی امیہ کی اکھڑی ہوئی حکومت پھر قائم ہوگئی۔

انھوں نے مکہ اور مدینہ سے بنی امیہ کو نکلوا دیا تھا۔ لیکن واقعہ حرہ کے بعد یہ لوگ پھر لوٹ آئے تھے۔ یزید کی موت کے بعد ان کی ہمت اتنی پست ہوچکی تھی کہ مردان ابن حکم اموی (جو یزید کے بعد خلیفہ بنا) تک جو مدینہ کا حاکم تھا ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کیلئے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۵۲، ابن اثیر میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے۔ ہم نے صرف نتیجہ لکھا دیا ہے۔

آمادہ ہوگیا تھا ۔ط[1]

لیکن ابن زبیرؓ کو بنی امیہ سے اتنی نفرت تھی کہ انھوں نے انجام سوچے بغیر کل بنی امیہ کو جن میں مروان اور اس کا لڑکا عبدالملک بھی تھا مدینہ سے نکلوا دیا ۔ اس وقت عبدالملک چیچک میں مبتلا تھا ۔ اس لئے مروان کے لئے مدینہ چھوڑنا بھی مشکل تھا ۔ لیکن ابن زبیرؓ نے اسے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ٹکنے دیا ۔ اور مروان کو اسی حالت میں عبدالملک کو لے کر نکل جانا پڑا ۔ بعد میں ابن زبیرؓ کو اس غلطی کا احساس ہوا ۔ اور انھوں نے اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے لیکن وہ نکل جا چکے تھے ط[2] اس واقعہ نے ابن زبیرؓ اور بنی امیہ کی تاریخ کا رخ بدل دیا ۔ اگر اس وقت بنی امیہ کو ابن زبیرؓ نے روک لیا ہوتا تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا ۔"

اب مروان بن الحکم کا ستارہ چمکتا ہے :

"مروان مدینہ سے نکل کر شام پہنچا ۔ یہاں کی حالت اس وقت نہایت ابتر تھی شام کے کل اضلاع میں ابن زبیرؓ کا اثر تھا ۔ اور ان کے حکام اور داعی موجود تھے ۔ اس کے علاوہ جن قبائل پر بنی امیہ کی قوت کا مدار تھا ۔ ان میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا تھا ۔ قبیلہ قیس ابن زبیرؓ کی حمایت میں تھا ۔ ضحاک بن قیس والی دمشق اس کے لیڈر تھے ۔ بنی کلب بنی امیہ کے ساتھ تھے ۔ لیکن ان میں دو جماعتیں ہوگئی تھیں ۔ ایک جماعت مروان بن حکم کی طرفدار تھی ۔ اور دوسری خالد بن یزید کی حمایت میں تھی ۔ خالد کی دادی یعنی یزید کی ماں قبیلہ کلب کی تھی ۔ اس لئے عام کلبیوں کی ہمدردی اسی کے ساتھ تھی ۔ ایک تیسرا نام

عمرو بن سعید بن العاص کا بھی لیا جاتا تھا ۔

یہ صورت دیکھ کر شام پہنچنے کے بعد بھی مروان نے ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لینے کا ارادہ کیا ۔ لیکن اسی دوران میں عبداللہ بن زیاد پہنچ گیا ۔ اس نے روکا کہ آپ

ط[1] ابو الفداء ج اول ص ۱۹۲ ط[2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۰۵ (تاریخ اسلام)

قریش کے سردار ہو کر ابن زبیرؓ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں؟ ابھی وقت نہیں گیا ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے۔ مروان کے شام آنے کے بعد بنی امیہ کے موالی اور ان کے حامی اس کے پاس جمع ہو گئے۔"

حالات ایک مرتبہ اور کروٹ لیتے ہیں:

"شام میں عبداللہ بن زبیرؓ مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے حامیوں میں باہم بڑا اختلاف اور ہنگامہ بپا ہوا۔ لیکن آخر میں بڑے اختلافات کے بعد مقام جابیہ میں بنی امیوں کے حامیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں اموی حکومت کے تمام ارکان وعمائد اور سرداران قبائل جمع ہوئے۔ کئی ہفتہ کے اختلاف رائے اور بحث ومباحثہ کے بعد بنی امیہ کے ایک عالی دماغ خیرخواہ روح ابن زنباع جذامی نے ایک پرجوش تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ "خاندان بنوامیہ میں مروان سے زیادہ تجربہ کار اور سن رسیدہ کوئی نہیں ہے۔ اس لئے اسے خلیفہ بنا چاہیئے۔ اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید بن العاص کو ولیعہد نامزد کرنا چاہیئے۔ یہ تجویز ایسی معقول تھی کہ جو لوگ خالد بن یزید کی حمایت میں تھے۔ انھوں نے بھی اس کی صغرسنی کی وجہ سے مروان ہی کی تائید کی۔ اور بلا اختلاف سب نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔ اور ذیقعدہ ۶۴ھ میں وہ خلیفہ منتخب کیا گیا"

مروان کی بیعت سے بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی۔ اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد جو انتشار پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا۔ اور بنی امیہ کے کل حامی ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔"

سازگار حالات ناسازگار ہونے لگے:

"بنی امیہ کے پایۂ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے حامی اور قبیلہ قیس کے سردار ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا۔ انھوں نے شروع میں بنی امیہ کی بڑی مخالفت کی تھی۔ لیکن حالات کا رخ دیکھ کر پھر ان کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ اور جابیہ کانفرنس کے مجوزین میں یہ بھی تھے۔ لیکن بعد میں پھر خلاف ہو گئے۔ اور کانفرنس کے زمانہ میں

میں وہ مرج راہط چلے آئے تھے - اور یہاں بنی امیہ کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے - شام کے ان تمام حکام وعمال نے جو ابن زبیرؓ کے حامی تھے - ان کی مدد کی - چنانچہ نعمان بن بشیر والی حمص زفر بن حارث والی قنسرین ناقل بن قیس والی فلسطین نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں -

ضحاک کے دمشق سے ہٹنے کے بعد بنی امیہ کے ایک حامی یزید بن ابی النمس نے ان کے نائب کو دمشق سے نکال کر خزانہ اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا - اور مال اور اسلحہ سے مروان کی بڑی مدد کی - اس سے اس کو بڑی تقویت پہنچی - اور اس کے حامی اس کو لے کر ضحاک کے مقابلہ کے لئے مرج راہط پہنچے - محرم ۶۵ھ میں دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی - ضحاک نے فاش شکست کھائی - وہ خود اس معرکہ میں مارے گئے اور ان کے قبیلہ قیس کی بڑی تعداد کام آئی - شام میں ابن زبیرؓ کا سب سے بڑا حامی ومددگار یہی قبیلہ تھا - اس لئے اس کی شکست شام کے تمام زبیری داعیوں کی شکست تھی - چنانچہ جہاں جہاں شکست کی خبر پہنچی ابن زبیرؓ کے حامی بھاگ نکلے نعمان بن بشیر والی حمص کو اہل حمص نے پکڑ کر قتل کر دیا - زفر بن حارث نے بھاگ کر قرقیسیا میں پناہ لی - اور ناتل بن قیس والی فلسطین ابن زبیرؓ کے پاس بھاگ گئے - اس طرح شام دوبارہ بنی امیہ کے قبضہ میں آگیا -

شام پر قابض ہونے کے بعد مروان نے مصر پر فوج کشی کی - ایک طرف سے خود بڑھا اور دوسری طرف سے عمرو بن سعید کو روانہ کیا - مصر کی حدود میں داخل ہونے کے بعد ابن زبیرؓ کا مصری داعی عبدالرحمٰن بن حجدم مقابلہ کے لئے نکلا - پشت سے عمرو بن سعید پہنچ چکے تھے - اس لئے ابن حجدم کے نکلتے ہی وہ مصر میں داخل ہو گئے - ابن حجدم کو اس کی خبر ہوئی تو لڑنا بیکار سمجھ کر مروان کی بیعت کر لی - اس طرح بغیر کشت وخون کے مصر پر قبضہ ہو گیا - مصر پر قابض ہونے کے بعد عبیداللہ بن زیاد کو عراق روانہ کیا - [۱]

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۹ (تاریخ اسلام)

مروان پر امیر معاویہ کے بڑے احسانات تھے، ان احسانات کا بدلہ مروان نے یہ دیا۔

"مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو ابن سعید ولیعہد نامزد ہوئے تھے لیکن چند مہینوں کے بعد مروان نے ان دونوں کو ولیعہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو ولیعہد بنا دیا۔"

عبدالملک خلیفہ بن گیا۔ امیر معاویہ کے وقت سے یہ بدعت چلی کہ ہر خلیفہ اپنی زندگی میں اپنے ولیعہد کی بیعت لے لیتا تھا،

چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کیا، :۔

"عام مسلمانوں نے تو بیعت کر لی لیکن مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب رض نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ابن مسیب رض بڑے محترم بزرگ تھے۔ ان کے انکار سے دوسروں پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے ہشام بن عبدالملک حاکم مدینہ نے ان پر بڑی سختیاں کیں۔ کوڑوں سے پٹوایا اور تشہیر کر کے قید کر دیا لیکن یہ اپنی ضد پر قائم رہے [۱]"

تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد عبدالملک نے پہلے چھوٹے چھوٹے دشمنوں کو زیر کیا، اور اس کے بعد پوری قوت ابن زبیر رض کے مقابلہ میں جھونک دی:۔

مصعب کے قتل اور عراق پر عبدالملک کے قبضہ کے بعد ابن زبیر رض کی مالی حالت اور فوجی قوت کمزور ہو گئی۔ اور عبدالملک کے لئے ان کا زیر کر لینا آسان ہو گیا۔ چنانچہ ۷۱ھ میں اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیر رض کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وہ حرم میں قلعہ بند تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ کئی مہینہ تک مسلسل محاصرہ قائم رہا۔ اور بڑی شدت

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۵، تذکرہ ابن مسیب رض

کی سنگ باری ہوتی رہی۔ جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ ؂[۱]

لیکن اس نقصان کی تلافی ابن زبیرؓ نے کردی:

"اسی سال ابن زبیرؓ نے کعبہ منہدم کرکے زمین کے برابر کر دیا۔ اس لئے کہ منجنیق کے پتھروں سے دیواریں جھک گئی تھیں۔ ابن زبیر نے کعبہ کی نیو کھدوائی اور سنگ اسود کو اس میں داخل کر لیا۔ اس زمانہ میں لوگ اسی نیو کے گرد طواف کر لیتے تھے اور نماز کی جگہ جاکر نماز پڑھا کرتے تھے۔ رکن اسود کو ابن زبیرؓ نے ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس ایک صندوق میں رکھا تھا اور کعبہ کا زیور اور لباس و عطریات خزانۂ کعبہ میں حاجیوں کی نگہبانی میں رکھ دیا تھا۔ کعبہ کی تعمیر جدید جب پوری ہوگئی تو سب چیزیں پھر اسی میں واپس آگئیں۔"

ایک وہ تھا جو کعبہ پر سنگ باری کر رہا تھا،!

دوسرا وہ تھا، جو کعبہ کی حرمت پر اپنی ہر چیز قربان کر رہا تھا،!

دونوں مسلمان تھے، ——— دونوں کو اسلام کا دعویٰ تھا،!

پھر بھی جس مسلمان نے مکہ پر سنگ باری کی تھی، مسلمان اس سے خوش نہ تھے۔ کیونکہ مکہ پر سنگ باری، ایسی چیز نہ تھی، جسے مومن آسانی سے گوارا کر لیتے۔

چنانچہ:

"عمرو بن سعید جب عبداللہ بن زبیرؓ سے قتال کرنے پر مقرر ہوا ہے تو ابوشریح نے اس سے کہا کہ اہل مکہ سے قتال نہ کریں میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا[۳] نے ایک ساعت کے لئے مکہ میں قتال کرنے کی مجھے اجازت دی تھی۔ جب وہ ساعت گذر گئی تو پھر وہاں قتال حرام ہوگیا۔ عمرو نے ان کے کہنے کی سماعت نہ کی، اور کہا اے شیخ تم سے زیادہ حرمت مکہ کو ہم جانتے ہیں،" ؂[۲]

؂۱ طبری ج ۸ ص ۲۸۴ ؂۲ تاریخ طبری ج ۲

میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جو چند جاں نثار باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ رعایت کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں؟ اس سوال پر صدیق اکبرؓ کی بیٹی نے آمادۂ قتل بیٹے کو جو جواب دیا اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ فرمایا "بیٹا تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لئے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لئے لڑو۔ کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لئے جان دی ہے۔ اگر دنیا طلبی کے لئے لڑتے تھے تو تم سے برا کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا۔ اگر یہ عذر ہے کہ حق پر تو ہو۔ لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہوگئے۔ تو یا درکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے۔ جاؤ حق پر جان دے دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ یہ جواب سن کر ابن زبیرؓ نے کہا۔ اماں مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی امیہ میری لاش کو مثلہ کرکے سولی پر لٹکائیں گے۔ بہادر ماں نے جواب دیا۔ بیٹا ذبح ہو جانے کے بعد بکری کی کھال کے کھنچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔

اس کے بعد ابن زبیرؓ نے اپنی صفائی پیش کی۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی۔ اور اگر کامیاب ہوئے تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی

اس تمرد، تبختر، اور سرکشی کا جواب بیچارے ابو شریح کے پاس کیا تھا؟
ابن زبیرؓ کی بیعت کے لئے عبدالملک نے جو شرط رکھی تھی، وہ بھی اپنی نوعیت میں یادگار ہے:

"ذیقعدہ ۷۲ھ میں عمرو بن سعید حاکم ہو کر مدینہ میں آیا اس نے عمرو بن زبیر کو زمیں شرطہ مقرر کر کے یہ بات کہی کہ امیر المومنین نے قسم کھائی ہے کہ ابن زبیر جب تک زنجیروں میں جکڑا ہوا میرے سامنے نہ لایا جائے گا اس کی بیعت میں نہ قبول کروں گا۔ امیر المومنین کی قسم کا پورا کرنا ضرور ہے۔ میں چاندی یا سونے کی ہلکی سی زنجیر بنوا دوں گا۔ اس پر وہ کلاہ برنس پہن لیں زنجیر چھپ جائے گی۔ جھنکار سنائی دے گی،" انتہیٰ[۱]

بہرحال وہ ہوکے رہا جو ازل سے مقدر ہو چکا تھا:

"ابن زبیرؓ بڑی شجاعت اور استقلال کے ساتھ مدافعت کرتے رہے۔ لیکن ان کی مدد کے تمام ذریعے بند ہو چکے تھے۔ باہر سے کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی اور کوئی مدد پہنچانے والا بھی باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لئے کچھ دنوں میں ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا۔ اور مکہ میں نہایت سخت قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی۔ محصورین کو گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی نوبت آگئی۔ ان حالات سے گھبرا کر ابن زبیرؓ استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور وہ اس حالت میں بھی برابر لڑتے رہے۔ آخر میں ان کے لڑکوں تک نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا[۲]

عبدالملک ابن زبیرؓ کے ساتھ رعایت کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اپنی ماں حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اماں میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ میرے لڑکوں تک نے

۱؎ تاریخ طبری ج ۷، ۲؎ ابن اثیر جلد ۴ ص ۲۸۶ (تاریخ اسلام)

پھر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگاکر رخصت کیا۔ کہ جاؤ بسم اللہ اپنا کام پورا کرو۔ ماں سے رخصت ہوکر وہ سیدھے رزمگاہ پہنچے۔ اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے۔ ان کے صف شکن حملوں کو دیکھ کر شامیوں نے پورا زور صرف کر دیا۔ اور بڑھتے ہوئے حرم کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ ابن زبیرؓ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ شامیوں کے ریلے کی تاب نہ لا سکے۔ لیکن ابن زبیرؓ نے منہ نہ موڑا اور اسی بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الثانی ۷۳ھ میں پیش آیا۔[۱]

ابن زبیرؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ حجاج نے لاش سولی پر لٹکائی۔ کئی دن کے بعد حضرت اسماءؓ کا ادھر سے گذر ہوا انھوں نے دیکھ کر فرمایا۔ ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا؟[۲]

یہ الفاظ، ابوبکرؓ کی بیٹی، زبیرؓ کی بیوی، صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہو، اور رسول خدا کی خواہر نسبتی، اسماءؓ کے سوا کس کے منہ سے نکل سکتے تھے؟

یہ وہی اسماء ہیں جو غار ثور میں آپؐ کو کھانا پہونچایا کرتی تھیں۔!

ابن زبیرؓ کے قتل سے ذرا پہلے ایک غیر محسوس لیکن متوقع کانٹا عبدالملک اور محسوس کر رہا تھا، چنانچہ اسے بھی اس نے راستہ سے ہٹا دیا:

مروان نے خالد بن یزید اور عمر بن سعید کا نام ولیعہدی سے خارج کرکے اپنے

---

[۱] یہ واقعات "مستدرک حاکم" ج ۳ و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶ تا ۲۸۹ اور اخبار الطوال سے مخلصاً ماخوذ ہیں۔ [۲] یعقوبی جلد دوم، ص ۳۲۵

لڑکے عبد الملک کو ولیعہد بنا دیا تھا۔ خالد کم سن تھا۔ اس میں کوئی حوصلہ بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن عمرو بن سعید میں جان تھی۔ اس کی جانب سے عبد الملک کو ہمیشہ خطرہ رہا۔ چنانچہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

۶۹ھ میں عبد الملک، زفر بن حارث والی قرقیسیا کے مقابلہ کے لئے جو ابن زبیر رض کا حامی تھا نکلا۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ عمرو بن سعید حسب معمول اس کے ساتھ تھا۔ لیکن تنسرین سے موقع پاکر دمشق لوٹ گیا [۱] ابن اثیر وغیرہ کا بیان ہے کہ عبد الملک نے اسے دمشق میں چھوڑ دیا تھا۔ بہر حال عبد الملک کی عدم موجودگی میں عمرو بن سعید نے اس کے نائب عبد الرحمٰن بن عثمان کو نکال کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ عبد الملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً دمشق واپس آیا۔ عمرو بن سعید نے مقابلہ کیا۔ لیکن عبد الملک نے مصلحتاً اسے ولیعہد مان کر صلح کر لی۔ اور دمشق میں داخل ہو گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کو دوسرے پر اعتماد نہ تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کھٹکتے تھے۔ عبد الملک موقع کا منتظر رہا اور باختلاف روایت جب عمرو بن سعید حسب معمول عبد الملک کے پاس گیا، یا اس نے خود بلا بھیجا تو پہلے سے آدمی چھپا دیئے جیسے ہی عمرو پہنچا۔ عبد الملک نے اس کو زنجیروں میں کسوا کر قتل کرا دیا۔ عمرو بن سعید کہتا رہا کہ "یہ دھوکہ ہے" عبد الملک نے جواب، بخدا اگر مجھ کو اس کا یقین ہوتا کہ ہم دونوں کے ایک ساتھ رہنے میں کوئی ناگوار صورت پیش نہ آئے گی اور میری رعایت کے ساتھ تم بھی میرے ساتھ رعایت کرو گے تو میں تم کو چھوڑ دیتا لیکن دو حکمران ایک ملک میں نہیں رہ سکتے یقیناً ایک دوسرے کو نکالنے کی کوشش کریگا [۲]"

آج نہ یزید زندہ ہے، نہ عبد الملک بن مروان، نہ عبد اللہ بن زبیر، !

لیکن ان میں سے جس نے جو کچھ کیا وہ زندہ ہے، اور ابد تک زندہ رہے گا، !

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۲، ۳۲۳، [۲] اخبار الطوال ص ۲۱۷

عمر بن عبد العزیزؒ کی مرگ بے ہنگام

اموی خاندان میں، عمر بن العزیز اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے ایک جداگانہ اور منفرد شخصیت کے حامل تھے، جس خاندان میں یزید پیدا ہوا، اسی میں معاویہ بن یزید بھی تھا، جس نے باپ کی خوں آشامیوں، دنیا طلبیوں، اور ہوس رانیوں کو دیکھ کر، دنیا اور اہل دنیا، اسباب جاہ و تنعم، اور سلطنت و شوکت سے نفرت شروع کردی، رضاکارانہ طور پر ایک اثر انگیز تقریر کرکے تخت خلافت سے دستبردار ہوا اور خانہ نشین ہوگیا، —— اب فکر آخرت ہے، دنیا کو خوب دیکھا، اور اسی جرم میں بقول بعض کے اسے زہر دے کر ہلاک بھی کردیا گیا، اسی خاندان میں عمر بن عبد العزیزؒ پیدا ہوئے، جنہیں مروان بن الحکم کی قائم کی ہوئی سلطنت ورثہ میں ملی، انھوں نے معاویہ بن یزید کی طرح ہمت نہیں ہاری، ایک بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ان کے دوش ناتواں پر ڈالا گیا، خدا پر بھروسہ کرکے یہ بوجھ انھوں نے اٹھالیا، اور اپنی مختصر مدت خلافت میں انھوں نے، عدل و احسان، جود و کرم، اور دیانت و امانت کا وہ مظاہرہ کیا کہ خلافت راشدہ کا مبارک و مسعود عہد آنکھوں کے سامنے پھر گیا، عمر بن عبد العزیز سے پہلے کے دور کی سیاہ کاریاں دیکھ کر لوگ مایوس ہوگئے تھے، عمر بن عبد العزیز کو دیکھ کر ہر شخص حیران رہ گیا،

—— ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی، !

عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور، جہاں اس اعتبار سے نہایت شاندار ہے کہ اس عہد میں تمام بدعات وسیّات کا خاتمہ ہوگیا، تمام برائیاں اور کوتاہیاں دور ہوگئیں، دنیا ہوس ومال وزر، طمع اقتدار و اختیار کا دور یکسر، دین، حب خدا ورسولؐ، اسوۂ نبوی، دستور قرآن، اور اقدار اسلامی میں تبدیل ہوگیا۔

جب ایوان زرنگار میں، احکام قرآنی کو نظرانداز کیا جاتا تھا، سنت رسولؐ کا استخفاف کیا جاتا تھا، اصحاب رسولؐ کی توہین وتحقیر کی جاتی تھی تابعین کرام کی تذلیل وتوہین بے پروائی کے ساتھ ہوتی تھی، جہاں عیش وعشرت کے زمزمے تھے، رقص وسرود کی رنگ آرائیاں تھیں، شعرا کے مبالغہ آمیز قصائد تھے، ارباب نشاط وطرب کی قدرافزائیاں تھیں، اور بیت المال سے انہیں منہ مانگا انعام ملتا تھا، جہاں دور دراز مقامات کی گراں قیمت اور گراں مایہ باندیوں کی ریل پیل تھی، جن کے حسن زاہد فریب، جمال تقویٰ شکن، عشوۂ دلبری، اور غمزۂ ترکانہ کی دھوم مچی ہوئی تھی، جہاں ساغر کھلکتے تھے، جام چلتے تھے، صراحی ومینا سے شغل ہوتا تھا، جہاں چاندی کی قیمت تھی سونے کی قیمت تھی ہیرے اور جواہرات کی قیمت تھی، لولوے شاہوار اور درہائے آبدار کی قیمت تھی، ضمیر اور رائے کی قیمت تھی، لیکن اگر بے قیمت تھی کوئی چیز تو تقویٰ، کردار، عمل، اور امانت ودیانت، جہاں بے گناہوں کے کٹے ہوئے سر طشت میں رکھ کر حاضر کئے جاتے تھے، جہاں بے خطاؤں کو عبرت انگیز سزائیں ملتی تھیں، جہاں کلمۂ حق کہنے پر زبان کاٹ لی جاتی تھی، وہاں یہ کیسا انقلاب آگیا کہ وہی ایوان زرنگار، دفعتہً ایک شخص کے جاتے ہی، اور ایک شخص کے آتے ہی، اپنی سر رعنائی سے محروم ہوگیا؟

وہی ایوان زرنگار تھا لیکن نہ اب وہاں وہ حریر ودیبا کے ملبوسات تھے، نہ گراں قیمت اور گراں مایہ قالین، نہ نظر فروز جھاڑ اور فانوس، نہ باندیوں کے پرے، نہ ساقیوں کے جھمگٹے، نہ نغمہ کی تان، نہ رقص کی دھمک، نہ تخت شہی نہ تاج خسروی، اگر کچھ تھا، تو خوف خدا، رقت قلب، احساس ذمہ داری، فلاح امت کا جذبہ، خدمت مسلمین کا شوق دن کے روزے رات کی عبادتیں قرآن کی

تلاوت، حدیث رسول ؐ کی جمع وتدوین کا والہانہ جذبہ، اب وہ تھا اور بوریۂ فقر، اب کسی پر ظلم نہیں ہوتا تھا، سب کے ساتھ عدل ہوتا تھا، اب بیت المال کی دولت قصر شاہی کے عیش وتنعّم پر صرف نہیں ہوتی تھی عامۂ مسلمین کی صلاح وفلاح پر صرف ہوتی تھی، اب باندیاں نہیں خریدی جاتی تھیں، اب جام وساغر سے شغل نہیں ہوتا تھا، اب عیش کی محفلیں اور طرب کی مجلسیں نہیں قائم ہوتی تھیں، اب خاندان شاہی کے افراد کو جاگیریں نہیں ملتی تھیں، بلکہ جو دی گئی تھیں، چھینی جارہی تھیں، اب حکام وعمال من مانی نہیں کر سکتے تھے۔ ان پر احتساب تھا، قدغن تھی،

عمر بن عبد العزیز کا دور خلافت، درحقیقت بالواسطہ طور پر ان تمام سنگین اور شنیع الزامات کی تصدیق تھی جو اس خاندان کے ملوک وسلاطین پر مورخوں کی طرف سے لگائے جارہے تھے، اور جن کی تردید کا "نا محمود فریضہ" حق و صدق سے نیاز ہوکر بعض لوگ اب تک انجام دے رہے ہیں

منصب خلافت قبول کرنے کے بعد جب یہ:

"گھر آئے تو اس بارعظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا، لونڈی نے پوچھا، خیر ہے آپ اتنے متفکر کیوں ہیں؟ فرمایا، اس سے بڑھ کر فکر وتشویش کی بات کیا ہوگی، مشرق ومغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے۔ جس کا مجھ پر حق نہ ہو، اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو،!" [۱]

یہ پرانی حقیقت، آج کتنی نئی معلوم ہورہی تھی؟ —— اور بہتوں کو اجنبی اور نامانوس بھی، اور اکثر کے لئے ناخوش آئند، ناخوشگوار، اور ناقابل برداشت بھی،! مولانا گیلانی نے، سیرت ابوحنیفہ کے ذکر میں، ضمناً، اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے

---

[۱] سیرت عمر بن العزیزؒ

دورِ خلافت کا ذکر کرتے ہوئے کتنی مبنی برحقیقت بات ارشاد فرمائی ہے، !

ان ہی دنوں میں جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ بنی امیہ کی انہی مردہ لاشوں میں سے جنہوں نے خواہ "سیاسی" طور پر جس قسم کی زندگی کا ثبوت دیا ہو، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں اکثر مردہ ہو چکے تھے اور اس حد تک مردہ ہو چکے تھے کہ ان ہی اموی خلفاء میں سے ایک نے اپنی ایک ناپاک کنیز کو بحالت عبا اور عمامہ پہنا کر مسجد میں امامت کے لئے بھیجا۔ اور بیچارے مسلمانوں کو اسی بدمست و ناپاک عورت کے پیچھے نماز پڑھنی پڑی لیکن "یخرج الحی من المیت" کی عجب شان ہے کہ ان ہی مردہ ضمیر دل میں سے اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے خلیفہ کو اموی تخت کا وارث بنایا۔ جن کی ایمانی زندگی نے نئے سرے سے اسلامی نظام کے تمام شعبوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ جس وقت خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، پہلی تقریر منبر پر پہنچ کر انھوں نے جو کی تھی اس کا سب سے اہم فقرہ یہ تھا:-

لا طاعۃ لنا فی معصیۃ اللہ   "اللہ کی نافرمانی میں ہماری فرمانبرداری کوئی نہ کرے"

یہی تقریر زیادہ وضاحت کے ساتھ:-

"اما بعد! تمہارے نبیؐ کے بعد دوسرا نبیؐ آنے والا نہیں۔ اور خدا نے اس پر جو کتاب اتاری ہے۔ اس کے بعد دوسری کتاب آنے والی نہیں ہے خدا نے جو چیز حلال کر دی وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے اور جو حرام کر دی وہ قیامت تک کے لئے حرام ہے میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ صرف (احکام الٰہی) کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت

ؒ طبقات ابن سعد،

کی جائے ۔ میں تم میں کا کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں ۔ بلکہ معمولی فرد ہوں ۔ البتہ تمہارے مقابلہ میں خدا نے مجھے گرانبار کیا ہے ۔ ط۱"

یہ کوئی معمولی تقریر نہیں ، امیر وقت کی پہلی تقریر ہمیشہ ، پالیسی کی ترجمان ہوا کرتی ہے یہ تقریر پالیسی کی ترجمان بھی ہے ، اور گذشتہ خلفاء بنو امیہ کی تقصیرات کا اعتراف بھی ہے غور کیجئے ۔ عمر بن العزیز کہتے ہیں ، :

● خدا نے جو چیز حلال کر دی ہے ، وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے ، اور جو حرام کر دی ، وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے ، !"

اس اعلان کی ضرورت کیوں پیش آئی ، ؟ ——— ملاحظہ کیجئے امام حسین ؑ کی وہ تقریر جو انھوں نے کربلا کے راستہ میں کی تھی ، اور خلیفہ جابر پر الزام لگایا تھا کہ اس نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رکھا ہے ۔

● " میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں ، بلکہ محض پیرو ہوں ، !"

یعنی اب تک جو بدعات اور محرمات اور سیئات جاری تھے ، اب ان کا ارتکاب نہ ہوگا ، !۔

● " کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے ۔ —!"

اور اس سے پہلے حال یہ تھا کہ جو لوگ "کتاب اللہ" اور سنت رسول اللہ ؐ پر بیعت کرنا چاہتے تھے ان کی گردن اڑا دی جاتی تھی ، جیسا کہ مدینہ میں یزید کے معتمد خصوصی مسلم بن قبیصہ نے کیا ، جس کی تفصیل واقعۂ حرہ میں گذر چکی ہے ،

● " میں تم میں کا کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں ، بلکہ معمولی فرد ہوں !"

حالانکہ اس سے پہلے خلیفۂ وقت اتنا بڑا آدمی ہوتا تھا کہ مسلم بن قبیصہ نے مدینہ

ط۱ سیرت عمر بن عبد العزیز (ابن جوزی) ص ۱۰۸

والوں کو، تلوار کی نوک اور کوڑے کی زد پر رکھ رکھا تھا، "بیعت کرو کہ تم یزید کے غلام ہو"!

عمر بن عبدالعزیز نے پہلی ہی تقریر میں وہ قصر رفیع مسمار کر دیا، جس پر سلاطین بنو امیہ کا منارۂ عظمت و جلال قائم تھا،!

لیکن ابھی ایک بہت بڑا حادثہ باقی تھا،!

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو منصب خلافت بہرحال نامزگی سے ملا تھا، اور یہ نامزدگی نہ ابوبکرؓ کی سی تھی کہ تابع ہوتی رائے عامہ کی، نہ عمرؓ کی سی تھی کہ محدود ہوتی ایک جماعت تک، اس میں شوریٰ کو ذرا بھی دخل نہ تھا، یہ آمرانہ اور مطلق العنانہ نامزدگی تھی، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے کردار کا شخص، اس نامزدگی کی بنا پر، اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا، چنانچہ کافی غور و تامل کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر اس خلافت کی رائے عامہ سے تائید نہیں ہوتی تو پھر میرے لئے بہتر یہی ہے کہ سبکدوش ہو جاؤں،

چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو مجتمع کیا اور فرمایا:

لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے۔ میں خود اسے اتار دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔

یہ تقریر سن کر مجمع نے شور بلند کیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔ آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے تو اس وقت آپ نے اس بار عظیم کو قبول فرمایا۔ اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی، اس میں تقویٰ اور آخرت کی تلقین کے بعد خلیفۂ اسلام کی اصلی حیثیت واضح کی جسے اموی فرمانرواؤں نے ملوکیت میں گم کر دیا تھا۔[1]"

---

[1] اسلام (عہد بنو امیہ)

غرض جب حقیقی معنٰی میں آپ نے رائے عامہ کی توثیق حاصل کرلی۔ اور اپنے آپ کو امارت دخلافت کا مستحق بنالیا، تب آپ نے وہ انقلاب انگیز قدم اٹھایا، جو بنو امیہ کے قصرِ امارت کے لئے زلزلہ فگن ثابت ہوا،

یہ اقدام جہاں بنو امیہ کے ان لوگوں کے لئے جو وراثت کی بناپر مال دمنال کے مالک بنے ہوئے تھے پیام موت تھا۔ وہاں اقدار اسلامی کے لئے حیات نو کا اعلان عام بھی تھا، :

اس سلسلہ میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیر دستوں کے اس مال وجائداد کی واپسی تھی۔ جسے شاہی خاندان کے ارکان، اموی عمال اور دوسرے عمائد نے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ لیکن سب سے پہلے آپ نے ہی کار خیر کو شروع کیا۔ خود آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جاگیر تھی۔ بعض خیر خواہوں نے عرض کیاکہ اگر جاگیر واپس کردیں گے تو اولاد کے لئے کیا انتظام کریں گے۔ فرمایا ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ [۱]

اس کے بعد اہل خاندان کو جمع کرکے فرمایا۔

"بنی مروان تم کو شرف اور دولت کا بڑا حصہ ملاہے۔ میرا خیال ہے کہ امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے،"

ان لوگوں نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم جب تک ہمارے سرتن سے جدا نہیں ہوجائیں گے۔ اس وقت تک یہ جائدادیں واپس نہیں ہوسکتیں خدا کی قسم نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بناسکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے" حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا "خدا کی قسم اگر تم اس حق میں میری مدد نہ کروگے تو میں تم کو ذلیل اور رسوا کرکے چھوڑوں گا۔ ---"

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کرکے تقریر کی :-

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ابن جوزی ص ۱۰۸

"ان لوگوں (اموی خلفاء) نے ہم ارکان خاندان کو جاگیرا ورعطایا دیئے خدا کی قسم جن کو دینے کا نہ ان کو حق تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا، اب میں ان سب کو ان کے اصل حق داروں کو واپس کرتا ہوں - اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں -

اس تقریر کے بعد جاگیروں کی اسناد کا خریطہ منگایا - مزاحم ان اسناد کو نکال کر پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے - اور عمر بن عبدالعزیز انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے - صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی حتیٰ کہ اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا - [۲]

آپ کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا - عمر بن عبدالعزیز نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ - اطاعت شعار بیوی نے اسی وقت وہ پتھر بیت المال داخل کر دیا - [۳]"

باغ فدک کے بارے میں بھی آپ نے جو فیصلہ کیا وہ ایک طرف آپ کی غیر معمولی حیرت انگیز قوت فیصلہ کا زبردست ثبوت ہے، تو دوسری طرف، آپ کے غیر معمولی حمیت دینی اور جذبۂ دینی کا ،

"فدک کا علاقہ خلفاء راشدین کے زمانے سے ان میں اور اہل بیت میں متنازعہ فیہ چلا آتا تھا - وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا - اس کی آمدنی آپ اپنے اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے - مروان نے اپنے زمانہ میں اسے جاگیر بنا لیا تھا - اس لئے وہ عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آیا - اس پر ان کی اور ان کے اہل وعیال

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۲۰۸ [۲] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲ [۳] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳

خلافت راشدہ کا دور جو بہت پیچھے رہ گیا تھا، جسے بڑی شکل سے فراموش کرایا گیا تھا
پھر سے تازہ کر دیا، :

"عمر بن عبدالعزیز کے اس عدل نے بنی امیہ کو بالکل تہی دست کر دیا۔ اس لئے قدرۃً ان میں بڑی برہمی پیدا ہوئی۔ چنانچہ آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ ان امور میں جن کا تعلق آپ کے زمانہ سے ہے۔ آپ جو چاہے کیجئے۔ لیکن گذشتہ خلفاء جو کچھ کر گئے ہیں۔ اسے اسی حالت پر رہنے دیجئے۔ عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہی معاملہ کے پاس تمہارے پاس دو دستاویز ہوں ایک امیر معاویہ رضؓ کی دوسری عبدالملک کی تو تم ان میں سے کس کو قبول کرو گے۔ ہشام نے کہا جو پہلے کی ہو۔ عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے جواب دیا۔ تو پھر میں نے کتاب اللہ کو سب سے قدیم دستاویز پایا۔ اس لئے میں ہر اس ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے خواہ میرے زمانہ کی ہو یا مجھ سے پہلے کی ہیں۔ قدیم دستاویز کے مطابق عمل کروں گا۔ اس پر سعید بن خالد نے کہا امیر المومنین جو چیز آپ کی ولایت میں ہے اس میں آپ حق و انصاف کے مطابق جو فیصلہ چاہے کیجئے۔ لیکن گذشتہ خلفاء اور ان کی بھلائیوں اور برائیوں کو ان کی حالت پر رہنے دیجئے۔ اتنا آپ کے لئے کافی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ نے فرمایا میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے اپنی قوت کے زور سے سارے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں اور چھوٹے لڑکے تم سے مدد چاہیں تو تم کیا کرو گے۔ سعید نے جواب دیا ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔ حضرت عمر عبدالعزیز رضؓ نے فرمایا۔ یہی تو میں نے بھی کیا ہے۔ مجھ سے پہلے کے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبا دیا۔ ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے۔ ایسی صورت میں میرے لئے اس کے سوا چارہ کار کیا ہے

کی معاش کا دارومدار تھا چنانچہ فدک کو اپنی ملک سے نکال کر پھر اس کے قدیم مصارف کے لیے مخصوص کر دیا اور آل مروان سے کہا فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا خالصہ تھا جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ پھر مروان نے اسے اپنی جاگیر بنالیا۔ اور وہ درارثتہ میرے قبضہ میں آئی میں تم گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی میں اس کو اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔[1]

اپنی اور خاندان کی جاگیروں کو واپس کرانے کے بعد عام مغصوبہ اموال کی واپسی کی طرف متوجہ ہوئے اور عمال کے پاس تاکیدی احکام بھیج کر تمام ممالک محروسہ کے غصب شدہ مال واملاک کو واپس کرایا۔ عراق میں اس کثرت مال واپس کیا گیا کہ وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا۔ اور عمر بن عبدالعزیز کو عراق کی حکومت کے اخراجات کے لئے دارالخلافہ سے روپیہ بھیجنا پڑا۔[2] ملکیت کے ثبوت کے لئے بڑی سہولت رکھی تھی۔ زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑتی تھی۔ معمولی شہادت پر مال واپس مل جاتا تھا[3] جو لوگ مر چکے تھے ان کے ورثہ کو واپس ملتا تھا[4] اس کا سلسلہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات تک برابر قائم رہا۔[5] غرض مال وجائداد اور نقد وجنس کی قسم سے جو کچھ بھی ناجائز طور پر کسی کے قبضہ میں تھا ایک ایک کر کے سب وارثوں کو واپس کر دیا گیا۔[6]

کتنی محنتوں، جانکاہیوں اور شب و روز کی مسلسل اور متواتر مہم آرائیوں کے بعد یہ خاندان امارت و حکومت کے منصب پر پہونچایا تھا، اقتدار و اختیار اس کے ہاتھ میں آیا تھا، لیکن بیک گردش چشم نیلوفری، اس شخص نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی

---

[1] ابو داؤد کتاب الخراج والامارہ باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز رض [2] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۵۲ [3] ایضاً [4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۰۔ ۵۰ ص ۱۸ [5] ایضاً ص ۲۵۲ [6] (تاریخ اسلام)

کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنیٰ کا حق دلاؤں [1]"

ان کے خاندان والوں کو بیت المال سے جو وظائف اور گذارے ملتے تھے بند کردیئے عنبسہ بن سعد نے شکایت کی امیر المومنین آپ پر ہم لوگوں کا بھی حق ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ذاتی مال میں تمہارا حق ہو سکتا تھا۔ مگر اس میں اتنی گنجائش نہیں، اور بیت المال میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے۔ جتنا برک غماد کے آخری حدود میں رہنے والے کا بخدا اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہوجائے تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہو [2]۔ غرض آپ کے اعزہ، اقربا اور اہل خاندان نے آپ کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن کوئی چیز آپ کو قیام عدل سے نہ روک سکی، اور آپ نے سارے اموالِ مغصوبہ واپس دلا کر چھوڑے۔

اموی خلفاء نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنالیا۔ اس کی آمدنی اور مصارف کسی چیز میں بھی احتیاط نہ برتی جاتی تھی۔ جائز ناجائز ہر طرح کی آمدنی سے خزانہ بھرا جاتا تھا اور اس بے عنوانی کے ساتھ صرف کیا جاتا تھا کہ بیت المال کا بڑا حصّہ ان کے ذاتی تعیش پر صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی بھی پوری اصلاح کی۔ اور اس کے تمام جائز مصارف بند کر دیئے۔

اموال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں بہت بڑا حصّہ بیت المال میں واپس ہوگیا تھا۔ اپنے گھر کا ایک ایک نگینہ تک انھوں نے بیت المال میں داخل کر دیا تھا۔ خاندان کے تمام وظائف بند کر دیئے۔ شاہی شکوہ وتجمل کے تمام اخراجات موقوف کر دیئے چنانچہ تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطبل کے داروغہ نے سواریوں کے اخراجات مانگے تو حکم دیا کہ تمام سواریوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ میرے لیے میرا خچر کافی ہے [3]۔ خود اپنا تمام ذاتی سامان امارت لونڈی، غلام فرش وفروش،

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۱۸ و ۱۱۹ [2] ایضًا ص ۱۱۴ و ۱۱۵ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۱

لباس وعطریات وغیرہ بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی ہے۔"

"عمر بن عبدالعزیز سے پہلے مقصد صرف جلب زر تھا، اب تبلیغ اسلام بن گیا:

جہاں بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے حجاج نو مسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل بند کر دیا اور ایک عام حکم جاری کر دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ چھوڑ دیا جائے اس حکم پر تنہا مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ علاوہ بن شریح نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھ بھیجا کہ اس حکم کی وجہ سے اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ آمدنی گھٹ گئی۔ اور مجھے قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے دینے پڑے۔" آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ جزیہ بہر حال موقوف کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ [1]"

اس قسم کے معاملات میں کسی طرح کی مداہنت عمر بن عبدالعزیز سے ممکن ہی نہ تھی:

"جب مصر کے فلاحوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور اس کی وجہ سے جزیہ کی آمدنی کم ہونے لگی تو اموی خلیفہ نے گورنر مصر کے نام حکم بھیجا کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکو اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی نے اپنے فرمان سے اس کا انسداد فرمایا۔ شریح بن حبان مصر کے گورنر تھے۔ انھوں نے حسب دستور قدیم بارگاہ خلافت میں اطلاع بھیجی کہ ذمی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی چلی جا رہی ہے جس سے جزیہ کی آمدنی میں ٹوٹا آ رہا ہے۔ جواب میں ارقام فرمایا:

أما بعد فان الله بعث محمدا	اما بعد معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
صلی الله علیه وسلم داعیا ولم	کو داعی اور خدا کی طرف بلانے والا بنا کر مبعوث
یبعثه جابیا فاذا اتاك	کیا تھا حضور کو خدا نے محصول (ٹیکس)
کتابی هذا فان کان اهل الذمة	وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا تھا جس

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۱ [2] مقریزی، ج ۲ ص ۱۲۵

شخص مسلمان ہوجائے اس سے خراج نہ لیا جائے۔ ان تمام امور میں تم میری ہدایات پر عمل کرو کیونکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی نگرانی کا میرے متعلق کیا ہے۔ اس میں سے ان ان امور کا میں تمہیں منصرم مقرر کرتا ہوں۔ میرے حکم اور مشورہ کے بغیر کسی شخص کو قتل نہ کرنا اور نہ سولی پر چڑھانا۔[1]"
آپ نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ظالموں کے ہاتھ بھی پکڑے۔ خطاکار کو سزائیں بھی دیں:

"اموی عمال عموماً ظلم وجور کے خوگر تھے۔ سلیمان نے اپنے زمانہ میں ایک حد تک اس کا تدارک کیا تھا۔ لیکن ابھی اس کے آثار باقی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوسری اصلاحات کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ کی۔ اور حجاج کے پورے خاندان کو جو سب سے زیادہ ظالم تھا۔ یمن جلاوطن کر دیا۔ اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں جو عرب میں بدترین خاندان ہے۔ اس کو اپنے حدود حکومت میں منتشر کر دو۔[2]

حجاج سے تعلق رکھنے والے تمام عمال کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا۔

"بدنام عمال سے حکومت کو صاف کرنے کے ساتھ ہی عام عمال کی اصلاح کے لئے ان کے نام ایک عام فرمان جاری کیا کہ عام لوگ ان برے عمال کی وجہ سے جنہوں نے برے دستور قائم کئے اور کبھی انصاف نرمی اور احسان کا ارادہ نہیں کیا۔ سخت مصیبت، سختی اور جور وظلم میں مبتلا ہوگئے ہیں۔[3]"

تاریخ اسلام کے فاضل مصنف نے کتنی صحیح بات کہی ہے:

"کسی حکمران کے عدول وانصاف اور ظلم وجور کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار دوسری ماتحت قوموں اور اہل مذاہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے۔ اس معیار سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دور سراپا عدل تھا۔ انھوں نے ذمیوں کے حقوق کی جیسی حفاظت

---

[1] تاریخ طبری [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۰ [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۶۲ (تاریخ اسلام)

اسرعوا الی الاسلام ونکسرو الجزیۃ فاطرح کتابک واقبل الی (ابن سعد ج ۷ ص ۲۳۱)

وقت میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے اور ذمی رعایا تیزی سے اسلام میں داخل ہوتی چلی جا رہی ہو جس کی وجہ سے جزیہ کی آمدنی ختم ہو رہی ہو تو اپنے حساب کتاب کے رجسٹر لپیٹ کر فوراً میرے پاس چلے آؤ۔ ص۱

انھوں نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ تمام صوبوں کے عمال اور ولاۃ کے نام احکام جاری کئے کہ جزیہ دینے والوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، ص۲

عبد الحمید عامل کوفہ کو لکھا:-

یہ خط عبد اللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے عبد الحمید کو لکھا جاتا ہے۔ السلام و علیکم۔ حمد و ثنا کے بعد تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اہل کوفہ پر گذشتہ سخت گیر اور ظالم حاکموں نے ضرورت سے زیادہ سختیاں اور ظلم کئے حالانکہ مذہب کی بنیاد عدل و نرمی پر ہے۔ سب سے زیادہ تم اپنے نفس کی روک تھام رکھنا۔ کیونکہ یہ کچھ چھوٹا موٹا گناہ نہیں ہے غیر مزروعہ زمین پر وہ لگان مت لگانا جو آباد زمین پر لگایا جاتا ہے۔ اور بنا آباد زمین کی تشخیص لگان غیر مزروعہ زمین کے شرح سے کرنا۔ جو غیر مزروعہ زمین ہو اسے دیکھ کر اس کی حیثیت کے مطابق لگان لگانا۔ اور پھر اس کی آبادی اور اصلاح کی کوشش کرنا۔ زیر کاشت رقبہ زمین سے صرف زرِ لگان ہی وصول کرنا اور وہ بھی نرمی اور دلجوئی سے اور اس طرح کہ کاشتکار خوش رہیں۔ اور خراج میں ہمیشہ پیداوار کا ساتواں حصہ وصول کرنا جس کے لئے کوئی خاص ضابطہ نہیں ہے لگان تشخیص اور وصول کرنے والوں کی تنخواہیں رعایا سے وصول نہ کرنا۔ اور نہ نوروز اور مہرجان کا نذرانہ لینا نہ خطوط اور پٹہ رسانیکی اجرت لینا۔ نہ مکانات کا کرایہ۔ اور نہ نکاح پڑھانے کے معاوضہ کے درہم وصول کرنا۔ اسی طرح جو

ص۱ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۳۱۵ ص۲ ابو حنیفہ (مناظر احسن گیلانی، ۱)

کی اور ان کے ساتھ جو نرمی برتی اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ تاریخ اسلام کے کسی اور دور میں نہیں مل سکتی۔ ذمیوں کی اور مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت میں سر مو فرق نہیں کیا ان کے مذاہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی۔ جزیہ کی وصولی میں نرمی اور سہولت پیدا کی۔ ان کے لئے ہر طرح کی آسانیاں مہیا کیں۔ عمال کو وقتاً فوقتاً ان کے متعلق احکام لکھتے رہے۔ ۱

عدی بن ارطاط کو لکھا کہ "ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے اس کی کفالت کا انتظام کرو۔ اگر اس کا کوئی صاحب حیثیت رشتہ دار ہو تو اس کو کفالت کا حکم دو۔ ورنہ بیت المال سے کفالت کا انتظام کرو۔ جس طرح اگر کوئی تمہارا غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے یا تو آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑے گی۔ ۲

ذمی کے خون کی قیمت مسلمانوں کے خون کے برابر قرار دی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو فوراً مقتول کے ورثہ کے حوالے کر دو۔ وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کر دیں۔ ۳ چنانچہ اس حکم پر قاتل حوالہ کر دیا گیا۔ اور مقتول کے ورثہ نے اسے قتل کر دیا۔ ۳

کوئی مسلمان ذمیوں کے مال پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا۔ جو ایسا کرتا تھا اسے پوری سزا ملتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعوذی نے ایک سرکاری ضرورت سے ایک نبطی کا گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا۔ اور اس پر سواری کی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو چالیس کوڑے لگوائے۔ ۴

مال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں۔ ایک ذمی کی زمین عباس بن ولید کے قبضہ میں تھی۔ اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

---

۱ تاریخ اسلام (عہد بنو امیہ) ۲ ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۰ ۳ نصب الرایہ ص ۳۶۰ ۴ ابن سعد جلد ۵ ص ۲۷۶

نے عباس سے پوچھا تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ انھوں نے کہا والد نے مجھے جاگیر میں دی تھی۔ اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا۔ خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے۔ اور ذمی کی زمین واپس دلا دی[۱]۔

ان کے وہ مذہبی حقوق جو گذشتہ خلفاء کے زمانہ میں سلب ہو گئے تھے از سر نو قائم کیے۔ دمشق کا ایک گرجا ایک عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس دعوی کیا۔ انھوں نے واپس دلا دیا۔ اس طریقہ سے ایک مسلمان نے ایک گرجا کی نسبت عذر داری کی کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے[۲]۔

جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں عمال ذمیوں کے اوپر جو سختیاں کرتے تھے ان کو بالکل بند کر دیا اور جو بے عنوانیاں ہو چکی تھیں۔ حتی الامکان ان کی تلافی کی کوشش کی۔ ابن اشعث کی بغاوت کی حمایت کے الزام میں حجاج نے عراق کے ذمیوں کے جزیہ کی مقدار بڑھا دی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس اضافہ کو گھٹا دیا[۳]۔ جزیہ کی وصولی میں ان کے ساتھ اتنی نرمی برتی جاتی تھی کہ اس سے بازار کا نرخ چڑھ جاتا تھا لیکن اس کا آپ نے کوئی لحاظ نہ کیا۔ آپ کے زمانہ میں غلّہ کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا۔ ایک شخص نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ خلفاء جزیہ کی وصولی میں ذمیوں کو بڑی سخت تکلیفیں دیتے تھے۔ اس لئے وہ جزیہ ادا کرنے کے لئے جس دام پر جو بک سکتا تھا غلّہ فروخت کر دیتے تھے۔ اور میں ان پر [illegible] جس کو وہ اٹھا سکیں، اس لئے ہر شخص آزادی کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے اپنا غلّہ فروخت کرتا ہے[۴]۔

مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ دونوں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبد الملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام کو یہ ناگوار ہوا اس نے تمکنت میں آ کر عیسائی کے ساتھ سخت کلامی کی۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کو

---

[۱] سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۰ [۲] فتوح البلدان ص ۱۳۰ [۳] ایضاً ۲۷۱ [۴] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۰

خلاف بغاوت کرنا کس طرح بھی ممکن نہ تھا، ان کی حکومت کا تختہ بزور قوت اٹھا نہیں جا سکتا تھا، لہٰذا وہی کیا جو عام طور پر ایسے موقع پر کیا جاتا ہے، یعنی زہر دے دیا گیا جو جان لیوا ثابت ہوا، زہر ایک غلام نے ہزار اشرفی "انعام" لے کر دیا تھا، دوران علالت میں یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوئی تو آپ نے اسے سزا یہ دی کہ اس سے کوئی انتقام نہیں لیا، جو اشرفیاں اس نے بطور انعام لی تھیں، وہ اس سے واپس لیں۔ اور بیت المال میں داخل کر دیں، اور اسے آزاد کر دیا۔

زندگی ختم ہو رہی تھی، موت قریب تر ہوتی جا رہی تھی، خدا سے تعلق بڑھتا جا رہا تھا، علالت اور وفات کا وقفہ بہت مختصر تھا۔ اس مختصر سے وقفہ کی جو کیفیت طبری نے بیان کی ہے، وہ یہ ہے:

"امیر المومنین کی بیوی کا بیان ہے کہ جب مرض کی وجہ سے رات میں آپ کو بے چینی زیادہ ہوئی تو آپ رات بھر جاگتے رہے۔ صبح کے وقت میں نے آپ کے خادم مرثد سے کہا کہ تو امیر المومنین کے پاس رہنا اگر کوئی ضرورت ہو تو ہم قریب ہی ہیں۔ ہمیں فوراً اطلاع کر دینا۔ یہ حکم دے کر ہم وہاں چلے آئے چونکہ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے اس لئے سو رہے۔ دن چڑھے جب میں بیدار ہوئی تو امیر المومنین کے پاس گئی دیکھا مرثد آپ کے پاس نہیں ہے باہر سو رہا ہے میں نے اسے اٹھایا اور پوچھا کیوں باہر چلا آیا؟ کہا خود امیر المومنین نے مجھ سے کہا کہ تو باہر چلا جا میں باہر چلا آیا۔ اور میں نے آپ کو یہ آیت پڑھتے سنا۔

تلک الدار الآخرۃ نجعلہا للذین	ترجمہ۔ یہ آخرت ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے
لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً	لئے بنایا ہے جو دنیا میں نہ نمود چاہتے ہیں اور نہ
والعاقبۃ للمتقین۔	خرابی چاہتے ہیں۔ اور عاقبت اللہ سے ڈرنے والوں ہی کیلئے ہے

میں جب آپ کے پاس پہنچی تو دیکھا سیدھے لیٹے ہوئے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں اور روح جسد عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ"

اور اس طرح وہ پاک روح بھی سیاست کی بھینٹ چڑھ گئی، جس نے، مختصر سہی مدت کے لئے ہی سہی، لیکن وہ نظام پھر استوار کر دیا تھا جس کے لئے آنحضرت معبوث ہوئے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی "زیادتیاں" شاید خاندان مروان کے لوگ ان کی زندگی تک کے لئے برداشت کر لیتے۔ لیکن اب انہیں بعض وزنی وجوہ کی بنا پر اندیشہ پیدا ہو چلا تھا

ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی ۔ط۱ "

یہ سب باتیں عہد رسالت و خلافت راشدہ میں عام تھیں، لیکن اب نئی معلوم ہو رہی تھیں، جس شخص سے ان کا صدور ہو رہا تھا لوگ ——— خود اس کے عزیز اور اہل خاندان ——— اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، !

حضرت علی مرتضیٰ پر برسر عام اور برسر منبر سب وشتم کا سلسلہ امیر معاویہ کے وقت سے جاری تھا، :

ایک بری بدعت کا خاتمہ :-

اموی خلفا اور ان کے تمام عمال خطبہ میں حضرت علیؓ پر لعن طعن کیا کرتے تھے ۔ اور اسے خطبہ کا جز بنا دیا تھا ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل بند کر دیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ حضرت علیؓ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ بند کر دیں ۔ اور اس کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخل کی ۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابتداروں کو
وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ	ان کا حق دینے کا حکم دیتا ہے ۔ اور فحش برائی اور
وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ	ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم سمجھو ۔

- یہ ساری باتیں بن ہوتی ! ہو رہی تھیں !
- عمر بن عبدالعزیزؒ کے خاندان کا پیمانہ صبر چھلکتا جا رہا تھا، !

یہ لوگ خلیفہ راشد کے متمنی نہ تھے، قیصر و خاقان، اور کسریٰ کو ان کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں، اور یہ خلیفہ راشد اس راستہ میں سنگ گراں بن کر حائل تھا، !

- بالآخر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ اس سنگ گراں کو راستے سے ہٹا دیا جائے ، !
- حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مختصر دور خلافت میں اقدار اسلامی، دستور قرآنی، اور آئین نبویؐ کا احیاء کر کے عامہ مسلمین میں وہ مرجعیت اور محبوبیت حاصل کر لی تھی کہ ان کے

ط۱ کتاب العیون والحدائق ۔ ط۲ تاریخ الخلفاء، ص ۲۴۴ و ابن سعد ص ۲۹۱

تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد عمر بن عبدالعزیزؓ کا پہلا خطبہ :

" آزادی کا پہلا منشور تھا جس کا بنی امیہ کے عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی جانب سے پہلی دفعہ اعلان کیا گیا - تمام ظالم گورنر جن کے حالات سے وہ بخوبی واقف تھے ایک ایک کر کے ہٹا دیئے گئے - ہر شخص کو حکم دیا گیا کہ " اسلامی نظام " میں جہاں جہاں جس قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ، ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے - اور پوری قوت سے کی جائے - اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ساری زبانیں جن پر تلوار کے تالے چڑھائے گئے تھے کھل پڑیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر و اظہار حق کے جذبہ کا چراغ جو قریب تھا کہ بجھ جائے پھر سینوں میں روشن ہوگیا مشہور مدنی امام حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر کا مشہور تاریخی فقرہ :

اَلْيَوْمَ يَنطِقُ مَن كَانَ لَا يَنطِقُ — اب وہ بولیں گے جو نہیں بول سکتے تھے ح[2]

لیکن جس دن آپ کا انتقال ہوا ، اور یزید بن عبدالملک مسند خلافت پر بیٹھا ، اسی دن اس نے سارے حسنات سیئات سے بدل دیئے :

" عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کی مختصر مدت (دو ڈھائی سال تقریباً) پوری کر کے اپنے خدا سے جا ملے اور ان کی جگہ جو شخص بنی امیہ کی گدی پر بیٹھا ، وہ عبدالملک کا بیٹا یزید تھا - تخت پر بیٹھنے کے بعد ساتھ ہی اس نے جو فرمان نکالا وہ تاریخوں میں درج ہے - اس کے چند فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں

اما بعد فان عمر كان مغروراً
غررتموه انتم واصحابكم - فلذا
اتاكم كتابي هذا فدعوا ما كنتم
تعرفون من عهده - اعيدوا الناس

اما بعد ، واضح ہو کہ عمر بن عبدالعزیز ایک فریب خوردہ ،
شخص تھا تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے سے خوب دھوکہ میں ڈالا
اب جونہی کہ میرا فرمان تمہارے پاس پہنچے یک لخت ان تمام طریقوں کو
ترک کر دو جو اب تک تم عمر کی عہد کی چیزوں کے متعلق جانتے ہو

ح[1] طبری ج ۲ ، ج ۳ ص ۲ ، طبقات ابن سعد -

کہ یہ حکومت اس خاندان کے ہاتھ سے نکل جائے گی، سلیمان بن عبدالملک نے، مرنے سے پہلے علی الترتیب دو آدمیوں کو ولی عہد نامزد کرکے ان کے لئے بیعت لی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز۔ اوران کے بعد یزید بن عبدالملک، امکان اس کا بڑھتا جارہا تھا کہ وہ یزید بن عبدالملک کی ولی عہدی منسوخ کرکے خلیفہ کا انتخاب رائے عامہ اور شوریٰ کے تابع کردیں گے، بات یوں ہوئی کہ خوارج سے معرکہ آرائیاں جاری تھیں۔ آپ حتی الامکان ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کرتے تھے، آخر آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ دو آدمی بھیج دیں۔ وہ آکر مسئلہ متنازعہ فیہ پر گفتگو کریں۔ جو قائل کردے اس کی بات مان لی جائے، چنانچہ خوارج نے اپنے دو نمائندے بھیج دیئے، طبری کی روایت ہے کہ:

"یہ دونوں امیرالمومنین کے سامنے آئے اوران سے بحث کرنے لگے۔ اور امیرالمومنین سے سوال کیا کہ یزید بن عبدالملک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کیوں وہ آپ کے بعد خلیفہ ہوگا؟ امیرالمومنین نے فرمایا میں نے نہیں بلکہ میرے پیش رو نے اس کو ولی عہد کیا ہے۔ خارجیوں نے کہا اچھا آپ ہی بتلایئے کہ کیا یہ مناسب ہے کہ آپ کسی دوسرے کے مال کے امین بنائے جائیں پھر اس مال کو آپ ایسے شخص کے سپرد کردیں جو غیر معتبر ہو؟ ایسی صورت میں کیا آپ نے اس امانت کے فرض کو اس ذات کے سامنے جس نے آپ کو امین بنایا تھا پورا کیا؟ امیرالمومنین فرمانے لگے کہ اس کے جواب کے لئے مجھے تین دن کی مہلت دو۔ خارجی اٹھ کر چلے گئے۔

مگر اب مروانیوں کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا ہمارے خاندان سے یہ حکومت اور دولت نکل جائے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ امیرالمومنین یزید کو ولی عہدی سے محروم کردیں۔ اس لئے ان لوگوں نے امیرالمومنین کو چپکے سے زہر دلوا دیا۔ اور اس واقعہ کے تین ہی دن بعد آپ نے وفات پائی۔

یہ واقعہ ماہ رجب، یوم چہار شنبہ ۱۰۱ھ کا ہے،

مدت خلافت دو سال، پانچ ماہ، چار دن، عمر ۳۹ سال سے سال سے کچھ اوپر،

الی طبقھم الاولیٰ اخصبوا ام
اجدبوا احبّوا ام کرھوا
احیوا ام ماتوا والسلام

لوگوں کی پہلی حالت کی طرح واپس لوٹادو خواہ فراخی
کا زمانہ ہو یا خشک سالی کا۔ لوگ اسے پسند
کریں یا ناپسند کریں، جئیں یا مریں ص[1]

اور یوں، اندھیرے میں روشنی کی جو جھلک دکھائی دی تھی وہ چشم زدن میں رخصت ہوگئی، —
— خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود، !

ص[1] عقد الفرید (جلد دوم)

زید بن علی کا خونِ ناحق

بنوامیہ کی حکومت کو اب تقریباً سو سال کی مدت گذر چکی ہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے خاندان رسالت پناہؐ کی متعدد مقدس اور محترم شخصیتوں کو اپنے اقتدار کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا یا علما، ابرار و اخیار، اتقیا اور اصفیا صحابہ اور تابعین کوئی ان کی زد سے نہ بچ سکا، انھوں نے فکر آخرت سے بے نیاز ہو کر، فکر دنیا میں، بڑی بڑی ستم رانیاں کیں، اور سمجھ لیا کہ خدا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہم اس کی گرفت سے آزاد ہیں،

یہ لوگ ظلم کرتے رہے، ان کی طغیانیاں بڑھتی رہیں، ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا رہا۔ قدرت ڈھیل دیتی ہی قدرت دیر گیر ضرور ہے۔ لیکن سخت گیر بھی ہے، اور جب اس کا وقت آجاتا ہے۔ پھر وہ نہیں معاف کرتی،

خاندان رسالت میں زید بن علی بن حسین کا قتل آخری سفاکانہ، قتل تھا، جو اس خاندان کے ہاتھوں عمل میں آیا، یہ اتنا سفاکانہ قتل تھا کہ اس نے ہر آنکھ کو نمناک بنا دیا، ہر دل زخم بن گیا، اس حادثہ کے چند سال بعد بنوامیہ کی وہ حکومت جس نے دبدبہ اور طنطنہ کے ساتھ سو برس تک کشور کشائی اور فرماں روائی کی تھی پکے ہوئے پھل کی طرح زمین پر آرہی، جو دوسروں کو قتل کرتے تھے وہ خود قتل ہونے لگے۔ جو دوسروں کے لئے پیام مرگ بنے ہوئے تھے، اب موت کا پنجہ ان کی گردن میں حمائل تھا، جو دوسروں کے دکھ درد کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اب وہ خود پیکر الم، اور سراپا درد و سوز بنے ہوئے تھے۔ تلک الایام

سے مروی ہے کہ شہید کی شہادت کی خبر جب معلوم ہوئی تو فرمایا۔
" واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ قرآن کے پڑھنے والے، سب سے زیادہ اللہ کے دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے"۔ اور آخر میں فرمایا۔

واللّٰه ماترك فينا لادنيا ولا للاخرة مثله۔	خدا کی قسم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے یعنی دونوں کے متعلقہ مسائل کے لئے انھوں نے ہمارے خاندان میں اپنا جیسا آدمی نہیں چھوڑا[ط]

خود فرمایا کرتے تھے :

خلوت بالقرآن ثلاث عشر سنة	تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کیلئے میں نے خلوت اختیار کی[ع]

محدث ابوعوانہ نے حضرت شہید کے متعلق لکھا ہے کہ :-

كان زيد بن علي يرى الحياة غرما وكان ضجراً بالحياة	زید بن علی کے لئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی زندگی سے وہ تنگ آچکے تھے[ع]

بعض وقت اتفاقات بھی کیسی کیسی گل کاریاں کرتے ہیں، زید، مدینہ میں خلوت گزینی کی زندگی بسر کر رہے تھے، نہ سیاست سے کوئی تعلق تھا نہ حکومت سے، کہ خالد قسری، جو کسی زمانہ میں عراق کا گورنر تھا، ہشام بن عبدالملک کی نظر میں معتوب قرار پاتا ہے اور اس سے مطالبہ ہوتا ہے کہ اپنی جمع جتھا پیش کردو، وہ مردزیرک بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے میں نے اپنا سارا سرمایہ زید کے پاس رکھوایا ہے، ان سے لے لیجیے، کہاں کوفہ کہاں مدینہ؟ کہاں خالد قسری، کہاں زید بن علی؛؟ ان دونوں میں ارتباط اگر ممکن تھا تو سیاہی اور سفیدی تاریکی اور، روشنی میں بھی ارتباط ممکن تھا، یہ بات بداہتہ اتنی غلط اور ناقابل یقین تھی کہ کوئی شخص اس پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا، لیکن روپیہ کی لگن بری بلا ہے، اس ناممکن کو بھی اس نے باور کرلیا، اور والی مدینہ کو حکم بھیجا کہ فوراً زید دمشق روانہ کئے جائیں، چنانچہ زید، اور داؤد (حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے) کشاں کشاں دمشق بھیج دیئے گئے۔

ط مقدمہ روض النضیر ص ۵، ع ایضاً، ع ایضاً ص ۵۵

نداولها بين الناس ، !

زید ، ــــــ سبط حسین ، ابن زین العابدین ، !

كان ابيض اللون اعين مقرون
الحاجبين تام الخلق طويل القامة
كث اللحيه عريض الصدر اقنى الانف
اسود الراس واللحيه الا انه خالطه
الشيب في عارضيه

رنگ حضرت زید کا گورا تھا آنکھیں بڑی بڑی ابرو
دونوں ملے ہوئے تھے جسم کی بناوٹ مکمل تھی قد دراز تھا ڈاڑھی
گھنی سینہ فراخ وکشادہ بلند بینی ڈاڑھی اور سر کے
بال سیاہ تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی
دونوں رخساروں کے اطراف میں ہو چلی تھی ط

مولانا گیلانی نے "ابوحنیفہ" میں ، تحریر فرمایا ہے ، :
"حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت اس باب میں نقل کی گئی ہے ۔ یعنی حضرت امام فرماتے ہیں ۔

شاهدت زيد بن علي كما شاهدت
اهله فما رأيت في زمانه افقه منه
ولا اعلم ولا اسرع جوابا
ولا ابين قولا ۔

میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دوسرے
حضرات کے مشاہدے کا موقع مجھے ملا ہے میں نے ان کے زمانے
میں ان سے زیادہ فقیہ آدمی اور کسی کو نہیں پایا اور ان
جیسا حاضر جواب اور واضح صاف گفتگو کرنے والا آدمی اس عہد
میں مجھے کوئی نہ ملا ، ۲ط

لقد كان منقطع القرين

درحقیقت ان کے جوڑ کا آدمی اس زمانہ میں نہ تھا ۳ط

اور امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے حضرت شہید کے متعلق اسی قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں ۔ الشعبی سے روایت کرنے والوں نے یہاں تک روایت کیا ہے کہ زید بن علی سے بہتر بچہ شائد کسی عورت نے پیدا کیا ہو ایسا فقیہ اتنا بہادر اور قانع عابد و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمی اور دینی فہم و فراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی ۔ امام جعفر صادق

ط مقدمہ الروض النضیر ، ص ۴۹ ۲ط ایضاً ، ۳ط ایضاً ص ۵۰

پیٹا جا رہا تھا، آخر وہ کوفہ پہنچے۔ یوسف کے سامنے معاملہ پیش ہوا، زید اور خالد قسری روبرو بیٹھے، سوال و جواب ہوئے، آخر خالد نے اپنے جھوٹ کا اعتراف کر لیا، اور آپ پر یہ لغو تہمت ثابت نہ ہو سکی،

کوفہ کے دوران قیام میں گو آپ کی سخت نگرانی کی جاتی تھی، لیکن عقیدت مندوں کا ہجوم تھا کہ لوٹا پڑ رہا تھا، لوگ فوج در فوج، اور موج در موج آستانے پر حاضر ہوتے تھے، اور سر عقیدت خم کرتے تھے۔ جیسے ہی آپ نے کوفہ میں قدم رنجہ فرمایا انقلاب پسند طبقہ میں، جو کسی صالح رہنما کا جویا تھا امید کی ایک لہر دوڑ گئی، ایک نیا حوصلہ پیدا ہو گیا، ــــ جیسے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا ہو، چنانچہ:

"نتیجہ ان باتوں کا جو کچھ ہو سکتا تھا وہی سامنے پیش آیا عوام کو تو جانے دیجئے خواص کے طبقات میں بھی یہ بات محسوس ہونے لگی کہ حضرت زید کا اتفاقی طور پر کوفہ آجانا ایک مغتنم موقعہ ہے۔ خواص سے مراد اہل علم و تقویٰ کا گروہ ہے جن کی کوفہ میں ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ پھر ان میں بعض جو زیادہ جوشیلے تھے انھوں نے علانیہ حضرت زید کی طرف سے لوگوں سے بیعت تک لینی شروع کر دی اس طبقہ کے سرگروہ منصور بن المعتمر تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور ابن معتمر خلوت میں مل مل کر باتیں کرتے تھے اور روتے تھے۔ چنانچہ منصور بن معتمر گشت کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علی کے لئے بیعت لیتے تھے۔ کان یاخذ البیعة لزید بن علی۔ ص[1]

ابن معتمر اور ان ہی جیسے بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ چالیس ہزار انسانوں نے حضرت زید کے ساتھ مل کر بنی امیہ کی حکومت سے مقابلہ کرنے کا عہد کیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس کے مقابلہ میں خواص ہی کا ایک دور اندیش طبقہ تھا۔ جس کے سامنے کوفہ کی گذشتہ تاریخ کے اوراق کھلے ہوئے تھے کوفہ والوں نے ان ہی زید کے دادا حضرت امام حسینؓ اور امام حسنؓ

---

[1] مقدمہ روض النضیر، ص ۵۵

ہشام کو اپنے پیش رووں کی طرح ایسے ہی اہل بیت سے چڑ تھی۔ پھر زید کی شخصیت اور ان کی مرجعیت اور محبوبیت سے وہ خطرہ بھی محسوس کرتا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رقم خطیر کا سوال درپیش تھا، دیکھتے ہی بھڑک اٹھا، اور بجائے اس کے کہ اصل الزام کے سلسلے میں تفتیش و تحقیق کرے۔ چھوٹتے ہی، تند، تلخ لہجہ میں آپ سے گفتگو شروع کردی، دوران گفتگو میں بے ساختہ کہہ اٹھا:

"تم لونڈی زادہ ہو کر خلافت کی خواہش رکھتے ہو؟ زید نے جواب دیا کہ "تم لونڈی ہونے کی وجہ سے میری ماں کا درجہ گھٹاتے ہو؟ حالانکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام آزاد عورت کے بطن سے تھے۔ اور اسمٰعیل علیہ السلام لونڈی کے ان دونوں میں خدا نے حضرت اسمٰعیل[۲] کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا اور ان کی نسل سے عرب پھیلے اور ان ہی کی نسل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہوئے خدا کا خوف کیا کرو۔!

ہشام نے کہا تمہارا جیسا شخص مجھے خدا کا خوف دلاتا ہے؟۔ زید نے کہا۔ کوئی آدمی اتنا چھوٹا نہیں ہے کہ وہ کسی خدا کے خوف سے نہ ڈرا سکے[۱]

اس تلخ گفتگو کے بعد، اصل مسئلہ زیر بحث آیا، حضرت نے اس الزام کی ایسے انداز میں تردید فرمائی کہ ہشام کہہ اٹھا،

انتما عندی اصدق من	نصرانیہ کے لڑکے (خالد) سے میرے نزدیک
ابن نصرانیۃ —	آپ لوگ زیادہ سچے ہیں۔[۲]

لیکن کھٹک قائم رہی، چنانچہ مدینہ واپس کرنے کے بجائے کوفہ جانے کا حکم دیا، کہ وہاں کا گورنر (یوسف) خالد کے سامنے پوچھ گچھ کر کے رائے قائم کرے اور رپورٹ دے،[۳]

سلاطین بنو امیہ کی عام پالیسی یہ تھی کہ اہل بیت کے لوگ۔ کوفہ کا رخ نہ کرنے پائیں، لیکن طمع زر نے یہ اٹل پالیسی بھی توڑنے پر اسے مجبور کر دیا،

حضرت زید اور داؤد کو، خدا خواہش نہ تھی کہ کوفہ جائیں، لیکن کوفہ ان کے قدموں سے

---

[۱] یعقوبی ج ۲، ص ۳۹۰ [۲] طبری، ص ۲۶۱ [۳] کامل ابن اثیر ص ۲۶۱

بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، وہ سب ان کے سامنے تھا اس طبقہ کے سرخیل مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے۔ انھوں نے صحابہ کی بھی آنکھیں دیکھی تھیں۔ اور اہل بیت کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت زید کو بہت سمجھایا۔ پچھلے تاریخی واقعات یاد دلائے لیکن سلمہ گفتگو کامیابی اور ناکامی کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر کر رہے تھے اور شہید کے سامنے صرف ایک بات تھی۔ حضرت کی زبان مبارک پر چند اشعار بھی اس زمانہ میں جاری تھے۔ ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔

انی امرءٌ ساموت ان لم اقتل ۔ میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا۔ اگر قتل نہ ہو سکا۔

سلمہ بن کہیل نے جب دیکھا کہ حضرت اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کیا کہ مجھے کوفہ سے باہر نکلنے کی اجازت دیجیے شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہ جا سکے ۔[1] اور واقعی کوفہ سے نکل کر یمامہ چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ طبقات میں ہے:

سلمہ بن کہیل کا ۱۲۲ھ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علی کوفہ میں شہید ہوئے ۔[2]

اور حضرت شہید کی وہی بات انی امرءٌ ساموت ان لم اقتل۔ میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہو سکا۔ پوری ہوئی کسی نے سچ کہا ہے کہ موت کے معمہ کا حل "شہادت" کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔[3]

وہ لوگ بھی، جو کوفیوں کے غدر اور بدعہدی سے واقف اور ذاتی طور پر عملی شرکت سے معذور تھے۔ حضرت کے برسرِ حق ہونے کا اعلان کر رہے تھے:

کوفہ کے محدث جلیل اور امام نبیل الاعمش ہیں ان کا قول ہے،

واللہ لیخذلنّہ واللہ لیسلمنہ	خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے دشمنوں کے سپرد کر دیں گے
کما فعلوا اجدادہ وعمہ	جیسا ان کے دادا اور چچا کے ساتھ بھی کیا تھا

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۸۷ [2] طبقات ابن سعد [3] مقدمہ روض النضیر

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے۔

واللہ لولا ضرارۃ بی لخرجت معہ

خدا کی قسم اگر (آنکھ میں) میرے ہرج نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں بھی نکل کھڑا ہوتا۔

اعمش کے شاگرد رشید امیر المومنین فی الحدیث شعبہ کی روایت ہے کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے امام سفیان ثوری کا تھا۔ یعنی حضرت کے ساتھ جنگ میں تو شریک نظر نہیں آتے لیکن اسی کے ساتھ ابو عوانہ کی روایت ہے کہ

اذا ذکر زید بن علی یقول بذل مھجتہ لربہ وقام بالحق لخالقہ ولحق بالشھداء المرزوقین من آبائہ

جب سفیان ثوری زید کا ذکر کرتے تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کر دی اور اپنے خالق کی مرضی کے پابند رہے حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے آباء و اجداد میں شریک ہو گئے جو راہ حق میں شہید ہوئے تھے۔ [۱]

امام اعظم ابو حنیفہ کو تو حضرت زید کے ساتھ والہانہ تعلق خاطر تھا۔:

"مخلصین کے اس طبقہ میں حضرت امام ابو حنیفہ بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ امام کے متعلق بعض خصوصیات بھی اسی سلسلے میں بیان کئے جاتے ہیں جن میں سب سے بڑی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کو خود حضرت شہید رحمتہ اللہ علیہ نے یاد فرمایا اور اپنا ایک خاص قاصد جس کا نام فضیل بن زبیر تھا۔ حضرت امام کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو امام کے سوا اکابر کوفہ کے ساتھ جہاں تک روایات کا تعلق ہے۔ حضرت شہید نے غالباً اختیار نہیں فرمائی۔

فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام گنوائے وہ ان لوگوں کے ذریعہ سے تحریک کے انجام کے متعلق کچھ رائے قائم کرنا چاہتے تھے۔ فضیل کے اسی جواب کے بعد امام نے اپنا تاریخی بیان دیا۔

خروجہ یضاھی خروج رسول اللہ

حضرت زید کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ

---

[۱] مقدمہ روض النضیر، ص ۵

من خالفہ   کہنا اسے مخالفوں کے مقابلہ میں استعمال کریں۔ ط۱

یہی نہیں بلکہ:

كان ابوحنيفة يفتي سرا ألوجوب نصرة زيد حمل المال اليه -

امام ابوحنیفہ پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور ان کے پاس پوشیدہ طور پر مالی امداد بھی روانہ کرتے تھے۔ ط۲

بہرحال کوفہ کے عوام و خواص کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت زید نے، حکومت متعلقہ کے خلاف جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جنگ اور جہاد کے لئے آپ نے لوگوں سے جو بیعت لی اس کے الفاظ حسب روایت طبری یہ ہیں:

"میں بیعت لیتا ہوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ظالموں سے جہاد، کمزوروں کی مدافعت، مجرمین کو عطا، حق، سرکاری مالگذاری کی علی السویہ تقسیم، مظالم کارد، جنگی کی موقوفی، اہل بیت کی امداد کی طرف ان لوگوں کے خلاف جو ہمارے مخالف ہیں اور جنہوں نے ہمارے حقوق کو دیدہ و دانستہ بھلا دیا ہے دعوت دیتا ہوں۔ کیا تم اس شرط پر بیعت کرتے ہو۔ اگر وہ اقرار کر لیتا تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور پھر کہتے اب تم پر اللہ کا عہد و میثاق، اور رسول اللہ کی ذمہ داری ہے کہ تم میری بیعت کو پورا کرو گے۔ میرے دشمن سے لڑو گے۔ ظاہر و باطن میرے خیر خواہ رہو گے۔ اگر وہ ان باتوں کا بھی اقرار کر لیتا تو پھر اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے چھوا دیتے اور پھر کہتے اے خدا تو گواہ رہ۔"

چند ماہ یہی ہوتا رہا۔ جب ان کے خروج کا زمانہ قریب آیا انھوں نے اپنے طرفداروں کو تیاری کا حکم دیا۔ ان میں سے جو لوگ واقعی اپنے عہد کو پورا کرنا اور ان کا ساتھ دینا چاہتے انھوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس سے ان کی بات تمام لوگوں میں پھوٹ پڑی۔ کوفہ میں زید کی موجودگی، اور جہاد کی تیاری نے ہشام کو پریشان کر دیا۔ اس نے گورنر کوفہ

ط۱ الموفق ج ۱، ص ۲۶۵ ط۲ مقدمہ روض النضیر، ص ۴۶

صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر	صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف بری کے مشابہ ہے[1]
ارسل الی الی حنیفۃ یدعوہ	حضرت زید نے فضیل کو ابو حنیفہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا
الی نفسہ	کہ اپنی ذات کیطرف امام ابوحنیفہ کو دعوت دینا چاہتے تھے
	(یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو) [2]

ممکن ہے کہ اسی کے ساتھ امام سے اس باب میں حضرت شہید نے یہ شرعی مشورہ بھی حاصل کیا ہو کہ موجودہ حالات میں بنی امیہ کی حکومت کے مقابلہ میں کھڑا ہونا شرعاً آپ کے نزدیک کس قسم کی بات ہے؟ تو اس کی بھی گنجائش ہے ہو سکتا ہے کہ اسی کا جواب امام نے ان الفاظ میں دیا ہو یعنی قریش کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صف آرا ہو جانا جیسے ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا۔ اسی طرح گو اس وقت مقابلہ میں بجائے کافروں کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن اپنے طریقہ عمل سے بنی امیہ کی حکومت جن نتائج تک پہنچ چکی ہے ان کو دیکھتے ہوئے اس حکومت کو الٹ دینے کی کوشش قطعاً ایمان و اسلام کا اقتضا ہے گویا امام نے ان الفاظ میں حضرت زید کے خروج کی شرعی تصحیح فرمائی ہے۔ [3]

امام اعظم ابو حنیفہ نے صرف ایسا معرکہ آرا فتویٰ دینے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا، :

"اسی ظاہر کے اقتضا کی رعائت کا نتیجہ تھا کہ سب کچھ کہنے کہلانے کے بعد آخر میں حضرت امام نے دس بیس روپے نہیں بلکہ ان ابتدائی کرنوں میں جب بظاہر ان کے کاروبار کا آغاز ہی ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک زیادہ وقت ان کا حماد بن ابی سلیمان اپنے استاد کے پاس حصول علم ہی میں گذرتا تھا ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں گھر سے لاکر فضیل بن زبیر کے حوالہ کیں اور فرمایا

اعینہ بمالی فتبیقوی بہ علی	میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں ان سے

---

[1] الموفق ص ۲۶۰ [2] الموفق ص ۲۶۵ [3] ابو حنیفہ (مولانا مناظر احسن گیلانی)

کے تمام حکمرانوں کی لاشیں (باستثنا عمر بن عبدالعزیزؒ) قبر سے نکال نکال کر جلائیں - یہ عجیب اتفاق ہے کہ صرف ہشام کی لاش چھ سات سال بعد بالکل صحیح وسالم نکلی صرف ناک کا بانسہ غائب ہوا تھا قبر سے نکال کرا سی کوڑے اسکی لاش پر لگوائے گئے، اور زید شہید کی لاش جیسے جلائی گئی، ہشام کی لاش بھی جلائی گئی - کہ یزید بن معاویہ کی قبر سے ایک ہڈی نکلی اور کچھ توجیہ اس کی نہ ہوسکی کہ ایک سیاہ دہاری طولا اس کی قبر میں پائی گئی، یوسف بن عمر کا انجام یہ ہوا کہ اس کی ڈاڑھی نوچ لی گئی اور تڑپا تڑپا کر مار اگیا - اس کے جسم کا ایک ایک حصہ دمشق کے مختلف مقامات میں لٹکا دیا گیا - بنی امیہ کے اسی شہزادوں کو باندھ کر ان پر فرش بچھا کر لوگوں نے کھانا کھایا اور پھر ایک ایک کر کے گردن مار کر گھوروں پر ان کی لاش پھینک دی گئی ، :

"حضرت شہید کی شہادت کے بعد کل سات سال کے اندر اندر بنی امیہ کی حکومت جس کا پایۂ تخت دمشق تھا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اس عرصہ میں ہشام۔ ولید۔ یزید۔ ابراہیم۔ مروان پانچ بادشاہ یکے بعد دیگرے بنی امیہ کی گدی پر بیٹھے جن میں بعضوں کو چند مہینے سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہ ملا گویا فی بادشاہ ایک سال کچھ مہینے کا اوسط پڑتا ہے۔ اور سب کچھ جو ہوا، ہشام بن عبدالملک کی حماقتوں کا نتیجہ تھا ایک مدت سے اہل بیت کے لوگوں کو سلاطین بنی امیہ نے مدینہ منورہ میں گویا نظربندوں کی حیثیت سے محصور کر رکھا تھا۔ لیکن محض ابن النصرانیہ خالد کے ایک بے بنیاد دعویٰ سے متاثر ہو کر تھوڑے سے روپے کے لئے شیر کو ہشام نے پنجرے سے باہر نکلنے کا خود ہی موقع دیا اور خود ہی اس کو اپنے جنگل میں پہنچا دیا۔ ابن النصرانیہ جانتا تھا کہ کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت زید یوں ہی نہیں واپس چلے جائیں گے اور یہی ہوا۔ لیکن ہشام نے اسی پر بس نہیں کیا۔ کوفہ والوں کے عادتی غدر کی وجہ سے حضرت زید شہید ہو گئے۔ بنی امیہ کی شترکینگی کا خیال کر کے لوگوں نے راتوں رات حضرت شہید کی لاش کو بہتے ہوئے پانی کے ایک راج باہے میں دفن کر کے اس پر آبی نباتات کے بیلیں چڑھا دیں۔ لیکن اپنے آقا ہشام کی خدمت میں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کا سر کا تحفہ بھیجنے کے شوق میں یوسف گورنر کوفہ نے حضرت کی لاش کا بڑی جد و جہد کے بعد پتہ چلایا۔ اور سر کاٹ کر دمشق بھیجا گیا۔ ہشام نے ایک طرف دمشق کے دروازے پر اس سر کو لٹکانے کا حکم دیا اور دالپسی ڈاک سے یوسف کو لکھا کہ کسی نمایاں مقام پر عریاں کر کے حضرت زید کی لاش لٹکا دی جائے چودہ مہینے تک یہ لاش بمقام کناسہ کوفہ میں بحالت عریانی لٹکی رہی اس عرصہ میں ہشام تو خیر مر گیا۔ لیکن اس کے جانشین ولید کے عہد میں حضرت زید کے صاحبزادے یحییٰ بن زید بلخ کے قریب جوزجان ضلع کے ایک گاؤں ارعونہ نامی میں شہید ہوئے اور جوزجان شہر میں ان کی لاش اس طرح لٹکا دی گئی جیسے ان کے والد کی کوفہ میں لٹکی ہوئی تھی گویا خراسان، عراق، شام تک مسلسل ایک تماشا کھڑا کیا گیا تھا حکومت کی جباریت سے لوگ خواہ کچھ نہ بول سکتے ہوں۔

چودہ ماہ بعد زید کی ننگی لاش کو اتروا کر ولید نے جلا کر دریا برد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی کے انتقام میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد عباسیوں کے ولاۃ وحکام نے تلاش کر کر کے بنی امیہ

طبری کی روایت ہے کہ

عمر بن زرارہ کی فوج دس ہزار تھی یحییٰ بن زید کے ہمراہ ستر شخص تھے، لیکن اس مختصر سی ٹولی نے اتنی بڑی فوج کو شکست دی، عمر بن زرارہ کو قتل کر دیا، !"

اس کے بعد نصر نے سمہ بن احوز ہلالی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، اس نے جوزجان کے مقام پر انھیں اور ان کی مختصر سی جماعت کو قتل کر دیا، ح[1]

ہر حادثہ اپنے پیچھے ایک نقش بھی چھوڑ جاتا ہے، :

"نفسیاتی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر اس دردناک دوامی منظر کا جو اثر پڑ سکتا تھا حکومت کے نشہ میں وہ بنی امیہ والوں کی سمجھ میں نہ آیا - خراسان میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم کو جو کامیابی ہوئی اس کامیابی میں بہت زیادہ دخل اس عجیب و غریب تماشے کو تھا اسی سے خراسانی مسلمانوں کے تاثر کا اندازہ کیجیے کہ جب عباسیوں کا اقتدار خراسان میں قائم ہوا تو پہلا کام یہی کیا گیا کہ جوزجان میں حضرت یحییٰ کی لاش سولی سے اتاری گئی - نماز جنازہ پڑھی گئی اور سات دن تک خراسان کے ہر ہر گاؤں میں ماتم منایا گیا یہی نہیں بلکہ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ولم یولد فی تلک السنة بخراسان مولود الا وسمی یحییٰ او بزید - اس سال خراسان میں جہاں کہیں جو بچے بھی پیدا ہوئے ان کا نام یحییٰ یا زید رکھا گیا - ح[2]

اور بنو امیہ کا یہ سلوک صرف اہل بیت ہی کے ساتھ نہ تھا - طمع زر اور ہوس اقتدار اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اپنے دیرینہ جاں نثاروں اور خدمت گذاروں کو بھی بے خطا قصور، یا ذرا سی لغزش پر موت کے گھاٹ اتار دیا،

مسلم بن قتیبہ جیسا سالار اعظم جس نے چین کی سرحد تک پہنچ کر دم لیا، انہی کے ہاتھوں مارا گیا،

محمد بن قاسم جیسا مرد صالح، جس نے سندھ فتح کیا - اور وہاں ایسے عدل سے حکومت

ح[1] یعقوبی، ج ۲ ص ۳۹۸ ح[2] المسعودی ص ۴۰،

یحییٰ ابن زید کا قتل

زید علی بن علی قتل ہو گئے، ______ تفصیل گذشتہ باب میں گزر چکی ہے، اب یحییٰ بن زید کی باری آئی، !

وہ اپنے والد کے حادثۂ شہادت کے بعد خراسان چلے گئے، وہاں بھی انھیں چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ تنگ آمد بجنگ آمد، وہ بھی میدان میں اتر آئے، :

"ولید کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد یحییٰ بن زید خراساں میں اٹھے۔ وہ اپنے والد زید بن علی کے خروج میں ان کے ساتھ تھے۔ ان کے قتل کے بعد خراساں چلے گئے تھے۔ اور بلخ کے ایک محب اہل بیت حریش بن عمرو بن داؤد کے یہاں مقیم تھے۔ ولید کو اس کی اطلاع ہوئی۔ اس نے حفظ ماتقدم کے خیال سے نصر بن سیار والی خراسان کو لکھا کہ حریش سے فوراً یحییٰ کے حوالے کرنے کا مطالبہ کرو۔ اس نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ نصر نے سختی سے کام لیا۔ اس کی سختی دیکھ کر حریش کے لڑکے نے بتا دیا۔ اور نصر نے یحییٰ کو گرفتار کر کے دو ہزار درہم دے کر شام جانے کی ہدایت کی۔

لیکن بلخ سے نکلنے کے بعد ان کے پیروؤں نے انھیں یہ کہہ کر پھر اکسایا کہ ہم لوگ کب تک ذلت برداشت کرتے رہیں گے۔ اس لئے یحییٰ شام جانے کے بجائے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نیشاپور چلے گئے۔ یہاں کے حاکم عمرو بن زرارہ کو ان کے ارادہ کا علم ہوا تو اس [illegible] لئے مقابلہ کیا یحییٰ نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ اور پھر بلخ لوٹ گئے

کی غیر مسلم اس کا بت بناکر پوجنے لگے ۔ بغیر کسی قصور کے ہلاک کیا گیا ،

موسیٰ بن نصیر جس نے بربر کا علاقہ فتح کیا ، اور اسپین پر امویوں کا پرچم لہرایا اس سلوک کا مستحق ٹھہرا جو کسی قاتل اور ڈاکو کے ساتھ کیا جاتا ہے ،

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر جس کی شمشیر آبدار فرانس کے حدود تک میں چمکی ۔ کس بری طرح قتل کیا گیا ۔ ؟

غرض اس طرح کے صدہا واقعات ہیں ، ———— القصتہ بطولہا ، !

تتمہ

چند ضروری مباحث

گذشتہ صفحات میں، عہد بنو امیہ کے واقعات واحوال پر وضاحت کے ساتھ، تاریخی حقائق کی روشنی میں گفتگو ہو چکی ہے، اب عہد بنو عباس کی باری ہے۔ لیکن اس موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عہد بنو امیہ پر ایک نگاہ باز گشت ڈال لی جائے، اور اس سلسلۂ بحث میں جو پہلو تشنہ رہ گئے ہیں، یا جن پر وضاحت کے ساتھ گفتگو نہیں ہو سکی ہے، یا جو کسی اہم نکتہ کے حامل ہیں انھیں بھی سامنے رکھ لیا جائے۔ تاکہ کتاب کا یہ حصہ ختم ہونے سے پہلے، زیر بحث موضوع کے اکثر وبیشتر پہلو نظر کے سامنے آجائیں،

اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ مختصر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ جن عنوانات پر سینکڑوں صفحات لکھے جا سکتے تھے، انھیں چند صفحوں میں ختم کر دیا گیا ہے، البتہ اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اختصار مبہم نہ ہو، جس بات کو قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود اتنی جامع ہو کہ کسی طرح کی تشنگی باقی نہ رہے، اور بیان اتنا واضح ہو کر پڑھنے والا زیر بحث مسئلہ کے تمام ضروری، اہم اور متعلق پہلوؤں پر حاوی ہو جائے،

اب چند ضروری اور اہم عنوانات کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرنے کے بعد، کتاب کا یہ حصہ ختم کر دوں گا، اور اس کے عہد عباسی کی داستان شروع ہو گی، حب جاہ اور حق و صداقت کی یہ داستانیں بھی کتنی عجیب، کتنی لرزہ خیز، اور کیسی سبق آموز ہیں، زمانہ کی گردش

امیر معاویہ

صحابیت اور کتابت وحی کی بحث

علیؓ اور معاویہ میں جنگ ہوئی ، !
یہ جنگ تاریخ اسلام میں ، اپنے نتائج ——— دوررس نتائج ——— کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھی ہے ، اس جنگ کے سلسلہ میں محتاط اکا بر واصاغر کی رائے یہ ہے کہ گو حضرت علیؓ حق پر تھے ، اور امیر معاویہؓ کے ساتھ حق نہیں تھا ، لیکن احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ امیر معاویہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے ، اس لئے کہ وہ صحابی تھے ، بے شک امیر معاویہ کے صحابی ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ، لیکن شرف صحابیت کسی کو ماورائے تنقید نہیں کر دیتا ، اس کے کردار کا جائزہ لیا جاسکتا ہے ، اس کے افعال واعمال کو اسلام کی کسوٹی پر کسا جاسکتا ہے ، اور پھر حقائق اور واقعات کی روشنی میں ایک دیانت دارانہ رائے قائم کی جاسکتی ہے ،

اس طرح کی مثالیں ہمیں خود عہد رسالت اور عہد صحابہ میں ملتی ہیں ،
کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عہد رسالت میں بعض حضرات پر زنا کی حد جاری ہوئی ؟
چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹے گئے ؟
شراب نوشی کے الزام میں ، کوڑے لگے ؟

نہ حق کے علمبرداروں کو زندہ نہنے دیتی ہے نہ باطل کے پرستاروں کو، موت آتی ہے - اور دونوں کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے، لیکن پس مرگ بھی حق کی جلوہ آرائی اور باطل کی سیاہ کاری باقی رہتی ہے نئے بہروپ، نئے روپ، اور نئے رنگ کے ساتھ، اسی بات کو اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں کہا ہے -

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی وشامی

حق شکست کھانے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، اور باطل فتح حاصل کرنے کے بعد مٹ جاتا ہے زمانہ کے حافظہ میں حق و باطل دونوں کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن کس طرح؟

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہے گا
مگر میں قاتل کی تو بھی ظالم ہمیشہ یوں ہی نہیں رہے گا

حق کے پرستاروں کی رگ گلو کاٹ دی جاتی ہے، اور وہ کٹ بھی جاتی ہے مگر ظلم کا خنجر بھی زنگ آلود ہو کر گر پڑتا ہے، اور اس کی کاٹ ختم ہو جاتی ہے،!

اور بھی کئی صحابہ کو بعض عہدوں پر مامور کرنے کے بعد بعض شکایات کی بنا پر کیا انھوں نے برطرف نہیں کیا؟

عمرو بن العاص کے ساتھ، انھوں نے جو سخت رویّہ اختیار کیا تھا، کیا وہ تاریخ میں محفوظ نہیں ہے؟

مغیرہ بن شعبہ کو، ایک سنگین الزام میں، قانونی سقم کی بنا پر، سزا تو نہ دی، کیا انہیں معزول نہیں کر دیا؟

حضرت عثمان رض بڑے حلیم اور بردبار تھے، ان میں حضرت عمر رض کی سی سختی نہ تھی، ان کی مروت، ان کا حلم، ان کی نرمی اصول موضوعہ کی طرح، ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، لیکن کیا وہ حضرت عثمان ہی نہ تھے، جنہوں نے حضرت ابوذر غفاری جیسے صحابی جلیل کو جلاوطن کر دیا تھا؟

حضرت علی کا زمانہ ہنگامہ خیز، اور فتنہ زا تھا، انھیں مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سخت داخلی اور خارجی فتنوں سے عہدہ برآ ہونا پڑا، بیان ان کے خطبات، فرامین، مراسلات، رقعات اور مکاتیب کے مطالبہ سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے متعدد صحابہ کے خلاف اپنی بصیرت اور فراست اور دیانت کی روشنی میں اقدام و عمل کیا،

امیر معاویہ عہد خلافت راشدہ کے بعد آخری شخص ہیں جنہیں صحابی کہا جا سکتا ہے، امیر معاویہ کے عہد حکومت پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالیے، اس عہد میں صحابہ کو جس ابتلا سے گذرنا پڑا وہ تو الگ داستان ہے، لیکن کیا ان کے عہد میں صحابہ کو قتل تک کی سزا نہیں دی گئی، اور کیا یہ سزا خود انھوں نے نہیں دی؟

حجر بن عدی، نہ صرف صحابی تھے، بلکہ جلیل القدر صحابی تھے، لیکن امیر معاویہ کے پاس گرفتار ہو کر آئے۔ اور ان کے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ جس پر حضرت عائشہ رض نے جب وہ ان سے ملنے تشریف لے گئے تھے، ملامت بھی کی،

امیر معاویہ کے بعد جو حکومت قائم ہوئی، اور جو ایک عرصہ دراز تک قائم رہی اس کا سربراہ مملکت کوئی صحابی نہ تھا، لیکن صحابہ کرام عرصہ تک اس حکومت کے دور میں زندہ رہے اور سخت ترین ابتلا کی زندگی بسر کرتے رہے، انس بن مالک رض اور دوسرے صحابہ پر جو کچھ

پاک دامن عورتوں پر تہمت کا جرم ثابت ہوا اور سزا دی گئی، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے، شاعر دربار رسول تھے، لیکن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والوں میں یہ بھی تھے، اور ان پر حد قذف جاری بھی ہوئی،

وہ لوگ بھی اصطلاحی طور پر "صحابی" تھے، جو منافق تھے جن کے نفاق کے بارے میں قرآن کی آیات کریمہ شاہد ہیں، ان میں کچھ وہ تھے جن کا نفاق ظاہر و باہر تھا، اور اکثر ایسے تھے جو اپنے نفاق کو چھپا لینے میں آخر وقت تک کامیاب رہے، اور ان کی کوئی گرفت نہ ہو سکی، اور وہ لوگ جن کا نفاق روز روشن کی طرح واضح تھا، رحمت عالم کی عطوفت سے بہرہ ور ہوتے رہے بلکہ ان میں جو سب سے بڑا منافق تھا، اس کے لئے بعد مرگ آپ نے اپنا پیراہن مرحمت فرمایا، اور نماز جنازہ پڑھنے پر تیار ہو گئے،

لہٰذا کسی شخص کا صحابی ہونا، اسے بحث و تنقید سے ماورا نہیں کر دیتا، اس کے اعمال و افعال کا ضرور محاسبہ کیا جا سکتا ہے،

اب عہد صحابہ کو لیجئے، عہد صحابہ سے میری مراد خاص طور پر عہد خلافت راشدہ ہے، کیا اس زمانہ میں صحابہ بعض صحابی ہونے کے باعث احتساب سے محفوظ تھے؟

کیا ان سے کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی؟

کوئی غلطی اگر سرزد ہوتی تھی، تو کیا ان سے باز پرس نہیں کی جاتی تھی؟

واقعات اور حقائق کا جہاں تک تعلق ہے، جواب اثبات میں نہیں دیا جا سکتا،!

حضرت ابوبکر صدیق کا عہد خلافت بہت مختصر تھا لیکن اس مختصر مدت میں بھی کیا اس طرح کی مثالیں نہیں ملتیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انھوں نے ایک سے زائد مواقع پر اپنی قوت فیصلہ سے کام لیا، اور بعض صحابہ کے بارے میں اقدام فرمایا؟

حضرت عمر کا دور خلافت خاصا طویل ہے، اس طویل دور پر ایک مختصر سی نظر ڈالیے انھوں نے جو فرامین لکھے ہیں، جو احکام صادر فرمائے ہیں، جو فیصلے کئے ہیں، کیا وہ اس دعوے کی تائید نہیں کرتے؟

سیف اللہ، خالد بن ولید کو کیا حضرت عمرؓ نے معزول نہیں کر دیا تھا؟

گذری، وہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا ہے!

صحابہ کے افعال و اعمال کے نقد و احتساب کے بارے میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، اس کا یہ مقصد نہیں کہ خدا نخواستہ صحابہ میں، اور عام افراد امت میں کوئی فرق مراتب نہیں ہے، ہے اور بہت بڑا ہے،

اس سلسلہ میں ایک بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے، کہ صحابہ کی منزلت اور حیثیت اور مرتبہ جو کچھ ہے، وہ من حیثیت الجماعت ہے، آں حضرتؐ کے فیض تربیت اور فیض صحبت سے ایک جماعت ایسے برگزیدہ نفوس کی پیدا ہوگئی تھی، جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے،

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمان!

اس جماعت نے اسلام کو باقی رکھا، اسلام کی عظمت میں چاند لگائے، کلمۂ حق بلند کیا، کلمۂ الٰہی کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگادی، اس نے اسلام کی آب و تاب کو قائم رکھا، یہ نہ ہوتی تو شاید اسلام صحیح معنیٰ میں باقی نہ رہتا،

لیکن اس جماعت کے افراد بہرحال انسان تھے، جہاں اس جماعت میں ابوبکرؓ و عمرؓ، اور عثمانؓ و علیؓ اور اصحاب عشرہ مبشرہ، اور دوسرے جلیل القدر صحابہ موجود تھے، وہاں اسی جماعت میں ایسے لوگ بھی تھے، جو کردار و سیرت کی بلندی میں مذکورہ اصحاب کے ہم پایہ نہیں تھے، یہ بات صحابہ کیا انبیاء تک میں پائی جاتی ہے، کیا کوئی شخص بہ ثبات ہوش و حواس یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء کرام گزرے ہیں سب ہم پایہ تھے؟

یقیناً یہ دعویٰ نہیں کرسکتا

پھر صحابہ کرام کے بارے یہ دعویٰ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

یقیناً نہیں کیا جاسکتا!

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کروگے بار یاب ہو گے) حدیث نبوی ہے؛

لیکن یہ قطعاً حدیث نہیں ہے، حدیث کی کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے، نہ کسی مستند امام حدیث نے اس کی صحت تسلیم کی ہے،

یہ تو تھی صحابیت کے بارے میں گفتگو اور اس گفتگو کی روشنی میں یہ ثابت ہوگیا کہ امیر معاویہ صحابی تھے، لیکن بایں ہمہ ان کی ذات گرامی نقد و احتساب سے ماورا نہیں قرار دی جا سکتی،

اب ہم دوسری شق کو لیتے ہیں، یعنی کتابت وحی، !

کہا جاتا ہے امیر معاویہ کاتب وحی تھے، لہٰذا وہ دوگونہ شرف کے حامل تھے، یعنی صحابی بھی تھے اور کاتب وحی بھی، !

اس سلسلہ میں میرا دعویٰ یہ ہے کہ:

کتابت وحی کا شرف بھی شرف صحابیت کی طرح ہے، کاتب وحی ہونے کے باوجود انسان کے اعمال و افعال پرکھے اور جانچے جا سکتے ہیں،

میرا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ امیر معاویہ کاتب وحی نہیں تھے، !

اور میرا یہ دعویٰ بھی ہے کہ کتابت وحی کرنے کے باوجود، غلطی ہو سکتی تھی، چنانچہ ایک کاتب وحی عبد اللہ بن سرح تھا لیا تھا جو مرتد تک ہوگیا تھا۔ اور ان چند خطاکاروں میں تھا کہ فتح مکہ کے بعد بھی جو امان کے مستحق نہیں قرار پائے۔

میرا دعویٰ یہ ہے کہ امیر معاویہ کے مناقب میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے، !

سطور بالا میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اب ضروری ہے کہ اپنے خیالات و نظریات کی تائید میں ٹھوس، واقعات بھی پیش کروں کہ دعویٰ اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتا جب تک اس کی تائید میں، ثبوت بھی نہ پیش کر دیا جائے، !

سب سے پہلے امیر معاویہ کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ وہ خود ان کے بھائی یزید، اور ان کے والد ابوسفیان کا شمار، مؤلفۃ القلوب میں تھا، یعنی یہ وہ لوگ تھے، جن کی تالیف قلب اس لئے کی گئی کہ یہ راہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، ڈگمگا نہ جائیں پریشانیوں سے دل تنگ ہو کر، پھر کفر کا راستہ نہ اختیار کر لیں، چنانچہ جنگ حنین کے

اس فہرست میں عبداللہ بن اخطل کا نام نہیں ہے،
یہ وہ شخص ہے جس نے کچھ عرصہ تک کتابت وحی کی، پھر مرتد ہوگیا، اور فتح مکہ کے وقت قتل ہوگیا۔

اس فہرست میں عبداللہ بن ابی سرح کا نام ہے،
یہ وہ صاحب ہیں جو کتابت وحی کرتے تھے، بعد میں مرتد ہوگئے تھے، فتح مکہ کے بعد کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا، !

مذکور تصریحات سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کاتب وحی نہیں تھے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صرف کتابت وحی کسی کو معصوم نہیں، بنا دیتی، چنانچہ عبداللہ بن اخطل مرتد ہوا، اور مارا گیا، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے بھی ارتداد اختیار کیا۔ فتح مکہ کے دن جو عام معافی دی گئی تھی، اس سے یہ مستثنیٰ رکھا گیا تھا، مگر بعد میں ایک روایت کے مطابق اسلام قبول کرلیا، اور معافی حاصل کرلی،

ابھی اوپر ہم کہہ آئے ہیں کہ امیر معاویہ کاتب وحی نہیں تھے، ہاں آں حضرت کی مکتوب نگاری کا شرف ضرور انہیں کبھی کبھی حاصل ہوجاتا تھا۔ لیکن یہ شرف کتابت وحی کے مقابلہ میں کم تھا کتابت وحی کرنے کے بعد آدمی اگر مرتد تک ہوسکتا ہے، تو مکتوب نگاری کے بعد اس سے زبردست غلطیاں کیوں نہیں سرزد ہوسکیں؟ المدائنی نے جو امام بخاری کے استاد تھے وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ :—

کان زید بن ثابت یکتب الوحی وکان معاویہ یکتب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بینہ وبین العرب

یعنی :—
زید بن ثابت وحی الہی لکھنے کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، اور معاویہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مکاتیب لکھا کرتے تھے، جو آپ سرداران عرب کے نام تحریر کرایا کرتے تھے،

بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ کتابت وحی یا صحابیت کے باعث انسان معصوم نہیں

موقعہ پر، ان لوگوں کو، ان کے حق سے زیادہ مال غنیمت عطا کیا گیا، بعض انصار کو یہ ترجیح ناگوار بھی ہوئی،

مولفۃ القلوب کی، اصلاح کا مطلب اور مفہوم کیا ہے؟ یعنی ائمہ حدیث اس اصطلاح سے کیا مراد لیتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے ہمیں آگے بڑھنا چاہئیے،:

والمراد بالمولفۃ ناس من قریش اسلموا یوم الفتح اسلاما ضعیفا وقیل کان منھم من لم یسلم بعد کصفوان بن امیہ۔

مولفہ سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جو یوم فتح مکہ ایمہ اسلام لائے مگر ان کا اسلام کمزور تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان میں وہ بھی تھے جو لبعد میں اسلام نہیں لائے، جیسے صفوان بن امیہ، ص۱

ان مولفۃ القلوب کی فہرست پر ایک نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا کہ ابو سفیان، اور معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے بھائی بھی اس فہرست میں موجود ہیں۔ ص۲

اور تالیف قلب ہی کی ایک صورت یہ تھی کہ امیر معاویہ کو، کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکتوب نگاری کا شرف حاصل ہوا، لیکن کتابت وحی پر انہیں کبھی مامور نہیں کیا گیا، چنانچہ صحیح بخاری میں کتابت وحی کے سلسلہ میں، صرف، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ص۳ امیر معاویہ کا ذکر سرے سے نہیں ہے، ——!

امام ابن حجر نے، جو بخاری کے شارح ہیں، کتابت وحی کرنے والے تمام اصحاب کی فہرست دے دی ہے جو حسب ذیل ہے:

۱۔ زید بن ثابت ۲۔ ابی بن کعب، ۳۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، ۴۔ ابوبکر صدیق، ۵، عمر فاروق ۶، علی بن ابی طالب، ۷، عثمان بن عفان، ۸، زبیر بن العوام، ۹، خالد بن ولید، ۱۰۔ ابان بن سعید، ۱۱ حنظلہ بن الربیع الاسدی، ۱۲، الارقم، ۱۳۔ شرجیل بن حسنہ اور ۱۴، عبداللہ بن رواحہ، اگر معاویہ بھی کاتبان وحی میں ہوتے تو اس فہرست میں ان کا نام ضرور ہوتا۔

ص۱ فتح الباری امام ابن حجر ص۲ فتح الباری شرح صحیح بخاری امام ابن حجر / ص۳ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب

ہو جاتا، اصل چیز عمل ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، خدا کے نزدیک بزرگ وہی ہے جو متقی ہو، آں حضرت نے حضرت فاطمہؓ سے اور حضرت صفیہؓ سے صاف صاف فرما دیا تھا کہ میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا، خدا کی گرفت سے بچنے کی صورت صرف ایک ہی ہے، وہ یہ کہ اعمال میں کسی طرح کی کجی نہ ہو، چنانچہ احادیث سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

ذیل میں چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:-

حضرت انسؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا حوض پر میرے چند اصحاب میرے پاس آئیں گے اور جب میں ان کو پہچان لوں گا تو مجھ سے علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا (اے پروردگار) یہ لوگ میرے اصحاب ہیں فرمائے گا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا باتیں کی ہیں۔ ؎۱

سہیل بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا جو میرے پاس سے گذرے گا وہ (اس کا پانی) پی لے گا۔ اور جو پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا، میرے پاس بعض ایسے لوگ آئیں گے جن کو پہچان لوں گا، اور وہ مجھ کو پہچان لیں گے، پھر میرے ان کے درمیان میں حجاب ہو جائے گا۔ ابو حازمؒ (راوی) کہتے ہیں کہ مجھ سے اس حدیث کو نعمان بن ابی عیاشؒ نے سن کر کہا۔ کہ کیا تم نے سہیلؓ سے ایسا ہی سنا ہے، میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابو سعید خدریؓ سے اس سے زیادہ سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (اس وقت) کہوں گا کہ (اے پروردگار) یہ میرے اصحاب ہیں۔ فرمان ہوگا تم کو نہیں معلوم کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا کیا، تب میں کہوں گا کہ افسوس صد افسوس) ہے اس کے واسطے جس نے میرے بعد (اپنے دین کو) بدل دیا۔ ابو ہریرہؓ سے ایک اور سند کے ساتھ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے اصحاب کا ایک گروہ میرے پاس آئے گا اور حوض سے یہ گروہ دور کر دیا جائے گا میں کہوں گا اے پروردگار یہ میرے اصحاب ہیں حکم

؎۱ صحیح بخاری (کتاب الحوض)

ہوگا۔ تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا۔ یہ دین سے الٹے پیروں پھر گئے تھے۔ ؎۱

ابن مسیب رضؓ نے صحابہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حوض پر میرے پاس میرے چند اصحاب آئیں گے لیکن وہ حوض سے دور کر دیئے جائیں گے میں عرض کروں گا۔ اے پروردگار یہ میرے اصحاب ہیں۔ فرمان ہوگا کہ تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا کارروائیاں کی ہیں (دین سے) یہ لوگ الٹے پیروں پھر گئے تھے۔ ؎۲

ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حوض پر میں کھڑا ہوا ہوں گا جو ایک گروہ آئے گا جب میں ان کو پہچان لوں گا تو میرے اور ان کے درمیان ایک شخص نکل کر ان لوگوں سے کہے گا کہ یہ لوگ آپ کے بعد دین سے الٹے پیروں پھر گئے تھے، اور خدا کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا تھا) پھر ان کے بعد) ایک اور گروہ آئے گا۔ اور جب میں ان کو پہچان لوں گا تو میرے ان کے درمیان ایک شخص نکلے گا اور کہے گا کہ چلو۔ میں کہوں گا کہ ان کو کہاں (لے جاؤ گے) وہ کہے گا دوزخ کی طرف میں کہوں گا کیوں۔ وہ کہے گا یہ لوگ ان کے پیچھے (دین سے) الٹے پیروں پھر گئے تھے۔ اور خدا کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا تھا) (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں) پھر ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ بچیں گے۔ ؎۳

ان احادیث میں جن لوگوں کا ذکر آیا ہے ظاہر ہے اصطلاحی طور پر "صحابی" ہی تھے۔ لیکن اس فہرست میں بہرحال؛

السابقون الاولون من المہاجرین والانصار — نہیں ہو سکتے جن کے دوزخ میں جانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ دوزخ میں جانے والے صحابہ شرکائے بدر میں سے نہیں ہو سکتے۔ جن کے لیے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ یہ بظاہر ان میں سے نہیں ہو سکتے جو مکی زندگی میں کفار کے ظلم سہتے رہے اور مدنی زندگی میں جان و مال اسلام کی راہ میں پیش کرتے رہے۔ یہ تو وہ صحابہ تھے جنہوں نے دنیا کے لیے اسلامی معاشرہ بنایا تھا۔ ان کا سماج نمونہ کا سماج تھا۔ جو بحیثیت مجموعی

؎۱ صحیح بخاری (کتاب الحوض) ؎۲ صحیح بخاری (کتاب الحوض) ؎۳ صحیح بخاری (کتاب الحوض)

على و معاوية فاطرق ثم قال
اعلم ان عليا كان كثير الاعداء
ففتش اعداؤه له عيبا
فلم يجدوا فعمدوا الى رجل
قد حاربه فاطروه كيادا منهم
لعلي فاشار بهذا الى ما اختلقوه
لمعاوية من الفضائل مما لا
اصل له وقد ورد في فضائل
معاوية احاديث كثيرة لكن
ليس فيها ما يصح من طريق
الاسناد وبذلك جزم اسحق
بن راهويه والنسائي وغيرهما
والله اعلم
(فتح الباری شرح بخاری
کتاب المناقب)

سے پوچھا کہ آپ علیؓ اور معاویہ کے بارے میں
کیا رائے دیتے ہیں۔ انھوں نے تھوڑے سکوت
کے بعد جواب دیا۔ واضح رہے کہ علی کے بہت
دشمن تھے ان دشمنوں نے علی کی زندگی میں
عیوب تلاش کئے مگر ان کو نہیں ملے۔ تو پھر انھوں
نے بھر دسر کیا اس آدمی پر جو ان (علی)
سے لڑتا تھا۔ تو علی کی دشمنی میں
اس کی طرف توجہ کی اور پھر انھوں نے
نے (امام احمد بن حنبل نے) اشارہ
یہ ان فضائل کی طرف جو معاویہ کے
لئے گھڑے گئے۔ معاویہ کے فضائل
میں متعدد احادیث ہیں لیکن ان میں
کوئی ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو۔
اسحق بن راہویہ اور نسائی نے بھی اس رائے
کی تصدیق کی ہے۔ واللہ اعلم

امام نسائی نے صاف صاف کہا ہے کہ کوئی فضیلت نہیں۔ ایک بار دمشق میں جب ان
سے پوچھا کہ ان روایتوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو معاویہ کے فضائل میں ہیں تو جواب دیا کہ ان
میں کوئی فضیلت نہیں سوائے اس کے کہ پیٹ بڑا تھا۔

علامہ عینی نے بھی اپنی شرح بخاری میں یہی رائے دی ہے کہ معاویہ کی فضیلت کی کوئی حدیث
صحیح نہیں ہے۔

ذیل میں معاویہ کے فضائل کی بعض مشہور روایات علامہ شوکانی کی کتاب "فوائد المجموعة فی
بیان احادیث الموضوعہ" (صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷) سے نقل کی ہیں۔ جن کو شوکانی نے موضوع
بتایا ہے۔

اتنا اچھا تھا کہ آج تک اس کا شل دنیا نہیں پیدا کر سکی۔ یہ محض دعوئی یا مذہبی عقیدہ نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

ظاہر ہے کہ دوزخ میں جانے والے اصحاب زیادہ تر وہی ہوں گے جو فتح مکہ میں تلوار کے ڈر سے ایمان لائے، پھر "صحابہ" بن گئے، پھر موقع ملنے پر انھوں نے اسلام کی پاکیزہ تصویر کو مسخ کرنے کی کوشش کی۔[1]

• اب معاویہ کے مناقب اور فضائل سے متعلق آثار و روایات اور احادیث کا جائزہ لیجیے۔ اس سلسلہ میں، ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے ایک ایسی کتاب کا اقتباس پیش کریں گے جس کا مصنف کسی خاص مکتب فکر سے تعلق نہیں رکھتا، اور جس نے محض جذبہ تحقیق سے مجبور ہو کر اس موضوع سے متعلقہ مباحث کا جائزہ لیا ہے اور جو اہل حدیث کے مسلک سے وابستہ ہے،

"اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے۔ بعض لوگ معاویہ کی منقبت میں احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن ماہرین فن حدیث کا فیصلہ ہے کہ یہ تمام روایات موضوع ہیں۔ بخاری میں ایک روایت معاویہ کے متعلق ہے مگر ان کا عنوان منقبت یا فضائل کی بجائے امام بخاری نے ذکر معاویہ قائم کیا ہے۔ ابن حجر نے فتح الباری میں اس روایت کی تصریح کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ باب کے عنوان میں امام بخاری نے اپنے شیخ اسحاق بن راہویہ کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے بجائے "منقبت" کے صرف "ذکر" لکھنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ بخاری کے شیخ کی رائے تھی کہ معاویہ کی منقبت میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ ان کے الفاظ ہے۔ لم یصح فی فضائل معاویۃ شیئ (فضائل معاویہ میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے) آخر میں ابن حجر نے ابن الجوزی کی سند سے امام احمد بن حنبل کی یہ رائے پیش کی ہے کہ:-

اخرج ابن الجوزی من	ابن الجوزی نے عبداللہ بن احمد
طریق عبداللہ بن احمد بن	بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ میں
حنبل سألت ابی ما تقول فی	نے اپنے باپ (امام احمد حنبل)

[1] معاویہ و یزید، ص ۱۹۷

ائمہ کا بیان ہے کہ ان کی فضیلت میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ امام احمد بن حنبل جیسے بلند پایہ امام کی رائے ہے کہ جب علیؑ کے دشمنوں کو کوئی قابل اعتراض بات ان کی زندگی میں نہیں ملی تو انھوں نے عداوت نکالنے کا یہ پہلو پیدا کیا کہ علیؑ کے دشمن معاویہ کو بنایا گیا جائے۔ جن احادیث موضوعہ کی فہرست اوپر نقل کی گئی ہے۔ اگر ان کے موضوع ہونے کے دلائل، اسناد، اور حوالے دیکھنے ہوں تو شوکانی کی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں دیکھے جا سکتے ہیں[1]

اس موضوع پر اب سیر حاصل گفتگو ہو چکی ہے، لہٰذا، یہ باب اب ختم کیا جاتا ہے!

---

[1] معاویہ و یزید ص ۲۰

۱ - بنی ہاشم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کتابت کا کام معاویہ سے نہ لیا جائے تو وحی کے ذریعہ ہدایت ہوئی کہ معاویہ ہی سے کام لیا جائے۔

۲ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے قلم لے کر معاویہ کو دے دیا۔

۳ - جبرئیلؑ آئے اور ایک طلائی قلم لا کر دیا اور کہا اللہ تعالیٰ یہ پیام دیتا ہے کہ یہ قلم میں نے اپنے عرش کے اوپر سے دیا ہے۔ یہ معاویہ کو دو جس سے وہ آیۃ الکرسی لکھے اور قیامت تک جو بھی اسے پڑھے گا اس کا ثواب معاویہ کو ملتا رہے گا۔

۴ - ابن خطل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کاتب وحی تھا مگر وہ غفور الرحیم کو رحیم غفور لکھ دیتا تھا۔ اور سمیع العلیم نازل ہوتا تو علیم سمیع لکھتا ہے۔ جب حضورؐ نے اس کی خیانت کا احساس کیا تو معاویہ پر بھی شبہ کر کے جبریلؑ سے مشورہ کیا تو جبرئیل نے یہ مشورہ دیا کہ معاویہ سے یہ کام لو کیونکہ وہ امین ہے،

۵ - اللہ کے نزدیک تین آدمی امین ہیں۔ ایک میں دوسرے جبریلؑ، تیسرے معاویہ۔

۶ - جبریل رسول اللہؐ کے پاس آئے جبکہ معاویہ آپ کے سامنے لکھ رہے تھے اور کہا کہ آپ کا یہ کاتب امین ہے،

۷ - ایک معاملہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ پھر آپ نے معاویہ کو بلایا۔ جب وہ آ گئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ان کے سامنے پیش کر دو یہ "قوی و امین" ہیں

۸ - رسول اللہؐ نے معاویہ کو تیر دیا کہ اسے رکھو یہاں تک کہ جنت میں تمہاری اور میری ملاقات ہو۔

حضرت علیؓ کی شان میں بھی کتنی ہی احادیث موضوع ہیں لیکن، ان کو فضیلت میں صحیح احادیث کی بھی کمی نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیعہ ذرائع سے قطع نظر کر کے صرف اہل سنت کے ذخیرہ احادیث میں بھی جتنی روایات حضرت علی کی فضیلت میں ہیں اتنی کسی اور صحابی کی فضیلت میں نہیں ہیں، اس لئے جو روایات حضرت علیؓ کی فضیلت میں گھڑی ہوئی یعنی موضوع ہیں اُن کے تذکرہ سے چنداں فائدہ نہیں۔ معاویہ کے متعلق فضیلت کی روایات اس لئے لکھ دی ہے کہ معتبر محدثین و

معاویہ

امیر معاویہ کے بارے میں جو تصریحات ان کی صحابیت اور کتابت وحی سے متعلق صفحات
ماسبق میں پیش کی جا چکی ہیں وہ ذہن و دماغ کی اختراع نہیں ہیں۔ بلکہ اکابر رجال بھی یہی رائے رکھتے
ہیں، اور ان ہی حقائق کی روشنی میں کہ ان کے بارے میں، زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کے باوجود
جب کبھی اظہار رائے کا موقع آتا ہے تو ان کی رائے وہ نہیں ہوتی، جو جلیل القدر صحابہ، کے بارے
میں ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بات تو قریب قریب متفقہ ہے کہ سب ہی میر معاویہ کو "بادشاہ" سمجھتے
اور کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے منبر رسول پر بیٹھنے والا شخص، خلفائے راشدین کے بعد عثمان خلافت
ہاتھ میں لینے والی ہستی اگر دفعتہً "بادشاہ" بن جائے تو یہ چیز اسلام کی تعلیمات اور روح سے کس درجہ
نا موافق نظر آئے گی،

امام ابن تیمیہ کا اس باب میں جو مسلک ہے نامناسب نہ ہوگا، اگر اختصار کے ساتھ اس کا
ذکر بھی کر دیا جائے،

امام ابن تیمیہ کے ایک مقالہ "الوصیۃ الکبریٰ" سے اس بارہ جو تصریحات ملتی ہیں
وہ یہ ہیں:—

۱۔ معاویہ کے ساتھ حضرت علی کا جو تنازعہ ہوا اس میں حضرت علی حق کے زیادہ
قریب تھے۔

۲۔ جو خلفائے راشدین ہدایت پر تھے ان میں حضرت علی آخری خلیفہ تھے

(كان امير المومنين علي بن ابي طالب رضي الله عنه آخر خلفاء الراشدين المهتدين)
اس واضح اعلان سے معاویہ کی خلافت علیٰ منہاج النبوت کی نفی ہو جاتی ہے۔
۳۔ حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ خلافت تیس برس رہے گی۔ پھر بادشاہت ہوگی
اس اعلان سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کی رائے میں معاویہ صرف بادشاہ تھے
خلیفہ نہیں تھے۔
۴۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد یہ فتنہ پیدا ہوا کہ اہل شام حضرت علیؓ سے منحرف ہونے
لگے، اور ان پر سب و شتم کرنے لگے۔
۵۔ یزید کے بارے میں دو گروہ ہو گئے جو غلو کرنے لگے۔ ایک نے یزید پر لعنت شروع کی
تو دوسرے نے جو اہل تسنن سے تھا "کبار الصالحین" کہنا شروع کر دیا۔
۶۔ یزید نہ دین وصلاح میں ممتاز تھا اور نہ اتنا فاسق و فاجر تھا جتنا کہ مشہور کیا جاتا ہے۔ وہ
اپنے باپ کے بعد اس منصب پر آیا۔ بعض مسلمانوں کی کراہیت اور بعض کی رضا مندی
کے ساتھ اس میں شجاعت و کرم کے اوصاف تھے۔ اور ان فواحش کا مرتکب نہ تھا جو اس
کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں
۷۔ یزید نے امام حسین کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس قتل پر خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن اس نے
اتنا حکم ضرور عبید اللہ ابن زیاد کو دیا تھا کہ حسینؓ کو روکے اور اس اقدام سے باز رکھے "خواہ
اس کے لئے قتال ہی کرنا پڑے"۔ یہ عبید اللہ ابن زیاد کی زیادتی تھی کہ اس نے حسینؓ کے
پیش کردہ شرائط نہیں مانے بلکہ عمرو بن سعد کو قتال کا حکم دیا جس نے شمر کو قتل کی ترغیب دی اور
حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا حادثہ پیش آگیا۔
۸۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس نے قتل حسینؓ کی وجہ سے زیاد پر لعنت کی۔ اور کہا کہ میں بغیر قتل حسین
عراق پر اقتدار چاہتا تھا۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ اس نے قاتلوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا
اور کسی قصاص تک کے لیے حرکت نہیں کی۔ اس لئے اہل حق ملامت کرتے ہیں کہ اس
نے فرض نہیں ادا کیا مگر اس کے مخالفین نے فرد جرم میں اضافہ کر دیا ہے۔
۹۔ جب اہل مدینہ نے بیعت توڑ دی اور یزید کے آدمیوں کو محصور کر دیا تو اس نے لشکر بھیجا

عربیہ کے نصاب درس میں شامل ہے، ہدایہ میں ہے:-

یجوز تقلد القضاء من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابۃ تقلدوا من معاویۃ والتابعین تقلدوا من الحجاج[1]

ظالم بادشاہ کی طرف سے قضا کا عہدہ قبول کرنا جائز ہے کیونکہ صحابہ نے معاویہ سے قبول کیا تھا اور تابعین نے حجاج سے قبول کیا تھا۔

امام حسنؑ نے امیر معاویہ سے جو صلح کی تھی، اس کی بنیاد بھی صرف یہ تھی کہ اس بیعت سے ایک طرف تو فتنہ کا دروازہ بند ہوتا تھا۔ دوسری طرف آئندہ کے لئے اصلاح احوال کا موقعہ ملتا تھا کیونکہ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں اس کی تصریح تھی کہ امیر معاویہ کے انتقال کے بعد شوریٰ ہوگا اور جو شخص بھی عام رائے سے منتخب کر لیا جائے گا امیر ہوگا ـــــ دوسری بات ہے کہ صرف اس شرط پر، بلکہ دوسرے شرائط پر بھی امیر معاویہ نے عمل نہیں کیا، ـــــ رموز مملکت خویش خسرواں دانند، !

اس موضوع پر ایک اہل علم، اور اہل قلم کے خیالات پیش نظر رہیں تو بہتر ہے، !

"بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ امام حسن نے جو مصالحت کی اس سے معاویہ کی خلافت کا برسر حق ہونا ثابت ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس صلحنامے سے بھی معاویہ کی گمراہی ثابت ہوتی ہے، امام حسن نے یہ صلحنامہ اس لئے کیا تھا تاکہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو، اور مسلمانوں کو اتنی فرصت مل جائے کہ وہ حالات کا جائزہ لے سکیں۔ اور کم از کم معاویہ کی وفات کے بعد حالات کی اصلاح کر سکیں۔

چنانچہ اس صلحنامہ کی ایک شرط یہ تھی کہ معاویہ اپنے بعد کے زمانے کے لئے کسی نامزد نہ کریں گے۔ مگر معاویہ نے عہد کی خلاف ورزی کی۔ اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کر ڈالی،

اس صلحنامہ کی حیثیت ایسی تھی جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صلحنامہ کی جو حدیبیہ میں اہل مکہ سے کیا گیا تھا جس میں شرائط ایسے قبول کئے تھے جو کفار قریش کے حق میں معلوم ہوتے

---

[1] ہدایہ ج ۳، ص ۱۱۷

جسے ہدایت کی اول تو بیعت کا مطالبہ کرنا اگر نہ مانیں تو قتل و غارت کرنا، مدینہ والوں نے اطاعت
سے انکار کیا تو لشکر نے تین روز تک قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔"

۱۰۔ مکہ پر لشکر بھیجا جس نے محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا انتقال ہوگیا۔

۱۱۔ یہ یزید کے حالات ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کی جاتی ہے کہ نہ یزید
پر لعنت کی جائے نہ اس کے ساتھ محبت کی جائے۔ صالح بن احمد بن حنبل نے اپنے باپ سے
کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ کیا کوئی مومن یزید
سے محبت کرسکتا ہے؟ تو بیٹے نے باپ سے پوچھا پھر آپ لعنت کیوں نہیں کرتے؟ جواب
ملا کہ میرے بیٹے کیا تم نے اپنے باپ کو کبھی کسی پر لعنت بھیجتے دیکھا ہے؟

۱۲۔ یزید علماء و ائمۂ اسلام کے نزدیک بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے نہ اس سے ایسی
محبت کی جائے جیسی صالحین سے کی جاتی ہے۔ اور نہ اس پر لعنت بھیجی جائے کیونکہ
مسلم پر لعنت بھیجنا صحیح نہیں۔

(۱۳) یہ غلط ہے کہ یزید صحابہ میں سے تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں پیدا ہوا تھا۔

ابن تیمیہ نے چھ صفحات میں مذکورہ بالا تیرہ اعلانات کیے ہیں اور یہ زیادہ سے زیادہ ہے
جو یزید کے حق میں کہا جاسکتا ہے۔ یزید کی تعریف کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ایسے صالح
سمجھنا اور خلیفۂ برحق ماننا تاریخی حقائق اور اسلامی انصاف کو الٹی چھری سے ذبح کرنا ہے۔
ابن تیمیہ شیعوں کے زبردست دشمن ہیں۔ مگر ان کی عدالت بھی ایسے بعض ہولناک جرائم سے
بری نہیں قرار دیتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ لعنت کے خلاف ہیں ص[۱]"

امیر معاویہ کو ایک "بادشاہ" کی حیثیت سے پیش کرنے میں فقہا تک متفق ہیں۔ جن سے زیادہ
محتاط کوئی نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان کو صرف بادشاہ ہی تسلیم کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ "ظالم بادشاہ"
تک تسلیم کرتے ہیں۔

فقہ حنفی کی بہت بڑی اور اہم کتاب ہدایہ ہے جو شروع سے اب تک مدارس اسلامیہ

ص[۱] معاویہ و یزید ص ۷۸ - ۷۹

اتنی بھیانک ہیں کہ دنیائے اسلام آج تک ان کے تصور سے لرزتی ہے۔ کیونکہ معاویہ نے یزید کو ولیعہد بنایا جو امام حسین کی شہادت کا ذمہ دار ہے تیسری شرط پر بھی عمل نہیں کیا گیا۔ مدینہ میں اہل بیت پر مروان جیسے ظالم کو مسلط کر دیا گیا تھا، اور حضرت علی کے حامیوں پر ہر قسم کے مظالم توڑے گئے۔ یہاں تک کہ امام حسن کو زہر دلا دیا گیا، اب رہی سب و شتم بند کرنے کی شرط تھی تو اس کی خلاف ورزی ایسی کی گئی کہ سب و شتم کی مہم کو پہلے سے زیادہ تیز کر دیا گیا۔ اور یہ خطبات جمعہ کا ایک جزو قرار دیدی گئی،

امام حسین نے یہ صلح نامہ مسلمانوں کو صرف قتال سے بچانے کے لئے کیا، اور اس میں معاویہ کی خلافت کو منہاج نبوت پر تسلیم کرنے کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب ایک بار معاویہ نے امام حسن کو خوارج کے مقابلہ کے لئے دعوت دی تو انھوں نے یہ معنی خیز جواب دیا کہ اگر مجھے قتال میں شریک ہونا ہوتا تو میں تم سے ہی صلح کیوں کرتا۔ کیونکہ تمہارے مقابلہ میں قتال اولی و افضل تھا، لیکن میں نے امت رسولؐ کو بچانے کے لئے تم سے جنگ بند کر دی۔

اسی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ معاویہ کے لئے اجماع امت نہیں تھا، بلکہ انھوں نے تلوار کے زور سے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، خلافت، بیعت، امیر المومنین، اور اسی قسم کی اصطلاحیں جو شریعت میں خاص معنی رکھتی ہیں بالکل نئے معنی میں استعمال کی گئیں۔

بہرکیف امام حسن نے اپنے لشکر میں قیس ابن سعد کے ذریعے (جو فتح مکہ میں علمبردار تھے) اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے بغیر امام کے قتال کرے، کیونکہ امام یعنی حضرت حسن دستبردار ہو گئے تھے) اس پر بعض لوگوں نے معاویہ کی بیعت کر لی، اور بہتوں نے قیس بن سعد کو امیر بنا کر معاویہ سے قتال کا فیصلہ کیا۔ مگر جب معاویہ نے یہ شرط قبول کر لی کہ حضرت علی کے طرفداروں کی جان و مال محفوظ رہیں گے، تو قیس نے بھی مخالفت ترک کر دی۔ معاویہ نے حضرت امام حسنؓ سے مطالبہ کیا تھا کہ قیس بن سعد کو حوالے کریں تاکہ اس کے ہاتھ اور زبان کاٹے جائیں۔

اس صلح کے بعد سعد بن وقاص معاویہ سے ملے، تو انھوں نے کہا السلام علیک ایہا الملک (اے بادشاہ السلام علیک) تو معاویہ ہنسے اور بولے آپ کو کیا ہو گیا ہے اے ابا اسحٰق کہ آپ یا امیر المومنین نہیں کہتے۔ ؎۱

؎۱ معاویہ و یزید ص ۲۰۶

تھے اسی طرح مدینہ میں جنگ احزاب کے وقت عیینہ اور اقرع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ ابی سفیان کی جماعتوں سے اپنی جماعت کو الگ کر لیں تو مدینہ کے باغوں کی
کی ایک تہائی پیداوار ان کو دی جائے گی۔ اسی طرح امام حسن نے جب دیکھا کہ معاویہ سے جنگ
کرنے میں بڑی تعداد میں مسلمان مارے جائیں گے اور غلبہ معاویہ کا ہی رہے گا تو انھوں نے ایک پہلے
مقابلہ کے بعد ہی معاویہ سے صلح کرنی چاہی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاویہ برسر حق تھے اور
امام حسن نے ان کی خلافت کو صحیح تسلیم کر لیا۔ صورت حال یہ تھی کہ قیس بن سعد بن عبادہ کی کمان میں حضرت
امام حسن کی فوج میں بھگدڑ کرادی۔ امام حسن اسی وقت سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کو قتال سے بچانے
کے لیے اھون البلیتین یہی ہے کہ معاویہ سے مقابلہ بند کر دیا جائے۔ اور انھوں نے صلح کے
ذریعے بعض اسلامی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً یہ کسی ولیعہد کو نامزد نہ کریں، بلکہ
اس کی وفات پر بذریعہ شوریٰ یہ طے پائے کہ مسلمانوں کا امیر کون ہو۔

ابتدا میں معاویہ نے امام حسن کے سامنے کچھ ایسے مطالبات پیش کئے جو ایک فاتح بادشاہ
کی طرف سے مفتوح کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں مثلاً فلاں فلاں سرداروں کو جن میں صحابہ شامل
تھے حوالے کیا جائے تاکہ انھیں قتل کر دیں۔ لیکن اس قسم کی شرائط تسلیم کرنے سے امام حسن نے
انکار کر دیا۔ آخر معاویہ نے لکھ دیا کہ جو چاہے شرائط لکھ دو مجھے منظور ہوں گے۔ امام حسن نے
حسب ذیل شرائط تجویز کئے جو معاویہ نے منظور کر لئے۔

۱۔ معاویہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ کے مطابق حکومت کا کام چلائیں گے
۲۔ معاویہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ اپنا جانشین تجویز کریں۔ اس کا فیصلہ بعد میں شوریٰ
سے ہوگا۔
۳۔ حضرت علی کے ساتھیوں اور حامیوں میں سے کسی کو ان حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا
جو حضرت علی کے زمانے میں ان کو حاصل تھے، اور ان کی ہر طرح حفاظت کی جائے گی
۴۔ علی اور آل علی پر سب وشتم بند کیا جائے گا

ان شرائط میں سے ایک پر بھی معاویہ نے عمل نہیں لیا۔ کتاب وسنت کی خلاف ورزیاں
تو اتنی ہیں کہ ان کے تذکرہ سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں۔ جانشین کی نامزدگی کی تفصیلات

لیکن شارع کے نزدیک جس "جمعیت اور اتفاق" کی اس درجہ اہمیت ہے، اس اقدام کے بعد اس کا کیا حشر ہوا، اس سے تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی واقف ہے۔

کوئی مضائقہ نہ ہوگا، اگر مختصر طور پر امیر معاویہ کی بادشاہت اور ملوکیت پر اکابر امت کے اقوال و افکار پیش کر دیئے جائیں، تاکہ صورت احوال اور زیادہ منقح ہو جائے۔

شرح عقائد میں تفتازانی نے لکھا ہے۔

فما وبید من بعدہ لا یکونون خلفاء بل ملوکا و امراء (پس معاویہ اور اس کے بعد کے حکمران خلفا نہیں تھے بلکہ بادشاہ اور امراء تھے)

فضل بن روزبہان نے ابطال الباطل میں لکھا ہے:۔

انہ لم یکن من الخلفاء۔۔۔ فانہ کان من ملوک الاسلام (وہ یعنی معاویہ خلفاء میں سے نہ تھے۔ وہ شاہان اسلام میں سے تھے۔

ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

واما معاویۃ ومن بعدہ فعلیٰ طریقۃ الملوک ولو سمّوا الخلفاء (اور معاویہ اور اس کے بعد والے حکمران تو وہ طریقہ ملوک پر تھے خواہ وہ خلفاء مشہور ہوں)

شرح فقہ اکبر میں ہے۔ اول الملوک معاویۃ (بادشاہوں میں پہلا بادشاہ معاویہ تھا) واقعہ یہ ہے کہ خود معاویہ کو اس کا احساس تھا اور کبھی کبھی وہ اقرار بھی کر لیتے تھے۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ انہ کان یقول انا اول الملوک (وہ کہا کرتا تھا کہ میں بادشاہوں میں پہلا بادشاہ ہوں)

ابن خلدون، امویوں کے زلہ ربا تھے، ان کے ممنون کرم تھے۔ ان کی تائید و حمایت میں انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے، ان کی ساری زندگی، امویوں کے زیر سایہ گذری، اور یہ اثر ان کی تحریروں میں جگہ جگہ نمایاں ہے، لیکن اس کے باوجود کہ وہ امویوں کی حمایت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کرتے، یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ یزید، خلافت کا صالح امیدوار نہیں تھا، "حالات و مصالح" کے پیش نظر اسے فائق تر امیدواروں پر ترجیح دی گئی، :

"حضرت معاویہ نے یزید کو ولیعہدی کے لئے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جا سکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت و اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔"

علیؓ اور معاویہؓ

علیؓ اور معاویہ کی جنگ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس آویزش اور پیکار کے بارے میں تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں، لیکن کیا حرج ہے اگر اس مسئلہ کا حدیث رسول کریمؐ کی روشنی میں بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کر لی جائے؟

"مسلمانانِ ہند میں ایسے فرقے بھی ہیں جو حدیث کے صرف اصولاً قائل ہیں اور نہ عملی زندگی میں وہ انھیں اس لئے سرچشمۂ ہدایت نہیں سمجھتے کہ ان کے نزدیک احادیث میں اتنا خلط ملط، اضافہ و الحاق اور جعل و فریب ہوا ہے کہ حدیث سے قطع نظر کر کے صرف کتاب اللہ پر اعتماد کرنا بہتر ہے۔ لیکن شیعہ، سنّی اور اہل حدیث احادیث کو بھی کتاب اللہ کے ساتھ سرچشمۂ ہدایت سمجھتے ہیں۔ بہر کیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد جو ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے اس کی اسناد اتنی قوی، متعدد اور مختلف ہیں کہ غالباً اولذکر فرقہ بھی اس خاص ارشادِ نبوی کے متعلق کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ حدیث کے لٹریچر میں بہت کم ارشادات رسول اس قدر تواتر کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ یہ ارشادِ نبوی ہے "تقتلہ الفئۃ الباغیۃ" یعنی عمار کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا کہ "اسے باغی گروہ قتل کرے گا"

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں یہ ارشادِ نبوی اتنی بار اور اتنے طریقوں سے پایا جاتا ہے کہ اس کی صحت میں کسی محدث نے کوئی شبہ نہیں کیا۔ اس کی روایت ستائیس[۲۷] صحابہ نے مختلف شکل میں کی ہے جن میں ایک خزیمہ بن ثابت ہیں جن کا

اس حدیث کی روایت میں شامل ہے
لقب ذوالشہادتین ہے - لہٰذا اٹھائیس صحابہ کی شہادت
جن میں بقول ابن حجر عسقلانی قتادہ، ام سلمہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو، عمر بن العاص، عثمان
بن عفان، حذیفہ، ابوایوب انصاری، ابورافع خزیمہ بن ثابت، معاویہ، عمرو بن العاص، ابوالیسر
اور خود عمار بن یاسر ہیں -

یہ امر قابل غور ہے کہ معاویہ اور عمرو بن العاص نیز عثمان بن عفان بھی
راویوں میں شامل ہیں - حالانکہ پہلے دو آدمی عمارؓ کے قاتل گروہ یعنی "فئۃ باغیہ"
شامل تھے - ان دونوں نے حدیث کی روایت جنگ صفین سے پہلے کی تھی
مگر جنگ کے موقع پر ان کو ارشاد نبویؐ پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا حالانکہ وہ
خود اس کے راویوں میں سے تھے اور وہ یہ بھی نہ سوچ سکے کہ حضرت عثمان کے قتل کے
قصاص کا نام لے کر وہ جنگ لڑ رہے ہیں جس کو خود حضرت عثمان کا روایت کردہ ارشاد
نبوی گمراہی و بغاوت ٹھہراتا ہے -

اس بارے میں دنیائے اسلام میں کوئی اختلاف نہیں کہ عمار بن یاسر جنگ صفین میں
شہید ہوئے جو حضرت علی اور معاویہ کی پارٹیوں کے درمیان لڑی گئی تھیں - عمار حضرت
علی کے ساتھیوں میں تھے - نیز یہ کہ محدثین نے اس حدیث سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ ارشاد
نبوی کی رو سے حضرت علی حق پر تھے اور معاویہ کی جماعت باغی تھی - اس کے سوا اور
کوئی نتیجہ نکالنا ممکن ہی نہیں - بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ عمار کے ساتھی " ان کو جنت
کی طرف بلاتے ہوں گے - اور وہ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے - ان مختلف حدیثوں میں
صرف بخاری کی روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے -

عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس نے مجھ سے اور اپنے بیٹے علی سے کہا
کہ ابوسعید (خدری) کے پاس چلو اور ان کی حدیث سنو - چنانچہ ہم چلے تو وہ
اپنے باغ میں کچھ درستگی کر رہے تھے - پھر انھوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اسے
اوڑھ لیا - پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے یہاں تک کہ مسجد (نبوی) کی تعمیر کے
بیان پر آئے تو کہنے لگے کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے - اور عمار دو دو

اٹھاتے تھے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ پس آپ ان کے جسم سے مٹی جھاڑنے لگے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ عمار کی مصیبت انھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ان کو جنت کی طرف بلاتے ہوں گے۔ اور وہ ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہوں گے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ عمار کہا کرتے تھے اعوذ باللہ من الفتن (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

یہ اتنی فیصلہ کن حدیث ہے کہ بعض ایسے صحابہ جو قتال بین المسلمین سے الگ رہنے کی خاطر اس جنگ میں کسی طرف سے شریک نہیں ہوئے۔ عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد حضرت علی کی طرف سے شریک ہوگئے۔ مثلاً خزیمہ بن ثابت بعض ایسے صحابی بھی تھے جو بعد میں افسوس کرتے تھے کہ ہم کیوں نہ شریک ہوئے۔ مثلاً عبداللہ ابن عمر۔ ص۱

اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے:۔

"خزیمہ بن ثابت ایک صحابی ہیں اور ایسے مرتبہ کے صحابی ہیں کہ ان کو رسول اللہؐ نے ذوالشہادتین کا لقب دیا ہے یعنی ان کی ایک شہادت دو شہادتوں کی برابر سمجھی جاتی تھی۔ وہ اپنی تلوار نیام میں کئے ہوئے تھے لیکن جیسے ہی عمار بن یاسر کا قتل ہوا وہ شمشیر برہنہ کرکے میدان میں آگئے اور اسی جنگ میں شہید بھی ہوگئے۔ (ابن عبدالبر)

یہ ہے اس اجتہاد کی مثال جو خلوص پر مبنی ہوتا ہے اور جس میں مخطی کو بھی ایک اجر ملتا ہے۔ خزیمہ بن ثابت نے پہلے اس حدیث کو حالات پر منطبق کیا جس میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قتال کی ممانعت ہے لیکن عمار بن یاسر کے قتل سے جب ثابت ہوگیا کہ معاویہ باغی ہیں تو پھر اس آیت پر عمل کیا:۔

فان بغت احدا ھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ۔

۔ پس اگر بغاوت کرے ان میں سے ایک دوسرے کے خلاف تو باغی سے قتال کرو یہاں تک کہ اللہ کے حکم کی طرف آجائے۔

ص۱ معاویہ و یزید،

ابن عبد البر اور حاکم اور دوسرے محدثین نے کئی روایات پیش کی ہیں۔
جن میں سے ایک روایت ابو حنیفہ سے بھی ہے کہ ابن عمر کو مرتے وقت اس کا
افسوس تھا کہ انھوں نے فئۃ باغیہ سے جنگ نہیں کی۔

یزید

یزید کے بارے میں بھی، میں نے ضروری معلومات گذشتہ صفحات میں پیش کر دیئے ہیں۔ لیکن ابھی حال میں "معاویہ و یزید" اور "یزید بن معاویہ" کتابیں میرے محترم اور کرم فرما حافظ علی بہادر خاں کی مہری نظر سے گذری ہیں، ان کتابوں میں بڑی تحقیق اور دیدہ ریزی کے بعد، بعض تاریخی معلومات پیش کئے گئے ہیں، بعض ضروری مباحث اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کرتا ہوں، ان کی روشنی میں کچھ نئے حقائق سامنے آجائیں گے، ماخذ کا ذکر جہاں جہاں ہے، —— کہیں عبارت کے ساتھ، کہیں حاشیہ میں —— اس کا حوالہ دیدیا گیا ہے،

یزید اور قسطنطنیہ کا معرکہ

حدیث میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے یا حمص ؟

یزید کی بزرگی پر ایک دلیل یہ بھی لائی جاتی ہے کہ وہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک تھا ، اور اس جہاد میں حصہ لینے والوں کو جنت کی بشارت دی جا چکی ہے ،

ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو واقعات ، تاریخ ، اور حقائق کی روشنی میں ایک مرتبہ حل کر لیا جائے ،۔ بخاری کی کتاب الجہاد والسیر میں حدیث ان الفاظ میں آئی ہے :-

"عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ وہ حضرت عبادہ بن صامت کے پاس گئے جبکہ وہ ساحل حمص میں اپنے مکان میں تھے اور ان کے ہمراہ (ان کی بی بی) ام حرام بھی تھیں ۔ عمیر کہتے ہیں کہ ہم سے ام الحرام نے بیان کیا کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ سمندر میں جنگ کریں گے ان کے لئے جنت واجب ہے ام حرام کہتی تھیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں انہیں میں ہوں ۔ ام حرام کہتی ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے جو لوگ قیصر کے شہر میں جنگ کریں گے وہ مغفور ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان لوگوں میں سے ہوں ، آپ نے فرمایا نہیں ۔

اس حدیث کو یزید کی منقبت میں اکثر پیش کیا جاتا ہے ۔ مگر اس کے متعدد پہلوؤں کو اس طرح دبایا جاتا ہے کہ پڑھنے والوں کا لازماً غلط فہمی ہوتی ہے ۔ حسب ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے ۔

(۱) حدیث میں یزید یا معاویہ کا نام بالکل نہیں ہے ۔

(۲) حدیث میں قسطنطنیہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ مدینۃ قیصر کا لفظ ہے ۔

(۳) ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری کی سند اس بارے میں پیش کی جاتی ہے کہ حدیث سے یزید کی منقبت ثابت ہوتی ہے لیکن فتح الباری کی پوری عبارت نہیں دی جاتی ۔ کیونکہ پوری عبارت میں دو اور ایسی رائیں ہیں جن سے یزید کی منقبت کی نفی ہو جاتی ہے حدیث کے تین پہلو تشریح چاہتے ہیں ۔ فتح الباری کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہلب کی یہ رائے ہے اور چونکہ قسطنطنیہ کی جنگ میں اسلامی فوج کا سپہ سالار یزید تھا ۔ لہٰذا اس حدیث کی رو سے یزید "مغفور" یعنی جنتی ہوا اور اس کی منقبت کا پہلو نکلتا ہے ۔ لیکن اس جگہ فتح الباری میں ابن التین اور ابن المنیر کی وہ تنقید بھی موجود ہے جو مہلب کی رائے پر انہوں نے کی ہے ۔ اس تنقید میں وہ کہتے ہیں کہ محض جنگ کی شرکت بخشش کے لئے کافی نہیں ہے ۔ بلکہ جنگ کے بعد کے عمال بھی ایسے ہوں جو اسے جنت کا مستحق ثابت کریں ۔ دوسرے یہ کہ "مدینۃ قیصر" سے قسطنطنیہ مراد نہیں ہے ۔ جہاں یزید کی سرکردگی میں لشکر گیا تھا بلکہ وہ شہر مراد ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے وقت قیصر کا دارالحکومت تھا اور وہ شہر حمص تھا ۔ پس اگر ہم حدیث کے الفاظ "مدینۃ قیصر" سے حمص مراد لیں تو یزید نقشہ سے نکل جاتا ہے ۔ اور منقبت یزید کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے ۔

یہ اقرب ترین قیاس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مدینۃ قیصر" اسی شہر کے متعلق فرمایا ہوگا جہاں ان کے زمانے میں قیصر موجود تھا ۔ نیز اس لئے بھی یہ تشریح قرین قیاس ہے کہ حمص پر حملہ کرنے والے زیادہ تر صحابہ تھے ۔ جن کے "مغفور" ہونے کی پیش گوئی سمجھ میں آسکتی ہے ۔ برخلاف اس کے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والوں میں دو ایک صحابیوں کے علاوہ اکثر لوگ ایسے معیار کے نہیں تھے کہ لازماً ان کے جنتی ہونے کا اعلان کیا سکے ۔ حمص کی جنگ میں سب مجاہدین تھے جن کا مقصد "تکون کلمۃ اللہ ھی العلیا" کی تعریف میں آتا ہے ۔ لیکن قسطنطنیہ کی جنگ میں جو لشکر تھا اس میں زیادہ تر شام کے تنخواہ دار پیشہ ور فوجی سپاہی تھے ۔

ایک اور بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے سب راوی شامی ہیں۔ حدیث کے اس پہلو کا تذکرہ اس کی شرح کرتے ہوئے شروع میں ہی ابن حجر عسقلانی نے کیا ہے اور شرح کو ختم کرتے ہوئے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ حدیث میں شامیوں کو یہ امتیاز دیا ہے کہ انہوں نے ایسا اچھا کام کیا کہ جنت کے مستحق قرار پائے۔ چونکہ حدیث بخاری کی ہے اور اس کی روایت شامی ہونے کے باوجود بخاری کے مقررکردہ معیار کے اعتبار سے ثقہ ہیں۔ اس لئے حدیث کو رد کرنا مشکل ہے تاہم اس لحاظ سے حدیث پر شبہ ہوتا ہے۔

ایک اور بھی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے خاص راوی عمیر بن اسود العنیسی کی صرف یہی ایک صحیح روایت بخاری میں ہے۔

اب مسئلہ کے ایک اور پہلو پر بھی توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کے لئے جہاد بھی کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لازماً جنتی ہوگا۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ زندگی کے ابتدائی حصّہ میں وہ جہاد کرے مگر آخری حصّہ میں اس کے اعمال ایسے ہو جائیں کہ وہ دوزخ کے قابل ہو جائے۔ بخاری میں حدیث کتاب الجہاد میں اس عنوان سے "کبھی اللہ مرد فاجر سے بھی دین کی مدد کرتا ہے۔ حدیث یہ ہے:-

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول خداؐ کے ہمراہ تھے تو آپ نے ایک شخص کو منجملہ ان لوگوں کے جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے فرمایا یہ اہل دوزخ میں سے ہے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے بہت سخت جنگ کی پھر وہ زخمی ہو اتو کسی نے کہا یا رسول اللہؐ جس شخص کی نسبت آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہے۔ اس نے تو آج بہت سخت جنگ کی اور مر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں قریب تھا کہ بعض لوگ شبہ کریں کہ یکایک کسی نے کہا کہ وہ ابھی نہیں مرا بلکہ اس کے سخت زخم لگا ہے۔ پھر جب رات ہوئی تو وہ زخم کی تکلیف پر صبر نہ کر سکا اور اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر میں شہادت دیتا ہوں اس بات کی کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ بعد اس کے آپؐ نے بلال کو حکم دیا کہ لوگوں

میں اعلان کر دیں کہ جنت میں سوا مسلمان کے کوئی داخل نہ ہوگا اور اللہ اس دین کو (کبھی کبھی) بدکار آدمی سے بھی مدد دیتا ہے۔

اس روشنی میں حالات کا جائزہ لیں تو "مدینۃ قیصر" کو قسطنطنیہ سمجھنے کے بعد بھی یزید کے متعلق کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا اور اگر ابوایوب انصاری نے اس کی سیادت میں جہاد کیا تو اس سے یزید کی منقبت لازماً نہیں پیدا ہوتی۔ معاویہ کو یزید نے امیر لشکر بنایا۔ اس تقرر میں کوئی مذہبی جذبہ نہیں تھا بلکہ ایک بادشاہی حکم تھا۔ اور ابوایوب انصاری کو چار و ناچار اس کی سیادت میں لڑنا پڑا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ انس بن مالک دور بنی امیہ میں دمشق پہونچے تاکہ خلاف اسلام حرکات کی شکایت کریں۔ بخاری کی حدیث میں وہ رو رو کر کہتے تھے کہ عہد رسالت کی تمام باتوں کو بدل دیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ اس جذبہ کے باوجود شکایت کرنے کے لئے اموی خلیفہ ہی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اس اموی خلیفہ کو رسول اللہؐ کے صحابی کا اعتماد حاصل تھا۔ یہ امر واقعہ تھا کہ اقتدار اس خلیفہ کے قبضے میں تھا جس کے عادات و اطوار غیر اسلامی تھے۔ حضرت انس ایک امر واقعہ کو نہیں بدل سکتے تھے۔ اور چار و ناچار اسی فاسق و فاجر خلیفہ کے پاس پہنچے۔ پس چونکہ ابوایوب انصاری نے اس جنگ میں یزید کی سپہ سالاری میں جہاد کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید کو وہ اس قابل سمجھتے تھے۔

یزید تو درکنار ابوایوب انصاری کی جو رائے معاویہ کے متعلق ابن عساکر نے دی ہے اس میں ابوایوب انصاری نے معاویہ سے قتال ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت علی کی برحق خلافت سے بغاوت کر رہے تھے۔"

اس سلسلہ میں، چند مزید تصریحات اور پیش کی جاتی ہیں جن سے صورت مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جائے گی۔ اور یزید کی کرامت اور بزرگی کے جو افسانے تراشے جا رہے ہیں۔ ان کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

"بخاری کی اس حدیث کے متعلق جس سے معاویہ و یزید کے جنتی ہونے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلی قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس کے تمام راوی شامی ہیں اور اس میں اہل شام کی تعریف ہے۔ قسطنطنیہ کی جس جنگ کا ذکر ہے اس میں ایک قلیل تعداد دوسرے علاقوں کے

مسلمانوں کی بھی تھی۔ لیکن بہت بڑی اکثریت شامیوں کی تھی۔ جن کی شان اس حدیث سے بلند ہوتی ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شامی ہونا کوئی گناہ نہیں ہے اور شام کے راوی بھی ثقہ ہوسکتے ہیں۔ بیشک شام کے راوی ثقہ ہو سکتے ہیں اور امام بخاری نے اپنے مقرر کردہ معیار پر ان کو جانچا ہوگا۔ لیکن اہل فن کی نظر اس طرف گئی ہے۔ اور انہوں نے یہ بتانا ضروری سمجھا ہے کہ حدیث کے تمام راوی شامی ہیں۔ نیز ایک راوی عمیر بن الاسود العنسی ایسا بھی ہے جس سے بخاری نے صرف یہی ایک حدیث روایت کی ہے۔"

تمام راویوں کا شامی ہونا اہل فن کو کھٹکا ہے اسی لئے ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی شرح کے بالکل آغاز ہی میں یہ جملہ لکھنے کی ضرورت محسوس کی ہے والاسناد کلہ شامیون (اور اس کی تمام اسناد صرف شامیوں پر مبنی ہیں) نیز اپنی تشریح ختم کرتے ہوئے بھی یہ جملہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں شامیوں کی تعریف ہے اور قد اوجبوا کے قول سے ظاہر کیا گیا ہے کہ شامیوں سے ایسا کارنامہ سرزد ہوا کہ ان کے لئے جنت واجب ہو گئی۔"

واضح رہے کہ شارحین اور اہل علم میں بخاری کا سب سے بڑا حامی ابن حجر عسقلانی ہے۔ بخاری کے جن راویوں کو دیگر محدثین نے رد کر دیا ہے ان کی حمایت میں بھی اسی شارح نے دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اس کی کتاب ہدیۃ ساری فی مقدمۃ فتح الباری بخاری کی حمایت کے لئے وقف ہے۔ اگر بخاری کا ایسا زبردست حامی اتنا اشارہ بھی کرتا ہے کہ اس روایت کے تمام راوی شامی ہیں اور پھر آخر میں تان اس جملہ پر توڑتا ہے کہ حدیث سے شامیوں کی حمایت و تعریف پیدا ہوتی ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ بخاری کی اس حدیث پر سخت جرح ہے۔

حدیث کے متعلق دوسری خاص بات یہ ہے کہ نہ بخاری کے قائم کردہ باب میں نہ حدیث کے متن میں کہیں یزید یا قسطنطنیہ کا ذکر آیا ہے۔ یہ محض شارحین کی رائے ہے کہ حدیث قسطنطنیہ کی جنگ کے متعلق ہے اور یہ کہ اس سے یزید کی فضیلت کا پہلو پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس جنگ میں سردار لشکر یزید تھا۔ بعض لوگوں نے ابن حجر کی کتاب فتح الباری کا حوالہ تو دیا مگر اس کے ان اہم حصّوں کو چھپا دیا جن سے یزید کی فضیلت کی نفی ہوتی ہے۔ انہوں نے المہلب کا یہ قول نقل کر دیا کہ "اس حدیث سے معاویہ کے بیٹے یزید کی منقبت پیدا ہوتی ہے۔" لیکن اس قول پر

آتی ہے -

ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ جن محدثین کی تصریحات پر ہم بحث کر رہے ہیں وہ سب شیعہ جماعت کے مخالفین میں خود امام بخاری بھی مخالف تھے - اور ان کی مخالفت کے کھلے ثبوت موجود ہیں - لہٰذا اگر ان کی ایسی تصریحات پیش کی جائیں جو یزید کے خلاف ہیں تو ان تصریحات کو ہماری بحث میں مزید قوت مل جاتی ہے اور یہ نتیجہ نکالنا بیجا نہ ہوگا کہ حدیث سے یزید کے جنتی ہونے کی دلیل نہایت کمزور ہے اور مخالفت کا وزن بہت زیادہ ہے -

اب رہی یہ دلیل کہ بخاری کی حدیث ہے جس کی صحت اہل سنت کے نزدیک مسلّم ہے - تو اوّل تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یزید کا ذکر ہی نہیں تو صحیح اور موضوع سے کوئی فرق نہیں پڑتا - دوسرا جواب یہ ہے کہ بخاری کی احادیث ایک خاص مقرر کردہ معیار پر ہی "صحیح" ہیں - ان میں سے بعض ایسی ہیں جو مقرر کردہ معیار پر صحیح ہونے کے باوجود درایتاً صحیح نہیں ہیں - متعدد اہل فن نے درائت کے اصول پر بخاری کی بعض روایت کو رد کر دیا ہے اور بعض ممتاز ائمہ و محدثین نے روایتاً بھی بخاری کی بعض روایتوں کو رد کیا ہے -

اب مذکورہ بالا پہلوؤں کی تفصیل ملاحظہ ہو:-

پہلے راویوں کو لے لیجئے - تو نہ صرف یہ کہ سب شامی ہیں بلکہ ان کی اور حیثیتیں بھی قابل توجہ ہیں - مثلاً حدیث کا سب سے پہلا راوی جس نے صحابی سے روایت کیا، عمیر بن الاسود العنسی ہے - تمام صحیح بخاری میں اس راوی کی صرف یہ ایک حدیث ہے دوسرا اہم ترین راوی خالد بن معدان ہے جو یزید بن معاویہ کا ایک محافظ سپاہی تھا لہ یا کوتوال یا باڈی گارڈ کہہ لیجئے - عربی عبارت میں صاحب شرطہ ہے کوئی بھی معنی لے لیجئے وہ یزید کا ایک ایسا نوکر تھا جس کے فرائض کی نوعیت اس خاص حدیث کی روایت کے لئے اسے مشتبہ بنا دیتی ہے بے شک اسے ثقہ بتایا گیا ہے لیکن ایک ثقہ انسان کی روایت کے معاملہ میں شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے - جب کہ اس کی روایت سے خود اس کی یا اس کے حاکم کی برتری یا منقبت مقصود ہو

لہ (دیکھو ابن جریر طبری کی ذیل المذیل ص۹ مطبوعہ مصر)

ابن التین اور ابن المنیر کی جو تنقید ہے اس سے قارئین کو محروم رکھا کیونکہ اس تنقید سے یزید کے جنتی ہونے کی عمارت گر جاتی ہے۔ نیز اس حدیث کی شرح سے وہ حصّہ بھی حذف کر دیا جس میں بتایا گیا ہے کہ حدیث میں قسطنطنیہ کی جنگ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ "مدینۃ قیصر" سے مطلب حمص ہے نہ کہ قسطنطنیہ۔

حمص والی تشریح اس لئے اور بھی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حمص کی فتح میں جو مسلمان شریک تھے وہ حقیقی معنی میں مجاہدین تھے جو "جہاد" کے لئے نکلے تھے جس کا مقصد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا: "لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا" یعنی جہاد وہ ہے جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے مقصد سے کیا جائے۔ اس کے برخلاف جنگ قسطنطنیہ میں زیادہ تر وہ شامی سپاہی تھے جو تنخواہ کے لئے شریک تھے۔ اب رہے چند صحابہ جن کا مقصد واقعی جہاد تھا تو ان کی شرکت کے باعث ساری کرایہ کی فوج اور خصوصاً یزید جنتی نہیں ہو جاتا۔ پس اس حدیث کی موزونیت اسی حالت میں نمایاں ہوتی ہے جبکہ "مدینۃ قیصر" سے حمص مراد لی جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ بعض صحابہ نے یزید کی قیادت میں جنگ کرنا قبول کیا تو اس سے یزید کی عظمت نہیں ثابت ہوتی۔ اگر صحابہ یزید کو اپنا قائد منتخب کرتے تو ضرور عظمت کا ثبوت ہوتا لیکن وہ معاویہ کا مقرر کردہ تھا اور انھیں چار و ناچار اس کی افسری قبول کرنی پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کو کبھی فاسق فاجر سے بھی فائدہ پہنچے گا۔ اس مصلحت کے پیش نظر وہ قسطنطنیہ کی جنگ میں یزید کی قیادت میں جہاد کرنے پر راضی ہو گئے۔

ایک نہایت اہم بحث ابن حجر عسقلانی نے یہ چھیڑی ہے کہ کیا بعد کے اعمال کچھ بھی ہوں یہ لوگ جنت میں جا سکتے ہیں؟ ابن حجر نے محدثین کی یہ رائے پیش کی ہے کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ بعد کے اعمال کو نظر انداز کر دیا جائے۔ بلکہ جنت کا استحقاق ان لوگوں کے لئے بھی اسی حالت میں قائم رہ سکتا ہے جب کہ ان کے بعد کے اعمال بھی نیک ہوں یہ تو اس حدیث کی سرسری بحث ہے لیکن ان میں سے ہر دلیل تفصیل کی محتاج ہے جو آگے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جلیل القدر صحابہ اس شبہ سے مستثنیٰ ہیں لیکن اگر روایت میں بعض دوسرے پہلو سے اصولی کمزوریاں ہوں تو جلیل القدر صحابہ کے نام سے بھی متاثر نہیں ہونا چاہیئے۔ مثلاً ایک صحابی نے بی بی عائشہؓ سے ایک حدیث بیان کی انہوں نے کہا غلط ہے دوسرے صحابہ نے بی بی عائشہؓ سے خفا ہوکر کہا کہ آپ رسول اللہؐ کے صحابیوں کو جھوٹا قرار دے رہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات نہیں ہے کہ یہ عمداً جھوٹ بول رہے ہیں۔ بلکہ ان کو کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے کیونکہ جو حدیث یہ بیان کر رہے ہیں وہ قرآن کی فلاں آیت کے خلاف ہے اس لئے رسول اللہؐ کا قول نہیں ہو سکتا۔ علامہ شبلی نے "الفاروق" میں لکھا ہے۔

"اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ وعدم ثقہ ہونے کا معیار رکھتے تھے لیکن حضرت عمر راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں حضرت عائشہؓ نے اسی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔"[1]

پس راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں۔ اس کے ثقہ ہونے کے باوجود روایت غلط ہو سکتی ہے اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راوی کے متعلق ثقہ ہونے کا دعویٰ ہی غلط ہو۔ ایسے راوی بہت ہیں جن کو ایک محدث ثقہ اور دوسرا غیر ثقہ بتاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جن اہل فن نے ان میں سے سینکڑوں کو صرف ان کی شہرت کے لحاظ سے ثقہ یا عدم ثقہ قرار دیا ہے ان کے ثقہ ہونے کا ذاتی تجربہ نہیں تھا اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ راویوں کے متعلق اس تحقیقات کی اہمیت کو کم کر کے دکھایا جائے۔ درحقیقت محققین نے اسلام کی بڑی گراں قدر خدمت کی ہے لیکن مطلب صرف اتنا ہے کہ ہزاروں راویوں کے چال چلن کی تحقیق بالکل آخری درجہ تک ممکن العمل نہیں۔ اسی لئے درائیت کی روایت کے ساتھ ساتھ اہمیت ہے۔ حدیث پیش نظر کا راوی یزید کا نوکر ہے اور شامی بھی ہے۔ ابن جریر نے "ذیل المذیل" میں اگر اس کی یزید کی نوکری کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا ہے تو یہ صرف اس لئے ہو سکتا ہے کہ قارئین اس کی ایسی

---

[1] الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۸۳

روایتوں کے بارے میں ہوشیار رہیں جن سے شامیوں یا یزید کی منقبت کا پہلو پیدا ہوتا ہو۔

یزید بن معاویہ کی اس حدیث کے چند اور پہلو بھی قابل غور ہیں۔ محدثین نے ان پر بحث کی ہے۔ مثلاً حدیث میں اندرونی تضاد ہیں :۔

(۱) قسطنطنیہ کا لفظ تو کسی روایت میں بھی نہیں لیکن "مدینۃ قیصر" کا لفظ بھی صرف اس ایک روایت میں ہے جس کے سب راوی شامی ہیں اور ایک ان میں یزید کا ذکر ہے باقی تمام روایتوں میں صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ میری امت کے لوگ سمندر کی لہروں پر چل رہے ہیں اس طرح کہ گویا یہ لہریں ان کے تخت ہیں اور وہ ان پر بادشاہوں کی طرح سوار ہیں اور دوسری بات خواب میں پھر پہلے کی طرح دیکھا کہ امت کے لوگ جہاد میں مصروف ہیں۔

یہ کتنی معنی خیز بات ہے کہ صرف یزید کا صاحب شرط روایت کو اس شاخسانہ کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ "مدینۂ قیصر" پر جہاد کرنے والا اسلامی لشکر مغفرت کا مستوجب ہے اس کے سوا اور کیا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ "ثقہ" راوی نے یزید کو جنت کا مستحق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اگر دوسرے راویوں نے بھی مدینۂ قیصر والے ٹکڑے کا اضافہ کیا ہوتا تو حدیث کی اہمیت میں بھی اضافہ ہو سکتا تھا لیکن ایسی حالت میں کہ مدینۂ قیصر والے الفاظ پر منقبت یزید کی عمارت کھڑی کی جا رہی ہے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس حدیث کی صحت مشتبہ ہے۔

(۲) حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام کے گھر میں سو رہے تھے اور یہ خواب دیکھا تھا تو اس وقت ام حرام عبادہ بن صامت کے نکاح میں تھیں مگر اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ ام حرام نے حدیث کے اس واقعہ کے بعد عبادہ بن الصامت سے نکاح کیا تھا۔

اس تضاد پر بعض محدثین نے نہایت عجیب تبصرے کر کے تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس تطبیق کے باوجود بعض دوسرے محدثین کی تسکین نہیں ہوئی مثلاً امام نواسی نے قاضی عیاض کی یہ توجیہہ دی ہے کہ راوی نے حال سے مستقبل مراد لیا ہے۔ جب اس نے یہ لکھا کہ ام حرام عبادہ بن الصامت کے نکاح میں تھیں تو مطلب ان کا مستقبل کی خبر دینا تھا۔ بخاری کی روایتوں میں جو تضاد

ہے سے مسلم کی روایتوں نے اور بھی نمایاں کر دیا ہے مسلم میں کئی روایتیں اس موضوع پر ہیں ان میں سے ایک میں صاف صاف لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ام حرام عبادہ بن صامت کی زوجیت میں آئیں ۔ظاہر عبارت کے لحاظ سے تمام محدثین نے تسلیم کیا ہے کہ تضاد ہے لیکن امام بخاری سے اتنے مرعوب ہیں کہ خواہ مخواہ تطبیق کی کوشش کر رہے ہیں ۔

واضح رہے کہ روایت کا یہ ٹکڑا " ادخالات " سے ہے یعنی راوی نے جملہ معترضہ کے طور پر بڑھا دیا ہے کہ "اس وقت ام حرام نے عبادہ بن صامت سے نکاح کر لیا " یہ جملہ حدیث کا جزو نہیں ہے ۔اس کے باوجود اہم ہے اس لئے کہ ام حرام عبادہ بن صامت کی بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کے ساتھ ہی بحری جہاد میں گئی تھیں ۔

ہر حالت میں اس تضاد کے باعث ساری روایت مشتبہ ہو جاتی ہے اور اسے قبول کرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔

(۳) ابن حجر عسقلانی نے عبادہ بن صامت اور ام حرام کے نکاح کے متعلق ابن سعد کی یہ رائے دی ہے کہ ام حرام پہلے عبادہ بن صامت کی زوجیت میں تھیں پھر ان سے طلاق ہوئی تو وہ عمرو بن قیس کے نکاح میں آئیں ۔وہ جب جنگ احد میں شہید ہو گئے تو پھر عبادہ بن صامت سے نکاح کر لیا ۔ لیکن ابن حجر نے طبقات ابن سعد کی رائے کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاملہ برعکس تھا ۔حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پہلے عمرو بن قیس سے نکاح کیا تھا جس سے ایک بیٹا قیس پیدا ہوا ۔وہ اور اس کا باپ دونوں غزوہ احد میں شہید ہوئے اور اس کے بعد عبادہ بن صامت کے نکاح میں آئیں ۔اپنی رائے کی تائید میں ابن حجر نے اسی " مدینہ قیصر " والی حدیث کا حوالہ دیا ہے کیونکہ اس روایت میں راوی کہتا ہے کہ جب عبادہ بن صامت سے ملنے گیا تھا جبکہ ام حرام ان کے ساتھ تھیں ۔

یہ تضاد اگرچہ حدیث کے اندر نہیں ہے لیکن ام حرام کی زوجیت کے بارے میں مورخین میں ہے جس کی اہمیت حدیث کے سلسلہ میں بہت بڑی ہے ۔اور قارئین کے لئے حدیث کی صحت کے متعلق خلجان بڑھ جاتا ہے ۔

(۴) اس روایت کو مشتبہ بنانے کے لئے ایک اور تضاد بھی ہے ام حرام کے گھر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب پر حدیث مبنی ہے اور حضورؐ نے اس خواب میں ام حرام کے متعلق یہ پیشن گوئی کی ہے کہ جن دو جہادوں کے مناظر خواب میں نظر آئے ان میں سے پہلے میں تم ہوگی مگر دوسرے میں نہیں ۔ حدیث کی شرح میں یہ بتایا گیا ہے کہ ام حرام پہلے بحری جہاد میں معاویہ کے ساتھ شریک ہوئیں مگر دوسرے میں نہ ہو سکیں کیونکہ معاویہ نے جو بحری حملہ جزیرہ قبرص پر کیا تھا اس میں ام حرام اپنی سواری سے گر کر زخمی ہوئیں اور مر گئیں ۔ لیکن اس موت کے متعلق ان روایتوں میں اتنے تضاد ہیں ۔

(الف) ام حرام جب قبرص میں ساحل پر اتر رہی تھیں تو اس وقت خچر پر سوار ہوتے ہوئے گریں اور مر گئیں ۔

(ب) قبرص کی جنگ ایک صلح پر ختم ہوئی ۔ اور جب معاویہ کا لشکر واپس ہو رہا تھا تو اس وقت وہ سواری سے گریں اور مر گئیں ۔

(ج) قبرص سے واپسی پر ساحل شام پر اترتے ہوئے گریں اور مر گئیں ۔

پہلی دونوں حالتوں کے راوی کہتے ہیں کہ ان کی قبر ساحل قبرص پر ہے اور تیسری روایت والوں کا کہنا ہے کہ ان کی قبر شام میں ساحل پر ہے ۔

جس روایت میں اتنے تضاد ہوں اس کو مشتبہ کیوں کر نہ سمجھا جائے ۔ ان مختلف اور متضاد اقوال میں تطبیق ناممکن ہے ۔

(۵) ان تمام روایتوں میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب پر مبنی ہیں ۔ ایک اور تضاد یہ ہے کہ اس بحری مہم کو عہد خلافت معاویہ میں بتایا گیا ہے حالانکہ یہ عہد خلافت عثمان میں ہوئی تھی ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ معاویہ اس مہم میں سر لشکر تھے روایت کے الفاظ "فی زمان معاویہ" کی تشریح بعض لوگوں نے یہ کر دی ہے کہ مطلب ان الفاظ سے یہی ہے کہ وہ مہم معاویہ کی سرکردگی میں ہوئی تھی لیکن دوسرے محدثین نے یہ تشریح قبول کرنے سے انکار کیا ہے ظاہر ہے کہ "سرگردگی" اور "زمانہ" میں زمین آسمان کا فرق ہے ہر حالت میں اس بات سے بھی روایت کی کمزوری کا اظہار ہوتا ہے اور شبہ ہوتا ہے کہ روایت موضوع نہ ہو ۔

(۶) اب ایک اور پہلو سے نظر ڈالئے ۔ روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے خواب

سمندر کی موجوں پر چلتے دیکھا۔ صرف مدینۂ قیصر والی روایت میں یہ ہے کہ دوسرے خواب میں مدینۂ قیصر پر جنگ کرتے دیکھا۔ اس میں بری یا بحری جنگ کا کوئی ذکر نہیں ہے جن لوگوں نے اس خواب کے ساتھ یزید کو معرض بحث میں لانے اور جنتی بنانے کی کوشش کی ہے انہوں نے اس جنگ کو بری جنگ بنا دیا ہے کیونکہ یزید کی کمان میں جو حملہ قسطنطنیہ پر ہوا تھا وہ خالصتًا بری حملہ تھا۔ اس میں اسلامی لشکر کشتیوں یا جہازوں پر چڑھ کر نہیں گیا تھا۔

تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے اور کوئی شک نہ رہے ذیل میں بخاری کی کتاب الاستئذان سے متعلقہ حدیث نقل کی جاتی ہے:۔

حدثنا اسمٰعیل قال حدثنی مالک عن اسحٰق بن عبد اللہ ابن ابی طلحۃ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ انہ سمعہ یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ذھب الی قباء یدخل علی ام حرام بنت ملحان فتطعمہ وکانت تحت عبادۃ بن الصامت فدخل یومًا فاطعمتہ فنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم استیقظ یضحک قالت فقلت ما یضحکک یا رسول اللہ فقال ناس من امتی عرضوا علیّ غزاۃ فی سبیل اللہ یرکبون ثبج ھذا البحر ملوکا علی الاسرۃ او قال مثل الملوک علی الاسرۃ شک اسحٰق فقلت

حدیث ہم سے روایت کی اسمٰعیل نے انہوں نے کہا مجھ سے روایت کی مالک نے اسحٰق بن عبد اللہ ابن ابی طلحہ سے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کو یہ کہتے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا جاتے تو ام حرام بنت ملحان کے پہنچتے وہ ان کو کھانا کھلاتیں اور وہ اس وقت عبادہ بن صامت کی بیوی تھیں پس ایک روز جب آئے تو ام حرام نے کھانا کھلایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر جاگے تو ہنس رہے تھے وہ کہتی ہیں میں نے کہا رسول اللہ آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں فرمایا میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے ایسی حالت میں جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے لائے گئے کہ وہ اس سمندر کی لہروں پر اس طرح سوار تھے جیسے بادشاہ تخت پر یا جیسے وہ تخت پر شاہانہ اقتدار کے ساتھ ہوں۔ اسحٰق کو شک ہے کہ ٹھیک الفاظ کیا تھے

میں دیکھا کہ میری امت کے لوگ سمندر کی موجوں پر اس طرح سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت پر۔ لیکن یہ الفاظ مختلف روایتوں میں مختلف طریقہ سے آئے ہیں۔ واضح رہے کہ روایت کے متعلق یہ دعویٰ نہیں ہے کہ بالمعنی ہے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ باللفظ ہے کیونکہ اسحٰق والی روایت میں وہ یہ کہتا ہے کہ "ملوکا علی الاسرۃ او قال مثل الملوک علی الاسرۃ یشک اسحٰق" یعنی راوی اسحاقؔ کہتا ہے کہ یا یہ الفاظ رسول اللہؐ نے فرمائے یا یہ الفاظ تھے۔ دونوں کا مطلب ایک ہے مگر صرف الفاظ کی ظاہری ترتیب و شکل مختلف ہے تاہم راوی کہتا ہے کہ مجھے شک ہے کہ الفاظ یوں ہیں یا یوں ہیں مطلب یہ کہ حدیث کے باقی تمام الفاظ بعینہ وہ ہیں جو انسؓ یا ام حرام نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے سنے۔

فتح الباری میں کتاب الاستیذان میں ابن حجر نے اسحٰق کی یہ روایت دینے کے بعد دوسری روایتوں کے اختلافات دیدیئے ہیں انہوں نے بتایا ہے کہ جس روایت کے لیث حماد راوی ہیں اس میں کالملوک علی الاسرۃ "منقول ہے۔ اور ابی طوالہ کی روایت میں" مثل الملوک علی الاسرۃ" بغیر شک ہے۔ نیز احمد کے طریق سے" مثلہم کمثل الملوک علی الاسرۃ" یوں تو معنی کے اعتبار سے ان اختلافات میں کوئی قابل ذکر اہمیت نہیں لیکن جب دعویٰ یہ کیا جائے کہ روایت لفظ بہ لفظ کی گئی ہے تو ان اختلافات کی اہمیت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے محدثین نے ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(۷) یہ روایت کسی راوی کے ذریعے بھی آئی ہو اور اس کے الفاظ میں کتنا بھی اختلاف ہو لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ روایت کی بنیاد اس خواب پر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حرام کے گھر میں دیکھا تھا دراصل یکے بعد دیگرے یہ دو خواب تھے۔ ایک خواب کے بعد حضورؐ کی آنکھ کھلی اور آپ نے ام حرام سے خواب بیان کیا اس کے بعد آپؐ کی آنکھ پھر لگ گئی اور آپ نے پھر خواب دیکھا اور ام حرام سے پھر بیان کیا۔ یہ دونوں خواب اس لحاظ سے مختلف تھے کہ دو مختلف جنگوں کا منظر پیش کرتے تھے۔ مگر اس لحاظ سے ایک ہی صورت پیش کرتے تھے کہ دونوں میں بحری جنگ یا مہم کا ذکر ہے یعنی یہ کہ سمندر کی لہروں پر ایسے سوار ہوں گے جیسے کہ بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں لیکن بعض میں یہ ہے کہ دوسرے خواب کی بات دہرائی یعنی کہ امت کے لوگوں کو

(۸) ایک اور عجیب تضاد ہے وہ یہ کہ ایک روایت میں ہے کہ جب خواب دیکھا تھا تو ام حرام آپؐ کے سر میں جوئیں دیکھ رہی تھیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ قریب لیٹے تھے اور تیسری میں ہے کہ ام حرام اس وقت اپنا سر دھو رہی تھیں اور جب انہوں نے رسول اللہؐ کو ہنستے دیکھا تو کہنے لگیں یا رسول آپؐ میرے سر کے متعلق کسی بات پر ہنس رہے ہیں یہ عطا بن لیسار کی روایت ہے جس کا ذکر ابن حجر نے فتح الباری میں کیا ہے۔

اس ایک ہی معاملہ پر اور بھی متضاد باتیں ہیں جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہوگا۔ لیکن اس مختصر تشریح سے بھی اندازہ ہوگا کہ روایت کا مرتبہ بہت ہی پست ہے کہاں جوئیں دیکھتے میں خواب دیکھنا اور کہاں سر دھوتے وقت اس خواب کا واقعہ پیش آنا اور ام حرام کا شک کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر دھونے پر ہنس رہے ہیں۔

یہ بات اور بھی قابل غور ہے کہ کیا ام حرام رسول اللہؐ کے سامنے سر دھونے کا فعل کر سکتی ہیں محدثین نے یقین کے ساتھ نہیں مگر محض گمان کے ساتھ ام حرام سے رسول اللہؐ کا رضاعی رشتہ قائم کیا ہے بلکہ اس حدیث کی بنیاد پر فقہی حکم بھی لگا دیا ہے کہ ایسی رشتہ دار عورتوں کے ساتھ تنہائی میں رہنا ان کے گھر سونا اور ان سے سر وغیرہ دبوانا یا چھوانا بھی جائز ہے۔

(۹) ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے قیلولہ کیا تھا۔ یعنی دوپہر کو آکر سوئے تھے۔ دوسری میں ہے کہ آپؐ نے سہارا لیا تھا۔ یعنی کسی چیز سے تکیہ لگایا تھا جب کہ آپؐ کی آنکھ لگ گئی۔ غرضیکہ اس بارے میں بھی مختلف روایتوں میں مختلف باتیں ہیں۔

(۱۰) خواب کے بعد آپ کے ہنسنے کے بارے میں بھی تین چار قسم کے الفاظ ان روایتوں میں آئے ہیں حالانکہ ابتدائی راوی ایک ہی ہیں۔ مثلاً (۱) آپؐ کیوں ہنسے، (۲) کس بات نے ہنسایا (۳) کس بات سے ہنسے، (۴) کیا میرے سر دھونے کی وجہ سے ہنسے؟

اگرچہ ان میں سے بعض اختلافات بالکل غیر اہم معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر ابتدائی راوی یعنی صحابی مختلف ہوتے تو ان کو نظر انداز بھی کیا جا سکتا تھا۔ مگر یہ ام حرام کے گھر کے اندر کا واقعہ ہے اس میں روایتوں کا اختلاف کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے؟ کیا ام حرام ایک راوی سے ایک بات اور دوسرے سے دوسری بات کہتی تھیں؟

ادع الله ان يجعلني منهم فدعا ثم
وضع رأسه فنام ثم استيقظ
يضحك فقلت ما يضحكك يا رسول
الله قال ناس من امتي عرضوا
على غزاة في سبيل الله يركبون
ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة
او مثل الملوك على الاسرة فقلت
ادع الله ان يجعلني منهم قال انت
من الاولين فركبت البحر في
زمان معاوية فصرعت عن
دابتها حين خرجت من البحر
فهلكت۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میں
ان میں سے ہوں آپؐ نے دعا کی پھر سر رکھ کر
سو گئے پھر ہنستے ہوئے اُٹھے میں نے عرض کیا
کہ آپؐ یا رسول اللہ کس چیز پر ہنستے ہیں
فرمایا میری امت کے کچھ لوگ ایسی حالت میں
لائے گئے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اس سمندر
کے وسط پر اس طرح تھے گویا کہ تخت پر شاہانہ قبضہ
ہے یا مثل بادشاہوں کے تخت پر ہوں میں نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میں ان میں سے
ہوں فرمایا کہ تم اولذکر میں سے ہوگی پس وہ معاویہ
کے زمانہ میں بحری سفر پر گئیں جب بحر سے نکل رہی تھیں تو
اپنی سواری سے گریں اور انتقال ہو گیا۔[1]

اس حدیث کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں بری حملہ کا سوال ہی نہیں اگر یزید کو کھینچ تان کر
حدیث کے ذیل میں لانا تھا تو دوسرے خواب میں سے بحری جہاد کی بات نکال دینی تھی۔ تب ہی یہ کہا جا سکتا
تھا کہ مدینۂ قیصر سے قسطنطنیہ مراد ہے اور حدیث میں یزید کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یزید نے قسطنطنیہ پر
خشکی کی طرف سے حملہ کیا تھا۔

یہ بھی واضح رہے کہ یزید کے حملہ سے قسطنطنیہ فتح نہیں ہوا تھا اور اس پر مسلمانوں نے یزید کے
بعد بحر کی طرف سے حملے کئے ہیں اگر مدینۂ قیصر سے مراد قسطنطنیہ لی جائے تب بھی حدیث کا یزید
سے کوئی تعلق نہیں ثابت ہوتا۔ قسطنطنیہ ۱۴۵۳ء میں محمد ثانی کے زمانہ میں فتح ہوا ہے۔

---

[1] اس خواب پر مبنی بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں متعدد روایات ہیں یہ روایت بخاری کی کتاب
الاستئذان کی ہے تین روایات کتاب الجہاد میں سے ہیں جن میں سے ایک وہ ہے جس میں یزید یا قسطنطنیہ کا نام نہیں ہے مگر اس سے
زبردستی یہ تصور نکالا جاتا ہے کہ اس سے یزید کا جنتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پانچ روایات صحیح مسلم کی کتاب الامارۃ میں ہیں۔

روایتوں میں نہیں ہے۔
روایتوں میں اور بھی اختلافات ہیں مگر یہ چودہ کم نہیں ہیں اگر ایسی روایت کی بنا پر کوئی یزید کی منقبت کی عمارت کھڑی کرے تو اسے گمراہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔
تاریخی واقعات کو پیش کرنے میں دیانت لازمی ہے لیکن بعض لوگ تاریخ کے واقعات تو درکنار حدیثوں کو بھی تحریف کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں ایک مدعی عالم کا ارشاد ہے۔

"ام حرام زوجہ حضرت عبادہ بن الصامت سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا۔ اور بحالت خواب حضرت معاویہ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کیفیتوں کا انکشاف ہوا تھا۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا (صحیح بخاری صفحہ ۱)
میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہو جائے گی۔"

حدیث کے اس ٹکڑے کو لکھنے کے بعد قد اوجبوا کی تشریح فتح الباری سے اس طرح لکھی ہے گویا کہ اس کا اطلاق یزید پر ہوتا ہے حالانکہ قد اوجبوا حدیث میں ان غازیوں کے لئے آیا ہے جو بحری جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ یزید کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس کا بحری جہاد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اور اسی بحث میں صفحہ ۲۳ پر المہلب کی یہ رائے دی ہے۔

"اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزیدؒ) کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔"

بے شک فتح الباری میں ابن حجر نے المہلب کی یہ رائے پیش کی ہے لیکن اس کے بعد اس رائے کی تردید میں دو رائیں لکھی ہیں۔ ان کا کوئی ذکر نہیں اور ابن حجر کو یزید کا حامی بنا کر پیش کر دیا۔
جو دو رائیں المہلب کی رائے کے بعد ابن حجر نے لکھی ہیں وہ ابن التین اور ابن المنیر کی ہیں۔ ان راویوں سے کوئی اتفاق نہ کرے یہ اور بات ہے مگر فتح الباری کے ادھورے حوالے پیش کرنا دیانت

(۱۱) ایک روایت میں ہے کہ جب ام حرام نے ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میری امت کے لوگ سمندر کی لہروں پر اس طرح سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت پر۔ دوسری روایتوں میں "مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی" کا جملہ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متعجب ہونا بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کا خواب رویائے صادقہ تھا اور امت پر اللہ کی اس نعمت پر متعجب ہونا مرتبۂ نبوت کے مطابق نہیں ہے۔ بہر کیف یہ بات مرتبہ نبوت کے مطابق ہو یا نہ ہو مگر بعض روایتوں میں تعجب کا ذکر اور بعض میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہونا ساری روایت کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔

(۱۲) روایت میں بحر کا لفظ بھی پانچ اختلافات کے ساتھ آیا ہے مثلاً ایک میں "ثبج هذا البحر" اور دوسری میں "بحر الاخضر" ہے وغیرہ وغیرہ ہر روایت میں یہ مختلف الفاظ رسول اللہؐ کی طرف منسوب کئے ہیں ظاہر ہے حضورؐ نے ایک ہی قسم کے الفاظ فرمائے ہوں گے مگر یزید والی حدیث میں بحر کا کوئی ذکر بھی دوسرے خواب میں نہیں ہے
یہ اختلافات بہت عجیب ہیں اور روایت کی صحت کو معرض بحث میں لانا پڑتا ہے۔

(۱۳) دوسرے خواب کے بعد جب ام حرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں سے ہوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ "انت من الاولین" (تم پہلے میں سے ہوگی) اس بات کے لئے بھی مختلف روایتوں میں رسول اللہؐ کی طرف مختلف الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہیں مختلف الفاظ میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ تم اولین میں سے ہوگی۔ اور اس کے ساتھ یہ الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں کہ تم آخر میں سے نہیں ہوگی اور کسی روایت میں دوسری بار ام حرام کی درخواست پر کہ میں بھی ان میں سے ہوں صرف "نہیں" پر اکتفا کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بات کو تین طرح نہیں کہا ہوگا۔ جب راوی کہتا ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو اس کا فرض ہے کہ حضورؐ کی زبان سے ادا کئے ہوئے الفاظ ہی روایت کرے ورنہ یہ کہہ دے کہ انہوں نے اس مطلب کی بات کہی یا اگر الفاظ میں شبہ ہو تو "او کما قال" جیسے الفاظ کا اضافہ کرے ورنہ تعلیمات اسلامی میں رخنہ پڑھنے کا اندیشہ ہے۔

(۱۴) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ام حرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کہ آپ کس بات پر ہنسے تو ساتھ میں یہ فقرہ بھی ادا کیا کہ آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں مگر دوس

کے خلاف ہے۔ ابن حجر نے یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ مدینۂ قیصر سے مطلب قسطنطنیہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا تھا تو قیصر حمص میں تھا اس لئے مدینۂ قیصر سے مطلب حمص ہے اور حمص پر مجاہدین اسلام نے جب جنگ لی ہے تو یزید پیدا بھی نہیں ہوا تھا لہٰذا ان شارحین حدیث سے یزید کی منقبت کا کوئی پہلو نہیں پیدا ہوتا۔

دراصل اس وقت قیصر کا مرکز حکومت انطاکیہ تھا لیکن حمص کی جنگ نے ہی انطاکیہ کا بھی فیصلہ کر دیا تھا۔ قیصر نے اپنی تمام طاقت حمص پر ہی جمع کر دی تھی۔ خالد نے جنگ سے پہلے قیصر کے لشکر میں سفارت کی تھی۔ جس میں انہوں نے قیصر کی شاہانہ شان و شوکت کا حال سن کر اپنے مخالفین سے کہا تھا کہ جو تم نے قیصر کی بابت کہا ہمارا خلیفہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اگر وہ ایسی شان و شوکت کا خیال بھی دل میں لائے تو ہم اسے برطرف کر دیں۔ اس کے بعد بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں شکست کھانے کے بعد قیصر نے یہ کہتے ہوئے انطاکیہ چھوڑا تھا کہ اے سرزمین شام تجھے آخری الوداع"!

یہ فیصلہ کن جنگ تھی جس کے بعد رومیوں کے قدم کبھی نہ جمنے پائے اور اس میں شریک ہونے والے بھی اسلامی نکتہ نظر سے اونچے درجے کے آدمی تھے اس کے برخلاف یزید کے ساتھ قسطنطنیہ میں سوائے چند برگزیدہ ہستیوں کے باقی سب شامی پیشہ ور سپاہی تھے اور اس حملہ میں مدینۂ قیصر فتح نہیں ہو سکا تھا [1]

ان تاریخی اور تحقیقی حقائق کے بعد اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یزید کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے،!

---

[1] الفاروق کے صفحہ ۱۱۷ سے ۱۲۵ تک حمص کے واقعات دیئے ہیں۔ صفحہ ۱۲۵ پر لکھا ہے کہ قیصر کا انطاکیہ خاص دارالسلطنت تھا"

یزید پر تبصرہ

مصر کے محقق اور مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے یزید کے کردار و سیرت پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے ایک اور نہایت اہم پہلو نمایاں کیا ہے، :—

"یزید اپنے دادا ابوسفیان کی ہو بہو تصویر تھا اور ہر چیز کو عصبیت کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی تھا یہ ایسا دعویٰ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیا آپ انکار کر سکتے ہیں کہ یزید ہی وہ شخص تھا جس کی بدولت "حرہ" (پامالیٔ مدینہ کا) وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جس میں حرم رسولؐ کے اندر انصار کی بے حرمتیاں کی گئی تھیں ـ جس میں قریش[1] نے چن چن کر ان ہی انصاریوں سے انتقام لیا تھا ـ جنہوں نے جنگ بدر میں قریش[2] کے خلاف داد شجاعت دی تھی ؟ اس واقعہ کے بعد انصار کی رہی سہی وقعت بھی ختم ہوگئی اور پھر ان کا سیاسی وقار دوبارہ قائم نہ ہو سکا اگر یہ سب غلط ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ واقعہ حرہ کی تفصیل میں عام طور پر راویوں کا کہنا ہے کہ اس واقعہ میں اسّی کے قریب وہ انصاری قتل کئے گئے تھے جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی ؟ یعنی جنہوں نے قریش کو اس دن نیچا دکھایا اور انہیں ذلیل شکست دی تھی۔"

(ادب الجاہلی شائع کردہ انجمن ترقی اردو ص۲۰۷، ۲۰۸)

---

[1] قریش سے بنی امیہ مراد ہیں [2] خاندان ابوسفیان کی طرف اشارہ ہے۔

یزید کے خدّوخال

شام کے مشہور مورخ ، اور محقق ، عمر ابو النصر نے اپنی کتاب "یزید بن معاویہ" میں یزید کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ، :-

وقد صرف یزید طفولته فی البادیة وفی تدمر بین الکلبیین من آل بهدل فعاش عیشة بدویة ونشأ علی ما عودہ علیه اخواله من حیاة البداوة وما یتبعها من صید وقنص وعبث ولهو وشراب ، ولا یبعد ان یکون الشراب عاما بین الکلبیین لانهم کانوا فی المسیحیة قبل الفتح الاسلامی فضلّ بعضهم متمسکا بالاشربة لا یری فی تعاطیها کبیرا امر او عظیم ضرر (صفحہ ۲)

یزید نے زمانۂ طفولیت بادیہ میں قبیلہ کلب کے آل بہدل میں گزارا ، پس بدوی زندگی گزاری اور بدوی زندگی کی عادات پر اپنی ننھیال والوں کے باعث پڑ گیا - اور سیر و شکار ، لہو لعب اور شکار کا عادی ہو گیا - اور یہ بعید نہیں کہ قبیلہ کلب میں شراب عام تھی کیونکہ وہ اسلام کی فتح سے قبل عیسائی تھے پس (اسلام کے زمانہ میں) وہ اُن چیزوں کے پینے کے عادی رہے جن جاری رکھنے میں انہوں نے کوئی بڑا نقصان نہیں سمجھا -

پھر آگے چل کر مزید بتایا ہے :-

واما استاذ یزید او

اور یزید کے استاد یا اساتذہ اگر ایک

استاتذته اذا كانوا غير رلعدنا نهم مجهولون - وقد اسف لامنس المستشرق اليسوعي لهذا النقص التاريخي[1] لانه يعتقد ان استاذ يزيد لا يبعد ان يكون مسيحيًا من مشارقة النصارى خصوصًا و يزيد نفسه قد كلف كاهنًا مسيحيًا بتثقيف ولده خالد۔ وهذا ظاهرة تروج الى انه قد يكون تلقى العلم عند واحد منهم[2]

سے زائد مجہول ہوں ان کا کوئی علم نہیں اس تاریخی نقص پر عیسائی مستشرق لامنس نے بہت افسوس کیا ہے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ یہ بات بعید نہیں کہ یزید کے استاد عیسائی ہوں مشارقۂ نصاریٰ میں سے۔ خصوصًا جبکہ خود یزید نے اپنے بیٹے خالد کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مسیحی کاہن کو مقرر کیا تھا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نے ان (عیسائی استادوں) میں سے کسی سے علم حاصل کیا ہوگا۔

---

[1] معاویۃ از لامنس ص۳۵۹ [2] الآداب العربیہ (ھرار) ص۶۱

یزید مورخین و محققین کی نظر میں

یزید پر گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے سے پہلے چند مورخین اور اہل علم کے اقوال بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ابن اثیر مشہور مورخ ہے اس نے تاریخ الکامل میں اس واقعہ کو اور بھی صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

" یزید کے پاس ایک وفد بھیجا جس میں اہل مدینہ میں سے عبداللہ ابن حنظلہ غسیل الملائکہ۔ عبداللہ ابن ابی عمرو بن حفص ابن مغیرۃ المخزومی، منذر ابن زبیر اور کثیر التعداد اشراف شہر شامل تھے۔ وہ سب جب یزید کے پاس پہنچے تو یزید نے ان کی بہت عزت کی۔ ان سے حسن سلوک سے پیش آیا اور بڑے بڑے انعامات دیئے۔ چنانچہ اس نے عبداللہ حنظلہ کو جو ایک شریف النسب اور فاضل عابد شخص تھے ایک لاکھ درہم اور ان کے آٹھ بیٹوں کو جو ان کے ساتھ تھے دس ہزار درہم فی کس دیئے۔ وہاں سے وہ سب مدینہ واپس آ گئے۔ مگر منذر ابن زبیر عراق پہنچ کر ابن زیاد سے ملے۔ یزید نے ان کو بھی ایک لاکھ درہم انعام دیا تھا۔ غرضیکہ اس وفد کے افراد وہاں سے مدینہ واپس پہنچے تو انہوں نے لوگوں میں کھڑے ہو کر یزید کو سب و شتم کیا اور اس کی عیب جوئی کی اور کہا کہ ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہیں جس کا کوئی دین نہیں ہے وہ شراب پیتا ہے طنبورہ

بجاتا ہے، مغنی و مطرب اس کے پاس بیٹھے گاتے بجاتے رہتے ہیں، وہ کتوں سے کھیلتا رہتا ہے اور رات میں اُسکے پاس بد معاش جمع ہو کر غپ شپ کیا کرتے ہیں۔ ہم تمہارے سامنے گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اسے خلافت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ عبداللہ ابن حنظلہ غسیل الملائکہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں تمہارے ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں کہ اگر ان لڑکوں کے سوا میرے ساتھ کوئی اور نہ ہوتا تو میں ضرور اس سے جہاد کرتا۔"

"انہوں نے لوگوں سے (مدینہ آکر) کہا کہ یزید نے مجھے ایک لاکھ انعام دیا ہے مگر اس کا یہ احسان مجھے اس امر سے باز نہیں رکھ سکتا کہ میں تم کو اس کا حال سناؤں۔ خدا کی قسم وہ شراب پیتا ہے۔ بخدا اسے اس قدر نشہ ہو جاتا ہے کہ وہ نماز ترک کر دیتا ہے اور اسی طرح کی اور باتیں کر کر کے اپنے دیگر ہمراہیوں کے مانند نہایت سختی سے یزید کے عیوب ظاہر کئے"[1]

دینوری کی الاخبار الطوال میں لکھا ہے :-

استباح اھل الشام المدینۃ ثلاثۃ ایام بلیالیھا فلما کان الیوم الرابع جلس مسلم بن عقبۃ فدعاھم الی البیعۃ فکان اول من اتاہ یزید بن عبد اللہ بن ربیعۃ بن الاسود وجدتہ ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ مسلم بایعنی قال ابایعک علیٰ کتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مسلم بل بایع

اہل شام نے مدینہ میں تین دن رات اپنے لئے قتل و غارت مباح کر لیا جب چوتھا دن آیا تو مسلم بن عقبہ نے بیٹھ کر بیعت کے بلایا۔ پہلا آدمی جو اس کے پاس آیا یزید بن عبد اللہ بن ربیعہ بن الاسود تھا جو ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کا پوتا تھا اس سے مسلم نے کہا میری بیعت کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں تیری بیعت کتاب اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر

---

[1] تاریخ الکامل ابن اثیر جلد چہارم ترجمہ مولوی محمد جمیل الرحمٰن صاحب پروفیسر تاریخ اسلام جامعہ عثمانیہ ص ۲۲۵

علیٰ انکم فیٔ لامیر المومنین یفعل فی اموالکم وذمائکم ما یشاء فابیٰ ان یبایع علیٰ ذلک فا۔ فضرابت عنقہ
(الاخبار الطوال)

بیعت کرتا ہوں۔ مسلم نے کہا نہیں بلکہ اس اس بات کی بیعت کرو کہ تم امیر المؤمنین کا مال غنیمت ہو وہ تمہارے مال و اولاد کا جو چاہیں کریں۔ انہوں نے اس پر بیعت کرنے سے انکار کیا تو اس نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیدیا اور ان کو قتل کر دیا گیا

ہیتمی: اس مصنف کا نام شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی ہے یہ شارح بخاری ابن حجر عسقلانی سے مختلف شخصیت ہے۔ کثیر التصانیف ہے مگر اکثر ضعیف بلکہ موضوع احادیث تک اپنی کتابوں میں لانے کا عادی ہے۔ اس کی کتاب الصواعق المحرقہ سے یزید کے متعلق اس کے بیانات نقل کرنے کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مصنف اہل تشیع کا بڑا مخالف ہے۔ پس اس کی شہادت کی اس لحاظ سے خاص قدر و قیمت ہو جاتی ہے۔ اگر شیعوں کے مستند مخالف بھی یزید کے فسق و فجور کی شہادت دیں تو بڑا ثبوت اس کا ہے کہ یزید فاسق فاجر تھا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ یزید کے متعلق ابن حجر الہیتمی کے جو اقوال ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں وہ قابل اعتماد ماخذ میں بھی موجود ہیں۔

ابن حجر الہیتمی اپنی کتاب "الصواعق المحرقہ" میں لکھتا ہے:-

"امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ یزید سے حدیث کی روایت ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا "نہیں"

یہ قول امام ابن تیمیہ نے اپنے مقالہ "الوصیۃ الکبریٰ" میں لکھا ہے حالانکہ ابن تیمیہ یزید کے دفاع میں کافی دور تک جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے ہی امام احمد بن حنبل کا یہ قول بھی صالح بن احمد بن حنبل کی روایت سے لکھا ہے۔

قال صالح بن حنبل قلت لابی ان قوما یقولون انهم یحبون یزید قال یا بنی وهل یحب یزید احد یومن باللہ

صالح بن احمد حنبل نے کہا میں نے اپنے باپ سے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہیں یزید سے محبت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے بیٹے کیا کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا یزید

والیوم الآخر نقلت یا ابتی فلم اذا لاتلعنه قال یا بنی و متی سا ایت اباك یلعن احداً

سے بھی محبت کرسکتا ہے۔ میں نے کہا پھر آپ اُس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کہ تم نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے دیکھا ہے؟

امام احمد بن حنبل اسے بُرا تو سمجھتے تھے مگر انہوں نے اپنا یہ اصول بنا رکھا تھا کہ کیسا بھی فاسق و فاجر ہو اس پر نام کے ساتھ لعنت نہ کی جائے۔ چونکہ اس مسئلہ پر مفصل بحث آئے گی یہاں صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ امام احمد بن حنبل یزید کو حدیث روایت کرنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔"

تقریب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور کتاب اسماء الرجال میں ہے اس میں یزید کے متعلق حسب ذیل تصریح ہے :-

"یزید ابن معٰویۃ بن ابی سفیان الاموی ابوخالد ولی الخلافۃ سنۃ ستین ومات سنۃ اربع وستین ولم یکمل الاربعین ولیس باھل ان یروی عنہ من الثالثۃ۔"

(یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی ابو خالد سنہ ۶۰ھ میں خلیفہ ہوا - سنہ ۶۴ھ میں مر گیا۔ چالیس سال پورے نہیں کئے۔ وہ اس کا اہل نہیں تھا کہ اس سے روایت کی جائے ثالث طبقہ میں سے)

امام خزرجی کی کتاب خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جو اس فن کی متعدد کتابوں کا خلاصہ ہے اس میں یزید کے متعلق لکھا ہے۔

(تمیز) یزید بن معاویہ بن ابی سفیان ولی بعھد من ابیہ واستباح المدینۃ فلم یمھلہ اللہ تعالیٰ ھلک سنۃ اربع وستین

(تمیز) یزید بن معاویہ بن ابی سفیان باپ نے ولی عہد بنایا مدینہ میں قتل عام کی اجازت دی اللہ نے اس کو چھوڑا نہیں۔ سنہ ۶۴ھ میں مر گیا)

شاید قارئین تعجب کریں کہ اسماء الرجال کی کتاب میں یزید کے متعلق یہ کیسی عبارت ہے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کی روایتوں کا کچھ ذکر ہوتا اور یہ بتایا جاتا کہ کسی اہم کتاب حدیث میں یزید کی روایت لی گئی ہے اور وہ ثقہ ہے، یا غیر ثقہ، وغیرہ وغیرہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے ابتدائی لفظ "تمیز" میں یہ بتا دیا ہے کہ اس کی روایت کسی محدث نے نہیں لی - مصنف نے

کتاب شروع کرتے ہوئے کتب احادیث کے لئے حروف مقرر کر دیئے ہیں اور "تمییز" کا لفظ یہ بتانے کے لئے منتخب کیا ہے کہ کسی محدث نے یزید کی روایت نہیں قبول کی ہے۔

چونکہ بعض اصحاب نے ایک اردو کتاب کے حوالے اور عربی کتابوں کے نام بغیر حوالے پیش کر کے یزید کو راوی حدیث کا درجہ بھی دے دیا ہے اس لئے: خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال کے پہلے ہی صفحہ سے "تمییز" کی تشریح نقل کئے دیتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

ومن ذکر فی ھذا الکتاب ولیست — اور جس شخص کا ذکر تو اس کتاب میں آیا ہے
لہ روایۃ فی الکتب فالرمز — مگر اس کی کوئی روایت کتابوں میں (حدیث کی)
علیہ (تمییز) — نہیں ہے تو اس کے لئے پہچان لفظ "تمییز" ہے

حدیث کی جن کتابوں میں یزید کی کوئی روایت نہیں ہے ان کی فہرست کتاب کے پہلے ہی صفحہ پر موجود ہے۔ جو یہ ہے۔

صحیح بخاری۔ تعلیقات بخاری۔ جزء القرات در رفع یدین۔ الادب المفرد افعال العباد۔ مسلم۔ مقدمۂ مسلم۔ سنن ابی داؤد۔ مراسیل ابی داؤد۔ القدر — الناسخ والمنسوخ (ابو داؤد) سنن ابی داؤد۔ فضائل الانصار (ابو داؤد)۔ مسند احمد (ابو داؤد) مسند مالک، جامع الترمذی۔ شمائل ترمذی۔ سنن نسائی۔ کتاب عمل یوم ولیلہ النسائی خصائص علی۔ مسند مالک (نسائی) سنن (نسائی) سنن ابن ماجہ تفسیر ابن ماجہ

"تمییز" کا لفظ جس نام پر ہے اس کی کوئی روایت ان کتابوں میں نہیں لی گئی ہے۔ اس لیے کسی صاحب یا دائرۃ المعارف کا یزید کو راوی حدیث کی حیثیت سے پیش کرنا اور ستم بالائے ستم یہ کہ امام محمد باقر کو یزید کی روایت کا حامل بتانا بڑی عجیب بات ہے۔

ابن حجر عسقلانی کی مشہور عالم کتاب فتح الباری لشرح صحیح البخاری ہے اس کتاب میں یزید بن معاویہ کے فسق و فجور کی بلاواسطہ و بالواسطہ شہادت موجود ہے۔

نقد و نظر

چند اہم تاریخی مسائل کا تجزیہ

نامحمود مصنف کی کتاب خلافت کی کتاب خلافت یزید و معاویہ نے بحث و حکومت کا ایک نیا دروازہ کھول دیا ہے، اس سے جہاں ایک محدود، کم سواد، اور لاعلم طبقہ میں شور و تحسین و مرحبا بلند ہے، وہاں جمہور امت کی طرف سے انتہائی نفرت اور برہمی کا اظہار کیا جارہا ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ تحسین و مرحبا، اور نفرت و برہمی کا اظہار کیا جارہا ہے، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ تحسین و مرحبا، اور نفرت و برہمی کے شور سے تھوڑی دیر کے لئے الگ ہوکر مصنف کی تلبیس و تدلیس کا جائزہ لیا جائے، اور دیکھا جائے کہ اس نے حق کو چھپانے اور باطل کو اجاگر کرنے کی کیسی کیسی ناروا حرکتیں کی ہیں،

اس سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے اپنے قلم کو جنبشیں دی ہے، ان تحریروں میں اطب و یابس سب ہی کچھ ہے، لیکن کچھ تحریریں ایسی ہیں جو اپنے مغز، معنی، اور روح کے اعتبار سے جان سخن کہے جانے کے مستحق ہیں۔ کچھ تحریریں ایسی ہیں، جو اس سے بہت پہلے، نصف صدی پہلے، یا اس سے قبل و بعد کی تیار اور بالکل غیر جانب دارانہ فضا میں محض جذبہ تحقیق سے متاثر ہوکر لکھی گئی ہیں، اور ان میں خلافت معاویہ و یزید، خلافت علیؓ، امور اہل بیت، اور دوسرے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایسی بعض نہایت ضروری اور اہم تحریروں کی تلخیص ماخذ سمیت درج کرتا ہوں۔ اگلے صفحات میں جو مقالہ کہ نظر سے گذرے گا وہ حضرت نیاز کا ہے اور خوب ہے،

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی اندازِ قدم خوار ہوئے

علیؓ، معاویہؓ، یزید!

یزید کے بارے میں یہ گفتگو کہ وہ قابلِ لعنت ہے یا نہیں، کوئی نئی چیز نہیں، اب سے صدیوں پہلے ہمارے فقہاء اصول فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ پر گفتگو کر چکے ہیں اور اس باب میں اہلِ تسنن کا مسلک یہ ہے کہ: "لایجوز اللعنۃ علی الیزید" (یزید پر لعنت جائز نہیں) لیکن اس عدمِ جواز کا تعلق صرف اسی فقہی نظریہ سے ہے کہ اگر واقعی ان تمام معاصی کا مرتکب ہوا جو اس سے منسوب کئے جاتے ہیں تو بھی ہمیں اس پر لعنت بھیجنے کا کوئی حق حاصل نہیں، کیونکہ ایک خاطی و گنہگار مسلمان کی مغفرت خدا کی مرضی پر منحصر ہے اور ہم اس کے ناجی یا غیر ناجی ہونے پر کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ گو اس سلسلہ میں یہ منطقی لطیفہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ اگر یزید کو خدا بخش سکتا ہے تو اس پر لعنت بھیجنے والوں کو بھی بخش سکتا ہے اگر اس پر لعن کرنا واقعی گناہ ہے۔

یہ خیال کہ قتل عثمانؓ سے لے کر شہادت علیؓ تک تمام قتل و فساد کی ذمہ داری عبداللہ بن سبا۔ اور سبائی جماعت پر عاید ہوتی ہے میری رائے میں درست نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن سبا (ابن السوداء) صنعاء کا ایک یہودی تھا جو عثمانؓ کے عہد میں مسلمان ہوا۔ لیکن اس کا اسلام منافقانہ تھا۔ چنانچہ جب وہ حجاز، بصرہ، کوفہ ہوتا ہوا مصر پہنچا تو مخالفین عثمانؓ کی جماعت میں شامل ہو کر مدینہ آیا۔ اور جیسا کہ عباسی صاحب نے ظاہر کیا ہے جب حضرت علیؓ طالبین قصاص کے مقابلہ کے لئے بصرہ گئے تو یہ بھی مع اپنی پارٹی کے

ساتھ ساتھ تھا۔ اور جنگ صفین میں جب قرآن کے ذریعہ فیصلہ کا مطالبہ حضرت علیؓ نے مان لیا۔ تو یہ اپنی تمام پارٹی کے ساتھ علیؓ کا مخالف ہو گیا اور سخت فتنہ و فساد کا باعث ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن السوداء (اگر واقعی اس کا کوئی وجود تھا) حضرت علیؓ کے ساتھ بصرہ نہیں گیا۔ مورخین نے جنگ صفین کے سلسلہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا اس کی جماعت کے بعض افراد ضرور علیؓ کے ساتھ گئے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر نے آخر وقت تک آپ کا اتباع کیا۔ رفع مصحف کے وقت البتہ ان میں سے چند افراد خوارج کے ساتھ مل گئے۔ لیکن ابن السوداء کا ذکر نہ جنگ صفین کے سلسلہ میں کہیں نظر آتا ہے اور نہ خوارج کے سلسلہ میں۔

بلاذری نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کے ذکر میں کسی جگہ ابن السوداء کا نام نہیں لیا طبری اور اس کے بعد کے مورخین نے البتہ ایام عثمانؓ اور علیؓ میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے بعد پھر اس کا نام کہیں نظر نہیں آتا اور اسی بنا پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ:۔

"ابن السوداء لم یکن الّا وہماً وان وُجِد بالفعل فلم یکن ذا خطر کالذی صورہ المؤرخون نشاطہ ایام عثمان وفی العام الاول من خلافۃ علیؓ

(ابن السوداء وہم تھا اور اگر اس کا وجود تھا بھی تو وہ ایسا خطرناک نہ تھا جیسا کہ مورخین نے ایام عثمانؓ اور خلافت علیؓ کے پہلے سال کے ذکر میں ظاہر کیا ہے)

(۱) معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن السوداء کا وجود اہل تشیع کے مخالفین کا پیدا کیا ہوا تھا اور اس سے مقصود یہ تھا کہ شیعیت میں عنصر یہودیت کا شمول ظاہر کر کے اسے مطعون کیا جائے۔

(۲) دوسرا مسئلہ اور غالباً سب سے زیادہ اہم مسئلہ یزید کی جانشینی کا ہے لیکن اس پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس عہد میں منصب خلافت کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ صدر اسلام میں خلافت کو خاندانی یا موروثی حق سمجھنا بہت برا خیال کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کیا۔[1] حضرت عمرؓ نے باوجود اس کے کہ لوگوں نے آپ سے اصرار کیا کہ اپنے بعد اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ نامزد کریں لیکن انہوں نے نہیں مانا اور مسئلہ مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا ــــــ اسی طرح عثمانؓ کے ذہن میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی کہ کسی کو اپنا جانشین نامزد کریں۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ اچانک قتل ہوئے اور ان کو اس کی مہلت ہی نہ ملی تو یہ کہنا غلط ہوگا کیونکہ وہ بارہ سال تک خلیفہ رہے اور اس زمانہ میں اگر وہ چاہتے تو کسی کو اپنا جانشین نامزد کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی استخلاف سے انکار کیا اور جب صحابہؓ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا اترککم کما ترککم رسول اللہؐ "یعنی جس طرح رسول اللہؐ نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا میں بھی نہیں بنانا چاہتا لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں تو آپ نے فرمایا کہ "لاآمرکم ولا انھاکم" نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔

بہرصورت اول کے مسلمان وراثت خلافت کو بہت برا سمجھتے تھے کیونکہ وہ اکاسرہ وقیاصرہ کی تقلید تھی۔ لیکن معاویہ نے اس کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد معاویہ اور حسنؓ کے درمیان معاہدہ ہوا پہلے عہد نامے میں حسنؓ نے یہ شرط لکھی تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت ان کی طرف منتقل ہوگی۔ اور معاویہ نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔ دوسرے

---

[1] حضرات شیعہ کا خیال ہے کہ حجۃ الوداع کے وقت رسول اللہ کا یہ ارشاد کہ "من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ" یا "میری اور علی کی نسبت ہارون و موسیٰ کی سی ہے" یہی معنی رکھتا ہے کہ رسول اللہؐ نے اپنے بعد حضرت علی کو اپنا خلیفہ یا جانشین مقرر کر دیا تھا اور اس کی تائید میں وہ واقعہ قرطاس کو بھی پیش کرتے ہیں ہو سکتا ہے کہ رسول اللہؐ کا ذاتی رجحان یہی رہا ہو کہ میرے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں، لیکن آپ کا یہ الہامی فیصلہ نہ تھا اور قرآن کی کسی آیت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ رسول اللہؐ اگر اپنے مرض موت میں کاغذ و قلم طلب کر سکتے تھے تو وہ یہ ایک فقرہ بھی نہایت آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ "میرے بعد علیؓ جانشین ہوں گے"۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ اس قسم کی وحی آپ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور بات آپ کی ذاتی پسندیدگی کی حد سے آگے نہیں بڑھی۔

اصول خلافت ہی کو سرے سے بدل دیا اور خلافت وراثتاً منتقل ہونے لگی۔ ممکن ہے بعض حضرات امیر معاویہ کے اس اقدام کو جائز قرار دیں۔ لیکن مستحسن وہ بھی نہیں کہہ سکتے صحیح طریق کار یہ تھا کہ امیر معاویہ اپنی زندگی میں بالکل خاموش رہتے اور اپنی جانشینی کے مسئلہ کو مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیتے (جس کا انہوں نے عہد کیا تھا) لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کی خلافت خلفائے راشدین کی سی خلافت نہ تھی بلکہ اکاسرہ قیاصرہ کی سی امارت وحکومت تھی جسے انہوں نے بزور شمشیر حاصل کیا تھا اور انہیں اکاسرہ و قیاصرہ کی سنت کے مطابق وہ اسے اپنے خاندان سے باہر جانے دینا پسند نہ کرتے تھے اس لئے ان کا یزید کو اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین نامزد کرنا دنیاوی حکمران کی حیثیت سے تو کوئی نئی بات نہ تھی لیکن خلیفۂ مسلمین کی حیثیت سے ان کا یہ عمل (منصب خلافت کی روایات سابقہ کے پیش نظر) حقیقتاً نادرست تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومت دنیاوی حکومت میں تبدیل ہوگئی، جاہ واقتدار کے لئے آپس میں لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ اور جامعۂ اسلامی میں اختلال وانتشار پیدا ہو کر اس کی سالمیت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہ کا اکابر صحابہ میں شمار ہوتا ہوتا تھا، کاتب وحی ہونے کی خدمت بھی انہوں نے انجام دی تھی۔ حضرت عمر کی صحبت میں ان کی عہد جاہلیت کی ذہنیت بھی بہت کچھ بدل گئی تھی، لیکن تھے وہ بہرحال، اس باپ (ابوسفیان) کے بیٹے (جو اُحد وخندق میں رسول اللہؐ سے سخت معاندانہ لڑائی لڑے) اور اس ماں (ہند) کے فرزند جس نے حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر اپنا جذبۂ انتقام فرو کیا۔ پھر یوں بھی وہ اس قریشی خاندان کے فرد تھے جو عہد جاہلیت میں اپنی سنگدلی، درشت مزاجی اور انتقام پسندی کے لحاظ سے کافی بدنام تھا۔ اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ امیر معاویہ اس خاندانی خصوصیات سے بالکل محروم رہتے۔ چنانچہ تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل میں ہر ممکن سختی سے کام لیا اور کسی عہد وپیمان کی بھی پروا نہ کی۔

حسنؓ سے دو عہد کئے تھے، ایک یہ کہ وہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کریں گے دوسرے یہ کہ وہ علویین کے خلاف کسی انتقامی جذبہ سے کام نہ لیں گے، لیکن اس عہد کو بھی

عہد نامہ میں حسنؓ نے ولی عہدی کے مسئلہ کو شوریٰ پر چھوڑ دیا اور خود اپنی ولی عہدی کا کوئی ذکر اس میں نہیں کیا۔ معاویہؓ نے اس کو بھی تسلیم کر لیا۔ اس لئے معاویہؓ پر یہ الزام تو قائم نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے بعد حسنؓ کی خلافت کو تسلیم کر لینے کے باوجود یزید کی خلافت کی کوشش کی کیونکہ دوسرے عہد نامے کی رو سے پہلا عہد نامہ منسوخ ہو چکا تھا، لیکن امیر معاویہؓ پر دوسرے عہد نامہ کی خلاف ورزی کا الزام اس اعتبار سے ضرور قائم کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے کی خلافت کی کوشش کی حالانکہ طے یہ پایا تھا کہ معاویہ اپنی زندگی میں نہیں بلکہ اپنے مرنے کے بعد جانشینی کے مسئلہ کو شوریٰ پر چھوڑ دیں گے ہر چند اس نامزدگی کے لئے انھوں نے رسماً یہ ضرور کیا کہ مختلف صوبوں کے وفود طلب کر کے ان کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا اور ان کی رضامندی حاصل کی۔ لیکن اس کا ایک سبب یہ تھا کہ امیر معاویہ ایسا چاہتے تھے اور ان کی رائے سے اختلاف کی جرأت کس کو ہو سکتی تھی تمام عمال اچھی طرح سمجھتے تھے کہ معاویہ کی خواہش کے خلاف قدم اٹھانا امارت و سیادت کو ہاتھ سے کھو دینا ہے اس لئے جتنے وفود نے یزید کی نامزدگی کی تقریب میں شرکت کی ان کی رائے پہلے ہی سے خریدی جا چکی تھی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ اس وقت اکثر صوبے امویین کے زیر اقتدار تھے اور وہاں کے عمال سمجھتے تھے کہ یزید کا زمانہ ان کے لئے اور زیادہ سازگار ثابت ہوگا۔

بہرحال اس میں شک نہیں کہ جہاں جہاں اموی اثرات قائم تھے وہاں وفود نے یزید کی جانشینی کے حق میں رائے دیدی۔ لیکن حجاز بالکل علیحدہ رہا۔ پھر چونکہ امیر معاویہؓ یہ جانتے تھے کہ جب تک اہل حجاز کی رائے نہ حاصل کر لی جائے مزید کی کارروائی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے وہ خود وہاں گئے اور تخویف و طمع سے بعض اکابر قریش کو راضی بھی کر لیا۔ لیکن حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آخر وقت تک اس نامزدگی کے مخالف رہے اور انھوں نے یزید کی جانشینی کو تسلیم نہیں کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب اور تمام صوبوں نے اس نامزدگی کو تسلیم کر لیا تھا یہاں تک کہ اکثر اکابر حجاز نے بھی۔ تو چند نفوس کے انکار سے کیا ہو سکتا ہے اکثریت تو یزید ہی کے حق میں [illegible] انکار ممکن نہیں کہ امیر معاویہ کا یہ طرز عمل ایک ایسی بدعت تھی جس

"الارض للہ وانا خلیفۃ اللہ فما اخذت فلی وما ترکتہ للناس فبالفضل منی"

(زمین خدا کی ہے اور میں خدا کا نائب ہوں، جو کچھ میں لیتا ہوں وہ میرا ہے اور جو میں لوگوں کے لیے چھوڑ دیتا ہوں وہ محض میری مہربانی ہے)

بعد کو یزید نے بھی اسی پالیسی پر عمل کیا ایک بار عبداللہ بن جعفر یزید کے پاس گئے تو یزید نے پوچھا میرے باپ کے زمانے میں آپ کو کتنا وظیفہ ملتا تھا، بولے "دس لاکھ درہم"۔ یزید نے کہا میں دو چند کئے دیتا ہوں۔ عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ اس سے قبل میں نے کسی سے نہیں کہا تھا کہ میری تنخواہ اتنی کم ہے۔" یہ سن کر یزید نے کہا" میں اس کو چار چند کئے دیتا ہوں" یہ سن کر بعض نے اعتراض کیا تو یزید نے کہا کہ یہ رقم ایک شخص کو نہیں بلکہ سارے مدینہ کو دی گئی ہے (عقدالفرید)۔

امیر معاویہ اور ان کے جانشینوں کے اسی بیجا اسراف کا نتیجہ تھا کہ انہیں ہمیشہ روپیہ کی شدید ضرورت رہتی تھی اور وہ گورنروں کو حکم لکھ دیا کرتے تھے کہ جس طرح ممکن ہوا اتنا روپیہ بھیج دیا جائے اور بے چون وچرا اس کی تعمیل ہوتی تھی۔ نہ صرف اس لئے کہ ان کی گورنری کا انحصار اس پر تھا، بلکہ اس لئے بھی کہ اس طرح انہیں خود بھی لوٹ مار اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کا موقع ہاتھ آجاتا تھا جو اکابر بنی امیہ کی معاشرت کا جزو بن گئی تھی۔ برخلاف اس کے حضرت عمر کے زمانے کو دیکھئے جب بیت المال تمام مسلمانوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور ممکن نہ تھا کہ خلیفہ یا گورنر مقررہ رقم سے ایک پیسہ زیادہ لے سکے حضرت ابوبکرؓ کا وصال ہوا تو آپ کے پاس صرف ایک دینار تھا، حضرت عمرؓ کو ضرورت ہوتی تو بیت المال سے قرض لیتے اور ایک ایک درہم واپس کر دیتے۔ حضرت علی کی عسرت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک کرتا جسم پر ہوتا اور آپ سردی سے کانپنے لگتے، انکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپ کچھ کھجوریں لئے جا رہے تھے، لوگوں نے کہا ہمیں دیدیجیے ہم پہنچا دیں۔ لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس غیر جمہوری وغیر اسلامی انقلاب کی بنیاد حضرت عثمانؓ کے

توڑا اور محض شک و شبہ پر سینکڑوں علوئین کو تہ تیغ کر دیا یہاں تک کہ حجر بن عدی ایسے عظیم المرتبت صحابی و مجاہد بھی ان کے ہاتھ سے نہ بچ سکے۔ اور یہ ایسا دلدوز واقعہ تھا کہ خود ان کے افراد خاندان نے بھی اسے حد درجہ قابل اعتراض قرار دیا۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ معاویہ نے ایک دن نماز کو بہت طول دیا تو ان کی بیوی نے کہا "ما احسن صلاتک یا امیر المومنین لولا انک قتلت حجر او اصحابہ" اے امیر المومنین آپ کی نماز کتنی اچھی ہوتی اگر آپ نے حجر اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک نہ کیا ہوتا۔

مورخین کا بیان ہے کہ خود معاویہ کی زندگی آخری ساعتیں بھی نہایت کرب و اضطراب میں گذریں کیونکہ ان کا ضمیر قتل حجر پر ان کو ملامت کر رہا تھا۔

پھر ان کی کامیابیوں کا سبب صرف یہ نہ تھا کہ وہ بڑے سخت گیر انسان تھے بلکہ وہ مدبر بھی اتنے ہی بڑے تھے اور فریق مخالف کو رام کرنے یا اس کے خطرات کو دور کرنے کے لئے وہ بڑی سے بڑی فیاضی و مراعات سے دریغ نہ کرتے چنانچہ حسنؓ حسینؓ اور تمام اکابر علوئین کی امداد اس لئے نہ کرتے تھے کہ انہیں اس کا مستحق سمجھتے تھے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ کوئی مخالفانہ قدم نہ اٹھائیں اور اس طرح اموی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہوتی جائیں۔

ایک بار حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب نے علی سے کچھ امداد چاہی آپ نے حسنؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے چچا کے ساتھ بازار جاؤ اور انہیں ایک جوڑا کپڑا اور جوتا خرید دو۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کے بعد جب عقیل معاویہ کے پاس گئے تو انہوں نے ایک لاکھ درہم بیت المال سے نکال کر دیدیئے۔

خلفائے راشدین میں سے کسی نے خلافت تلوار سے حاصل نہیں کی اور نہ اسے اپنی اولاد میں منتقل کیا لیکن معاویہ نے خلافت تلوار سے حاصل کی بیت المال کو لٹا کر حاصل کی۔ اور اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا کر خلافت اسلامی کی روح کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔ امیر معاویہ بیت المال کو مسلمانوں کا مال نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اپنی مقصد براری کے لئے جس طرح چاہتے صرف کرتے۔ ایک بار جب صعصعۃ ابن صوحانی نے اعتراض کیا تو امیر معاویہ نے کڑک کر کہا کہ :-

ہاتھ پر بیعت کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی تو یقیناً ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے کیونکہ اس کے معنی بھی یہی تھے۔ گویا انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حسینؓ نے ڈر کر یہ بہانہ جان بچانے کا ڈھونڈا تھا تو کیا وہی خوف انہیں ابن زیاد کی بیعت کرنے پر مجبور نہ کر سکتا تھا جبکہ وہ سمجھتے تھے کہ بصورت انکار نتیجہ ہلاکت کے سوا کچھ نہیں علاوہ اس کے سب سے بڑا سبب اس روایت کے غلط قرار دینے کا یہ ہے کہ حسین کا کردار ہی یہ نہ تھا کہ وہ کسی خوف سے اپنے ضمیر کے خلاف کوئی بات کہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد، حسینؓ کی شرطیں سن کر کچھ نرم پڑ گیا تھا لیکن شمر بن ذی الجوشن نے ابن زیاد کو سمجھایا کہ دیکھو کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو، ورنہ اگر حسین کو چھوڑ دیا تو کل وہ پھر خروج کریں گے اور لوگ ان کا ساتھ دیں گے۔ یہ بات ابن زیاد کی سمجھ میں آگئی۔ اور پھر اس نے وہی کیا جو ایک پست فطرت انسان کر سکتا ہے۔ اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا مردانہ خصائل رکھنے والا انسان ہوتا تو کبھی گوارا نہ کرتا کہ ہزاروں کا لشکر لے کر بہتر نفوس کے مقابلہ میں آئے اور تمام عمر کے لئے اپنی بزدلی و کمینگی پر مہر دوام ثبت کر جائے۔

پھر اس واقعہ کے سلسلے میں لڑائی کے جو تفصیلی واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ ممکن ہے مبالغہ سے خالی نہ ہوں۔ اور واقعیت سے کچھ دور ہوں لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ قتل حسینؓ کے بعد اس نے یقیناً آپ کے جسد مبارک کی بے حرمتی کی۔ آپ کے سر کو نیزے پر بلند کیا اور پھر یزید کے پاس بھیج دیا کیونکہ امویین کے زمانہ میں دشمنوں کے سروں کو تمام ملک میں مشتہر کرنا عام دستور ہو گیا تھا اور اس کی ابتدا عمرو بن الحمق الخزاعی کے سر سے ہوئی تھی۔ جو شہادت عثمانؓ کے الزام میں قتل کیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب واقعہ جسے ابن خلکان نے بیان کیا۔ سننے کے قابل ہے جب مصعب ابن زبیر کا سر عبدالملک اموی کے سامنے لایا گیا تو وہ کوفہ میں اپنے بالاخانے پر بیٹھا تھا۔ ابن عمیر بھی وہیں موجود تھے یہ دیکھ کر وہ کانپ اٹھے۔ عبدالملک نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ محفوظ رکھے اسی بالاخانے پر عبیداللہ ابن زیاد کے ساتھ بیٹھا تھا کہ حسینؓ کا سر اسی طرح لایا گیا اس کے بعد میں مختار ابن ابی عبیدہ کے ساتھ یہیں بیٹھا

بھی وہی امویین کی عسکری قوت تھی جس کا مقابلہ اہل کوفہ کیا خود مکہ مدینہ والے بھی نہ کر سکتے تھے
چنانچہ جب حسینؓ نے کوفہ جانے کا قصد کیا تو آپ کے بعض بزرگوں اور خصوصیت کے
کے ساتھ ابن عباس نے کہا تم یہ کیا کر رہے ہو۔ لیکن آپ نہیں مانے۔ کیونکہ انہیں کوفہ
کی اعانت پر اعتماد تھا اور انہیں یقین تھا کہ کم از کم کوفہ پر تو ان کا قبضہ ہو ہی جائے گا اور پھر
اسے مرکزِ خلافت قرار دے کر اور آگے بڑھیں گے لیکن کوفہ والوں کی غدر وغداری اور مسلم
بن عقیل کے قتل کا علم انہیں اس وقت ہوا جب وہ کوفہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور عبید اللہ ابن زیاد
نے جسے یزید نے نعمان بن بشیر کی جگہ اسی غرض سے کوفہ کا حاکم بنایا تھا، ان کے لئے تمام راہیں
بند کر دیں تھیں۔

ظاہر ہے کہ حسینؓ کے سامنے اس وقت جنگ کا کوئی سوال نہ ہو سکتا تھا وہ اچھی طرح
سمجھتے تھے کہ ان حالات میں جب کہ ہزاروں کا لشکر ان کو گھیرے ہوئے ہے مقابلہ کرنا جان بوجھ
کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اسی لئے انہوں نے ابن زیاد سے کہہ دیا کہ میں تم سے جنگ
کرنا نہیں چاہتا بلکہ حجاز واپس جانا چاہتا ہوں اور اگر تم کو یہ منظور نہ ہو تو پھر مجھے ان جیوش
اسلامی سے مل جانے دو جو سرحدی علاقوں میں دشمنانِ اسلام سے بر سر پیکار ہیں یا پھر مجھے دمشق
جانے دو تاکہ میں خود یزید سے مل کر گفتگو کر لوں۔ اس آخری شرط کے الفاظ بعض
مورخین نے یہ لکھے ہیں "ان اضع یدی فی ید یزید" یعنی مجھے دمشق جانے دو تاکہ میں
یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں۔ اور اگر اس کو صحیح سمجھ لیا جائے تو پھر یہ روایت بھی صحیح ماننا
پڑے گی کہ ابن زیاد نے حسینؓ سے سننے کے بعد کہا کہ "یزید کی بیعت تم میرے ہاتھ پر بھی کر سکتے ہو"
لیکن حسینؓ نے اسے منظور نہیں کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ حسینؓ نے ابن زیاد سے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں یزید کے "ہاتھ پر بیعت
کر لوں گا" بلکہ صرف یہ کہا کہ مجھے دمشق یزید کے پاس جانے دو۔ پھر وہاں جیسا ہو گا ہو جائیگا
(یکون ما یکون)۔

اس روایت کو تسلیم نہ کرنے کے کئی اسباب ہیں ایک یہ کہ اگر حسینؓ یزید کی بیعت مناسب
سمجھتے تو وہ خروج ہی کیوں کرتے، دوسرے یہ کہ اگر انہوں نے ابن زیاد سے دمشق جاکر یزید کے

تھا کہ عبید اللہ بن زیاد کا سر اسی طرح پیش کیا گیا اس کے بعد مصعب ابن زبیر کے ساتھ بیٹھا تھا
کہ مختار ابن ابی عبیدہ کا سر اسی طرح لایا گیا۔ عبد الملک یہ سن کر خوف زدہ ہو گیا اور اس نے
اس بالاخانے کو منہدم کرا دیا۔

اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ امویین کے زمانہ میں سروں کی تشہیر کا عام دستور تھا
بلکہ یہ بھی کہ واقعہ کربلا کے بعد حسینؓ کے سر کی بھی اسی طرح تشہیر کی گئی اور تمام بے حرمتیاں روا رکھی
گئیں۔ جس کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یزید یہ نہیں چاہتا تھا کہ حسینؓ کو قتل کر دیا جائے۔
اور ابن زیاد نے یہ حرکت یزید کی مرضی کے خلاف کی تھی۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ
اگر ابن زیاد نے یہ سب کچھ یزید کی مرضی کے خلاف کیا تھا تو چاہیئے تھا کہ یزید اس سے باز پرس
کرتا اس کی سرزنش کرتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی عزت و توقیر میں اور اضافہ ہو گیا
حقیقت یہ ہے کہ یزید خود چاہتا تھا کہ حسین کا کانٹا ہمیشہ کے لئے اس کی راہ سے ہٹ جائے
کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آج نہیں کل ضرور حسینؓ اس کے خلاف خروج کریں گے اور اس کی حکومت
متزلزل ہو جائے گی۔ پھر اس کو چھوڑیئے کہ حسینؓ رسول اللہ کے نواسے اور علیؓ کے فرزند تھے
کیونکہ امور دین میں نسبی بلندی اور وراثتی استحقاق کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز ذاتی کیرکٹر اور فطری
صلاحیت ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر عباسی صاحب کو اپنی رائے قائم کرنا تھی لیکن انہوں نے
ایسا نہیں کیا۔

کیا میں ان سے پوچھ سکتا ہوں کہ اگر حسینؓ و یزید میں سے کسی ایک کی خلافت کی بابت ان
کی رائے طلب کی جاتی تو کیا وہ یزید کے حق میں رائے دیدیتے۔ کیا وہ حسینؓ سے کٹ کر یزید کے
ہاتھ میں ہاتھ دیدیتے۔ یقیناً وہ ایسا نہ کرتے کیونکہ جس حد تک خالص اسلامی زندگی کا تعلق ہے
حسینؓ بالیقین یزید سے بدرجہا بہتر مسلمان تھے۔ جس سے ان کو بھی انکار نہ ہوگا۔ اور یہیں سے
یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ معاویہ کے بعد بہ نسبت یزید کے حسینؓ زیادہ مستحق خلافت تھے
اور اگر حسینؓ نے خلافت یزید کو تسلیم نہیں کیا تو یہ ان کے ضمیر کی صداقت و جرأت تھی اور اس
کے خلاف ان کا خروج اسلامی فرض تھا جسے انہوں نے پورا کیا اور اس طرح پورا کیا کہ اس کی دوسری

مثال تاریخ اسلام میں ہم کو نہیں ملتی۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں یہ ظاہر کیا ہے کہ حضرت علیؓ کا عہدِ خلافت مثال ناکام عہد خلافت تھا اور ان کے لب ولہجہ سے مترشح ہوتا ہے کہ اس ناکامی کا سبب یہ تھا کہ علی خلافت کے لئے کچھ موزوں نہ تھے اور انہوں نے جو سخت گیر پالیسی اختیار کی وہ صحیح نہ تھی۔ اس پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھا جائے۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد (جیسا کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں) حضرت علیؓ منصب خلافت سنبھالنے پر بہت متردد تھے اور مجبوراً لوگوں کے انتہائی اصرار پر آپ نے خلیفہ بننا منظور کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اموئین اکثر حصۂ ملک پر چھائے ہوئے ہیں اور تعلیم اسلام کے بالکل منافی ایک ایسا دور حکومت شروع ہو گیا ہے جس کا مقصود زیادہ تر جبر و سختی سے دولت حاصل کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا ہے اسی کے ساتھ آپ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ شام اور تمام اطراف ملک میں امیر معاویہ کا زبردست اقتدار قائم ہو چکا ہے جس کا مقابلہ آسان نہیں، کیونکہ امیر معاویہ کا طریق کار (جس سے انہوں نے کامیابی حاصل کی (خود انہی کے مطابق) یہ تھا کہ:۔

"میں اپنی تلوار نہیں اٹھاتا جب تک کوڑا کام دیتا ہے اور میں کوڑا نہیں اٹھاتا جب تک میری زبان کام دیتی ہے اگر میرے اور لوگوں کے درمیان صرف دھاگے کا رشتہ قائم ہو تو اسے بھی ٹوٹنے نہیں دیتا کیونکہ جب وہ اپنی طرف کھینچتے ہیں تو میں ڈھیلا چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جب وہ ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں تو میں اپنی طرف کھینچ لیتا ہوں۔"

اور حضرت علیؓ کے پاس صرف کوڑا تھا اور تلوار۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو امیر معاویہ کی داد و دہش کی بدولت شاہانہ زندگی بسر کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ نان جویں کھانے والے خلیفہ کی طرف کیونکر مائل ہو سکتے تھے لیکن آپ نے مطلق پرواہ نہیں کی اور فیصلہ کر لیا کہ نتیجہ خواہ کچھ ہو۔ اپنے ضمیر کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں گے آپ سے لوگوں نے کہا بھی کہ فی الحال معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دیجئے۔ لیکن آپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں دو دن کے لئے معاویہ کو برسر اقتدار نہ رہنے دوں گا۔"

ظاہر ہے کہ معاویہ کی طرف سے اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا وہ یہ کہ علیؓ کی خلافت کو کامیاب نہ ہونے دیں اور یہی انہوں نے کیا۔

اس مسئلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ امیر معاویہ ایسے زبردست مدبّر اور سیاستدان کے مقابلہ میں علیؓ کا ان کے خلاف قدم اٹھانا مصالح سیاست کے خلاف اور فراست و دانائی سے دور تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا وہ نہ صرف دینی بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بالکل درست و ضروری تھا۔

اگر یہ صحیح ہے کہ معاویہ کا دور امارت عہد نبویؐ و عہد فاروقی کے دور خلافت سے مختلف تھا اگر یہ صحیح ہے کہ اموی عمال عدل و انصاف سے ہٹ کر ظلم و تعدی کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے اگر یہ صحیح کہ اسلام کی حقیقی روح اس دور میں مٹتی جا رہی تھی۔ تو پھر یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کا اس کے خلاف قدم اٹھانا ان کا دینی فریضہ تھا جلد سے جلد اس کا استیصال ہونا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت علی جانتے تھے کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا اموی اقتدار کی جڑیں اور مضبوط ہوتی جائیں گی اور اسلامی تعلیم سے لوگ اور زیادہ دور ہوتے جائیں گے اس لئے حضرت علی پر یہ الزام قائم کرنا کہ انہوں نے اس باب میں عجلت پسند پالیسی سے کام لیا قطعًا نادرست ہے کیونکہ ان کی اسی عجلت پسند پالیسی کا نتیجہ تھا کہ صفین میں عساکر معاویہ کے قدم اکھڑ گئے اور اگر "رفع مصحف" کی چال کامیاب نہ ہوتی تو امیر معاویہ کی امارت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی تھی۔

اس کے بعد بھی حضرت علی بدستور اپنے عزم پر قائم رہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اگر ابن ملجم نے آپ کو شہید نہ کر دیا ہوتا تو آپ اپنے مقصد میں ناکام رہتے۔ آپ کو وقت ہی کتنا ملا۔ ذی الحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے اور رمضان ۴۰ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ پورا پانچ سال کا زمانہ بھی آپ کو نہ ملا لیکن اس قدر مختصر مدت میں بھی آپ نے باوجود حد درجہ نامساعد حالات کے روایات اسلامی کو برقرار رکھنے کی جتنی کوشش کی وہ آپ اپنی نظیر ہے۔

ملاحظات و شذرات

فکرِ نامحمود کی کوتاہیاں اور بوالعجبیاں

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا شمار اپنی قدامت اور بزرگی کے اعتبار سے، متحدہ ہندوستان کے مایۂ ناز دینی مراکز میں ہوتا ہے، اصحاب دارالعلوم، اپنے توازن فکر، اصابت رائے، اور تحقیقی کارناموں کے باعث نہ صرف برصغیر میں بلکہ عالم اسلام میں منفرد اور یکتا مانے جاتے ہیں، ناممود مصنف کی کتاب جو معاویہ اور یزید کے عہد خلافت پر شائع ہوئی ہے، اس پر ایک فاضل ندوی، مولانا محمد ادریس نگرامی نے جو تحقیقی گرفت کی ہے۔ وہ اہل علم اور اصحاب فکر کے لئے مستحق غور و تامل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے کس کس طرح تلبیس سے کام لیا ہے، اس کتاب پر نہ جانے کیوں اور کیسے صدق میں کچھ ایسی تحریریں نکل گئی تھیں جن سے مصنف کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ مولانا ادریس کا یہ جواب صدق ہی میں شائع ہوا تھا، !

مآخذ اور مصادر کی جانچ

دارالعلوم کے تدریسی مشاغل کی وجہ سے فرصت کم ملتی ہے لیکن موقع نکال کر میں نے کتاب خلافت معاویہ اور یزید کے بعض حوالوں کو اصل ماخذ سے ملایا تو حیرت ہی ہوگئی۔ کسی مسئلہ پر بحث و تنقید کے سلسلے میں بے حد شرمناک بات ہے کہ دوسرے مصنفین (بالخصوص جو امت کے معتمد علیہ ہیں) کی عبارتوں کو غلط طریقہ سے پیش کیا جائے یا قطع و برید کر کے اپنے حسب مطلب فقروں کو لے لیا جائے اور بقیہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔ افسوس کہ عباسی صاحب نے یہی روش اختیار فرمائی ہے۔

میں نے ازالۃ الخلفاء اور البدایہ والنہایہ کے بعض مقامات کو ملا کر دیکھا تو بیحد تکلیف ہوئی۔ چند مثالیں پیش کرتا ہوں مصنف نے کتاب کے صفحہ ۵۲ پر اموی خلافت کے پس منظر کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت نقل کی ہے جس انداز سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے اس کے نتیجہ میں پڑھنے والے پر لازمی طور سے یہ اثر پڑے گا کہ یہ شاہ صاحب کی اصل رائے ہے حالانکہ صورت حال یہ نہیں ہے مصنف کی کتاب خلافت معاویہ اور یزید کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک موقع پر ازالۃ الخفا میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواتر مردیہ بطرق متعدد بیان فرمودند کہ امت بر حضرت مرتضیٰ جمع نہ شود" لکھا ہے کہ

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل وعقد عن اجتہاد نصیحۃً للمسلمین بیعت نہ کردہ (ازالۃ الخفا ص ۲۷۹ ج ۲)

خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے ان سے بیعت نہیں کی -

یہ مصنف خلافت معاویہ ویزید کی اصل عبارت ہے! اب غور فرمائیں کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ اور شاہ صاحب کی عبارت کس سلسلے کی ہے؟ امر واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے پہلے تو اس دلیل کو ذکر فرمایا ہے جس کی بنیاد پر حضرت مرتضیٰ کی خلافت کا انعقاد تسلیم کیا جاتا ہے اس کے بعد حضرت عائشہ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بیعت نہ کرنے کو ان کی خطائے اجتہادی قرار دیا ہے۔ یہ خطائے اجتہادی کس بنیاد پر ہوئی؟ اس سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے ایک شبہ کی بنا پر بیعت نہ کی اور نفس شبہ کے متعلق شاہ صاحب کا خیال یہ تھا کہ

ہر چند دلیل دیگر ارجح ازوے بود

(اگر اس شبہ کے مقابلہ میں دوسری دلیل زیادہ راجح تھی)

ان حضرات کو جن وجوہ سے یہ شبہ پیش آیا ان میں ایک وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا خیال تھا کہ خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد الخ

بات صاف یہ ہے کہ یہ فقرہ کہ خلافت برائے حضرت قائم نہ شد الخ شاہ صاحب کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ بیعت نہ کرنے والوں کو جو شبہ پیش آیا تھا اس کی ایک وجہ ہے جس کو عباسی صاحب نے غلط انداز سے پیش کیا ہے۔ (۲) بالکل اسی طرح صفحہ تین پر قصاص سیدنا عثمانؓ کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب کی عبارت جس انداز سے نقل کی گئی ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی سیدنا حضرت علیؓ قصاص سے مانع ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ وہاں بھی یہی صورت ہے کہ شاہ صاحب نے حضرت عائشہؓ حضرت طلحہ وغیرہ کے بیعت نہ کرنے کی خطاء اجتہادی کی بنیاد جس شبہ کو قرار دیا ہے اس کی دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضےٰ قادر ست۔ الخ

ظاہر ہے کہ ان دونوں موقعوں پر شاہ صاحب بیعت نہ کرنے والوں کی طرف سے عذر بیان فرماتے ہیں اپنا خیال نہیں ظاہر فرماتے ہیں اور مصنف کتاب خلافت معاویہ و یزید نے ان عبارتوں کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ گویا یہ شاہ صاحب کا ذاتی خیال ہے (۳) صفحہ ۸۱ پر یزید کی بیعت کے سلسلے میں مصنف نے ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۸۰ کی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:

فانعقدت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید۔

(تمام شہروں میں یزید کی بیعت ہو گئی اور یزید کے پاس ہر سمت سے وفود آئے)

اسی سلسلے میں عباسی صاحب نے کہا ہے کہ ہر علاقے کے لوگوں نے بطیب خاطر یزید پر بیعت لی، ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے کہ فانعقدت سے پہلے کوئی فقرہ ضرور موجود ہے جس کا تعلق فا تعقیب کے فقرہ سے ہے اب ملاحظہ فرمائیے کہ وہ فقرہ کیا ہے۔ ابن کثیر کی پوری عبارت یہ ہے

ثم خطب معاویۃ وھؤلاء حضور تحت منبرہ وبایع الناس لیزید وھم قعود ولم یوافقوا ولم یظھروا خلافا لما تھددھم وتوعدھم فانعقدت البیعۃ لیزید۔

پھر امیر معاویہ نے خطبہ دیا اور یہ لوگ موجود تھے۔ لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ لوگ بیٹھے تھے نہ موافقت کی اور نہ اختلاف کیا اس لئے کہ ان کو دھمکی دی گئی تھی۔ پس یزید کی بیعت ہو گئی۔

عباسی صاحب کی دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ العقدت والا فقرہ تو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اسی سے متعلق پہلے کا فقرہ جو ان کے مقصود کے خلاف پڑتا ہے اس کو صاف حذف کر جاتے ہیں بعینہ یہی صورت ص۹۱ پر بھی اختیار کی ہے۔ یزید کے متعلق ابن کثیر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرامۃ والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرای فی الملک وکان ذا جمال وحسن المعاشرۃ۔

یزید میں علم فصاحت، شعر، بہادری امور مملکت کے سلسلے میں اچھی رائے وغیرہ کے

غلطہائے مضامین

خلافت معاویہ ویزید کے نامحمود مصنف نے اپنی کتاب میں عجیب وغریب تکنیک سے کام لیا ہے، کہیں حوالے غلط ہیں، کہیں سیاق وسباق غلط ہیں، کہیں مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کردیا ہے، کہیں مطلب کا کوئی ٹکڑا لے لیا ہے، اور کہیں وہ شہادت ضائع کردی ہے جو مزعومات کے خلاف پڑتی ہے۔ غرض چند سو صفحات کا یہ مجموعہ درحقیقت غلطی ہائے مضامین کا مجموعہ ہے۔

اس کتاب کے بعض مباحث پر میرے محترم اور کرم فرمائے حافظ علی بہادر خان ایم۔ایس سی علیگ مدیر "دور جدید" دہلی نے بھی داد تحقیق دی ہے، اس کا ایک حصّہ خاص طور پر غور طلب ہے جو میں اگلے صفحات میں پیش کرتا ہوں، !

خصائل محمودہ تھے۔

یہاں پہنچکر عباسی صاحب نے قلم روک لیا حالانکہ انھیں ابن کثیر نے اسی عبارت کے معًا بعد یہ عبارت بھی لکھی ہے۔

وکان فیہ ایضا اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوٰۃ فی الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات۔

اور اسی طرح اس کے اندر شہوات کا خاصا میلان موجود تھا وہ نماز بھی بعض اوقات چھوڑ دیا کرتا تھا۔

یہ نے صرف چار مثالیں پیش کی ہیں اور اب تو یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ اگر دوسرے حوالوں کو بھی اصل سے ملایا جائے تو شاید مزید دردناک انکشافات ہوں۔ بہر حال جب مصنف کی دیانت کا یہ حال ہے تو جب تک ہر حوالہ کو اصل ماخذ سے نہ ملایا جائے کتاب کا جو مرتبہ رہ جاتا ہے ظاہر ہے اس کے ماسوا حضرت سیدنا علیؓ کے متعلق عباسی صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، اعتقادی حیثیت سے وہ بھی خطرناک ہیں۔ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محض تاریخ کے پیمانہ سے نہیں ناپ سکتے ہیں۔

ان کے متعلق ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحیح اور قابل اعتماد ذخیرہ موجود ہے۔ اس لئے ان کی حیثیت اعتقادی اور مذہبی بھی ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے ہم ان حضرات کو معصوم نہیں مانتے ہیں لیکن ان کو عام انسانی سطح پر بھی نہیں لایا جا سکتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کے اثرات اگر ان پر نہیں پڑے اور یہ حضرات عام سطح سے بلند نہیں ہو سکے تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ انسانوں کا وہ کونسا گروہ ہے جس نے اس آفتاب نبوت سے واقعی روشنی حاصل کی!؟

استدراک

کراچی سے ایک کتاب خلافت معاویہ ویزید لکھی گئی ہے جس کا موضوع بہت ہی سنسنی خیز ہے اس میں واقعہ کربلا کو ایک انوکھے نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے اور وہ چیز ثابت کی گئی ہے جو آج تک ثابت نہیں کی گئی تھی۔ یعنی یہ کہ یزید کی خلافت بھی اسی طرح کی مسلمہ خلافت تھی جیسے اس سے پہلے کی خلافتیں تھیں۔ کیونکہ اس معاملے میں بھی ارباب حل وعقد نے اس طرح اتفاق کر لیا تھا جیسا ان خلافتوں کے لیے۔ اس صورت میں لامحالہ حضرت حسینؓ کی پوزیشن ایک حوصلہ آزما باغی کی ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اسی حیثیت سے مقابلہ کیا اور مارے گئے۔ اس لیے اس معاملہ میں یزید بے قصور تھا۔

کتاب میں بعض اہم تاریخی حوالوں اور اقتباسات سے کام لیا گیا ہے اور اس کو ایک تاریخی تحقیقی مقالے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کی نیت میں کوئی چور نہیں ہے اور وہ تاریخ کے مطالعے کے بعد ایک خاص فیصلے پر پہنچا ہے۔ جس کو وہ ایمانداری سے پیش کرنا چاہتا ہے۔ کتاب کی عبارت نا ملائم الفاظ سے خالی ہے سنجیدہ اور غیر جذباتی ہے۔ البتہ کہیں کہیں ایک دو لفظ ایسے آ گئے ہیں جو مورخ کے قلم کو زیب نہیں دیتے ہیں۔

لیکن یہ ہے کتاب کا صرف ردوکار کتاب اندر سے ایسی نہیں ہے اگر اس کو غور سے پڑھو تو اس کی منطقی غلطیاں اور اس کی دلیلوں کے تضاد واضح ہونے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ کتاب

تضادوں اور دھاندلیوں کا ایک مجموعہ ہو کر رہ جاتی ہے اور پھر سوال یہ پیدا ہوتا کہ ایسے چابک دست مصنف سے ایسی منطقی غلطیاں کیسے سرزد ہوئیں ؟ یہ بھول چوک ہے یا عادۃً وہ کسی فتنے کو جگانا چاہتے ہیں ؟

ہم صرف ان دلیلوں کو لیں گے جن کی بنیاد پر مرکزی خیال کھڑا کیا گیا ہے اور ان کی منطقی غلطیوں کو دکھلا دیں گے۔ ہم اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں ۔ ان سے کتاب کی روح واضح ہو جائے گی لیکن یہ تبلا دینا ضروری ہے کہ ہماری اس بحث کا کسی فرقے کے عقیدوں سے کوئی تعلق نہیں ہوگا ہم نے تاریخی مواد سے بھی کوئی بحث نہیں کی ہے ہم نے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ کہ جن دلیلوں اس کتاب میں کام لیا گیا ہے ان کی کیا وقعت رہ جاتی ہے ۔

ہم کو اس سے بھی بحث نہیں ہے کہ واقعہ کربلا کس انداز میں پیش آیا تھا اور اس سلسلہ میں کون روایتیں صحیح ہیں اور کون غلط۔ ہم صرف اس بات کو دکھلائیں گے کہ جس مواد سے عباسی صاحب نے جو بات ثابت کی ہے اس مواد سے وہ بات نہیں ثابت ہوتی ہے ۔

کتاب کی خاص بحثوں میں ایک بحث یہ ہے کہ مظلوم کربلا کے بارے میں جو کچھ مشہور ہے وہ سب غلط ہے کہ حضرت حسینؓ مقام کربلا میں دس محرم کو پہنچے اور اس سے پہلے ان کا وہاں ہونا محال ہے اور جب ایسی صورت ہے تو پانی بند کر دینے اور دوسری باتوں کے الزام بے بنیاد ہیں ۔

دس محرم سے پہلے پہنچنے کو محال ثابت کرنے کے لئے دو راستے اختیار کئے گئے ۔ ایک تو یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت حسین آٹھ ذوالحجہ کو نہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے بلکہ دس ذوالحجہ کو حج کرنے کے بعد روانہ ہوئے یہ ثابت کر کے دو دن مسافت کے دنوں میں کم کر لئے ۔ دوسری بات یہ کہی کہ تیس منزلیں ہیں کربلا تک حضرت کے ساتھ قافلہ تھا جس میں بچے بھی تھے ۔ عورتیں بھی تھیں اور ساتھ ساتھ نماز بھی پڑھنا تھی ۔ ایسے قافلہ کو لے کر وہ کسی حالت میں بھی کم دنوں میں سفر نہیں کر سکتے تھے ۔ یہاں تک کہ اس بات کا امکان بھی تسلیم نہیں کیا ہے کہ یہ مسافت تیس دن کے بجائے ۲۰، ۲۸ یا ۲۹ دن میں طے ہو سکتی ہے ۔

ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں غیر منطقی ہیں ۔

کسی وقت تیس آدمی گھس گھسا کر قتل کردیں۔ مکّہ کے قریب قیام کرنے میں بھی حملے کا اندیشہ ہوسکتا تھا کیونکہ آس پاس کے سب بالغ حج میں مصروف ہوتے، ایک سناٹا سا ہوتا اور قاتلوں کو اپنی حرکت چھپانے کا کافی موقع مل جاتا۔ عباسی نے اس خطرہ کو بلا مکمل جائزہ لئے حضرت کے ساتھیوں اور اہل خاندان کی بہادری کا حوالہ دے کر مسترد کردیا اور پھر پوچھتے ہیں کہ ایسا کونسا خطرہ تھا؟

اب لیجئے دوسری بحث یعنی یہ کہ قانون قدرت کی طرح یہ چیز اٹل ہے کہ ایک دن میں صرف ایک منزل طے کی جائے اور اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ تاریخ میں بہت سے قافلوں نے ایک دن میں دو منزلیں طے کیں ہیں۔ البتہ یہ تیز رفتاری اسی وقت ہی ممکن ہے جب قافلہ میں نظم وضبط یعنی ڈسپلن ہو۔ میر کارواں کا حکم سب دل سے مانتے ہوں اور انتظامات مکمل ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جاگنے کا جو وقت مقرر کیا جائے اس پر سب جاگ اٹھیں۔ تیاری کے لئے جو وقت ہو اس میں تیار ہوجائیں۔ پانی وغیرہ جو ساتھ لینا ہو وہ ساتھ لے لیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا بنیاد ہے۔ جس پر ہم فرض کرلیں کہ حضرت حسین کے قافلہ میں یہ سب خوبیاں نہیں پائی جاتی تھیں؟ جبکہ معلوم ہے کہ اس قافلے کے لوگ حضرت کو دین و دنیا کا رہبر تسلیم کرتے تھے؟

اسی سلسلے میں ایک بحث اور اٹھائی گئی ہے وہ یہ کہ حضرت حسین کے ایک خط سے ظاہر ہوتا کہ ۸ ذوالحجہ کو منگل تھا حالانکہ قمری تاریخ اور دن نکالنے کا ریاضی کا جو مسلّمہ فارمولا ہے اس کی رو سے یہ تاریخ اس دن نہیں پڑتی ہے۔ عباسی آگے کی تاریخوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

"۲ محرم ۶۱ھ کو (کربلا) پہنچ جانے کی روایت وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو نسا دن تھا یا اس دن کونسی تاریخ تھی۔ سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔"

"لکھ مارا" کا لفظ تبلاتا ہے کہ عباسی جذبات کا شکار ہوگئے۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جنتری کی ریاضی اور چیز ہے اور چاند کا آنکھ سے نظر آنا اور چیز۔

کتاب مذکور میں اس روایت کو ناقابل قبول قرار دیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ حج سے پہلے
محض اس اندیشے سے روانہ ہو گئے تھے کہ یزید نے تیس آدمیوں کو اس کام پر مامور کیا تھا کہ حاجیوں
کے ساتھ جاکر حسینؓ کو قتل کر ڈالو۔ وجہ یہ بتلائی ہے کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ساٹھ وفادار کوفی تھے
اور خود ان کے اہل خاندان تھے جو ان کی حفاظت کر سکتے تھے۔ دوسرے حضرت حسینؓ چار مہینے
مکہ میں رہے اس وقت تک کچھ نہیں ہوا پھر حج کے متبرک زمانے میں کیسے حملہ ہو سکتا تھا؟

یہ دونوں دلیلیں ناقص ہیں۔

حج کے موقعہ پر نہ تو خود حضرت حسینؓ اپنے پاس ہتھیار رکھ سکتے تھے اور نہ اپنے کسی
ساتھی کو اس بات کی اجازت دے سکتے تھے، لیکن خریدے گئے ہوئے آدمیوں کے بارے
میں یہ کیسے یقین کیا جاتا تھا کہ وہ بھی اس معاملے میں شرع کی اتنی ہی پابندی کریں گے اور
ہتھیار نہیں لائیں گے؟

حضرت حسینؓ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ حج کے موقع پر مکے میں ہوتے ہوئے حج نہ کریں
اور حج کرنے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے جان نثاروں کو یہ حکم دیں یا اس بات
اجازت دیں کہ وہ ہر وقت باڈی گارڈ بنے حضرت کو چاروں طرف سے گھیرے رہیں۔
مسلمانوں کو ان کے پاس نہ آنے دیں اور اگر کبھی بیس پچیس آدمی مل کر حملہ کریں تو وہ سب
نہتے ان کا مقابلہ کریں اور مقابلہ میں جان دیدیں۔ مگر حضرت تک کسی کو آنے نہ دیں :-

حج کا زمانہ بھیڑ بھاڑ کا زمانہ ہوتا تھا۔ اس میں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص قتل کرے اور
ساتھیوں میں مل کر غائب ہو جائے۔ اس زمانہ میں اور عام زندگی والے چار مہینے
کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس لئے جو کام چار مہینوں میں چھپا کر نہیں کیا جا سکتا تھا
ان دنوں میں ضرور کیا جا سکتا تھا۔

مذکورہ کتاب میں اس بحث کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

" راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴ انگریزی میل کی
یہ مسافت یوں طے کی گئی کہ کسی سے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے "

خطرہ دوسرا تھا جس کا کتاب میں تذکرہ کیا گیا ہے یعنی یہ کہ حج کی بھیڑ بھاڑ سے فائ

یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے کہ جنتری میں چاند ۲۹ کا دیا ہوا ہے لیکن نظر آیا تیس کو اس طرح جنتری
کی تاریخ اور رویت ہلال کی تاریخ میں ایک دن کا فرق ہو گیا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ
فرق دو دن کا ہو جائے۔ ریاضی کی رو سے جنتری کا حساب درست ہوتا ہے اور چاند واقعی افق کے
اوپر آجاتا ہے اور اگر دوربین سے دیکھا جائے تو وہ نظر بھی آسکتا ہے لیکن یا تو غبار کی وجہ سے یا روشنی کے
اندکاس کی وجہ سے وہ آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ اس وجہ سے شرعی نقطہ نظر سے مہینہ نہیں بدلتا۔

دوسری اہم بحث یہ ہے کہ قاتلان حسین بے قصور ہیں کہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں نے
ابن زیاد اور ابن سعد کی فوج پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا اور یزیدی فوج والے دفاع کرنے پر مجبور ہوگئے
اس دفاع میں حضرت حسین اور ان کے ساتھی مارے گئے۔"

"یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملے کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں
البتہ ان کی مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں ایک تو برادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے
مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے، چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں۔
دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آئے
تھے۔ اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے
کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔
کوفے جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں۔ دمشق کا رخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔
"ابن سعد کی طرف سے دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور
ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالہ کر دیئے جائیں ۔۔۔ اس مطالبہ
سے برادران مسلم بن عقیل کو نیز ان کوفیوں کو بھی موقع ہاتھ آگیا۔ اشتعال کو اس شدت
سے بھڑکایا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے
کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا۔

اس بیان سے ذیل کی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) جو سبائی سزا کے خوف سے دمشق اور کوفے جانے سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ یہ ضروری نہ
کہ سزا ملتی ہی جاتی تو سزائے موت ہی کی شکل میں ملتی وہی سبائی جان بوجھ کر موت کے

کود پڑے اور اس وقت تک باز نہیں آئے جب تک سب نے اپنی جانیں نہیں دیدیں - یا وہ بزدلی یا یہ بہادری !!

(۲) سازشی اور مکار شخص حالات کا جائزہ لیتا ہے اور اپنی مصلحتوں کے مطابق کام کرتا ہے - وہ خود اشتعال کا شکار نہیں ہوتا ہے - سازشی ہونا اور اشتعال کا شکار ہونا یہ دو متضاد خصوصیات ہیں - لیکن اس پلاٹ میں ان دونوں متضاد باتوں کو سبائیوں کے لئے ثابت کیا گیا ہے - مذکورہ عبارت کے پہلے پیرے میں وہ سازشی اور مکار ہیں اور دوسرے میں اشتعال سے بالکل بے بس ہو جانے والے انسان -

(۳) نابالغ لڑکے اور بچے کیسے شہید ہو گئے؟ کیا وہ بھی اس حملے میں شریک تھے؟ اگر شریک تھے تو چند شکلوں میں سے کس شکل میں؟ (۱) حسینی قافلے والوں نے لڑکوں اور بچوں کو آگے کر دیا تھا - اس طرح کہ پہلے لڑکے اور بچے مار لئے گئے اس کے بعد جوان لڑکے اور مرد مارے گئے ، لڑکوں اور بچوں کو بیچ میں کر لیا تھا - اس طرح پہلے آدھے جوان مارے گئے ، پھر لڑکے اور بچے اور ان کے بعد پھر باقی جوان -(۳) جوانوں نے لڑکوں اور بچوں کو پیچھے کر لیا تھا - پہلے جوان مار لئے گئے پھر لڑکے اور بچے مارے گئے - (۴) ایک طرح کا غیر منظم ہڑبونگ ہوا جس میں نہ حملہ کرنے والوں میں کچھ نظم رہا اور نہ دفاع کرنے والوں میں - جس نے چاہا جس پر حملہ کر دیا اور مار ڈالا -

پہلی دو باتیں اس وقت ممکن ہیں کہ حضرت حسین اور ان کے قافلے والوں کو بہت ہی نا بہادر ثابت کیا جائے - ایسا کہ عرب میں مثال نہ ملے - لیکن عباسی نے اس کتاب میں ایسا ثابت نہیں کیا ہے -

دوسری دو باتیں اگر مان لی جائیں تو دفاعی حملہ آوروں کا غضب کا انتظام ثابت ہو جاتا ہے - اتنی بڑی منظم فوج جو گھیرا ڈال سکتی ہو ہڑبونگ کا شکار صرف ساٹھ ستر آدمیوں کے حملے سے کیسے ہو سکتی ہے؟ اور وہ لڑکوں اور بچوں کو جذبہ انتقام کے علاوہ اور کس جذبے کے ماتحت قتل کر سکتی ہے ؟

(۴) ابن سعد کا فوجی دستہ اتنا بڑا تھا کہ اس نے حسینی قافلے کے گرد جہاں اونٹ اور سامان وغیرہ بھی ہوں گے گھیرا ڈال دیا تھا - اور مسلح بھی تھا - کیا اس شکل کو صلح و آشتی کہا جا سکتا ہے؟ کیا محض یہ ہتھیار بند گھیرا کافی نہیں تھا فریق ثانی کو دفاع پر مجبور کر دینے کے لئے ؟

(۵) کیا خوف تھا اس چھوٹے سے قافلے سے جس کے لئے ابن سعد نے ہتھیار رکھوانا ضروری سمجھا؟

اگر یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ لوگ اور فوج نہ جمع کرلیں، تو یہ خوف ہتھیار رکھوانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کون سا خوف ہو سکتا تھا؟

(۶) کیا سبائی حضرت حسین سے یہ توقع نہیں کر سکتے تھے کہ وہ ان کے آدمی ہیں اور وہ اپنے آدمیوں کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے عرب میں کی جاتی تھی، یعنی جب تک حضرت کی جان میں جان ہے کوئی ان کے آدمی کو گزند نہیں پہنچا سکتا ہے۔

(۷) اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ ابن سعد کی فوج نے حضرت کے قافلے کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ فوج کیوں گئی تھی؟ کیوں گھیرا ڈال دیا تھا؟ کیا ابن سعد کو حضرت کے قافلے سے حملے کا اندیشہ تھا؟ یہ نہیں تھا تو پھر کیا وجہ تھی۔ اتنی بڑی فوج کے جانے کی اور گھیرا ڈالنے کی؟ اور اگر یہی بات تھی تو یہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

”یہ موقع ہاتھ آگیا۔ اشتعال کو اس شدت سے بھڑکایا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا۔“ اس عبارت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشتعال بھی خلاف توقع تھا اور حملہ بھی خلاف توقع۔

(۸) سبائیوں نے کیا کہہ کر حضرت حسین اور دوسرے سنجیدہ حضرات کو اس حد تک اشتعال دلایا کہ وہ صلح و صفائی پر آمادہ ہونے کے باوجود ان ارادوں کو ترک کر بیٹھے اور جان دینے پر آمادہ ہو گئے ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی ایسی تقریر کا تصور کر سکیں جو اس موقع کے لئے جیسا کتاب میں بیان کیا گیا ہے موزوں بھی ہو، ساتھ ساتھ اتنی اشتعال انگیز ہو کہ لوگوں کو جان دینے پر اس حد تک آمادہ کر دے کہ جب تک ایک بچہ بھی باقی ہے وہ لڑتے ہی رہیں، لیکن ہم ایسی تقریر تصنیف نہ کر سکے اور ہمارے دل میں کوئی شخص بھی تصنیف نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ جو تقریر بھی ہو اس میں اتنی جان ضرور ہی ہونا چاہیئے کہ معمولی سوجھ بوجھ کے آدمی کو قائل کر سکے۔ اس کتاب نے موقع ایسا بنایا ہے کہ کوئی معقول پوائنٹ پیدا ہی نہیں ہوتا ہے۔ حق و انصاف، بہادری، برادری یا مسلم بن عقیل کا خون جس چیز کے نام پر بھی اپیل کرو۔ اس میں زور اسی وقت پیدا ہو گا جب یہ مان لیا جائے کہ حضرت حسین بیعت کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور اس فعل کو غیر اسلامی سمجھتے تھے لیکن مذکورہ کتاب میں

ان دونوں باتوں کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت حسین آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین (یعنی یزید) سے بیعت کر لیں "۔ ان حالات میں ایسی تقریر بنا ناممکن ہے ۔

ابن سعد کو اونچا اٹھانے کے لئے اس کے کردار کو ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے ۔
" حضرت حسین سے ان کی قرابت قریبہ تھی ۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے فرزند تھے
اور حضرت سعد آں حضرت کے رشتے میں ماموں ، سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے ۔
السابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں تھے ۔ اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ
صحابہ میں سے جنہیں حضرت فاروق اعظم نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا ۔ "
شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری یہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے ۔ عہد نبوی کے یہ مولود ، نبی کریم کے ماموں
کے فرزند ، بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی کے منور ہوئیں ۔ جنہوں نے عشرہ مبشرہ
کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی جن کے گھر والے سے چند در چند قرابت خاندان نبوت
سے قائم تھے ۔ ایسے پاک ماحول میں عمر سعد نے شعور کی آنکھیں کھولیں تھیں خود بھی صغار
صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے ان
کو پیوستہ کئے ہوئے تھے ۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے
کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہو سکتا تھا ۔ یہ تو اہل عرب کا نسلی
خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی ... ان حالات کے پیش نظر حضرت حسین یا ان کے کسی
عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعد کی موجودگی میں جابرانہ و تشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت
رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا "۔ (صفحہ ۱۹۹ و ۲۰۰ و ۲۰۱)

قریب قریب اسی انداز میں ابن زیاد کی بھی صفائی پیش کی گئی ۔ سانحہ کربلا کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے
کہ برادران مسلم بن عقیل اور سبائی کوفیوں نے ایسا اشتعال دلایا کہ یزیدی فوج پر اچانک قاتلانہ حملہ
کر دیا گیا "۔ یہ بات عبارت میں واضح نہیں کی گئی ہے کہ اس حملے کے وقت حضرت حسین کی کیا پوزیشن
تھی ۔ وہ بھی حملہ کرنے والوں میں شریک تھے یا نہیں ؟ لیکن یہ پلاٹ مکمل ہی نہیں ہو سکتا تھا ۔ اگر یہ مان لیا
جائے کہ وہ ہاں ہاں کرتے رہے ؟ اگر مخالفت کرتے رہے تو پھر یزیدی فوج والوں کی طرف سے

ان پر کیوں حملہ کیا؟ اگر ایسی صورت میں حملہ کیا تو عمر سعد اور ابن زیاد کا جرم ثابت ہو جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت کو بے قصور مارا

مختصر یہ کہ اگر واقعہ کا پلاٹ یہی بنایا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ دیر یا سویر حضرت نے حملہ کر دیا۔ اب دیکھیے کہ اس نتیجے کے بعد کیا تضاد پیدا ہوتا ہے؟

ابن سعد کی جو خاندانی عظمتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب حضرت حسین میں بدرجہا گنا زائد پائی جاتی ہیں اور جو رشتہ داری سعد کی حضرت سے تھی وہ حضرت کی سعد سے بھی ٹھہرتی ہے۔ اس صورت میں بالکل اسی دلیل سے جس سے ابن سعد کے لئے کہا گیا ہے حضرت کے لئے بھی کہا جا سکتا ہے کہ "معمولی کردار کا بھی کوئی عرب خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ منحرف نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ تو اہل عرب کا نسلی وخاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی ... ان حالات کے پیش نظر ابن سعد کے خلاف حضرت امام کی موجودگی میں جابرانہ و تشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں اختیار کیا جا سکتا تھا۔

لیکن عباسی صاحب نے جو صفائی ابن سعد کے لئے پیش کی ہے اس سے حضرت کو محروم رکھا بلکہ اس کی باقاعدہ کوشش کی ہے۔ ابن سعد کے لئے بہت محنت سے ثابت کیا ہے کہ ان کا سن آنحضرتؐ کے زمانے میں پانچ چھ برس کا تھا اور اسی بنا پر ان کو صغار صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن دوسری طرف حضرت حسین جن کا سن وہ مانتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں پانچ سال کا تھا صحابی ہونے کے اعزاز سے محروم رکھنے کی کوشش کی ہے لکھا ہے کہ حضرت حسین :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صرف پانچ برس کی عمر کے تھے۔ اتنی چھوٹی عمر سن تمیز کی عمر نہیں ہوتی۔ بعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسن کو جو ان سے سال بھر بڑے تھے زمرۂ صحابہ کے بجائے تابعین میں شمار کیا ہے۔

کتنی بڑی دھاندلی ہے۔

جن قیاس آرائیوں سے ابن سعد کا حضور کے زمانے میں نہ صرف تولد ہونا بلکہ پانچ سال کا ہونا ثابت کیا ہے وہ بہت سی منطقی کمزوریوں سے مرکب ہے۔ ذیل میں ہم کتاب کی عبارت (صفحہ ۲۱۷) نقل کر رہے ہیں اور بیچ بیچ میں بریکٹ میں عبارت کی منطقی خامیاں ظاہر کر رہے ہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعد علیل تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کو تشریف لے گئے، انھوں نے آپ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانے کا۔ اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعد کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی۔ کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ عہد نبوی کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ حدیث ہی اول تو محل نظر ہے۔ عہد نبوی میں حضرت سعد ایسے مالدار کہاں تھے (اس میں لفظ "ایسے" سے بات کہیں سے کہیں پہنچا دی گئی ہے۔ ورنہ اصل عبارت سے مال کا ہونا ثابت ہوتا ہے اور مالی معمولی سی رقم بھی ہوسکتی ہے جو مورث سے وارث کو ملے۔ دوسرے حضورؐ کے زمانے میں مال کا معیار ہی معمولی تھا) پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانے کا ہے (اس جگہ حجۃ الوداع کی بات کو اڑا دیا گیا کیونکہ اس کے تذکرے سے ابن سعد کو عہد نبوی کا مولود ثابت کرنا مشکل ہو جاتا تھا) اور یہ ثابت ہے کہ عمر ابن سعد اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہؐ کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا تولد ہو کر وراثت مال کا حقدار بنا ہو (لیکن یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے واقعی دعا کی تھی یا یہ کہ آپ کی ہی اس دعا کا نتیجہ ظہور میں آگیا تھا۔)

قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر بن سعد اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے تو یہ بین دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعد نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے۔ بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پہ پانچ چھ برس کی ہوگی۔ کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرسکتا ہو پندرہ بیس برس کا ہو (ضروری نہیں دس برس یا اس سے کم کا ہوسکتا ہے اس میں بھی بہت سی باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں اور یاد رہتی ہیں) پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم از کم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا (ضروری نہیں ہے۔ فرض کر لیجئے الف۔ جب بیس سال کا تھا تو اس کے لڑکا ہوا۔ پھر جب وہ لڑکا بیس سال کا ہوا تو الف ۵۵ سال کا بھی ہوسکتا ہے۔

جس طرح مصنف نے "حجۃ الوداع یا فتح مکہ کہہ کر دو سطروں کے بعد ان میں سے حجۃ الوداع کو اڑا دیا کیونکہ وہ قیاس آرائی کی تکمیل میں حائل ہوتا تھا۔ اس طرح پندرہ برس کہہ کر، دو جملوں

کے بعد اس کو صرف بیس برس مان لیا تاکہ دادا کی عمر پورے ساٹھ سال کی قرار دے کر حضرت حسین کا ہم سن کر دیا جائے اس طرح ابن سعد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پانچ سال کا ثابت کیا جا سکے۔ اور ان کو صغار صحابہ میں شامل کر لیا جائے۔

دوسرا فتن

بنوامیہ کے اقتدار کا سرچشمہ

چند اہم اور تاریخی حقائق

حضرت عثمانؓ جلیل القدر صحابی رسولؐ تھے، کردار و سیرت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے، ان میں فرشتوں کی سی معصومیت تھی، وہ کسی مسلمان کو بُرا نہیں سمجھتے تھے، سب پر اعتماد کرتے تھے وہ کسی کو نقصان پہونچانا نہیں چاہتے تھے، کسی کو سزا دینا ان کے لئے آسان نہ تھا، مجرموں اور خطا کاروں کو بھی معاف کر دیتے تھے اور ان لوگوں پر بھی اعتماد کرتے تھے، جو درحقیقت ان کے دشمن تھے، جو ان کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھاکر اپنے لئے میدان ہموار کر رہے تھے، جو حضرت عثمانؓ کی آڑ میں، اپنے مقاصد مشئومہ کے حصول کی تگ و دو میں زور سے مصروف تھے،

اقتدار کے حاصل کرنے سے پہلے، اقتدار حاصل کرنے کے لئے بنوامیہ کے دوراندیش اور زیرک ارباب فہم و خرد نے حد درجہ فراست سے کام لے کر ایسے حالات پیدا کر دیئے جو قتل عثمان پر منتج ہوئے اور یہ مقصد حاصل کر لینے کے بعد مسند اقتدار تک پہنچ جانا بہت آسان ہوگیا۔

لیکن وہ حالات کیا تھے، جو خاص طور پر پیدا کئے گئے، اور جو بالآخر قتل عثمان پر منتج ہوئے؟

یہ حالات سیاسی بھی تھے، اور اقتصادی بھی، مصر کے یگانہ روزگار محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" کے پہلے حصہ میں ان حالات کا بڑی دیدہ کاری سے تجزیہ کیا ہے میں چاہتا ہوں اس کتاب کے قارئین انھیں پیش نظر رکھیں،

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے، اپنی مذکورہ کتاب میں تحریر کیا ہے کہ عہد عثمانی میں :- اہم صوبے چار تھے، شام، مصر، کوفہ، بصرہ، ان میں سے ہر صوبہ ایسا صوبہ ایسا تھا جس کی سرحدیں حفاظت اور مدافعت کی محتاج تھیں، ہر ایک کے سامنے دارالحرب تھا جس پر مسلمانوں کو

گہرے غور و فکر کی ضرورت تھی، شام کے سامنے خود رومی آبادیاں اور سمندر کی سطح تھی، مصر کے بالمقابل دریا کی موجیں اور شمالی افریقہ تھا۔ عراق کے دونوں شہروں کوفہ، بصرہ کے سامنے فارس کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے تھے، اسلامی قوت کے یہی چار مرکز تھے، انھیں میں اسلامی فوجیں مقیم تھیں، انہیں کے بالمقابل وہ سرحدیں تھیں جن میں لڑنے والی فوجیں کبھی کوچ اور کبھی قیام کرتی رہتی تھیں، یہی چار صوبے مسلمانوں کی دولت اور ثروت کا بھی سرچشمہ تھے، ان ہی میں تہذیب و تمدن کا شاندار اور پر بہار دور تھا۔ ان میں ارزرخیز زمینیں تھیں۔ جن میں خدا کا دیا ہوا جو کچھ پیدا ہوتا۔ یہی صوبے خراج کی وصولی کے مرکز تھے، ان ہی میں وہ ذمی آباد تھے جو جزیہ ادا کرتے تھے اور پھر یہی وہ صوبے تھے جنہیں کہنا چاہیے کہ فتوحات کے دست و بازو تھے، یہیں ہر سال فاتحین مالِ غنیمت لاتے اور یہیں سے اس کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا جاتا۔ پس اگر عرب فوجی قوت کے اعتبار سے اسلام کی **ایک طاقت تھے تو یہ چاروں صوبے مالیاتی نقطۂ نظر سے اسلام کا غیر معمولی سرمایہ تھے**

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ چھوڑ کر جانے والے مسلمانوں نے مکہ، طائف یا یمن کا رخ نہیں کیا بلکہ عراق، شام، مصر کا ارادہ کیا۔ ان جانے والوں میں جو نیک اور مخلص تھے ان کے پیش نظر فتوحات میں وسعت کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی حفاظت اور آخرت کا ثواب تھا۔ اور جو کاروباری تھے وہ دنیاوی مقاصد رکھتے تھے۔ تاجر تجارت کرتا اور کاشتکار زراعت۔ اس طرح مختلف طبقے مختلف طریقوں سے فوائد حاصل کرنے میں مصروف تھے۔

سعد ابن ابی وقاصؓ کی معزولی

طٰہٰ حسین نے لکھا ہے :-

حضرت عمرؓ نے جب وفات پائی تو کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ ثقفی تھے اور بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعریؓ ان دونوں کو حضرت عثمانؓ نے پہلے سال باقی رکھا لیکن سال کے خاتمہ پر مغیرہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ پر سعد بن وقاصؓ زہری کو والی بنایا - یہ تقرر حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی اس خواہش کی بنا پر کیا تھا کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا میرے بعد اگر وہ خلیفہ نہ ہو سکے تو ان کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے : لیکن سعد بن ابی وقاصؓ تو کوفہ کی گورنری پر ایک سال اور کچھ دن سے زیادہ نہ رہ سکے ، اس کے بعد حضرت عثمانؓ مجبور ہوئے کہ ان کو معزول کر دیں -

مؤرخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر دینے پر مجبور ہو گئے ہوا یہ کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیت المال کے خزانچی اور سعد بن ابی وقاصؓ کے درمیان اختلاف ہوا - ایسا اختلاف جس نے حضرت عثمانؓ کو دونوں پر سخت برہم کر دیا اور آپ نے دونوں کے خلاف ارادہ فرمایا ، لیکن پھر رک گئے اور سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی پر اکتفا کیا -

اس اختلاف کی بنیاد بھی واقعتًہ حیرت انگیز ہے ، کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے عبداللہ سے کچھ قرض لیا اور اس کا وثیقہ لکھ دیا اب عبداللہ بن مسعودؓ نے قرض ادا کر دینے کا مطالبہ کیا حضرت سعدؓ نے مہلت کی درخواست کی عبداللہ بن مسعود اس پر راضی نہ ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف کوفہ والوں کی ایک جماعت کی حمایت حاصل کی - ابن مسعودؓ اپنی جماعت کی امداد سے چاہتے تھے کہ سعد قرض ادا کر دیں اور سعد کی کوشش تھی کہ اپنے حامیوں

یزدگرد شکست کھا چکا تھا لیکن وہ مارا نہیں گیا تھا اور نہ قید کیا جاسکا تھا۔ وہ اپنے ملک میں تھا اور شہروں اور دیہاتوں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ فارس میں بہت سے شہر تھے بعض تو ایسے تھے جہاں اب تک مسلمان پہنچ بھی نہ سکے تھے اور بعض ایسے تھے جن سے مسلمانوں کی صلح ہو چکی تھی لیکن مطلع منوز غبار آلود تھا۔ ایسے مقامات فرصت کے منتظر اور وقت کی تاک میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے بغاوت کر بیٹھیں۔ سرزمین ایران پر فتوحات کی ابتدا ہوئی تو بڑی تیزی کے ساتھ سلسلہ آگے بڑھا لیکن فتح کی تکمیل بہرحال نہیں ہو سکی۔ اور معرکہ قادسیہ کے مردِ میدان سعد بن ابی وقاصؓ ہی کسریٰ کی حکومت کے فاتح تھے، ایسی حالت میں یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے دماغ میں سعد ابن ابی وقاصؓ کے متعلق یہ خیال آئے کہ فتوحات کا جو سلسلہ انھوں نے شروع کر دیا تھا وہی اس کی تکمیل کریں اور غالب گمان ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ زندہ رہتے تو سعدؓ کو پھر کوفہ پر واپس کر دیتے کہ وہ آگے بڑھیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں فتح کی تکمیل ہو جاتی اور یہ سعدؓ اسلام کی طرف سبقت کرنے میں مشہور ہیں، چنانچہ وہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ میں تو ثلث اسلام ہوں۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں صدیق اکبرؓ کے بعد مسلمان ہوا ہوں اور اس طرح نبیؐ کے بعد ابوبکرؓ اور ان کے بعد میں، اور اگر حضرت ابوبکرؓ اور زید ابن حارثہؓ کے بعد وہ مسلمان ہوئے ہوں تو وہ ان تین میں سے ایک ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور پھر حضرت سعدؓ باتفاق محدثین بطن رابغ جانے والے فوجی دستہ "سریہ" کے سب سے پہلے تیر انداز ہیں، یہ دستہ عبیدہ ابن حارثؓ ابن عبدالمطلب کی قیادت میں جا رہا تھا۔

علاوہ بریں حضرت سعدؓ ہی وہ صحابی ہیں جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے موقع پر ان کی پامردی اور استقلال کے پیش نظر فرمایا ھذا ابی و امی کسی اور صحابی کے لئے آپؐ نے ماں اور باپ دونوں کو جمع نہیں کیا۔ سعدؓ بہترین تیر انداز تھے اور احد کے معرکے میں سر فروش مجاہدوں کے ساتھ انھوں نے اپنے تیروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی تھی۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ارم سعد ابی و امی پس جو شخص ایسی قسمت والا ہو کہ اسے تہائی اسلام کہا جائے، اسلام کا پہلا تیر انداز کہا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنے ماں باپ فدا کریں اس سے خوش ہوں اور اسے ان دس آدمیوں میں شمار فرمائیں جن کے لئے جنت کی ضمانت دی، جو ایرانی سلطنت کا خاتمہ کر دینے والا اور قادسیہ کا فاتح ہو جس کو حضرت عمرؓ نے

کے ذریعہ ابن مسعود سے مہلت حاصل کریں، بالآخر دونوں اکٹھے ہوتے ہیں اور بات گستاخی کی حد تک پہنچتی ہے، بقول راویوں کے حضرت سعد ارادہ کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ کے حق میں بد دعا کریں۔ یہ دیکھ کر ابن مسعود گھبراتے ہیں اور اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی ہے کہ "جب کبھی سعد کوئی دعا کرے تو اسے قبول کیجیو" راوی کہتے ہیں کہ حضرت سعد نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اللھم رب السماوات والارض اتنا سن کر ابن مسعود نے کہا "سعد منہ سے اچھا کلمہ نکالنا" یہ کہہ کر فوراً وہاں سے لوٹ آئے۔ اب معاملہ حضرت عثمانؓ تک پہنچا۔ آپ دونوں پر سخت برہم ہوئے اور دونوں کے خلاف کارروائی کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں رک گئے، اور سعدؓ کو معزول کر دیا، اور ان سے جو کچھ ان پر تھا وصول کر لیا اور کوفہ کے لئے ایک نئے گورنر کا تقرر کر دیا۔

تمام راوی اس واقعہ پر متفق ہیں لیکن میں اس مقام پہ انتہائی احتیاط برتنا چاہتا ہوں، میری اس احتیاط کے کئی سبب ہیں، حضرت سعدؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کی آنے والے خلیفہ سے یہ سفارش تھی کہ انہیں موقعہ دیا جائے، اور یہ کہ انہوں نے کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ اور مذکورہ بالا قصّہ کا کم از اتنا تو مفہوم ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیت المال سے کچھ قرض لیا تھا اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر یا ٹال مٹول کر رہے تھے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جسے فاروق اعظمؓ نے مجلس شوریٰ کے لئے پسند کیا ہو، جسے منصب خلافت کا امیدوار بنایا ہو اور اگر خلیفہ نہ ہو سکے تو ان کے تعاون کو ضروری قرار دیا ہو۔ وہ ایسی کمزوری دکھائے اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، یہ ممکن نہیں کہ عوام کی بھلائی اور خیر خواہی کے خلاف کسی ایک شخص کے لئے ذاتی فائدے کے خواہاں ہوں، انھوں نے تو ہمیشہ عام مسلمانوں کے مفاد کو مقدم رکھا۔ بلاشبہ جب وہ خلیفہ سے سفارش کر رہے تھے کہ سعدؓ سے کام لینا۔ ان کو گورنر بنانا، تو اس کا مطلب سعدؓ کو خوش کرنا یا ان کی طرفداری کرنا، یا اپنے ساتھیوں پہ ان کو مقدم کرنا تھا، بلکہ آپ خلیفہ اور مسلمانوں کو مخلصانہ مشورہ دے رہے تھے اور ہدایت فرما رہے تھے کہ سعدؓ کی قابلیت اور جنگی معاملات میں ان کی مہارت سے فائدہ اٹھانا، اس لئے کہ ایرانی علاقوں کے معاملات مسلمانوں کی منشاء کے مطابق اطمینان بخش نہ تھے، ایرانی اقتدار کا بڑی حد تک خاتمہ ضرور ہو چکا تھا، لیکن ابھی اس کی شوکت ٹوٹی نہ تھی۔

مجلسِ شوریٰ میں حاضری کا حکم دیا ہو، جس کو خلافت کا امیدوار بنایا ہو، جسے خلافت نہ ملنے پہ گورنر بنانے کی خواہش ظاہر کی ہو، جس کے مقدر میں یہ ساری فضیلتیں اور خوبیاں ہوں ممکن نہیں وہ بیت المال کے قرض کے بارے میں خواہ کم ہو یا زیادہ، ٹال مٹول سے کام لے۔ ممکن نہیں کہ اس کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ شک و شبہ کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عثمانؓ اس پر غصہ ہوں۔ اس کے خلاف اقدام کا ارادہ کریں اور پھر بقایا وصول کر کے معاف کر دیں۔ غالب گمان تو یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کو سعدؓ کے لئے کسی بھی گورنری کی طرف متوجہ نہیں کیا، بلکہ خاص طور پہ کوفہ کی گورنری کا اشارہ کیا۔ اس لئے کہ وہی ایک شہر تھا جس میں سعدؓ کا قیام ضروری تھا تاکہ فتوحات کی تکمیل کر کے جنگ کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ابن مسعودؓ کی سعد کے ساتھ بدگمانی بھی حقیقت میں حیرت انگیز ہے۔ وہ جانتے تھے السابقون الاولون میں ہیں۔ نبیؐ کی نگاہ میں اور شیخین کی نظر میں ان کا خاص مرتبہ ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے اس لئے کہ ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بہت زیادہ رہے۔ صحابہ میں سب سے زیادہ حدیثوں کے راوی، سب سے زیادہ قرآن مجید کے حافظ، صحابہ میں سب سے زیادہ اس بات سے واقف کہ کس کے بارے میں آنحضرتؐ کی کیا رائے ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ سعدؓ کے متعلق شک کریں۔ اور قرض ادا کرنے کا بار بار تقاضا کریں۔ یہاں تک کہ جب وہ بددعا کرنے کا ارادہ کریں تو ڈریں اور گھبرا کر ان کو رضامند کر لیں اور بہت جلد وہاں سے چل دیں۔ بات یہ ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص فتنے کے موقع پہ غیر جانبدار رہے۔ اور فریقین میں سے کسی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا میں اس اختلاف میں اسی وقت حصہ لوں گا جب مجھے کوئی ایسی تلوار لا دے جو خود بولے کہ فلاں فریق حق پہ ہے اور فلاں حق پر نہیں۔ ان کی یہی غیر جانبداری اس عجیب و غریب قصے کی بنیاد ہے۔ اگر سعدؓ حضرت علیؓ کے حامیوں کی طرفداری کرتے تو یقیناً شیعہ ان کی طرف سے جواب دہی کرتے اور اگر وہ حضرت عثمانؓ کے حامیوں کی طرفداری کرتے تو وہ ان کی طرف سے مدافعت کرتے۔ لیکن سعدؓ نے دونوں برسرِ پیکار جماعتوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جماعتوں کے لوگ سعدؓ سے کنارہ کش رہے اور کسی نے ان کی طرف سے مدافعت نہیں کی۔

سعد کا غلط کار جانشین

ایک اور غلطی

طہٰ حسین کا محاکمہ :-
میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت سعدؓ کی معزولی کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ بنی امیہ اور ابو معیط کے خاندان والے حکومت کے عہدے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لے رہے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی تدبیریں اور حیلے کر رہے تھے، اور حضرت عثمانؓ پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ اُن کے مقاصد کے لئے راہیں نکالیں اور مواقع فراہم کریں، اس بات کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ سعدؓ کی معزولی کے بعد حضرت عثمانؓ نے بڑے بڑے انصار و مہاجر صحابہ میں سے کسی کو کوفے کا گورنر مقرر نہیں کیا نہ طلحہؓ کو نہ زبیر کو نہ عبدالرحمٰنؓ کو نہ محمد بن مسلمہؓ کو نہ ابو طلحہؓ کو بلکہ ولید بن عقبہ ابن ابی معیط کو موقع دیا، حالانکہ خود عام مسلمان ولید بن عقبہ سے مطمئن نہ تھے، اس لئے کہ اس نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیا اور آپ پر بہتان باندھا۔ اسلام کے بعد کفر کی آلائش سے آلودہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیت نازل کی۔
یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ - صورتِ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی المصطلق میں اس تصدیق کے لئے بھیجا کہ کیا واقعی اس قبیلہ کے لوگوں نے صدقات کے ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے؟ تو ولید نے آکر اطلاع دی کہ ہاں یہ خبر صحیح ہے لیکن جب آنحضرتؐ مقابلے کی خاطر نکلے تو راہ میں ولید کی مکاری کھل گئی اور خدا نے حقیقت حال سے باخبر کر دیا، پھر اس کے بعد ولید اسی وقت اسلام لایا جب مسلمان ہوئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اور حتی الامکان اپنی اصلاح کر لی، کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی تو ولید کو بنی تغلب سے صدقات وصول کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور ان کے کسی حاکم کا ولید کو جزیرہ کے کسی دیہاتی حصے میں

ایک نصرانی قبیلے سے صدقات وصول کرنے پر مقرر کرنا اور حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑے اسلامی
پر جس کی کئی سرحدیں ہوں اس کو گورنر بنا دینا اور وہ بھی سعد بن ابی وقاصؓ کی جگہ پر دونوں میں بڑا
فرق ہے۔

جن لوگوں نے کوفہ کی گورنری پر ولید کے تقرّر کو نامناسب خیال کیا انھوں نے کوئی دور کی بات
نہیں کی اس لئے کہ کوفہ کی گورنری بہر حال بڑی اہم خدمت تھی۔

ایک اور بات جو سارے قصے کو جس پر حضرت سعدؓ کی معزولی اور ولید کے تقرر کی بنیاد ہے
مشکوک بنا دیتی ہے۔ یہ ہے کہ بیت المال کے معاملات میں خود حضرت عثمانؓ کی روش مدینہ منورہ میں
اس بات سے زیادہ خطرناک ہے جس کو حضرت سعدؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے
اپنے ایک عزیز کو ایک بڑی رقم عطیہ دینا منظور کر لیا۔ لیکن خزانچی نے رقم کی بڑی مقدار کے پیش نظر
دینے سے انکار کر دیا، حضرت عثمانؓ نے اصرار کیا لیکن خازن بدستور اپنی بات پر اڑا رہا۔ حضرت عثمانؓ
نے دوران بیان میں جس کا تذکرہ ہم موقع پر کریں گے کہا "تم کو پس وپیش کا کیا حق ہے؟ تم تو ہمارے خازن
ہو" خزانچی نے جواب میں کہا میں اپنے کو آپ کا خازن خیال نہیں کرتا، آپ کا خازن تو آپ کا کوئی
غلام ہوگا میں تو مسلمانوں کا خازن ہو۔ اس کے بعد وہ بیت المال کی کنجیاں منبر نبویؐ پر رکھ کر اپنے گھر
پس حضرت عثمانؓ کا عمل بیت المال سے متعلق یہ ہے تو کس قدر حیرت کی بات ہوگی کہ وہ سعدؓ سے محض
اس لئے ناراض ہوں کہ انھوں نے بیت المال سے کچھ قرض لے لیا تھا۔ اور اس کی ادائیگی کے لئے
طلب کر رہے تھے جس طرح حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو کسی خیانت کی بنا پر برطرف نہیں کیا تھا ہمارا خیال
ہے اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو کسی خیانت یا ایسے سبب کی بنا پر برطرف نہیں کیا جس کا نزدیک
دور سے کوئی تعلق خیانت سے رہا ہو۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کی وصیت پر عمل کیا اور اس کے بعد سعدؓ
کو اس لئے معزول کر دیا کہ ان کی جگہ ابو معیط کے خاندان کے ایک آدمی کو مقرر کر دیں اور یہ بات بھی تسلیم
کرنا ہوگی کہ ولید نے اپنی حکومت کے زمانے میں اخلاص اور آزمائش کی غیر معمولی مثالیں پیش کیں، سرحد
کی حفاظت اور فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں اس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ اس سلسلے میں
کے کارنامے خود اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد عوام کا موضوع سخن بنے رہے۔ اس نے کو

مفسد نوجوانوں کا صفایا کر دیا جو نہ کسی نظام کا احترام کرتے تھے اور نہ دین کا وقار کرنا جانتے تھے۔
ایک مرتبہ چند نوجوانوں نے ایک کوفی جوان پر زیادتی کی اور اسے مار ڈالا۔ ولید نے ان سے مواخذہ کیا اور ان پر حد جاری کی، چنانچہ اپنی کوٹھی کے سامنے ان کی گردنیں اڑا دیں، بعض راوی خیال کرتے ہیں کہ ولید کے اس اقدام نے مقتول قاتلوں کے سرپرستوں کو ولید کا دشمن بنا دیا۔ اور ان کے دلوں میں عداوت کے جذبات پیدا کر دیئے، چنانچہ وہ ولید کی لغزشوں کی تلاش میں رہنے لگے۔ اور اس کے خلاف تہمتیں تراشنی شروع کر دیں اور لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے لگے، بالآخران میں سے ایک ولید کی مجلس تک جا پہنچا اور داستان سرائی شروع کر دی، قصہ گوئی میں رات کافی گذر گئی اور ولید کو نیند آگئی، تب اس داستان سرا نے ولید کی انگلی سے اس کی انگوٹھی نکال لی اور اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں انگوٹھی سمیت حاضر ہوا پھر دونوں نے اس بات کی شہادت دی کہ ولید نے شراب نوشی کی ہے۔

اس واقعہ کا بناوٹی ہونا کسی بیان اور تشریح کا محتاج نہیں، کوئی امیر قصہ گویوں کی موجودگی میں سو نہیں جاتا اور وہ بھی ایسی گہری نیند کہ کوئی انگلی سے انگوٹھی اتار لے اور اسے خبر تک نہ ہو اور نہ اس کے خادم اور پہرہ داروں کو پتہ چل سکے، اور پھر ولید اگر اتنا ہی بے پروا اور غافل حاکم تھا۔ جو اس کو انگوٹھی نکل جانے کی خبر تک نہ ہو، جس سے اپنے فرمانوں پر مہر لگاتا تھا، خلیفہ کو اور سرحد کے محافظوں کو خطوط لکھتا تھا تو اس کے دور اندیش، بیدار مغز اور عالی حوصلہ ہونے کے کیا معنی؟ یہ بات تو ایسی ہے جیسے ولید کے مخالف کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے دوست اور اپنے شاعر ابوزبید کے ساتھ بیٹھ کر شراب نوشی کیا کرتا تھا، یہ ابوزبید وہی ہے جس کی ملاقات ولید سے اس وقت ہوئی جب وہ بنی تغلب میں صدقات کی وصولی پر مقرر تھا، اور اس کے ماموؤں کے ساتھ اس کا جھگڑا تھا اس میں انصاف کر کے اس کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ ابوزبید ماں کی طرف سے تغلبی اور باپ کی طرف سے طائی تھا، اور مذہبًا عیسائی ولید جب کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو وہ اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا، اس کے ہاں قیام کرتا تھا اور اس سے انعامات بھی پاتا رہتا تھا آنکہ مسلمان ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے، اور میرا خیال ہے کہ ابوزبید کا اسلام بھی ولید کی طرح کوئی گہرا اسلام نہ تھا اور اس خیال کی تصدیق اسی سلسلے میں اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ولید پر حد جاری کی، حالانکہ حدود جاری کرنے میں شبہات

کی مداخلت کاضمیمہ ولید نے اپنا دل بہلایا اور اس کے تماشوں میں دلچسپی لی، اور یہ بھی بعید نہیں کہ ابن مسعودؓ کی مدافعت میں چھپاں کر دیا گیا ہو۔ بہر حال میرا یقین ہے کہ ولید کی معزولی کا براہِ راست سبب اگر اس کی شراب نوشی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ ماننا ہوگا کہ اس میں بعض دوسرے اسباب بھی دخیل ہیں جو شاید شراب نوشی اور کسی شعبدہ باز سے دلچسپی رکھنے سے کہیں زیادہ موثر ہیں اور جن کا تعلق ولید کے اس سیاسی مسلک سے ہے جو کوفہ والوں کے لئے اس نے طے کیا تھا اور جس کے ماتحت ان سے پیش آتا تھا کوفہ کی آبادی میں اکثریت یمنیوں کی تھی، مصری بہت کم تھے، ولید قریشی تھا اور حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا اس کو اپنی قریشیت اور حضرت عثمانؓ سے اس نسبت پر بڑا ناز تھا، اغلب ہے کہ یمنی اکثریت اس قریشی حاکم سے جو اپنی برتری اور فوقیت کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا تنگ آچکی ہو اور بتدریج مخالف ہوگئی ہو، خود ولید نے اس بدلی ہوئی حالت اور یمنیوں کی مخالفت کا احساس کیا لیکن برداشت کرتا رہا اندازہ ہے کہ ولید نے یمنیوں کے اقتدار اور امتیاز کا مقابلہ کرنے کی بھی کوشش کی، کہا جاتا ہے کہ یمنیوں کا ممتاز طبقہ کوفہ میں بذریعہ منادی اعلان عام کیا کرتا تھا کہ۔ باہر آنے والوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر ان کو کوئی قیام کی جگہ نہ ملی ہو تو وہ فلاں شخص کے ہاں بے تکلف چلے آئیں ۔ اس طرح وہ مہمانوں کے استقبال والی عربی سنت کو زندہ رکھنے کا بازار گرم رکھتے تھے اور اس میں باہم مقابلہ کیا کرتے تھے ولید نے ایک دار الضیافہ اپنی مرضی سے یا حضرت عثمانؓ کی اجازت سے قائم کرکے یمنی اشراف کے لئے فخر و امتیاز کے مقابلہ کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا، ابوزبیدؓ جب کوفہ آتا تو اسی دار الضیافہ میں قیام کرتا اور ولید کے ہاں آتا جاتا۔ اور کون جانے کہ اسی شاعر نے اپنی کسی ملاقات سے واپسی پر دار الضیافہ میں آکر بدمستی کے عالم میں قابو نہ پاکر کچھ ایسی باتیں منہ سے نکال دی ہوں جو خود ولید کی جاسوسی کا باعث بن گئی ہوں۔

اس کے بعد ولید نے لوگوں کی عام ناراضی اور مخالفت کے پیش نظر ایک نئی سیاست کا آغاز کیا جس کا ظاہر خیر خواہی کرنا اور نیکی پھیلانا تھا لیکن باطن عوام اور جماعتوں تک پہنچنا اور ان میں ہر دلعزیزی حاصل کرنا تھا، چنانچہ اس نے غلاموں کے لئے وظیفے مقرر کئے جن سے وہ بہت آسودہ اور خوش حال ہوگئے ہر غلام کے لئے ماہانہ تین درہم مقرر کئے اور جو کچھ ان کے مالکوں سے ملے وہ مزید براں، ولید یہ وظیفہ غلاموں کے بچے ہوئے مال میں سے دیا کرتا تھا۔ یہ بچا ہوا مال ان مجاہدین کو دیا جا سکتا تھا

سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ، اگر حضرت عثمانؓ مذکورہ بالا دونوں گواہوں کی شہادت میں قوی یا کمزور کسی طرح کا بھی شبہہ پاتے تو ولید پر حد جاری کرنے میں ضرور پس وپیش فرماتے ، پھر شبہہ کی بنا پر حد جاری نہ کرنے پر حضرت عثمانؓ کے لئے کوئی مضائقہ بھی نہ تھا ، مضائقہ تو اس میں ہے کہ شبہہ خواہ کتنا ہی کمزور ہو اور حد جاری کردی جائے ۔

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمانؓ کے حکم سے ولید پر کس نے حد جاری کی ، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لوگ خلیفہ کا حکم ماننے سے گریز کر رہے تھے تو حضرت علیؓ نے ولید کو مارا ۔ ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں ، اس لئے کہ حضرت علیؓ دین کی باتوں کے سب سے بڑے عالم تھے اور سنتوں کے محافظ وہ اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے نفاذ میں سب سے زیادہ شدید تھے ، شبہہ کی موجودگی میں وہ حد جاری نہیں کر سکتے تھے ، اکثر راویوں کا خیال ہے کہ ولید کو سعید بن العاص اموی نے مارا ۔ اور یہ سعید حضرت عثمانؓ کے اور ولید کے قریبی رشتہ دار تھے ، ان کو اپنے نزدیک اور دور کے رشتہ داروں اور خلیفہ کی نگاہ میں اپنی وقعت کا بڑا ناز تھا ، اگر وہ ذرا بھی مشکوک ہوتے تو یقیناً حضرت عثمانؓ سے ان کے فیصلے کے متعلق گفتگو کرتے اور اگر کامیابی نہ ہوتی تو کم از کم ولید کو مارنے سے معذرت کر دیتے لیکن انھوں نے ولید کو مار کر دونوں کی نسلوں میں ایک نہ ختم ہونے والی عداوت پیدا کردی ۔

ولید کے مخالفوں کی ایک دماغی پیداوار جسے ہم غلو کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے یہ ہے کہ ایک دن ولید نے شراب کے نشے میں مست صبح کی نماز میں امامت کی اور تین یا چار رکعتیں پڑھا دیں اور پھر مصلیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اگر تم چاہو تو میں کچھ اور رکعتیں زیادہ کر دوں ۔ تب بعض لوگوں نے اس کو ملامت کیا اور بعضوں نے اس پر کنکریاں پھینکیں ، اور عوام نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ انھیں ولید سے معاف رکھا جائے ، چنانچہ آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی ، اس کے بعد یہ واقعہ عوام کی زبان زد ہو گیا ۔

خلاصہ کلام یہ کہ ولید ایک قریشی تھا بظاہر مسلمان لیکن بباطن جاہلیت پر قائم وہ اپنے ایسے ساتھیوں میں جن کی زبان پر اسلام ، لیکن دل کفر و ایمان کے بین بین ہو کوئی پہلا شرابی نہیں تھا ، اور نہ مخنثی طور پر ہنسی مذاق کرنے میں کوئی انوکھا اور نیا تھا ، میرے خیال میں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کسی شعبدہ باز

جن کے جہاد کی بدولت یہ ملا ہے لیکن ولید اس کو لونڈیوں اور غلاموں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا گویا اس طرح وہ غنیمت کے بعض حصّوں کو غنیمت میں ملا دیا کرتا تھا۔ اس لئے کہ یہ لونڈیاں اور غلام بھی تو مال غنیمت کا ایک حصّہ تھے جو چاندی سونے کی طرح فاتحین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے جو لوگ ایک ایسی عربی طبیعت سے واقف ہیں جس میں جاہلیت کے کافی اثرات موجود ہیں اور جس میں اسلام کی محض ظاہری آمیزش ہے ان کو ہرگز حیرت نہ ہوگی کہ کوفہ کے یمنی اس قریشی سے تنگ آ چکے تھے، جو ان کے غلاموں اور لونڈیوں کو خوشحال بنا کر اپنانے اور اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور اس طرح چاہتا ہے کہ غلاموں کی طاقت کو ان کے مالکوں کے مقابلے میں اگر ضرورت پڑے تو استعمال کرے۔

اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ولید عوام کے لئے نرم اور خواص کے لئے نہایت سخت تھا، اگر ولید اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی اتباع کرتا تو کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرتا، حضرت عمرؓ عوام کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے اور خواص کے ساتھ سختی فرماتے تھے اس حقیقت کے پیش نظر کہ خواص میں ایک قسم کی خود غرضی ہوتی ہے، اور وہ جاہلی عصبیت کے زیر اثر بلندی اور برتری چاہتے ہیں، ولید نے اس حقیقت کو سامنے نہیں رکھا وہ تو صرف اقتدار کے تقاضے پورے کرتا رہا اور اس راہ میں لونڈیوں اور غلاموں کا سہارا لیتا رہا۔

بہرحال ولید معزول ہوا اور کوفہ کے اہل الرائے اس سے تنگ اور بیزار ہو چکے تھے اور شہر کے رئیس بھی اس کے دشمن تھے اس لئے کہ وہ جیسا کہ ہم نے واضح کیا ان کے غلاموں کے ذریعے ان کی حیثیت پست کرنا چاہتا تھا اور کوفہ کے فقہا، قرّا اور صالحین بھی اس کے خلاف تھے اس لئے کہ اس میں جاہلیت کے اثرات تھے جن کی وجہ سے اس کی زندگی بیہودگی اور تمسخر کی زندگی تھی جو کبھی کبھی اللہ کے مقررہ حدود سے بھی آگے بڑھ جاتی تھی۔

———(※)———

سعید بن العاص کا انتخاب

سیاسی اور اقتصادی انقلاب کا پیش خیمہ

طہٰ حسین کی تحقیق :-

حضرت عثمانؓ نے یہ تو ٹھیک کیا کہ ولید کو معزول کر دیا اور اس کے حاکم بنے رہنے پر زور نہیں دیا یہ بھی ٹھیک کیا کہ اس پر حد جاری کی اور اس کی حمایت نہیں کی۔ لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ کوفہ کی حکومت مہاجرین یا انصار میں سے کسی قابل صحابی کے سپرد کی جاتی۔ اگر وہ ایسا کر دیتے تو کوفہ کی حالت ٹھیک ہو جاتی اور وہاں کے لوگ اختلاف اور افتراق کا شکار نہ بنتے۔ لیکن آپ نے ابو معیط کے خاندان کے ایک شخص کو ہٹا کر اس کی جگہ بنی امیہ کے ایک آدمی کو مقرر کر دیا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے آپ کو متنبہ کر دیا تھا کہ ان دونوں خاندانوں میں سے کسی ایک آدمی کو بھی عوام کی گردنوں پر سوار نہ کرنا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ کوفہ والے یہ جانتے نہ تھے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمان سے کیا چاہتے تھے، بعد میں انھوں نے متعدد صحابہؓ کو نہایت متقی اور نیک پایا، ان کی سیرت سے خوش ہوئے، ان کو پسند کیا، پھر حضرت عثمانؓ یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ کوفہ والے سعد بن ابی وقاصؓ کے بعد ولید سے تنگ آ چکے تھے، پس مناسب یہ تھا کہ وہاں سعدؓ کے مرتبے کا کوئی آدمی بھیجا جاتا، ولید کے درجے کے آدمی کی ضرورت نہ تھی، سعید بن العاص بنی امیہ کے نوجوانوں میں ایک خلیق اور معتدل مزاج نوجوان تھا، اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح شام کے معرکوں میں آزمائش کی منزلیں کامیابی کے ساتھ طے کی تھیں، خلیفہ ہونے سے قبل حضرت عثمانؓ نے اس کی پرورش کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق دریافت کیا تو ان کو بتایا گیا کہ وہ شام میں امیر معاویہؓ کے پاس ہے، مریض ہے اور موت سے قریب ہے تو حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ سعید کو پوری حفاظت کے ساتھ میرے پاس بھیج دو، سعید مدینہ پہونچے تو

چنگا ہوگیا، اور ہنسی خوشی حضرت عمرؓ سے ملا، فاروق اعظمؓ شفقت اور دردمندی سے اس کے ساتھ
پیش آئے اور ساتھ رکھا، پھر اس کی شادی کردی اور ممتاز قریشی نوجوانوں کا ہم رتبہ بنادیا، لیکن سعید بہر حال
ایک اموی قریشی تھا حضرت عثمانؓ سے قریب تھا، اس کی راست بازی شک سے بالاتر تھی لیکن اس کو
عام قریش پر اور خصوصاً بنی امیہ پر بڑا ناز تھا، وہ کوفہ یہ ارادہ لے کر گیا کہ ولید کی پیدا کردہ خرابیوں کی اصلاح
کردے گا، چنانچہ اس سلسلے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ولید کے گناہوں
سے متاثر ہوکر اس نے ممبر کو دھلولیا، جس سے بعض قریشیوں کو سخت کوفت ہوئی۔

بہر حال اتنی بات یقینی ہے کہ کوفہ والوں نے سعید کو مرحبا کہا اور اس کا استقبال کیا، سعید نے
بھی ابتدا میں ان کی پذیرائی کی اور شہر کے حالات اور معاملات کا بہت قریب سے مطالعہ کیا، ان ممتاز
کوفیوں اور قاریوں کو اپنی مجلس میں جگہ دی جن کو ولید نے دل برداشتہ اور ناراض کر دیا تھا، لیکن تھوڑے
ہی دنوں کے بعد وہ حقیقتِ حال سے باخبر ہوگیا اور حضرت عثمانؓ کو مطلع کر دیا، اس سلسلے میں اس نے
جو خط لکھا ہے اس میں نہ صرف کوفے کا نہایت تفصیلی نقشہ کھینچا ہے، بلکہ دوسرے شہروں کی بھی مکمل
تصویر پیش کردی ہے، اس کی رائے میں کوفہ دو باتوں کی وجہ سے فتنوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، ایک
تو یہ کہ وہ حضرات جو فاتح بن کر یہاں آئے اور تمدن کی ترقی نے ان کو یہیں روک لیا، ایک عرصہ دراز
گذر جانے کی وجہ سے ان کے نظم میں ابتری اور ان کی قوت میں کمزوری پیدا ہوگئی ہے، اُن میں ایسے
حضرات ابھی ہیں جو اپنی قوم میں بڑی وجاہت اور سیادت کے مالک ہیں، ایسے قاری اور عالم بھی جن کا
دینی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور صحابہؓ کی رفاقت کی وجہ سے بہت بلند ہے، پھر جنگ ہو
صلح، موت، دونوں حالتوں میں اُن کی تعداد کم رہی ہے،

دوسری بات جو کشمکش کا سبب ہے وہ باہر سے آنے والوں کی کثرت اور خود کوفہ کی آبادی میں
غیر معمولی اضافہ، دیہاتی عرب بہت بڑی تعداد میں اپنے ارادے سے، یا فوج میں بھرتی کے
خلیفہ کے حکم سے کوفہ میں آرہے ہیں اسی طرح جہاد کے معرکوں میں مال غنیمت کے ساتھ تقسیم ہونے
غلام اور لونڈیاں اپنے مالکوں سمیت بڑی کثرت سے شہر میں آکر بس رہے ہیں، پھر وہ نئی نسل جو
اور لونڈیوں سے پیدا ہو رہی ہے اور وہ نسل جو غیر عربی عنصر اور غلاموں سے پیدا ہوتی جارہی
یہ تمام انسانی نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں اور کوفہ کی شہری زندگی پر ان اضافوں کا غ

اثر پڑ رہا ہے'

عجمیوں کا کوفہ میں کثرت سے داخلہ اور دیہاتی عربوں کی غیر معمولی آمد، پھر ان دونوں میں پیدا ہونے والی اولاد کی کثرت نے سابقین کے لئے میدان تنگ کر دیا ہے، ان کے اقتدار کی بساط تقریباً الٹ چکی ہے اور یہ آنے والے علم سے زیادہ جہل کے ساتھی ہیں، نرمی اور سنجیدگی سے کہیں زیادہ ان میں شدت اور سنگدلی ہے، دیہات کے عرب اپنی موروثی جہالت، اجڈ طبیعت اور کٹر عصبیت لے کر آئے ہیں فارس کے قیدی، تہذیب و تمدن کا ورثہ ساتھ رکھتے ہیں وہ کمزوریاں اور خرابیاں بھی ان کے ساتھ ہیں جو متمدن زندگی کے آخر میں پیدا ہوتی ہیں۔ شکست اور غلامی نے ان کی طبیعتوں میں ذلت، ماضی پر حسرت اور مستقبل سے مایوسی پیدا کر دی ہے، وہ اپنے مالکوں سے متنفر اور خوفزدہ ہیں، ان میں مکر اور چالبازی کے جذبات پیدا ہیں، اس قسم کے مالکوں اور اس قسم کے محکوموں کے اخلاق و عادات کے سائے میں ایک نئی نسل پرورش پا رہی ہے جو مشکلات میں مبتلا ہے اور دوسروں کے لئے بھی مشکلات کا باعث ہے، نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کے کاموں میں شدید قسم کا الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اور حکام جب کسی ایک مشکل کو دور کرتے ہیں تو دوسری رونما ہو جاتی ہے۔

اس قسم کی باتیں مختصراً لکھ کر سعید نے حضرت عثمانؓ کو کوفہ کی حقیقت حال سے باخبر کر دیا حضرت عثمانؓ نے سعید کو جواب لکھا جس میں ہدایت کی کہ وہ حتی الامکان بھلائی اور عافیت کو مقدم رکھے اور جہاں تک ہو سکے اپنے کو اور عوام کو فتنے سے بچائے سابقین کو دوسروں پر ترجیح دے اور اس کے بعد سچائی کے ساتھ حسب مراتب پیش آئے، نہ کسی کی طرفداری کرے اور نہ کسی پر زیادتی۔

لیکن حضرت عثمانؓ نے اسی وقت محسوس کر لیا کہ لوگوں کے حالات بدل گئے، فتنہ و فساد کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور اس سے احتیاط نہایت ضروری ہے، چنانچہ مدینہ منورہ میں آپ نے عوام کے سامنے خطبہ دیا اور جو کچھ آپ کو معلوم ہوا تھا اس سے باخبر کر دیا، فتنہ و فساد سے بچنے کی تاکید کی اور ڈرایا، آپ نے جس سیاسی مسلک کی پابندی کی سعید کو ہدایت کی تھی اس کے متعلق حاضرین سے مشورہ بھی لیا۔ سبھوں نے آپ کی تائید کی، لیکن آپ نے اس کے بعد ایک اہم تجویز پیش کی۔ جسے سن کر مدینہ والے بہت خوش ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ وہ اس تجویز کے ذریعے بعض خرابیوں کی اصلاح کر سکیں گے لیکن تجویز کا نتیجہ برعکس نکلا۔ حضرت عثمانؓ کی تجویز یہ تھی کہ بلاد مفتوحہ

باقی نہ رہا جہاں اس کے اثرات نہ پہنچے ہوں۔

چند مثالیں سنیئے۔ حجاز میں جلیل القدر صحابہؓ کی منقولہ جائدادیں بہت زیادہ تھیں۔ ان لوگوں نے خبر پاتے ہی ان تمام جائدادوں کو فروخت کر کے صوبوں میں زمینیں خرید لیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ زمینیں حجاز سے کہیں زیادہ زرخیز ہیں پھر بونے جوتنے میں آسانی اور پیداوار زیادہ، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے بڑی کوشش اور کاوش کر کے ان لوگوں سے جو خیبر کی فتح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک جہاد تھے ان کا حصہ ان سے یا ان کے وارثوں سے خرید لیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے اس اعلان کے بعد انھوں نے یہ ساری جائداد ان حجازیوں کے ہاتھ اس جائداد کے بدلے میں فروخت کر دی۔ جو فتح عراق کے موقع پر ان کو ملی تھی، طلحہؓ چونکہ کافی دولت مند تھے اس لئے انھوں نے اور بہت سے حجازیوں سے ان کی عراق کی زمینیں خرید لیں، خود حضرت عثمانؓ سے اپنی حجاز کی مملوکہ زمین کے بدلے میں ان کی عراق والی زمین لے لی، لوگوں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا ہر وہ آدمی جس پر یہ گراں تھا کہ وہ حجاز چھوڑ کر صوبوں میں اپنی زمینوں کا انتظام کرے اس نے اپنی وہ زمین فروخت کر دی اور اس کے بدلے میں اپنے قریب کوئی جگہ لے لی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اول تو عراق اور دوسرے صوبوں میں بڑی بڑی جائدادوں اور زمینوں کے مالک پیدا ہو گئے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی اس تجویز سے وہ بڑے بڑے سرمایہ دار ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی جائدادوں سے ان کی ملکیت خرید لینے کی سکت تھی، چنانچہ طلحہؓ نے خریدا، زبیرؓ نے خریدا اور مروان بن الحکم نے خریدا، یہ سال مالیاتی نقطۂ نظر سے بڑی سرگرمیوں کا گذرا، خوب خوب خرید و فروخت ہوئی، قرضے لئے گئے، تبادلے کئے گئے اشتراک اور حصہ داریاں قائم ہوئیں، پھر یہ سرگرمیاں حجاز اور عراق تک محدود نہ رہیں، پورے عربی بلاد اور مفتوحہ علاقوں تک پھیل گئیں، ایک طرف طویل و عریض آراضی کی بڑی بڑی ملکیتیں قائم ہوئیں دوسری طرف ان کے انتظام اور بندوبست کے سلسلے میں بہت سے مزدور اور کام کرنے والے غلام اور آزاد کام سے لگ گئے۔ اس طرح اسلام میں ایک نیا طبقہ (بلوتقراطیہ) پیدا ہوا جس کی امتیازی شان میں وہ سیادت بھی ہے جس کا سرچشمہ دولت کی فراوانی مال کی بہتات اور ماتحتوں کی کثرت ہے،

دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے عربی بلاد میں خاص طور پر اپنی زندگیاں گزاری تھیں۔

میں جہاں کہیں بھی کوئی سکونت اختیار کرے اس کا مال غنیمت وہاں پہونچا دیا جائے، تاکہ شہروں میں فوجیوں کے علاوہ وہی لوگ رہیں جن کو وہاں قیام کی ضرورت ہے۔

مدینہ کے لوگ یہ سن کر سخت حیران ہوئے اور انھوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا کہ اللہ نے مال غنیمت میں ہمیں جو زمینیں دی ہیں آپ وہ کس طرح منتقل کر دیں گے؟

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا اور یہی تجویز کی روح ہے کہ ہم انھیں حجاز کے مالکان آراضی سے جس سے بھی چاہیں فروخت کر دیں گے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گئے اللہ نے ان پر ایسا دروازہ کھولا جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا اب تو وہ منتشر ہو گئے خدا نے ان کی مصیبت دور کر دی[1]۔ تجویز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلے حجاز والوں کو اور پھر تمام عربی بلاد کے شہریوں کو موقع دیا کہ اگر ان کی کوئی زمین عراق یا کسی دوسرے صوبے میں ہو تو وہ حجاز کی زمین سے یا کسی عربی شہر کی زمین سے بدل لیں ایسا کرنے سے لوگ اپنے شہروں میں اپنے اہل وعیال اور متعلقین کے ساتھ مستقل قیام کریں گے اور وہاں سے منتقل نہ ہوں گے اس طرح دیہاتی عربوں کی ہجرت صوبوں میں کم ہو جائے گی اور پھر حجاز میں اور عربی شہروں میں زمینیں خریدنے والوں کی زمین کی درستگی اور انتظام کے لئے، اس کو نفع بخش بنانے کے لئے بہت سے مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہو گی۔ پس عربی بلاد میں غلام اور کام کرنے والے آ بسیں گے اور صوبوں کا مسلسل بڑھنے والا دباؤ ان قیدیوں کی بھرمار سے کم ہو گا۔

اس تجویز پر لوگوں کا خوش ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ حجاز والوں کے لئے عراق کی زمین میں وہ کشش نہیں ہو سکتی جو خود حجاز کی زمین کے لئے ہو سکتی ہے اسی طرح یمن والوں کو مصر اور شام کی زمین سے زیادہ مرغوب یمن کی زمین ہو گی جو ان سے قریب ہے، اور وہ آسانی سے اس کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں اس میں ان کو نہ لمبے یا مختصر سفر کی زحمت اٹھانی ہو گی اور نہ باپ دادا کی زمین سے ہجرت کرنے کی تکلیف۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی اس تجویز سے تمام صوبوں کو مطلع کر کے ایک ایسی راہ کھول دی جس نے ان کی زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا، سیاست اجتماع اور اقتصاد غرض کہ فکر و نظر کا ایسا کوئی گوشہ

---

[1] طبری واقعات ۳۱ھ

انھوں نے اس کی کاشت کا ارادہ کیا اور با ہر سے کام کرنے والوں اور غلاموں کو بلوایا، اور ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ حجاز جنتِ ارضی کا ایک خوبصورت ٹکڑا بن گیا جو اپنے باشندوں کے لئے سب سے زیادہ زرخیز، بارآور، دولت آفریں ہوا اور ان کی خوش حالی و فراغت کا باعث بنا، اس کے بعد بہت جلد مکہ میں، مدینہ میں اور طائف میں امرا اور سرمایہ داروں کا وہ طبقہ پیدا ہوگیا جو خود کچھ کام نہیں کرتا تھا، اپنا سارا وقت گپ شپ اور لہو ولعب میں گذارتا، مزدور اور غلام اس کے لئے کام کرتے۔

اس کے بعد تو حجاز میں اور دوسرے عربی شہروں میں تمدن کا دور دورہ ہوگیا، تعیش بڑھا، فضول اور فضولیات نے قدم جمایا، فرصت اور بےکاری کے دن طرح طرح کے شوق پیدا کرتے ہیں چنانچہ رقص سرود شروع ہوا اور ایسی شاعری جو ہمت و حوصلہ اور سرگرمیوں کا نقشہ نہیں کھینچتی بلکہ ایسی فرصت اور ایسی فراغت کی تصویر پیش کرتی ہے، جو لذت گیری کے لئے وقف ہو، جو نفس کے جذبات اور اس کے بار بار کے تقاضوں کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہو۔ ان ہی فارغ البال سرمایہ داروں کے سایہ میں غلام بھی آباد تھے جو اپنے آقاؤں کے مالک اور ان کی زندگی کے منتظم تھے اور ان کے لئے جذبات اور ہوس کا ساز و سامان فراہم کرنے والے تھے، پھر ان مالک غلاموں یا غلام مالکوں کے پڑوس میں عربوں کا ایک طبقہ رہتا تھا جو اتنا نادار تھا کہ اس کے پاس نہ حجاز میں کوئی زمین تھی کہ عراق کی زمین کے بدلے میں بیچ لیتا اور نہ عراق میں کسی زمین کا مالک تھا کہ حجاز کی کوئی زمین خرید لیتا۔

حضرت عثمانؓ نے خدا کی ان پر رحمت ہو جب اس تجویز پر غور کیا یا ان کے رفقا اور مشیروں نے جب ان کو اس طرف متوجہ کیا، تو اس کے دوررس نتائج اُن کی نگاہوں کے سامنے نہ تھے انھوں نے ایک خرابی دیکھی اور چاہا کہ اس کا خاتمہ کر دیں، وہ چاہتے تھے کہ شہروں میں لوگوں کی آمد اور دیہاتی عرب اپنے گھروں پر رہیں البتہ غلام اور قیدی عربی بلاد میں لائے جائیں۔ ان حجازیوں کو صوبوں میں چھوٹی چھوٹی جائدادوں کے مالک ہیں حجاز میں ایسی زمینیں حاصل ہوجائیں جن کی وہ قریب سے نگرانی کرسکیں، لیکن حضرت عثمانؓ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے، اس تجویز سے توخلاف توقع خرابیاں ہی خرابیاں پیدا ہوگئیں، یہ تو نہیں نہیں کہہ سکتا کہ دیہاتی عرب شہروں میں آکر بسنے سے کسی وقت رک سکے یا نہیں اس لئے کہ تاریخ اس باب میں خاموش ہے

مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے مشیروں نے مسلمانوں کی اقتصادی زندگی میں اس قدر غیر معمولی اور اہم انقلاب پیدا کرنے کا جو ارادہ کیا تھا، تاریخ نے اسے تاڑا بھی یا نہیں؟ مجھے اس میں شبہ نہیں کہ قیدیوں اور غلاموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا جو دباؤ شہروں پر پڑ رہا تھا حضرت عثمانؓ اس کے کم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، اس لئے کہ فتوحات کا سلسلہ آپ کے زمانے ہی میں ختم نہیں ہو گیا، بلکہ جیسا کہ ناظرین آگے چل کر پڑھیں گے بعد میں بھی معرکے رہے اور مسلسل فتوحات ہوتی رہیں، اور مال غنیمت کے پانچ حصوں میں چار حصے فاتحین میں تقسیم ہوتے رہے۔ جو شہروں میں مقیم تھے ہر چار سال میں ایک مرتبہ وہ اپنے قریب کی سرحد پر جاتے اور کم و بیش چھ مہینہ قیام کرتے پس مال غنیمت میں جس غلام بھی شامل ہیں ان تک پہنچتا رہتا اور آنے والے غلاموں کی تعداد مسلسل بڑھتی رہتی اور اس کے سوا چارۂ کار بھی نہ تھا یہ بات تو اسی وقت رک سکتی تھی جب فتوحات کا سلسلہ رک جاتا اور حکومت امن و صلح کے زیر سایہ دن گذارتی، اور یہ موقع عثمانی عہد تک تو میسر نہ آ سکا تھا آپ کے زمانے میں تو صوبے کے گورنروں میں شدید مقابلہ رہا کہ فتوحات میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے پھر سرحد کے سپہ سالاروں میں بھی مقابلہ رہا کہ فتوحات میں کس کا پلہ بھاری رہتا ہے، پھر سرحد کے سپہ سالاروں بھی بڑے مقابلہ کی بات تھی، کہ اس میدان میں یا اس معرکے میں کون پہلے دشمن پر حملہ کرتا ہے، اس شہر پر یا اس آبادی پر کون پہلے قبضہ کرتا ہے، اور کون سب سے زیادہ مال غنیمت حاصل کر کے ایک طرف فوج کو دوسری طرف صوبے کے حاکم کو اور تیسری طرف مدینہ میں خلیفہ اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرتا ہے، پس حضرت عثمانؓ وہ دباؤ جو دیہاتی عربوں اور مفتوح قیدیوں کی وجہ سے عام عربی شہروں اور خاص طور پر عراق کے دونوں شہروں بصرہ اور کوفہ پر پڑ رہا تھا کسی طرح کم نہیں کر سکتے تھے، اور جن لوگوں نے اپنی صوبوں کی زمینیں فروخت کر کے حجاز میں جائدادیں پیدا کیں وہ اپنا انتظام ٹھیک نہیں کر سکے اور ضرورت کے مطابق باہر سے کام کرنے والے بلا نہ سکے جو شاید آتے تو شہروں میں غلاموں کی تعداد کم ہو جاتی، حضرت عثمانؓ نے ۲۳ھ میں اقتصادی انقلاب پیدا کیا اور ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور ان چند برسوں کے درمیان حالات انتہائی اضطراب انگیز رہے اس لئے اس مختصر مدت میں جن نتائج کی توقع تھی وہ برآمد نہ ہو سکے البتہ اس کے خراب اور خطرناک اثرات کم سے کم وقت میں ظاہر ہو گئے اور حجاز کے سرمایہ دار جس بات کا

بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے وہ ان کو حاصل ہوگئی۔ مدینہ منورہ میں قریش کو روک کر حضرت عمرؓ نے صرف ان کی شخصیتوں کو نہیں روکا تھا بلکہ بڑی حد تک ان کی دولت اور ثروت کو بھی مدینہ سے باہر جانے نہیں دیا۔ بلاشبہ مدینہ کے دولتمند حجاز میں اور دوسرے صوبوں میں تجارتی کاروبار کرتے تھے اور روپیہ پیسہ کی شکل میں غیر معمولی دولت بھی کماتے تھے لیکن اپنی اس روز افزوں دولت کو وہ کسی کاروبار میں لگا نہیں سکتے تھے، ان کے لئے آسان نہ تھا کہ وہ وسیع پیمانے پر بڑے بڑے کاموں میں اپنا سرمایہ لگائیں اس لئے ہوتا یہ تھا کہ نقد کی صورت میں نقد اور مال کی صورت میں مال بڑھتا چلا جاتا تھا، جس کو عوام اور غریب دیکھ کر حیرت کرتے، بعض اوقات دولت کی اس فراوانی پر کچھ لوگ فقرے چست کرتے جس سے متاثر ہو کر دولتمند خیر و خیرات کی راہیں نکالتے اچھوں کے لئے یہ بات اللہ اور عوام کی خوشنودی کا باعث تھی اور دوسروں کے لئے حسد اور دشمنی سے بچنے کا سامان۔

پس حضرت عمرؓ نے قریش کو کاروبار کرنے اور نفع کمانے سے روکا نہیں تھا، اور وہ روک بھی نہیں سکتے تھے، لیکن ان کو یقین تھا کہ دولتمند اپنی دولت سے اس قدر زیادہ نفع کماتے ہیں جو مناسب نہیں، اسی لئے زندگی کے آخری دنوں میں آپ نے فرمایا "جو کام میں نے آخر میں کیا اگر وہ پہلے کرتا تو دولتمندوں سے ان کا بچا ہوا مال لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا"۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دن صبح صبح مدینہ والوں نے بڑا شور سنا، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اونٹوں کی آواز ہے جن پر اسباب تجارت لدا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ۔ ایسا سمجھو کہ پل صراط پر میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں کبھی جھک جاتے ہیں اور کبھی سیدھے ہو جاتے ہیں تا آنکہ پار ہو گئے۔ عبدالرحمٰنؓ کو جب اس کی خبر پہونچی تو آپ نے کہا وہ تمام اونٹ اور جو کچھ ان پر ہے سب خدا کی راہ میں صدقہ ہے راوی کا بیان ہے کہ ان اونٹوں پر بہترین مال تجارت تھا اور اونٹ کل پانچسو تھے[۱]

ابن سعد سلیمان سے اور سلیمان عبدالرحمٰن دمشقی سے اور وہ خالد بن یزید ابن ابی مالک سے اور وہ اپنے باپ سے، اور وہ عطا ابن رباح سے اور وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے اور

وہ اپنے باپ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لے
ابن عوف تم ایک دولتمند ہو لیکن جنت میں تم گھسٹتے گھسٹتے جاؤ گے اللہ کو قرض دو کہ تمہارے پاؤں
کھول دے ابن عوفؓ نے جواب میں کہا اللہ کے رسولؐ میں اللہ کو کیا قرض دوں آپؐ نے فرمایا جس
پر تمہاری شام گذری ہو اس سے شروع کرو، ابن عوفؓ نے کہا سب کا سب یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا ہاں! ابن عوفؓ ارادہ کر کے وہاں سے نکلے لیکن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کو کہلا بھیجا کہ جبریلؑ نے کہا ہے کہ ابن عوفؓ کو مہمان نوازی کا مسکینوں کو کھانا کھلانے
کا اور سائل کی طلب پوری کرانے کا حکم دیجئے اور آغاز اپنے عزیزوں سے کریں۔ اگر انھوں نے
ایسا کیا تو ان کے مال کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔

یہ تھی دولت عبدالرحمٰنؓ کی عہد نبویؐ میں پھر اس میں چند در چند اضافہ ہوا کچھ تو کاروبار اور
اس کی ترقیوں سے اور کچھ مال غنیمت کے حصّوں سے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں
خرچ کرنے کے لئے پچاس ہزار سرخ دینار کی وصیت فرمائی اور ایک زبردست وراثت ترکے
میں چھوڑی۔ چنانچہ ان کی ملکیت میں ہزار اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں، وہ مقام جرف کی
زمینوں پر بیس اونٹوں کی آب پاشی سے زراعت کرتے تھے، انھوں نے چار بیویاں چھوڑیں
ہر ایک کے حصّہ میں جو وراثت آئی اس کی قیمت کا اندازہ اسی ہزار سے ایک لاکھ تک کیا جاتا
ہے، راویوں کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سونے کی اتنی مقدار چھوڑ کر مرے کہ اسے
کلہاڑی سے کاٹنا پڑا اور لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اور یہ عبدالرحمٰنؓ دولت مندی
میں کوئی یگانہ نہ تھے، قریش کے سرداروں اور صحابہ کبار کی جو حالت تھی وہی ان کی تھی، حضرت عثمانؓ
کے اس اقتصادی انقلاب نے ان دولت مندوں کو موقع دیا کہ وہ اپنا سرمایہ کسی کاروبار میں لگائیں
چنانچہ وہ بڑے بڑے کاروبار اور غیر معمولی دولت کے مالک بن گئے اور اس طرح جیسا کہ ہم نے
کہا تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی زبردست جاگیریں پیدا ہوگئیں۔ اور اسلام کے آغاز ہی میں وہ تعیش
پیدا ہوگیا جو رومی جمہوریت کے آخر میں ہوا تھا۔ اور جو رومی جمہوریت کے خاتمے کا باعث تھا۔
اسی نے اسلامی خلافت کو بھی برباد کیا۔ گنے چنے چند رومی اٹلی کی سرزمین کے مالک ہو گئے تھے اور
عوام ان ہی سے وابستہ ہو کر ٹولیوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے اسی طرح مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت

نے صوبوں کی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور روگ جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر اسی مختصر جماعت سے وابستہ ہو گئے۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے یا اپنے مشیروں کے مشورے سے جو نظام پیدا کیا ان کے نتائج سیاست ہی تک محدود نہیں رہے اور صرف یہی نہیں ہوا کہ حد سے زیادہ مالدار طبقہ پیدا ہوا جس نے عوام کو شکار بنایا، ان کو جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم کر دیا پھر اس بے تقسیم کی بدولت ان پر اپنا اقتدار جمانے کے لئے باہم لڑتے رہے، بلکہ اجتماع اور سماج بھی اس سے متاثر ہو، اس انقلاب نے پوری طرح ایک طبقاتی نظام پیدا کر دیا، چنانچہ امراء کا اونچا طبقہ پیدا ہوا جس کے پاس غیر معمولی دولت اور دولت پیدا کرنے کے ذرائع اور زبردست اقتدار تھا، اور ایک طبقہ مصیبت کے ماروں کا بنا جو مزدوری کرتا تھا اور اونچے طبقے کے معائب کے لئے مشقت کرتا تھا اور ان دونوں جدا طبقوں کے بیچ میں ایک درمیانی طبقہ پیدا ہوا جو عام عربوں کا طبقہ تھا، یہ شہروں میں رہتا تھا، دشمنوں پر حملہ آور ہوتا، سرحدوں کی حفاظت کرتا اور اپنے زیرِ سایہ لوگوں کی مدافعت کرتا، یہی درمیانی طبقہ ہے جس کا دولتمندوں نے مقابلہ کیا اور اس کو مختلف جماعتوں اور فرقوں میں منتشر کر دیا، مسلمانوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ پہلی آویزش تو دولتمندوں میں ہوئی لیکن اس کے بعد اس درمیانی طبقے اور دولتمندوں میں معرکہ رہا، تیسرا طبقہ جو زمین پر کام کرتا تھا اور جس کی زندگی مختلف مفاد کی نذر تھی اس کا معاملہ بہت بعد میں ظہور پذیر ہوا اور اس کی بھی ایک داستان ہے۔

———(✻)———

پہلا فتنہ

پہلا فتنہ درصل لبقول طٰحسین عربی فتنہ تھا، جو دولت اور اقتدار کی خاطر مقابلہ کرنے والے دولتمندوں کی سرگرمیوں سے پیدا ہوا جس میں عام عربوں کا وہ جذبۂ حسد بھی شامل ہے جوان کو مالداروں سے تھا، حضرت عثمانؓ کی تجویز کی اطلاع پاتے ہی دولت منداس سے فائدہ اٹھانے کے لیے دوڑ پڑے اور فتنے کے آثار رونما ہوگئے اور سب سے پہلے خرابی کوفہ سے شروع ہوئی، اور خود سعید بن العاص کی مجلس سے ۳۳ھ کے دن تھے اسعید نے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اپنی مجلس کے لئے ممتاز افراد متقی بزرگوں اور قاریوں کو منتخب کر لیا تھا، جو دن میں جب کہ عوام نہ ہوتے یا رات میں داستان گوئی کے موقع پر حاضر ہوتے، ایک مرتبہ دن میں یا رات میں سعید نے مجلس میں کہہ دیا کہ سواد کوفہ قریش کا ایک باغ ہے۔ اس پر مجلس کے حاضرین میں جس میں اکثر یمنی تھے غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے سعید کو نہایت سختی اور تلخی کا جواب دیا اور کہا سواد تو اللہ کا مال غنیمت ہے اور اس میں قریش کا حصہ دوسرے مسلمانوں سے کچھ زیادہ نہیں، سعید کا محافظ افسر بہت خفا ہوا اور اس نے حاضرین کی سخت کلامی پر ان کو ڈانٹ ڈپٹا، لیکن حاضرین اس کی طرف بڑھے اور اس کو اتنا مارا کہ اس پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی، اس کے بعد سعید نے داستان گوئی کی مجلس اٹھادی اور ان لوگوں سے ملنا ترک کر دیا، اب یہ لوگ اپنی اپنی مجلسوں اور نشست گاہوں میں جمع ہونے لگے اور سعید کے خلاف اور حضرت عثمانؓ اور قریش کے خلاف تنقید میں اپنی زبانیں آزاد کر دیں، بات لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور کچھ لوگ ان کی مجلسوں میں آنے جانے لگے، تب سعید نے حضرت عثمانؓ کو ان کے بارے میں مراسلہ لکھا اور اس میں اس بات کا اظہار کیا کہ مجھے ان کی وجہ سے خطرہ ہے کہ عوام فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ان کو شام بھجوا دو اور شام میں امیر معاویہؓ کو لکھا کہ ان آنے والوں سے ملو اور ان کی

اصلاح کی کوشش کرو، بعض راویوں کا بیان ہے کہ سعید کی مجلس میں ایک دن یہی قاری اور بزرگان کوفہ موجود تھے اور بات طلحہ بن عبید اللہ کی سخاوت اور فیاضی کی چھڑ گئی، سعید نے کہا جس کے پاس طلحہ جتنی دولت اور زمینیں ہوں اس کو دریا دل اور فیاض ہونا بھی چاہیئے، اور اگر میرے پاس اتنی دولت ہوتی تو میں تم کو فارغ البال اور خوش حال بنا دیتا، مجلس میں بنی اسد کا ایک لڑکا بھی تھا، اس نے سعید سے مخاطب کرتے ہوئے کہا کاش فرات کی فلاں زمین جو حکومت کی ہے۔ امیر کی ملکیت ہوتی تو وہ عام مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جاتی، حاضرین نوجوان کی اس بات پر برہم ہو گئے اور اس کو لعنت ملامت کیا، پھر بات اتنی بڑھی کہ لوگوں نے اس نوجوان کو اور اس کے باپ کو مارا اور اتنا مارا کہ دونوں بیہوش ہو گئے، اس پر بنو اسد کو غصّہ آگیا اور بگڑ بیٹھے، سعید نے بڑی کوشش کی کہ معاملہ رفع دفع ہو جائے لیکن بات نہ بن سکی۔ پھر کوفہ والوں نے اس سے اصرار کیا کہ ان لوگوں کو شہر بدر کر دیا جائے، چنانچہ سعید نے خلیفہ کے حکم سے ان کو شام بھیج دیا۔

بہر حال قابل ذکر بات یہ ہے کہ سعید نے ان لوگوں کو ان کے شہر سے جلاوطن کر دیا، اور میں نہیں کہہ سکتا کہ حاکم کو اپنی مرضی سے یا خلیفہ کے حکم سے کس حد تک یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کو ان کی زمین سے جلاوطن کر دے، اس لئے کہ ان کو اسی وقت جلاوطن کیا جا سکتا ہے جب دلیلوں سے یہ ثابت ہو چکا ہو کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے مقابلے کی ٹھان لی، یا زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کی، ایسا ہونے کی صورت میں بلاشبہ خلیفہ مجاز ہے کہ ان کو قتل کر دے یا سولی پر چڑھا دے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے یا جلاوطن کر دے۔

شہر کے ان بزرگوں کے متعلق جن میں قرآن مجید کے قاری، اور اسلامی معرکوں میں فداکاری دکھانے والے حضرات موجود تھے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی یا زمین پر فساد پھیلایا، نہ اطاعت سے انکار کیا نہ خلیفہ اور اس کے حاکم کے حکم سے سرتابی کی، یہ لوگ تو حاکم کے ساتھ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتے تھے اور جو کچھ ان کے ذمّے تھا ادا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ان کا جرم یہ تھا کہ حاکم کے طرز عمل یا اس کی بعض دوسری باتوں پر انھوں نے تنقید کی اور اپنی حد سے تجاوز کر کے اس نوجوان کو یا حاکم کے محافظ افسر کو مارا، لیکن حاکم کے بعض کاموں یا اس کی بعض باتوں پر تنقید، ان کا حق ہے، جس کو ان سے کوئی چھین نہیں سکتا خود صدیق اکبرؓ

اور فاروق اعظمؓ لوگوں سے اس کی درخواست کیا کرتے تھے، پس محض تنقید پر توان کو سزا دینا مناسب نہ تھا، اب رہا ان کا مارنا تو بلاشبہ اس پر ان کو خفیف سی سزا دی جاسکتی تھی، سرزنش کردی جاتی، قید میں رکھا جاتا، ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے -جلاوطن کردینا تو بہت بڑی سزا تھی، اگلے وقت کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بھی نصر بن حجاج کو اس خوف سے کہ عورتیں فتنے میں مبتلا ہوں گی مدینے سے جلاوطن کردیا تھا، پس حضرت عثمانؓ یا ان کے حاکم کے لیے بھی بالکل جائز ہے کہ مسلمانوں کے فتنے میں پڑنے کے اندیشے سے ان لوگوں کو کوفہ سے نکال دیں، لیکن نصر بن حجاج کی جلاوطنی صحیح معنوں میں نہ جلاوطنی تھی اور نہ سزا۔ اس لیے کہ ان کا کوئی گناہ نہ تھا اور نہ انھوں نے عورتوں کو اپنے پیچھے آنے کے لیے پھسلایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بے نظیر قدوقامت عطا کیا تھا اور لاجواب حسن وجمال کی نعمت دی تھی، حضرت عمرؓ نے میرے خیال میں ان کو مدینہ چھوڑ دینے کی ترغیب دلائی اور کچھ مالی امداد دی، یہ ترغیب نہ کوئی شدت تھی نہ جبر لیکن حس حکیمانہ لب ولہجہ میں آپ نے یہ بات کہی اس میں شدت کی جھلک تھی، پھر حضرت عمرؓ کی اس کارروائی پر سب لوگ خوش بھی نہ تھے، لیکن میں تو عرض کروں گا کہ اس نوجوان کو حضرت عمرؓ نے جلاوطن کیا اور نہ سزا دی انھوں نے اس کو مدینہ چھوڑ دینے پر اکسایا اور اس سلسلے میں اس کی مالی مدد کی،

لیکن سعید نے ان لوگوں کو کوفہ چھوڑ دینے پر نہ اکسایا اور نہ ان کی مالی مدد کی بلکہ حاکمانہ جبر کے ساتھ ان کو کوفہ سے نکال کر غربت میں بھیج دیا جہاں وہ بال بچوں سے دور پریشانی کے عالم میں تھے، ان کو اس نے یا حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کے حوالہ کردیا تاکہ ان کو آزاد نہ رہنے دے اور جس طرح ہو سکے ان کی اصلاح کردے۔ اس طرح اس نے ان کو گھر سے بے گھر کیا، ان کی آزادی چھین لی، بال بچوں کے بارے میں اُن کو حیران وپریشان کیا اور ان باتوں کا اس کو کچھ بھی حق نہ تھا، شاید کوئی یہ کہے کہ سعید نے بھی ان کو صحیح معنوں میں جلاوطن نہیں کیا اس نے تو ان کو ایک دارالاسلام سے نکال کر دوسرے دارالاسلام میں داخل کردیا اور اسلامی زمین سب کی سب مسلمانوں ہی کا گھربار ہے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں صحابہؓ اور تابعین میں جتنے لوگ بھی تھے سبھوں نے اس اخراج کو بہرحال برا اور ناجائز جلاوطنی خیال کیا، اس میں کچھ شک نہیں کہ امام کو سزا دینے کا

شامیوں کے لئے خطرہ تصور کرنے لگے اور وہ اس بات سے حد درجہ خائف تھے کہ شام کے لوگ کہیں کسی تحریک کا شکار نہ ہوجائیں، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو ایک خط لکھا جس میں ان لوگوں کو اپنے یہاں مقیم رکھنے سے معذرت چاہی، حضرت عثمانؓ نے معذرت قبول کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو ان کے شہر واپس کردو، یہ لوگ کوفہ پہنچتے ہی سعید معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف خیالات کا اظہار کرنے لگے، اور ان کی تحریک کچھ پھیلنے لگی، سعید نے پھر حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں کے کوفہ میں قیام سے معاف رکھیں، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو جزیرہ میں جلا وطن کر کے عبد الرحمٰن بن خالد بن الولید کے پاس بھیج دے۔ جو امیر معاویہؓ کی طرف سے حمص اور جزیرہ پر حاکم تھے، چنانچہ یہ لوگ عبد الرحمٰن کے پاس بھیجدیئے گئے، جس نے ان کے ساتھ نہایت شدت برتی اور سخت اہانت آمیز سلوک کیا، وہ دلیل اور مناظرے سے نہیں، سخت کلامی اور بدسلوکی کے زور سے اپنی، اپنے باپ اور قریش کی بات منواتا تھا، چنانچہ خود سوار ہوکر چلتا تھا اور ان کو اپنے رکاب میں پیادہ پا چلنے پر مجبور کرتا تھا، انہیں ڈانٹتا تھا، سخت سست کہتا تھا، انھیں دوسروں کے لئے عبرت بنائے ہوئے تھا، جب یہ بات ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی تو انھوں نے توبہ کی اور اطاعت کا اعلان اور معافی بھی چاہی۔ عبدالرحمٰن نے ان کی معافی قبول کرلی اور ان میں اشتر کو توبہ اور معافی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا، حضرت عثمانؓ نے اس کو اجازت دی کہ وہ جہاں چاہے جائے، اس نے عبدالرحمٰن کے پاس اپنے دوستوں میں رہنا پسند کیا لیکن یہ قیام زیادہ عرصہ تک نہیں رہا۔ جیسے ہی سعید حضرت عثمانؓ کے پاس آیا یہ جلا وطن دوڑ پڑے اور طے کرلیا کہ وہ سعید کی راہ میں حائل ہوں گے انھوں نے اپنے ساتھیوں کو خط لکھ کر بلوایا اور بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچے، اور یقین کرلیا کہ اگر ان کی تلواریں ہاتھوں میں ہیں تو سعید کوفہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ پھر ایک جماعت بناکر جس کی قیادت اشتر کررہا تھا مقام جرعہ تک پہنچے، اور سعید کا انتظار کرنے لگے تاآنکہ سعید آیا اور اس کو واپس چلے جانے پر مجبور کردیا، اور حضرت عثمانؓ پر جبر کیا کہ وہ سعید کو معزول کرکے کسی اور کو ان کا حاکم مقرر کریں، ان لوگوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو پسند کیا، حضرت عثمانؓ کے لئے منظوری کے سوا چارہ کار نہ تھا، کوفہ والے اس طرح حضرت عثمانؓ کو دو مرتبہ مجبور کرچکے کہ اپنا حاکم معزول کردیں ایک ولید کو معزول کرایا اس لئے کہ لہو و لعب میں مبتلا تھا، متکبر تھا، تمسخر کرتا تھا اور شراب پیتا تھا

حق ہے لیکن اس کو سزا دینے میں جانی بوجھی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے، آگے چل کر پ
دیکھیں گے کہ حضرت عثمانؓ کے گورنروں نے جلاوطن اور شہر بدر کر کے خود اپنی جان پر غلیظر
اور عوام پر کیسے کیسے مظالم کئے -

کوفے سے نکالے ہوئے ان افراد سے امیر معاویہؓ نے ملاقات کی اور ان کو گرجا گھر میں ٹھہرایا
ان کی ضروریات کا انتظام کر دیا اور کوشش شروع کر دی کبھی ان کے پاس خود جاتے، کبھی اپنے
پاس بلاتے، لیکن یہ سب بے فیض رہا، ایک مرتبہ عربوں پر قریش کی فضیلت کے موضوع پر بحث
کے دوران یہ کہا تھا کہ عربوں پر قریش کی کوئی فضیلت نہیں ہے، سوائے اس امتیاز کے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلے میں پیدا ہوئے لیکن قریش میں نبی کا مبعوث ہونا اس کو اس کی اجازت
نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بنا رہے، یا اس کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ...
. . . . اس کو تمام مسلمانوں پر ایک برتری حاصل رہے جیسی عثمانی

عہد میں رہی، بہرحال یہ بات کسی قریشی حاکم کو اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ

انما السواد لبستان لقریش سواد کوفہ قریش کا ایک باغ ہے،

کہدے . ان لوگوں سے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے خلیفہ اور اس کی اطاعت کے
مسئلہ پر گفتگو کی لیکن بات بے نتیجہ رہی، اس لئے کہ وہ امام کی اطاعت کے منکر نہ تھے، اگر
وہ عدل قائم کرتا ہے، حق جاری کرتا ہے، سنّتوں کو زندہ کرتا ہے بدعتوں کو مٹاتا ہے
ان کو تو امام کی اور اس کے حاکموں کی اطاعت سے اس وقت انکار ہے جب وہ اعتدال کی
راہ سے ہٹ جائیں، امیر معاویہؓ نے اپنی ذات کے متعلق بحث کی، اس بحث میں بھی وہ
ان پر کچھ اثر نہ ڈال سکے، انھیں یہ ناگوار تھا کہ امیر ان کو وعظ ونصیحت کریں اور ان سے
حاکم اور والی کی حیثیت سے پیش آئیں، ان کا مطالبہ تھا کہ معاویہ کو منصب حکومت سے سبکدوش
ہونا چاہیئے تاکہ ان کی جگہ وہ شخص آئے جو اسلام لانے میں ان سے پہلے تھا، جس کا خاندان
ان سے بھی زیادہ بزرگی رکھتا ہے اور اسلام کے حدود قائم کرنے میں ان سے بھی زیادہ
اہلیت وقابلیت کا مالک ہے -

... گئے ... امیر معاویہؓ نہ صرف ان لوگوں کی اصلاح سے مایوس ہو گئے، بلکہ ان

دوسرے سعید کو معزول کرایا اس لئے کہ وہ نہایت سخت ظالم تھا اور قریشی امتیاز رکھنے میں حد سے بڑھا ہوا تھا، ولید کی معزولی کے موقع پر کوفہ والوں نے کسی کا نام پیش نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے سعید کو مقرر کر دیا، لیکن سعید کی معزولی پر انھوں نے حضرت عثمانؓ کے لیے اپنی پسند کا اختیار بھی نہیں دیا، بلکہ صحابہ میں سے ایک کو پسند کیا جو یمنی بھی تھے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اور قدرے سکون ہوا لیکن یہ سکون تھوڑے ہی دن باقی رہا،

حضرت عثمانؓ سے صحابہ کا اختلاف

اختلاف کے اسباب، محرکات اور عوامل

یہ ضروری ہے کہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ بنو امیہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے باعث حضرت عثمانؓ کی ذات خود اجل صحابہ میں مورد نزاع اور مختلف فیہ کیوں بنی؟

اس سلسلہ میں بھی اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے میں اس تجزیہ پر اکتفا کروں گا جو ڈاکٹر طہٰ حسین نے "الفتنۃ الکبریٰ" میں کیا ہے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین نے بسط و تفصیل سے بتایا ہے، کہ حضرت عثمانؓ کی روش اور مسلک سے اختلاف کا آغاز کہاں سے، اور کن اصحاب کی طرف سے ہوا؟ اور اس اختلاف کے حقیقی عوامل اور اسباب و موثرات کیا تھے؟ طہٰ حسین کی رائے سے کسی کو کلی یا جزئی طور پر اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رائے میں وزن ہے یہ دلیل پر مبنی ہے، واقعات کے بیان میں جذبات پر نہیں حقائق پر بھروسہ کیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ بحث و گفتگو کا یہ پہلو بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور مسئلہ کے تمام گوشے ایک مرتبہ نگاہ کے سامنے آجائیں،

ڈاکٹر طہٰ حسین نے اس اہم اور نازک موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"جو سوال قابل بحث ہے اور جس کا جواب دینے کی ہم کوشش کریں گے وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے طرز عمل کی مخالفت کہاں سے شروع ہوئی؟ مدینہ منورہ سے جو دارالخلافہ تھا؟ یا دوسروں شہروں سے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ مخالفت کی ابتدا رنبی کے صحابہؓ مہاجرا ور انصار سے ہو کر شہروں تک اور شہروں میں مقیم فوجوں تک پہنچی یا پہلے فوج میں ہوئی اور پھر صحابہؓ تک مدینہ میں پہنچی؟

کھلی بات ہے کہ اس سوال کا جواب بڑا نازک اور اہم ہے، مدینے میں مخالفت کی ابتدا
کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی بعض باتوں کو سب سے پہلے نبیؐ کے صحابہؓ نے ناپسند کیا
پھر لوگوں نے اس کی اتباع کی، اتباع میں بعض لوگ اعتدال کی راہ پر رہے کچھ لوگ
حد سے آگے بڑھ گئے اور شہروں میں مخالفت کی ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ فوجیوں نے قدم اٹھایا اور
مخالفت میں اس طرح سرپٹ دوڑے کہ نتائج سے بے پروا ہو گئے اور صحابہؓ کو بھی اپنی لپیٹ
میں لے لیا، بعض صحابہ اس پر ناراض رہے، اور بعض رضامند، آگے چل کر آپ دیکھیں گے
کہ اس سوال کا جواب دینے میں ہم درمیانی راہ اختیار کریں گے، ہمارا خیال ہے
کہ مخالفت صرف مدینہ میں نہیں بلکہ مدینہ میں اور دوسرے صوبوں میں،
پیدا ہوئی، اور غالباً مدینہ میں اور پھر صوبوں کے اطراف میں جہاں
سرحدوں پر مسلمان دشمنوں کا مقابلہ کر رہے تھے، اگر ہماری یہ رائے صحیح ہے
اور ہم اس کو صحیح سمجھتے ہیں تو مخالفت خواہ مدینہ سے شروع ہوئی ہو خواہ شہروں
سے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک فطری اور یقینی پیش آنے والی بات تھی، وہ اجتماعی
اور سیاسی زندگی کا تقاضا تھی، وہ تمدن کی فطرت جس سے مسلمان دوچار ہونے
پر بہر حال مجبور تھے۔ اور جو دین کے حقائق میں ہم آہنگی پیدا کرنے والے حالات
کا نتیجہ تھی، اور حضرت عثمانؓ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ زندگی کے طبعی تقاضوں اور
حالات کا مقابلہ کریں اور ان پر غالب آجائیں، اس قدر عظیم الشان اقتدار جیسا کہ
مسلمانوں کو ملا اگر کہیں بھی ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہاں حکومت اور اس کی حزب مخالف
نہ ہو، پھر حکومت اور حزب مخالفت میں آویزش اور مقابلہ نہ ہو، اور بالآخر وہ تصادم
اور معرکہ نہ ہو جس نے مسلمانوں کو اس راستہ پر پہونچایا جس پر ان کے پہلے کی اور بعد کی قومیں پہنچ چکی ہیں
اس لئے کہ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی ترقی نیز عقل کی ترقی اپنی آخری منزل تک نہیں پہونچی تھی
جو لوگ آج بھی سیاسی اور اجتماعی نظاموں میں معرکے دیکھ رہے ہیں انہیں حضرت عثمانؓ کے
عہد کے نظاموں کی آویزش سے انکار نہیں کرنا چاہیئے جو ساتویں صدی عیسوی اور پہلی صدی
ہجری کا واقعہ ہے۔

اب ہمیں صوبوں کی اس طویل سیاحت کے بعد مدینہ منورہ چلنا چاہیے ۔ اور کچھ وقت حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ گذارنا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ ان کے ساتھ، حضرت عثمانؓ کا طرز عمل کیسا تھا، اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں ان کی کیا رائے تھی ۔؟

——————(٭)——————

عبدالرحمٰن بن عوفؓ

صحابہ کا عثمانؓ سے اختلاف

عثمانؓ کو منتخب کرنے والی مجلس اکابر

سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق ان پانچ افراد سے کیسا ہے جنہوں نے آپ کو خلافت کے لئے چنا اور سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں مجلس شوریٰ میں آپ کے شریک تھے یہ سب کے سب اسلام کے سابقین میں ہیں خدا کی راہ میں سب نے سخت مصیبتیں اٹھائیں اور شدید آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر ان سے راضی رہے اور وفات پائی تو ان سے خوش رہ کر، سب کے سب اُن دس آدمیوں میں تھے جن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بشارت دی، پھر قریش میں اپنی حیثیت، آنحضرتؐ سے قرابت، عوام کی نگاہوں قدر و منزلت، دنیاوی کامیابی اور دنیا کے متعلق نقطۂ نظر کے اعتبار سے ان کے درجات مختلف تھے حضرت عمرؓ کی رائے میں نیز عوام کی اور خود ان لوگوں کی رائے میں پہلا نمبر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہے جو آنحضرتؐ سے آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کی طرف سے بہت قریب تھے آمنہ کی طرح ان کا تعلق قبیلہ بنی زہرہ سے تھا جاہلیت میں ان کا نام عمرو تھا یا عبدالکعبہ، آنحضرتؐ نے عبدالرحمٰن نام رکھا، عہد جاہلیت میں ایک کامیاب تاجر تھے، اسلام لانے کے بعد بھی بڑی کامیابی کے ساتھ تجارت کرتے رہے، آپ کاروبار میں بڑے منتظم، دولت پیدا کرنے میں بڑے ماہر تھے، دولت سے نفع اٹھانا اور اچھے کاموں میں خرچ کرنا خوب جانتے تھے، جب ہجرت کرکے مدینہ گئے تو سعد بن ربیع انصاریؓ کے مہمان ہوئے، سعد نے ان سے کہا میں مدینہ کا سب سے بڑا مالدار ہوں میری

دولت کا ایک حصّہ لے لو۔ میری دو بیویاں ہیں انھیں دیکھ لو جو پسند ہو اس کو تمہارے لیے طلاق دیدوں،
عبدالرحمٰن نے کہا خدا تم کو برکت دے۔ مجھے تو کل جب صبح ہو تو اپنے یہاں کا بازار بتا دینا، چنانچہ جب
صبح ہوئی تو سویرے ہی بازار چلے گئے، لین دین کیا نفع کمایا اور شام کو گھی اور پنیر لے کر گھر واپس
آئے، اس کے بعد کچھ عرصے تک وہیں قیام کیا، ایک دن زعفرانی لباس پہنے ہوئے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا یہ کیا؟ عرض کیا میں نے شادی کر لی ہے حضرتؐ
نے سوال کیا مہر کیا دیا؟ کہنے لگے کھجور کی گٹھلی کی برابر سونا، آپ نے فرمایا ولیمہ کرو چاہے ایک ہی بکری کا
عبدالرحمٰنؓ اس زمانے میں کہا کرتے تھے کہ میں مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا تھا تو جیسے چاندی یا سونا بن جاتی
تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دولت پیدا کرنے اور اس کی تلاش میں بڑے کامیاب تھے تھوڑے
دنوں کے قیام میں وہ مدینہ کے دولت مندوں میں شمار ہونے لگے، اس سے پہلے تم آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی حدیث پڑھ چکے ہو۔ آپ فرماتے ہیں عبدالرحمٰن! تم دولت مند ہو لیکن جنّت میں
رینگتے ہوئے جاؤگے۔ اللہ کو قرض دو کہ وہ تمہارے پاؤں کھول دے، اسی طرح سے پہلے
تم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث بھی پڑھی ہے جس میں مدینہ میں عبدالرحمٰنؓ کے اونٹوں
کے آنے اور تمام مال تجارت کے صدقہ کر دینے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ عبدالرحمٰنؓ
نے میراث میں بہت بڑی دولت چھوڑی تھی۔ ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں، ایک سو گھوڑے
بیس اونٹوں سے آبپاشی کرنے جیسا کھیت، اور یہ کہ ان کی چار بیویاں تھیں، میراث میں ہر ایک کے
حصّہ کا اندازہ اسی ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک کیا گیا ہے، ان تمام باتوں سے اگر کچھ ذہن میں
آتا ہے تو وہ یہ کہ ان کی دولت اتنی زبردست اور ایسی روز افزوں تھی کہ مسلسل خیرات، ازواج
مطہراتؓ کی متواتر خبرگیری، بنی زہرہ کے رشتہ داروں کی اعانت اور عام مسلمانوں کی امداد بھی
اس کو کم نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن اس پر بھی عبدالرحمٰنؓ بے حد دولت مند نہ تھے وہ سرمایہ لگانا اور اس کا نفع بخش
بنانا اور اس کی نگرانی کرنا خوب جانتے تھے، ابن سعد نے اپنی اسناد سے حضرت عمرؓ کے
حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو انھوں نے عبدالرحمٰنؓ
سے قرض مانگنے کے لیے اپنا آدمی بھیجا، عبدالرحمٰن نے آدمی سے کہلا بھیجا کہ ان سے کہو کہ بیت المال

پھر وہ عوام کی دولت کا انتظام بھی اپنی دولت کی طرح کرتے، اس کو برمحل صرف کرتے، ٹھکانے سے لگاتے، نفع بخش بناتے، اور انصاف کے ساتھ خرچ کرتے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو مجلس شوریٰ میں رکھا اور یہ کہہ کر ان کو تمام صحابہ میں ممتاز کر دیا کہ اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو جدھر عبدالرحمٰنؓ ہوں اس کو پسند کرو۔ اور کہنا چاہیے کہ دوٹوں کی برابری کی صورت میں حق ترجیح دے کر حضرت عمرؓ نے ان کو مجلس شوریٰ کا قریب قریب صدر بنا دیا تھا۔ صحابہ میں بعض کا خیال تھا کہ ان کو خلافت کا امیدوار بنایا جا سکے، ان کی نظر میں ان کو خلیفہ بنا دینا بہت سی خرابیوں سے بچ جانا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بن جانے سے جس تفریق اور خلفشار کا خدشہ تھا اس کا بھی سدِّ باب ہو جاتا، اندازہ لگتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں بھی کسی کو ان کے خلیفہ ہونے میں کلام نہ تھا، اگر حضرت علیؓ کو مختار بنایا جاتا تو بنی امیّہ سے حضرت عثمانؓ کے تعلق کے پیش نظر عبدالرحمٰن ہی کو منظور فرماتے اور اگر حضرت عثمانؓ مختار بنائے جاتے تو حضرت علیؓ کے بنی ہاشم سے تعلق کی بنا پر وہ بھی انہیں کو حضرت علیؓ پر ترجیح دیتے، عبدالرحمٰنؓ اور حضرت عثمانؓ میں دامادی کا رشتہ تھا عبدالرحمٰن نے عقبہ بن ابی معیط کی لڑکی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا جو لید بن عقبہ کی بہن ہیں، پھر عبدالرحمٰنؓ عبشمیون میں بھی دامادی کا رشتہ تھا، اس لئے کہ انھوں نے عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس کے ہاں بھی نسبت کی تھی اور امیر معاویہؓ کے ماموں کی بیوی سے نکاح کیا تھا، اسی طرح شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے ہاں بھی نسبت کی تھی، اور انصار سے بھی رشتہ جوڑا تھا، آپ کی ماں کا تعلق بنی امیہ سے تھا اور خود بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے، اسی طرح وہ قریش اور انصار کے خاندانی اثرات و خیالات کو ان تمام عربی قبائل کے خاندانی اثرات اور خیالات سے جوڑ سکتے تھے، جن سے ان کی رشتہ داری تھی، لیکن ان تمام امکانات کے باوجود انھوں نے خلافت کی امیدواری نہیں کی۔ اور امیدوار بنانے والوں کی ایک نہ سنی، بلکہ فوراً میدان سے ہٹ گئے۔ اور دو امیدواروں میں حکم بننا منظور کر لیا، دونوں امیدواروں نے آپ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار کر دیا، حضرت علیؓ سے آپ نے اقرار لیا کہ وہ فیصلہ کرنے میں صرف حق ملحوظ رکھیں گے۔ اور کسی قرابت اور رشتہ داری کا خیال نہیں کریں گے، آپ نے بڑی خوشی سے اس کا اقرار کیا اور بات انجام تک پہنچی جس کا بیان ہم کر چکے ہیں۔ عبدالرحمٰنؓ کہا کرتے تھے کہ خلافت کی ذمہ داری لینے سے زیادہ محبوب مجھے یہ بات ہے کہ

سے قرض لے لیں، پھر جب حضرت عمرؓ بعد کو ان سے ملے تو اس تلخ مذاق پر ملامت کی اور کہا تم چاہتے ہو کہ میں بیت المال سے قرض لے لوں پھر اگر موت آجائے اور ادا نہ کر سکوں تو تم لوگ یہ کہو کہ عمرؓ اور اس کی اولاد سے در گذر کرو،

عبد الرحمٰن کو اپنے آرام کا بھی بہت خیال تھا، زندگی کی لذتوں میں اللہ نے مسلمانوں کے لئے جو کچھ مباح کیا تھا وہ اس میں اپنا پورا حصہ لیتے تھے، اور دین کا حق بھی پوری طرح ادا کرتے تھے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ قبیلۂ قریش کے ایک فرد تھے، اور قریش ہی کی طرح زندگی گذارنا چاہتے تھے، وہ اپنے نفس پر زہد کی سختی اور موٹی زندگی لادنا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خارش کی شکایت کی بنا پر ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت حاصل کی تھی، پھر انہوں نے چاہا کہ ریشمی کپڑا ان کے لئے اور ان کے لڑکوں کے لئے مباح ہو جائے۔ لیکن عمرؓ نے ان کو روکا اور وہ ریشمی کپڑا چاک کر دیا جو عبد الرحمٰنؓ نے اپنے لڑکے کو پہنایا تھا جیسا کہ اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو، علاوہ ازیں عبد الرحمٰنؓ نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح بہت سی شادیاں کیں اور بڑے کثیر العیال تھے، ابن سعد نے تفصیل کی ہے اور بتایا ہے کہ لونڈیاں چھوڑ کر دس سے زیادہ بیویاں ان کی تھیں۔ اور سب سے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں انتقال کے وقت باختلاف رواۃ تین یا چار عورتیں تھیں، انھوں نے کسی ایک یا دو تین قبیلے میں شادیاں نہیں کی بلکہ بہت سے قبیلوں میں اپنا رشتہ کیا، چنانچہ قریش کے، یمن کے اور ربیعہ کے متعدد خاندانوں میں انھوں نے شادیاں کیں، اور ایک بڑی تعداد ان کے نسبتی بھائیوں کی پیدا ہو گئی، کچھ قریش میں، کچھ انصار میں، کچھ یمن، کچھ شام و عراق کے درمیان آباد یمنیوں میں، کچھ مصر کے خاندان بنی تمیم میں اور کچھ ربیعہ کے خاندان بنی بکر اور بنی تغلب میں۔

جن عورتوں سے عبد الرحمٰنؓ نے شادی کی۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق ان کے نسب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی شان و شوکت اور اثر و اقتدار والے گھرانوں کی تھیں، پس اگر عبد الرحمٰنؓ حضرت عمرؓ کے بعد خلافت کی ذمہ داری لے لیتے تو بلاشبہ بہت سی نسبتیں اور بہت سے تعلقات اپنے ساتھ وابستہ کر سکتے اور ان نسبتوں اور تعلقات کو بہت اچھی طرح ہم آہنگ بھی بنا لیتے، جس کی وجہ سے بہت سے ٹوٹے ہوئے دل جڑ جاتے،

کوئی میری گردن پر اس طرح خنجر رکھدے کہ گلے سے پار ہو جائے ،

پس انھوں نے اپنی ذات کو حکومت اور اس سے لپٹے ہوئے شکوک و شبہات سے اونچا رکھا ، اپنے نفس کو ذمہ داریوں سے بچایا اور یہ گوارا کیا کہ ایک معمولی آدمی کی طرح اپنی دنیا اور اپنے اپنے دین تک اپنے کو محدود کرلیں پھر جب آپ نے حضرت عثمانؓ کو میدوار بنایا اور شوریٰ کے ممبروں سے ان کی بیعت لی اور لوگوں کو ان کی بیعت کے لئے آمادہ کیا تو طبعی امر تھا کہ آپ حضرت عثمانؓ کی بہت قریب سے نگرانی فرماتے ۔

شروع شروع میں عبدالرحمٰنؓ حضرت عثمانؓ کے مخالف نہ تھے ، بلکہ ان کے موید اور نگراں تھے ، پھر جب لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو متوجہ ہوئے اور نگرانی میں شدت کردی ، پھر وہ بھی دن آئے جب لوگوں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰنؓ دینی اور سیاسی دونوں معاملات میں حضرت عثمانؓ کے مخالف ہوگئے ، پھر نوبت مخالفت کی حد سے آگے بڑھی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کا بائیکاٹ کردیا ، نہ اُن سے ملتے تھے ، نہ گفتگو کرتے تھے ، بعض راویوں نے غلو سے کام لیتے ہوئے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنا دینے پر نادم تھے اور ایک دن حضرت علیؓ سے انہوں نے کہا اگر راضی ہو تو تم اپنی تلوار لو اور میں اپنی ، پھر چل کر نپٹ لیں ، کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے عبدالرحمٰنؓ نے حاضرین سے کہا اس سے پہلے کہ عثمانؓ تم پر اور اپنی جان ظلم کریں تم ان کو مہلت نہ دو۔ لیکن اس قسم کی تمام باتوں میں تصنع ہے اور تکلف ہے اور ہاں اس قدر یقینی ہے کہ عبدالرحمٰنؓ نے دین کی دو باتوں میں حضرت عثمانؓ کی مخالفت کی ایک تو اس وقت جب حضرت عثمانؓ نے نماز پوری ادا کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ قصر کرتے تھے ، دوسری اس وقت جب انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو مال سے عطیات دیئے

(باقی)

سعد بن ابی وقاص رضؓ

عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی طرح سعد بن ابی وقاص رضؓ کا خاندانی تعلق بھی بنی زہرہ سے تھا، ایک دن آنحضرت صؐ نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں، ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سعد اسلام کے سابقین میں ہیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ "میں اسلام کا تہائی ہوں" "میں مسلمان ہوا جب نماز بھی فرض نہیں ہوئی تھی" دوسرے صحابہ رضؓ کی طرح سعد رضؓ بھی سخت مصائب میں مبتلا کیے گئے اور نہایت استقلال کے ساتھ آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر انداز سعد رضؓ تھے۔ احد کے معرکے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی پر اپنے ماں باپ دونوں کو فدا کیا، سعد رضؓ اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضؓ کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے، جو چھوٹی سی ہی عمر میں ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے، جب آنحضرت صؐ غزوہ بدر کے لشکر کا معائنہ کر رہے تھے تو سعد رضؓ نے اپنے بھائی عمیر رضؓ کو دیکھا کہ وہ نگاہوں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں، جب سعد رضؓ نے سبب پوچھا تو کہنے لگے ڈرتا ہوں کہ مجھے چھوٹا دیکھ کر کہیں آنحضرت صؐ جہاد میں جانے سے روک نہ دیں اور میرا شوق شہادت مجھے نکلنے کی دعوت دے رہا ہے، چنانچہ حضرت صؐ نے جب ان کو دیکھ لیا تو چھوٹا سمجھ کر ان کو روک دیا، لیکن عمیر رضؓ اس پر رونے لگے، تب حضرت صؐ نے ساتھ چلنے کی اجازت دیدی، وہ اتنے چھوٹے تھے کہ حضرت سعد رضؓ ان کی تلوار کا پٹکا خود باندھتے تھے، بالآخر عمیر رضؓ کی آرزو پوری ہوئی اور بدر کے شہیدوں میں ان کا نام لکھا گیا،

آنحضرت صؐ کی نگاہ میں سعد کا بڑا درجہ تھا، جب وہ فتح مکہ کے بعد مکہ میں بیمار ہوئے آنحضرت صؐ نے ان کی عیادت فرمائی اور دعا کی کہ اللہ سعد رضؓ کو صحت دے تاکہ وہ اس سرزمین میں نہ مریں جہاں

سے ہجرت کی تھی، بیمار پرسی کے دوران میں آنحضرتؐ نے سعدؓ سے وہ حدیث بیان فرمائی جس میں حکم دیا گیا ہے کہ آدمی اپنے مال میں سے صرف تہائی حصّہ کی وصیت کرے، آنحضرتؐ نے سعدؓ کو مکہ میں چھوڑ دیا اور اپنے ایک صحابی کو ان پر مقرر کر کے فرمایا کہ اگر سعدؓ کا انتقال ہو جائے تو انہیں مدینے کے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فلاں مقام پر دفن کر دینا، اور سعد سے مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ بلند کرے گا، تم سے ایک قوم کو نفع اور دوسری قوم کو نقصان پہنچے گا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اللہ سے اپنی اس آرزو کا اظہار کیا کہ سعد جب کبھی دعا کرے اسے قبول کرنا۔ خدا نے آنحضرتؐ کی دعا قبول فرمائی، اور سعدؓ بیماری سے اچھے ہو گئے اور اس وقت تک زندہ رہے کہ اللہ نے ان کے ذریعے ایک ایک قوم کو پست اور دوسری کو بلند کر دیا، کسریٰ کی فوج کو شکست دینے والے اور معرکۂ قادسیہ کے فاتح یہی سعد بن ابی وقاص ہیں۔ رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ نے ان کو اس شوریٰ کے چھ افراد میں رکھا تھا جس کے سپرد خلافت کا مسئلہ تھا پس وہ خلافت کے امیدوار بھی تھے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی طرح ان کو بھی دور رکھا۔

سعدؓ کی بہت سی بیویاں تھیں لیکن وہ مختلف عربی قبائل کی تھیں قریش میں انہوں نے صرف ایک عورت اپنے زہری خاندان میں کی تھی، شاید بعض لوگوں کو ان کے نسب پر شبہہ تھا۔ اور کچھ لوگ اس کا طعن کر کے ان کو اذیت پہنچاتے تھے، چنانچہ ایک دن وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسولؐ! میں کون ہوں؟ آپؐ نے فرمایا انت سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرۃ۔ جو اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے اس پر خدا کی پھٹکار میرے خیال میں یہی بات ہے جس سے سعد کی رشتہ داریاں قریش میں زیادہ نہ ہو سکیں۔ بعض راویوں کا خیال ہے کہ شوریٰ کے موقع پر سعدؓ حضرت علیؓ کے ہوا خواہوں میں تھے۔ اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کر دیا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ بات صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ غلط، حضرت عمرؓ نے اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت فرمائی کہ اگر سعدؓ کو خلافت نہ مل سکے تو انہیں والی ضرور بنانا میں نے ان کو کسی خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا، حضرت عثمانؓ

نے اس وصیت پر پوری طرح عمل کیا اور سعدؓ کو ایک سال سے زیادہ عرصے تک کوفے کا گورنر باقی رکھا، پھر ان کو معزول کر کے ولید کو ان کی جگہ مقرر کیا، سعدؓ کی معزولی کے بارے میں جو بات کہی جاتی ہے ہم نے اس پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ سعدؓ اور ابن مسعودؓ میں بیت المال سے قرض لینے پر اختلاف پیدا کیا جاتا ہے وہ ولید ابن عقبہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان تھا، غالب گمان یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس واقعے کی نسبت سعدؓ کی طرف کر دی ہے انہوں نے قصداً یا سہواً دو آدمیوں میں خلط ملط کر دیا ہے بات جو کچھ بھی رہی ہو سعدؓ بہر حال حضرت عثمانؓ کی بیعت کے وفادار تھے اور معزول کر دینے کی وجہ سے ان کو حضرت عثمانؓ پر غصہ تھا یا نہیں تھا لیکن وہ ان کی مخالفت میں شدید اور کٹر نہیں تھے، ان کی شرکت اسی مخالفت میں ہوتی جو نرم ہوتی اور جس کی حد امر بالمعروف سے ملی ہوتی لیکن جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت آگے بڑھی اور بغاوت کی حد میں قدم رکھنے لگی، تو سعدؓ رک گئے اور غیر جانبداری اختیار کر لی پھر نہ فساد میں حصہ لیا اور نہ اس کے نتائج میں اور جب کوئی اس سلسلے میں ان سے گفتگو کرتا اور پوچھتا کہ تم مقابلہ کیوں نہیں کرتے تو جواب دیتے کہ میں مقابلہ اسی وقت کروں گا جب مجھے ایسی تلوار لا دو جو خود بولتی ہو کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سعدؓ نے اس بات سے بچنے کی کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اگر کچھ مظاہرہ کریں گے تو یہی کہا جائے گا کہ کوفہ کی گورنری سے برطرفی کا یہ انتقام ہے، واقعہ کچھ ہی ہو سعد بہر حال اپنی اسی روش پر قائم رہے جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھی، جب تک جہاد کو جہاد سمجھتے رہے۔ آنحضرتؐ کے عہد سے لے کر حضرت عمرؓ کے زمانے تک کرتے رہے لیکن جب معاملہ ان پر پیچیدہ ہوا تو علیحدہ ہو گئے۔ اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جب ۵۰ھ یا ۵۵ھ میں انتقال کیا تو ازواج مطہراتؓ نے چاہا جنازہ ان کی راہ سے گذرے، چنانچہ ان کو مسجد میں لیجایا گیا اور ازواج مطہراتؓ نے نماز جنازہ پڑھی، اپنے ساتھیوں کی بہ نسبت سعدؓ نے ترکے میں کوئی بڑی دولت نہیں چھوڑی کل دو لاکھ اور تین لاکھ کے درمیان تھا اور یہ کوئی بڑی رقم نہ تھی جیسا کہ تم نے دیکھا اور آئندہ دیکھو گے۔

———(٭)———

زبیر ابن العوام

زبیر ابن العوامؓ کا آنحضرتؐ سے بہت قریب کا رشتہ تھا چنانچہ وہ آپ کی پھوپھی صفیہؓ کے لڑکے ہیں جو عبدالمطلب کی لڑکی تھیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ بھی ان کی بہت قریبی رشتہ دار تھیں، یعنی ان کی پھوپھی تھیں، نسب اس طرح ہے زبیر ابن العلوامؓ بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زبیر ابن العوامؓ آنحضرتؐ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں اور فاطمہ ان کی پھوپھی کی صاحبزادی، حضرت ابوبکرؓ سے بھی زبیرؓ کی رشتہ داری بہت قریب کی تھی، اس لئے کہ انہوں نے اسماء ذات النطاقین سے شادی کی تھی، جو حضرت عائشہؓ کی بہن ہیں، اس طرح وہ آنحضرتؐ کے ساڑھو ہو کر اور قریب ہو جاتے ہیں ان رشتہ داریوں کی وجہ سے زبیرؓ تقریباً اہل بیت میں سے ہو گئے تھے، تعجب ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ زبیرؓ کو جب کہ وہ ان سے جھگڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں صفیہ کا بیٹا ہوں۔ یہ کہدیا کہ وہی تو تمہارے لئے سایہ ہیں وہ نہ ہوتیں تو بے سایہ رہتے، یہ تو بالکل صحیح ہے کہ صفیہ زبیرؓ کیلئے سایہ تھیں لیکن اگر وہ نہ ہوتیں تو بے سایہ ...

زبیرؓ بچپن ہی سے قوی، شاندار اور بہادر تھے انہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی وہ معرکہ بدر کے دو شہہ سواروں میں سے ایک ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے، آنحضرتؐ ان کو اپنا حواری کہہ کر پکارتے تھے، اسی وقت سے مسلمانوں نے ان کو رسول اللہؐ کا حواری کہنا شروع کر دیا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمیں نہیں معلوم کہ زبیرؓ کے پاس کس طرح دولت آئی لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ ...

نہیں تھے، یہ تو تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غزوۂ بدر کے دو سواروں میں سے ایک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی مدینے سے باہر نہیں گئے بالا حج کے لئے یا حضرت عمرؓ کی اجازت سے باہر نکلے، حضرت عمرؓ نے ان کو شوریٰ کے ممبروں میں رکھا تھا، اور اس طرح خلافت کے ایک امیدوار وہ بھی تھے، انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں میں سے کسی کے بارے میں اپنا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور بے تکلف اپنی رائے عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ کے ماتحت کردی، حضرت عثمانؓ خلیفہ ہونے کے بعد ان کو مقدم سمجھتے تھے ابن سعدؓ کی روایت ہے کہ ان کو حضرت عثمانؓ نے چھ لاکھ کا عطیہ دیا جس کے بعد وہ کسی اچھے کاروبار کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے، ان کو بتایا گیا کہ زمین خریدیئے چنانچہ انہوں نے عراق کے دونوں شہروں اور مصر میں زمینیں خریدیں ابن سعد کہتے ہیں کہ زبیرؓ اپنے پاس لوگوں کی امانت رکھنا پسند نہیں کرتے تھے، جب کوئی ان کے پاس امانت رکھنے آتا تو فرماتے یہ قرض ہے امانت نہیں یہ اس لئے کہ ایک تو اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا، دوسرے اس قسم کے قرض کے مالوں کو کسی کام میں لگا کر نفع اٹھانے کی صورت کی جائے، یہی وجہ ہے کہ ان کی دولت بہت زیادہ بڑھ گئی اتنی کہ لوگ اس کو مثالاً پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح ان کا قرض بھی بڑھ گیا، جمل کے دن آپ نے اپنے لڑکے عبداللہ کو وصیت کی کہ ان کے مال میں سے سب قرض ادا کر دے، اس سے فراغت کے بعد میراث کا تہائی اپنے لڑکے لئے رکھ لے اور اس کے بعد جو کچھ بچے وارثوں میں تقسیم کر دے اور یہ کہا کہ اگر قرض کی ادائیگی میں کچھ دشواری پیش آئے تو اللہ سے استعانت کرے،... چنانچہ عبداللہؓ جب کبھی قرض کی ادائیگی میں کچھ مشکل محسوس کرتے تو اللہ سے مدد چاہتے۔

بہت سے قرض خواہوں نے چاہا کہ اپنا قرض وارثوں کے حق میں چھوڑ دیں لیکن عبداللہ نے یہ منظور نہیں کیا اور تمام قرض خواہوں کو پوری رقم ادا کر دی جس کی مقدار ۲۵ لاکھ درہم بتائی جاتی ہے، عبداللہ ابن زبیرؓ مسلسل چار سال تک حج کے موقع پر اعلان عام کرتے رہے کہ جس کسی کا زبیرؓ پر کچھ قرض ہے وہ میرے پاس آئے، اس بات میں لوگوں کا اختلاف

ہے کہ زبیرؓ کے وارثوں میں تقسیم ہونے والی رقم کی مقدار کیا تھی کم سے کم اندازہ لگانے والے ۳ کروڑہ لاکھ درہم بتاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ اندازہ کرنے والوں کے خیال میں یہ رقم ۵ کروڑ ۲۰ لاکھ درہم تھی، درمیانی اندازہ کرنے والوں نے ۴ کروڑ بتایا ہے، اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں اس لئے کہ فسطاط میں، اسکندریہ میں البصرہ میں اور کوفہ میں زبیرؓ کی زمین کے خطے تھے، خود مدینہ میں گیارہ مکانات اور بہت کچھ سازوسامان اور کرائے کی آمدنی تھی،

زبیرؓ حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف نہ تھے، حضرت عثمانؓ ان کو پسند کرتے تھے اور باوجود کسی وقت کی باہمی رنجش کے ان کو عطیات دیتے تھے، حضرت عثمانؓ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی پسند فرماتے تھے ان سے محبت کرتے تھے، محاصرے کے زمانہ میں ان کو گھر پر مقرر کیا، ان کو اپنی وصیت دی کہ باپ تک پہنچادیں حضرت عثمانؓ نے زبیرؓ کو کچھ وصیت کی تھی۔ زبیرؓ ان صحابہؓ کے ساتھی تھے جو حضرت عثمانؓ پر تنقید اور نصیحتیں کرتے تھے، اس سے زیادہ ہمیں زبیرؓ کی کسی شدت اور مخالفت کا علم نہیں۔

———— (؛؛؛) ————

طلحہ ابن عبید اللہ رضؓ

طلحہؓ بن عبید اللہ تیمی تھے ان کا تعلق حضرت ابو بکرؓ کی قوم سے ہے، یہ عہد جاہلیت میں تاجر تھے اور حضرت عثمانؓ کے دوست، جس سال یہ اور حضرت عثمانؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے دونوں تجارت کے سلسلے میں شام گئے تھے، طلحہؓ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اسلام کے سابقین اوّلین میں تھے، مدینہ کے راستہ میں ان سے آنحضرتؐ کی ملاقات ہوئی تھی جب کہ آپؐ ہجرت فرما رہے تھے اور صدیق اکبرؓ ساتھ تھے، اور یہ شام کے سفر سے واپس آ رہے تھے طلحہؓ نے دونوں کے لئے کچھ تحفہ پیش کیا اور یہ خبر دی کہ مسلمان مدینے میں بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں، تب آنحضرتؐ نے اپنی رفتار تیز کر دی کہ مدینہ والوں کی انتظار کی شدت میں کچھ کمی ہو، طلحہؓ مکہ آئے اور اپنا انتظام ٹھیک کر کے مدینہ منورہ واپس ہوئے اور آنحضرتؐ کے ساتھی بن کر مہاجرین صحابہؓ کے ساتھ رہنے لگے۔

بدر، احد، اور تمام غزوات میں طلحہؓ آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے، اور سخت آزمائشوں میں ثابت قدم رہے، معرکۂ احد میں آنحضرتؐ کی بڑی حفاظت کی، آپؐ کی طرف آنے والے ایک تیر کو روک لیا جو آپ کی ایک انگلی پر لگا جس سے انگلی شل ہو گئی اس معرکے میں آپ کا تمام جسم زخمی ہو گیا تھا، آنحضرتؐ فرمایا کہتے تھے جسے یہ دیکھنا پسند ہو کہ ایک شخص مر کر بھی زمین پر چلتا ہے وہ طلحہؓ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے، آپ کا مقصد یہ تھا کہ طلحہؓ احد کے معرکے میں مرنے کے بالکل قریب ہو گئے تو ان کا درجہ شہیدوں کا درجہ ہے اور غالباً آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے،

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا   ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ — جس بات کا عہد کیا تھا پھر کوئی تو ان میں
مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ — پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ان میں راہ
مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا — دیکھ رہا ہے اور بدلا نہیں ایک ذرہ،

گویا آنحضرتؐ کی خواہش یہ تھی کہ یوم احد کے شہداء میں طلحہؓ کو بھی شمار کر لیا جائے کیوم احد کے شہیدوں میں حمزہؓ اور مصعبؓ بھی تھے،

طلحہؓ بدستور اپنی تجارت میں مصروف رہے، صرف انھیں دنوں میں تجارت نہ کرتے جن میں آنحضرت کے ساتھ غزوات میں شریک تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بڑے بڑے مہاجر صحابہؓ کی طرح مدینے میں رہے، حضرت عمرؓ نے ان کو شوریٰ کا ممبر بنایا لیکن وہ اس میں حاضر نہ ہو سکے، فاروق اعظمؓ کی وفات کے موقع پر اپنی تجارتی مصروفیتوں میں مدینہ کے باہر تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں کو بعجلت بلانے کے لئے بھیجا اور وہ بڑی تیزی سے آئے بھی لیکن جب مدینہ پہنچے تو حضرت عثمانؓ کے لئے بیعت ہو چکی تھی، اس پر غصہ ہو کر گھر بیٹھ رہے کہ شوریٰ نے ان کی غیر حاضری میں فیصلہ کر لیا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اختلاف کے نتائج پر نظر رکھیں اور بیعت کر لیں، کہا جاتا ہے کہ خود عثمانؓ بھی ان تک پہنچے اور ان سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو خلافت کا منصب، تم کو واپس کر دوں، طلحہؓ نے کہا کیا واقعی آپ اس کے لئے تیار ہیں؟ حضرت عثمانؓ نے کہا بے شک، طلحہؓ نے جواب دیا کہ پھر میں سرتابی نہیں کر سکتا، اگر آپ چاہیں تو اسی مجلس میں بیعت کر لوں یا فرمائیں تو مسجد میں

بنی امیہ ڈر رہے تھے کہ کہیں طلحہؓ بیعت سے تامل نہ کر دیں، لیکن جب انھوں نے کر لیا تو وہ مطمئن ہو گئے، حضرت عثمانؓ طلحہؓ پر عنایت کی نظر رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ سے پچاس ہزار کا قرض لیا تھا، ایک دن حضرت عثمانؓ سے کہا کہ مال موجود ہے کسی کو بھیج کر منگوا لیجئے، حضرت عثمانؓ نے کہا تمہاری خودداری پر میری طرف سے ادا سمجھو، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو دو لاکھ کا عطیہ دیا، پھر انؓ اور حضرت عثمانؓ
کے درمیان خرید و فروخت ہوا کرتی تھی، حجاز میں حضرت عثمانؓ خریداری کرتے اور طلحہؓ

کرتے تھے، عراق میں طلحہؓ خریداری کرتے اور حضرت عثمانؓ فروخت کرتے تھے، طلحہؓ بڑے خیرات کرنے والے آدمی تھے اپنے گھر میں نقد مال جمع کرنا پسند نہیں کرتے تھے جب کبھی گھر میں ایسی دولت زیادہ جمع ہوجاتی تو جب تک اس کو اپنے رشتہ داروں میں (بنی تمیم) اور قریشی اور انصاری دوستوں میں تقسیم نہ کرلیتے چین سے نہ بیٹھتے، محتاجوں کی امداد کے لئے بڑی بے تابی سے دوڑ پڑتے قرض داروں کا بوجھ بھی ہلکا کرتے ضرورتمندوں کی کپڑے اور پیسے سے امداد کرتے کھانا بھی کھلاتے ان زبردست مصارف کے بعد بھی آپ کی دولت بہت بڑی تھی، اتنی بڑی کہ اس کا تذکرہ کوئی

... سعید بن العاصؓ کی مخالفت کا سبب بنا جیسا کہ ہم نے پہلے اس کا ذکر کیا ہے۔

روایات میں ہے کہ طلحہؓ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے حجاز میں گیہوں کی کاشت کی، جب ان کا انتقال ہوا تو ان کا ترکہ تین کروڑ درہم تھا جس میں ۲۲ لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار نقد تھے، باقی میں زمینیں اور دوسرے اسباب تھے[1]

طلحہؓ پہلے دن سے حضرت عثمانؓ کے مخالف ہیں اس لئے کہ ان کی بیعت کے موقع پر وہ حاضر نہ تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو راضی کرلیا اور طرفین کے تعلقات ٹھیک ہوگئے، پھر عطیات دے کر حضرت عثمانؓ نے معاملات کو اور بھی ٹھیک کرلیا - پھر جب حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں زور پیدا ہوا تو جیسا کہ روایات میں مذکور ہے سرگرم ہوگئے اور جیسے ہی مخالفت میں غیر معمولی شدت ہوئی تو وہ ہجوم کرنے والوں کی صف میں تھے، اور جب عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو حلقہ باندھنے والوں میں نظر آئے اور جب حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے تو طلحہؓ ان لوگوں میں تھے جن کو حضرت علیؓ کے غم عثمانؓ پر حیرت تھی، پھر جب حضرت علیؓ کے لئے بیعت ہوچکی تو طلحہؓ زبیرؓ کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں تھے، اس کے بعد وہ زبیرؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے خون کے

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ثالث قسم اوّل صفحہ ۵۸۵ مطبوعہ لیدن

بدلے کا مطالبہ کرنے لگے اور حضرت علیؑ کی بیعت توڑ دی، اس کے بعد وہ جمل کے دن قتل کر دیئے گئے۔

راویوں کا بیان ہے کہ ان کی موت مروان بن الحکم کے ایک تیر سے ہوئی۔ مروان خود کہتا ہے کہ اس کے بعد میں نے کبھی حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا۔ مروان کے خیال میں حضرت عثمانؓ کے قتل پر آمادہ کرنے والوں میں طلحہؓ پیش پیش تھے، جب طلحہؓ کو تیر لگا اور ان کے جسم سے خون نکلنے لگا تو کہنے لگے کہ یہ وہ تیر ہے جسے اللہ نے پھینکا ہے اے خدا عثمانؓ کا بدلہ مجھ سے لے لے تاکہ تو راضی ہو جا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طلحہؓ کی مخالفت کا ایک خاص رنگ تھا،

علیؓ ابن ابی طالب

حضرت علیؓ کا آنحضرتؐ سے رشتہ اور آپ کی نگاہوں میں آپ کا مرتبہ بلا شبہ ہمارے کسی بیان سے بے نیاز ہے۔ ابوطالب کی آنحضرتؐ پر عنایات کون نہیں جانتا، قریش کے مقابلے میں ابوطالب کا آپؐ کی اور آپؐ کی دین کی حمایت عام بات ہے، پھر ابوطالب نے آپؐ کی کفالت کی اور جب کثرت اولاد سے ان کا ہاتھ کچھ تنگ ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؓ کی کفالت فرمائی، نبوّت کے وقت علیؓ لڑکے تھے نو یا گیارہ سال کی عمر میں اسلام لائے اور آنحضرتؐ اور اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتے رہے، حضرت علیؓ بتوں کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے، اسلام لانے سے پہلے وہ بتوں کے تصوّر سے خالی تھے، پس اسلام کے سابقین، اولین میں آپ ہی کو یہ امتیاز ہے کہ آپ کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی، زیادہ جامع تعبیر میں یوں کہیئے کہ آپ کی پرورش کا شانۂ وحی ہوئی، پھر وہ آپ ہی تھے جن کو مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنا جانشین بنایا تاکہ وہ تمام امانتیں جو لوگوں نے آپؐ کے پاس رکھی تھیں ان کو واپس کریں چنانچہ مکہ میں آپ تین دن مقیم رہے اور پھر قبل اس کے کہ آنحضرتؐ قبا سے واپس ہوں ان سے جا ملے۔

سیرت کے راویوں کا بیان ہے کہ جس رات قریش نے آنحضرتؐ کی جان لینے کی سازش کی تھی، حضرت علیؓ آپؐ کے بستر پر سوئے تھے، اور جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں ہجرت کی اور مہاجرین میں اور انصار و مہاجرین میں مواخاۃ قائم کی تو علیؓ کو اپنا بھائی بنایا بعد میں سہیل بن حنیف سے ان کا بھائی چارہ کیا۔

پس نسبی اعتبار سے حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی اور پرورش کردہ تھے اور

اُن کو سیدھی راہ چلا سکیں گے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو دو باتوں کے پیش نظر نامزد نہیں کیا ایک تو یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اپنے سر لیں دوسری یہ کہ قریش کی اکثریت بنی ہاشم سے خلافت اس خوف سے نکالنا چاہتی تھی کہ مبادا وہ ان کی وراثت ہو جائے اور پھر قیامت تک قریش کے کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو سکے چنانچہ قریش کے اس خطرے نے کہ وہ بنی ہاشم کی رعایا نہ بن جائیں ۔ اور خلافت کسی دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو جائے بنی ہاشم کو قصداً اس سے دور رکھا۔

حضرت عثمانؓ کو بھی فاروق اعظمؓ نے دو ہی باتوں کے خیال سے نامزد نہیں کیا، ایک تو یہی کہ مسلمانوں کے معاملات کا بار زندگی کے بعد اپنے سر نہ لیں دوسری بات یہ کہ ان کو خوف تھا کہ بنی امیہ خلافت کو اپنے لئے خاص کر لیں گے اور کسی دوسرے قریشی خاندان کو موقع نہیں دیں گے، کہتے ہیں کہ عباسؓ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ شوریٰ میں حصہ نہ لیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ ذمہ لیتے ہیں کہ لوگ ان سے اختلاف نہیں کریں گے لیکن حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ کی بیعت قبول کر لی، اور وفاداری کے ساتھ حضرت عمرؓ کی زندگی اور موت تک اس پر قائم رہے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد خلافت کے لئے ہر بات حضرت علیؓ کے حق میں تھی، نبیؐ سے آپ کا رشتہ، اسلام کی طرف آپ کی سبقت، مسلمانوں کی لڑائیوں میں آپ کا درجہ، اللہ کی راہ میں آپ کی ثابت قدمی، آپ کی صاف ستھری زندگی جس میں کہیں دھبہ نہیں، دین میں آپ کی شدت، کتاب وسنت میں آپ کا تفقہ مشکلات اور پیچیدگیوں کے مواقع پر آپ کی صحت فکر اور اصابت رائے۔

حضرت ابوبکرؓ پر آپ کو مقدم کرنے میں مسلمانوں نے اگر کچھ حرج دیکھا تو اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑا درجہ رکھتے تھے، آپ کے غار کے ساتھی تھے انہیں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا حضرت عمرؓ سے بھی ترجیح دینے میں اگر مسلمانوں نے کچھ گمان کیا کہ ان کا بھی بڑا درجہ ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کو نامزد بھی کر دیا تھا، لیکن یہ مسلمان رکے

آپؐ کے حقیقی بھائی بھی، آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے شادی جس کی وجہ سے اب تک آپ کی نسل جاری ہے، جہاد کے میدانوں میں آنحضرتؐ کے تمام غزوات میں اسلام کا جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں رہا، وہ ایک بہادر، دلیر اور خداداد قوت کے مالک تھے، جس کی مثال لوگوں میں نہیں دیکھی گئی، آنحضرتؐ جب غزوۂ تبوک کے لئے نکلے تو اپنے گھر کا جانشین انہیں کو بنایا تھا، حضرت علیؓ کو یہ بات پسند نہ تھی یا پھر لوگوں میں اس کا تذکرہ سن کر آنحضرتؐ نے علیؓ سے فرمایا کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم میرے لیے موسیٰؑ کے ہارونؑ بنو، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، پھر آنحضرتؐ وفات پا گئے اور خلافت کے لئے کوئی صاف اور کھلا حکم نہیں دے گئے۔ البتہ بیماری کے دنوں میں ہدایت کی کہ ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہو۔ اب جن لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلافت کے لئے پسند کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا تو کیوں نہ ہم ان کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کرلیں۔

میں اس اختلاف میں حصہ لینا نہیں چاہتا جو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی بیعت سے متعلق شیعوں اور ان کے مخالفین نے پیدا کئے ہیں، میں تو صرف یہ ریکارڈ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں خلفاء کی اخلاص کے ساتھ بیعت کی اور سچائی کے ساتھ ان کے خیرخواہ بنے رہے اور جب جب ضرورت پڑی ان کو مشورے دیتے رہے، اگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مسلمان یہ کہتے کہ علیؓ آنحضرتؐ کے سب سے قریبی رشتہ دار ہیں ان کے پرورش کردہ ہیں، ان کی امانتوں کے ذمہ دار اور مواخاۃ کی تقریب سے آپؐ کے بھائی ہیں، پھر آپؐ کے داماد اور آپؐ کی چلنے والی نسل کے جدّ امجد ہیں، آپ کے علم بردار آپؐ کے گھر کے جانشین اور آپؐ کے لئے موسیٰؑ کے ہارونؑ۔ مسلمان یہ سب کچھ کہتے اور ان وجوہ کی بنا پر ان کو خلیفہ بنا لیتے تو یہ نہ کوئی سرتابی ہوتی اور نہ راستے سے دور ہوتا، کہا جاتا ہے کہ عباس ابن عبدالمطلبؓ نے چاہا کہ علیؓ کی بیعت کرلیں لیکن خود حضرت علیؓ نے انکار کیا اور مسلمانوں میں تفریق گوارا نہ کی اور دونوں خلفائے راشدین تک معاملہ یوں چلتا رہا، پھر حضرت عمرؓ نے بھی بات ان کے سپرد نہیں کی بلکہ مجلس شوریٰ بنائی اور اس میں ان کو بھی ایک رکن بنایا، حالانکہ وہ خود ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر علیؓ کو لوگوں نے والی بنایا تو وہ

بس کی بات تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ پسند کرتے، ایسا کرنے میں ان کے لئے
کوئی حرج اور مضائقے کی بات نہ تھی، حضرت عمرؓ نے ان کو امیدوار بنایا تھا، ان کی حیثیت
بھی امیدواری کے حق میں تھی، پھر وہ عام عربوں میں اور خاص قریش میں تعلقات کے اعتبار
سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی طرح تھے، آپ کی دامادی کا رشتہ قریش میں تھا، مضر میں
تھا، ربیعہ میں تھا اور یمنیوں میں بھی تھا، مختلف قبیلوں میں ازدواجی رشتوں نے آپ کے بہت سے
بیٹے پیدا کر دیئے تھے، اگر عام مسلمانوں میں افتراق ہونے سے پہلے آپ خلیفہ ہو جاتے تو یقیناً
دور دور کے تعلقات اور رجحانات میں نزدیکی پیدا کر لیتے اور لوگوں کو اپنی اطاعت پر متحد کر لیتے
اور بقول حضرت عمرؓ راستے پر چلاتے۔

لیکن مسلمانوں نے دو باتوں کی وجہ سے ایسا کرنا پسند نہیں کیا، ایک تو قریش کا یہ خدشہ
کہ اگر کسی ہاشمی کو خلافت ملی تو وہیں کی ہو کر رہ جائے گی۔ حالانکہ واقعات نے بتا دیا کہ حضرت علیؓ نے
خلافت کو وراثت نہیں بنایا، ان کی راہ اس معاملے میں آنحضرتؐ کی اور حضرت عمرؓ کی راہ تھی آپ
نے کسی کو نامزد نہیں کیا،

دوسری بات یہ کہ بیعت کے موقع پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ جب یہ شرط پیش کر رہے
تھے کہ وہ کتاب وسنت پر چلیں گے اور شیخینؓ کی اتباع کریں گے اور اس سے سرمو تجاوز نہیں
نہیں کریں گے تو حضرت علیؓ نے اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا ان کو یہ ڈر تھا کہ مبادا حالات
شرط پوری کرنے کی راہ میں حائل ہو جائیں، حضرت علیؓ کا یہ خطرہ اس کا مستحق تھا کہ مسلمان اس
پر توجہ کرتے، ان کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور ان کے اخلاص پہ اعتماد کرتے اس لئے کہ انہوں
نے اپنی طاقت اور امکان کے اندر اتباع کرنا ضروری خیال کیا، لیکن عبدالرحمٰن بن عوفؓ
دوسرے مسلمانوں کی طرح خلافت سے متعلق تمام معاملات میں بڑے محتاط اور حزم پسند
تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ ڈرے کہ حضرت کی یہ تحفظ والی روش کہیں مطلب
اور خود غرضی والی روش تو نہیں ہے، پس جب حضرت عثمانؓ نے بلا کسی تذبذب کے
کر لیا کہ وہ کتاب وسنّت اور شیخینؓ کی اتباع اپنے لئے لازمی قرار دیں گے تو اطمینان کے
ساتھ ... کر لی حالانکہ بعد میں ہونے والے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت عثمانؓ

وہ نہ کر سکے جو شیخین رضؓ نے کیا اور نہ ان کی راہ پر قائم رہے اور حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کی مختصر مدت میں جیسا کہ واقعات بتلاتے ہیں وہ کچھ کر دکھایا جو شیخینؓ نے کیا تھا بلکہ اس سے بھی اہم، حضرت علی نے فاروقی سیرت کی اتباع ایک ایسی رعایا میں کی جو حضرت عمرؓ کی رعایا سے کہیں زیادہ کثرت دنیا کی طرف راغب تھی۔ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی راہ اس دور میں چلتے رہے جو اختلاف، سرکشی بغاوت اور فتنوں کا دور تھا جس کے بعد مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں،

حضرت علیؓ کی زندگی جیسی فتوحات سے پہلے خشک اور زاہدانہ تھی، فتوحات کے بعد بھی ویسی ہی سادہ زندگی اور تنگ رہی، نہ انھوں نے کوئی تجارت کی نہ کوئی کاروبار بڑھایا ان کو جو وظیفہ ملتا تھا اسی پر قناعت کی، اسی سے اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتے رہے مقام ینبع میں ان کی ایک زمین تھی اسی میں کچھ سرمایہ لگاتے اور فائدہ اٹھاتے تھے اور جب ان کا انتقال ہوا تو آپ کے ترکے کا حساب کروڑوں، لاکھوں تو کیا ہزاروں سے بھی نہ ہو سکا۔ بقول آپ کے صاحبزادے حسنؓ کے کل سات سو درہم تھے اور آپ چاہتے تھے کہ اس سے ایک خادم خرید لیں۔

حضرت علیؓ اپنی خلافت کے مختصر دور میں موٹا لباس پہنتے تھے اور وہ بھی پیوند لگا ہوا، ہاتھ میں درہ لئے بازار میں گشت لگاتے اور حضرت عمرؓ کی طرح عوام کو نصیحت اور تمیز سکھاتے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بہت ٹھیک اندازہ لگا کر اپنے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ "اس اجلح[1] کو اگر لوگوں نے والی بنایا تو ان کو راستے پر لے چلے گا"

بلاشبہہ حضرت علیؓ اپنے مرکزی رجحان کی بنا پر اس بات کے مخالف تھے کہ خلافت غیر بنی ہاشم میں کر دی جائے لیکن وہ آجکل کے مفہوم میں پوری طرح جمہوری تھے اور خلافت کو موروثی خیال نہیں کرتے تھے وہ تو اس کو ایک ذمہ داری تصور فرماتے تھے جو مسلمان ارباب حل وعقد کی طرف سے خلیفہ کو دونوں کی رضامندی کے بعد سپرد کی جاتی ہے چنانچہ پہلی بار جب ذمہ داروں نے خلافت ان کے سپرد نہیں کی بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو دی اور دوسری بار حضرت عمرؓ کے حوالے کیا

---

[1] اجلح وہ آدمی جس کے سر پر صرف کانوں کی طرف بال ہوں، مراد حضرت علیؓ ہیں،

نیک اور گرم مخالفت اور اللہ کے عتاب سے ڈرانے کی حدود سے باہر نہ تھا پھر حالات نے ایسی
شدت اور نزاکت اختیار کر لی کہ ایک دن حضرت علیؓ مجبور ہوئے کہ لوگوں کے سامنے حضرت عثمانؓ
کی مخالفت کریں اور یہ وہ موقع تھا جب عثمانؓ نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اس مال سے بلا کسی پابندی
کے اپنی ضرورت کے مطابق مخالفین کے علی الرغم لے لیں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تو آپ کو اس
سے روکا جائے گا، بہر حال حضرت علیؓ کا طرز عمل حضرت عثمانؓ کے ساتھ خیر خواہی مشورہ اور بعض اوقات
سخت اعتراض کے سوا کچھ نہ تھا اور کبھی وہ ان حدود سے آگے نہیں بڑھے، وہ بعض مواقع پر حضرت
عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان واسطہ بھی بنے، ایک طرف حضرت عثمانؓ کو حقیقت حال
سے باخبر کیا دوسری طرف لوگوں کو فتنے سے روکا، لیکن جب مایوس ہو گئے کہ حضرت عثمانؓ خود
اپنے گھر والوں پر قابو نہیں پاتے تو گھر بیٹھ رہے اور بیچ بچاؤ کرنا بھی چھوڑ دیا، لیکن اس کے باوجود
محاصرے کے دوران میں وہ حضرت عثمانؓ کے لئے ایک دردمند محسن رہے، ان کے گھر تک
پانی پہنچایا، محاصرہ کرنیوالوں کا مقابلہ کرنے کیلئے دونوں لڑکوں کو بھیجا، بلاشبہ حضرت عثمانؓ کے پورے
دور خلافت میں حضرت علیؓ کی ایک چشمک تھی لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ
کو ان کے رشتہ داروں نے حضرت علیؓ سے بجید خائف رکھا، اگر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے
نقش قدم پر چلتے اور ان کے رشتہ دار ان کے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوتے تو یقیناً حضرت
علیؓ کی روش وہی ہوتی جو شیخینؓ کے ساتھ تھی لیکن اگر ایسا ہوتا تو نہ یہ فتنہ ہوتا اور نہ ہم کو یہ کتاب
لکھنے کی ضرورت پڑتی،

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات میں خرابی پیدا کرنے والے حضرت
عثمانؓ کے رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ان ہی لوگوں کی بدولت ایک مرتبہ دونوں
میں تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا، اس بات کا ثبوت بلاذریؒ کی وہ روایت ہے جو انہوں نے
انساب الاشراف میں اپنی سندوں کے ساتھ درج کی ہے، کہ حضرت عباسؓ دونوں کے درمیان
تھے، انہوں نے حضرت عثمانؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "میں علیؓ کے متعلق آپ خدا کی یاد دلانا
چاہتا ہوں جو آپ کے بھتیجے ہیں ماموں کے لڑکے ہیں آپ کے داماد، اور آنحضرتؐ کے ساتھ
آپ کے دوست بھی، مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کچھ اور

تو انہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور شیخینؓ کی بیعت کر لی اور ان کے وفادار رہے اور مخلصانہ مشورے
بھی پیش کرتے رہے آپ نے حضرت عمرؓ کی موت کے بعد جب کہ شوریٰ کے لوگ باہم مشورہ
کر رہے تھے ۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن یہ مشورہ انتہائی کشر میلے انداز ہیں تھا اور پھر
رک گئے اور اپنے کو دوسروں کی طرح بنا لیا اور عبدالرحمٰنؓ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کا عہد لیا۔
اور اپنی طرف سے اطاعت اور فرماں برداری کا عہد کیا، بعض تصنع کرنے والے راوی کہتے ہیں
کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت میں تاخیر کی تب عبدالرحمٰنؓ نے ان کو متنبہ کیا اور دھمکی
دی، لیکن دوسرے راویوں کا بیان حضرت علیؓ کی سیرت اور اخلاق کے بالکل مناسب ہے
وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے عبدالرحمٰن کی پیش کردہ شرطیں منظور نہیں کیں اور حضرت عثمانؓ نے
منظور کر لیا تو حضرت علیؓ نے کہا ابو عبداللہ نے شرط مان لی ہے اب تم ان کی بیعت کر لو، اگر انہوں
نے تاخیر کی ہوتی یا جبر و اکراہ سے بیعت کی ہوتی تو ان کو اپنے گھر بیٹھ رہنا اور حضرت عثمانؓ اور شوریٰ
سے کچھ دنوں کے لئے یا عرصہ تک کے لئے قطع تعلق کر لینا مناسب تھا لیکن وہ اپنے گھر نہیں بیٹھ رہے
حضرت عثمانؓ کی مجلس بیعت میں حاضر رہے اور عبیداللہ بن عمرؓ کے قصے میں حضرت عثمانؓ کو
اشارہ بھی کیا کہ ہرمزان کے قتل کے عوض عبیداللہ سے قصاص لینا چاہیئے۔

حضرت علیؓ تینوں خلفا کے مخالف تھے لیکن شیخینؓ نے کوئی ایسی بات نہیں کی، جس سے خفیف
اعتراض کا بھی ان کو موقع ملتا چہ جائیکہ تلخ تنقید اور کڑی نکتہ چینی کا یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے حضرت
علیؓ کی مخالفت نمایاں نہیں ہوئی، دوسرے مہاجر اور انصار صحابہؓ کی طرح علیؓ بھی اپنی خیر خواہی
اور مشورے پیش کرتے رہے اور اطاعت کرتے رہے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو
حضرت علیؓ کی مخالفت میں تھوڑی سی شدت مجلس شوریٰ کے موقع پر پیدا ہوئی۔ لیکن پھر انہوں
نے وہی روش اختیار کر لی جو شیخینؓ کے ساتھ رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی خیر خواہی
کی، ان کی اطاعت کی اور ان کو مشورے اور اشارے دیئے لیکن حضرت عثمانؓ کے طرز عمل
نے ان میں مخالفت کا ذرا سخت جذبہ پیدا کر دیا، عبیداللہ بن عمرؓ کے معاملے میں ان کی طرح
حضرت علیؓ کی رائے معاف کر دینے کی نہ تھی، پھر بعد کے حالات اور حوادث نے ایسے مواقع
فراہم کر دیئے کہ حضرت علیؓ کی مخالفت میں بتدریج اضافہ ہی ہوتا گیا لیکن یہ سب کچھ بہر حال ایک،

رکھتے ہیں "حضرت عثمانؓ نے کہا سب سے پہلا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ میں آپکی سفارش قبول کرتا ہوں۔ اگر علیؓ چاہتے تو میرے نزدیک انکی جگہ سب سے اونچی ہے۔ لیکن ان کو تو اپنی بات کی ضد ہے پھر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی طرح خطاب کیا حضرت علیؓ نے جواب دیا اگر عثمانؓ مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم دیں تو میں گھر چھوڑ دوں گا۔ [1]

لیکن بیچ بچاؤ سب بے سود رہا، حضرت عثمانؓ اپنی راہ چلتے رہے حضرت علیؓ مخالفت سے باز نہ آئے، اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار طرفین کے تعلقات میں بدستور خرابی پیدا کرتے رہے تا آنکہ معاملہ نازک ہوگیا، بلاذری ہی نے اپنی سندوں سے روایت کی ہے عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کی شکایت کرتے ہوئے میرے والد سے کہا کہ ماموں؟ علیؓ نے تعلق توڑ رکھا ہے اور تمہارے صاحبزادے نے لوگوں کو لگا دیا ہے اے مطلب کے لڑکو! بخدا اگر تم یہ بات (خلافت) بنی تیم اور بنی عدی کے لئے طے کر چکے ہو تو عبد مناف کی اولاد اس کی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس کے حاسد نہ بنو اور اس معاملے میں اس سے جھگڑا نہ کرو، عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے باپ دیر تک خاموش رہے اس کے بعد کہا بھانجے! اگر علیؓ آپ کی نگاہوں میں پسندیدہ نہیں ہیں تو آپ ان کی نگاہوں میں پسندیدہ کس طرح بن سکتے ہیں، جہاں تک رشتہ داری اور خدمت کا تعلق ہے اس میں آپ سے نہ اختلاف ہے نہ انکا رہا اب اگر آپ کتر بیونت کر کے کچھ اونچے کو نیچا اور کچھ نیچے کو اونچا کر دیں تو دونوں قریب تر ہو جاتے ہیں اور یہی بات زیادہ بہتر اور ملاپ کی ہے، حضرت عثمانؓ نے کہا میں اس معاملے میں تم کو اختیار دیتا ہوں عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اب بات قریب آچکی تھی۔ لیکن جب ہم ان کے پاس سے نکلے تو مروان ان سے ملنے گیا، اس نے حضرت عثمانؓ کو ان کی رائے پر قائم نہیں رہنے دیا، چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد ان کا آدمی میرے والد کو بلانے آیا اور جب وہ پہنچے تو حضرت عثمانؓ نے کہا ماموں یہ میں نے جو آپ کو اختیار دیا ہے اس کو ابھی ملتوی رکھئے، ابھی میں اس میں غور کر دوں گا میرے والد واپس آئے اور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے یہ شخص تو دوسروں کے بس میں ہے

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ص ۱۲ مطبوعہ قدس،

اس کے بعد خدا سے دعا مانگی! اے اللہ تو مجھے فتنے سے پہلے اٹھا لے مجھے تو اس بات کے لئے باقی نہ رکھ جس میں میرے لئے کوئی بھلائی نہیں، چنانچہ جمعہ بھی نہیں آیا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا [1]

حضرت عباسؓ نے دونوں کے درمیان صلح و صفائی کی کوشش کی اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے پھر حضرت عثمانؓ نے دوسری بار ان کو درمیان میں ڈالا اور غالباً پہلی مرتبہ کی طرح وہ کامیاب ہو جاتے لیکن مروان نے اُن کو اِن کی رائے سے پھیر دیا، جس کی وجہ سے معاملات خراب سے خراب تر ہو گئے اور وہ فتنہ ہوا جس کا عباسؓ کا خطرہ تھا،

[1] انساب الاشراف بلاذری ص۱۳ و ۱۳ مطبوعہ قدس

معاذ بن جبلؓ کا بھائی چارہ کیا، عبداللہ بن مسعودؓ بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے، آپ ہی نے ابوجہل کا سر جب معرکۂ بدر میں گر پڑا تھا کاٹا، یہ سفر و حضر میں مسلسل آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے، لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ یہ اہل بیت کے ایک فرد ہیں، آنحضرتؐ کی موجودگی میں بلا اجازت حاضری دیتے تھے، حضورؐ کے نکلنے کے موقع پر جوتہ پہنانا، پھر عصا لے کر آگے آگے چلنا ان کی خدمت تھی، جب آپ اپنی جگہ پہنچ جاتے تو یہ نعلین اپنی آستینوں میں رکھ لیتے، عصا دیتے اور خدمت میں کھڑے ہو جاتے، سفر میں آپ کا بستر کرتے اور وضو کرانے کی خدمت بھی انہیں کے سپرد ہوتی حضورؐ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے اور دوسروں کو ان کی محبت کرنے کی ہدایت بھی فرماتے تھے، ایک دن صحابہؓ نے ان کو درخت پر چڑھتے دیکھا پنڈلیوں کی لاغری دیکھ کر سب ہنس پڑے آپؐ نے فرمایا یہ دبلی پنڈلیاں قیامت کے دن میزان میں احد پہاڑ سے بھاری ہوں گی، آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب مسلمانوں کا رخ فتوحات کی طرف پھر گیا تو یہ بھی شام کی طرف جہاد کرتے ہوئے نکلے، حمص میں قیام کیا وہاں سے حضرت عمرؓ نے کوفہ بھیج دیا اور کوفہ والوں کو لکھا کہ "ان سے تعلیم حاصل کرو ان کو تمہارے لئے اپنی ضرورت چھوڑ کر بھیج رہا ہوں۔

عبداللہ ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے، بعد میں بڑی تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچے اور لوگوں کے سامنے تقریر کی "ہم نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، باقی رہنے والوں میں سے ہم نے بہترین آدمی کو پسند کیا ہے"، اس کے بعد لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی بیعت پر آمادہ کیا

کوفہ کے بیت المال پر عبداللہ ابن مسعودؓ کا تقرر اس وقت ہوا جب سعد ابن ابی وقاصؓ وہاں کے گورنر تھے جب وہ معزول ہوئے تو ولید کے ابتدائی زمانے تک یہ بھی اپنے عہد پر باقی نہ رہے، ہوا یہ کہ ولید نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی جب قرض کی مدت پوری ہو گئی تو ابن مسعودؓ نے رقم طلب کی، ولید نے ٹال مٹول کیا، ابن مسعودؓ نے اصرار کیا۔ ولید نے حضرت عثمانؓ کو خط لکھا اور اس میں ابن مسعودؓ کی سختی کی شکایت کی تب حضرت عثمانؓ نے ابن مسعودؓ کو لکھا کہ تم ہمارے خازن ہو، ولید نے بیت المال سے جو قرض لیا ہے اس سے تعرض نہ کرو، ابن مسعودؓ اس بات سے ناراض ہوئے اور بیت المال کی کنجیاں پیش کر کے

عبداللہ بن مسعودؓ

اکابر صحابہؓ کا عثمان سے اختلاف

شوریٰ کے ان ممبروں کی مخالفت، تو معمولی تھی، لیکن دوسرے صحابہؓ اور کہنا چاہیے کہ جلیل القدر اور ممتاز صحابہ، حضرت عثمانؓ کے شدید مخالف تھے ان کی شدید کشاکش تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے جس پر گفتگو کرنے والوں نے بہت کچھ کہا ہے اور اختلاف کرنے والوں نے خوب خوب رد وقدح کی ہے، حضرت عثمانؓ کے مخالف صحابہؓ میں ایک حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ہیں جو بنی زہرہ کے حلیف تھے، آنحضرتؐ کی اُن کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی۔ جب وہ چھوٹے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، ایک دن آنحضرتؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ان کے پاس آئے اور کہا کچھ دودھ ہو تو پلاؤ، انھوں نے کہا میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا، یہ بکریاں دوسرے کی امانت ہیں، آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس کے بچہ نہ ہوا اس پر انھوں نے ایک بکری پیش کر دی، آنحضرتؐ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیر دیا اس میں دودھ اتر آیا، حضرت ابوبکرؓ ایک گہری چٹان پر لے گئے اور اس کو دوہا اور دونوں نے پیاس بجھائی، اس کے بعد آنحضرتؐ نے تھن کو فرمایا "خشک ہو جا" چنانچہ وہ اپنی حالت پر آگیا۔ اُس وقت عبد اللہ ابن مسعودؓ اسلام کی حلقہ بگوشی میں آگئے اور حضورؐ کی صحبت اختیار کر لی، عبد اللہ ابن مسعودؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کے حافظ، سب سے زیادہ قرآن کے راوی، اور سب سے زیادہ مکہ میں قرآن کا مظاہرہ کرنے والے صحابی ہیں، انھوں نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی، آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ مہاجرین میں سے زبیر بن العوامؓ کا اور انصار میں

گھر بیٹھ رہے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت اور تعلیم دینا شروع کیا اس وقت سے سیاسی اور مالی معاملات میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کی مخالفت شروع ہوئی، اس کے بعد اس مخالفت میں اور زیادہ پیچیدگی اس وقت پیدا ہو گئی جب حضرت عثمانؓ نے مصحف ایک کر دیا، اور اس کی کتابت زید ابن ثابتؓ کی سرکردگی میں چند افراد کے سپرد کر دی اور بقیہ تمام نسخوں کو جلا دینے کا اقدام کیا جس کو ابن مسعودؓ نے اور بہت سے مسلمانوں نے ناپسند کیا، اور جس سے ابن مسعودؓ کی مخالفت میں اور تیزی پیدا ہو گئی، ابن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے وہ اپنے بیان کے دوران میں فرماتے "سب سے سچی بات کتاب اللہ ہے بہترین سیرت، سیرت محمدیؐ ہے، بدترین کام نئی باتیں ہیں، ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی آگ میں جائے گی" ولید نے اس کا تذکرہ اپنے خط میں حضرت عثمانؓ سے کیا اور کہا یہ آپ پر چوٹ ہے، تب حضرت عثمانؓ نے ولید کو لکھا کہ وہ ان کو مدینہ بھیج دے چنانچہ وہ بھیجے گئے، روانگی کے وقت کوفہ والوں نے بڑے جوش خروش کا مظاہرہ کیا، ابن مسعودؓ مدینہ پہنچ کر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عثمانؓ ممبر نبویؐ پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے ابن مسعودؓ کو آتے دیکھ کر کہا۔ لو وہ برائی کا کیڑا آ گیا جو اپنے کھانے پر چلتا ہوا قے کرتا ہے اور براز، یہ سن کر ابن مسعودؓ نے کہا میں ایسا نہیں ہوں، میں بیعت رضوان میں اور معرکہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی ہوں، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آواز سے کہا کہ عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو آپ یہ کہتے ہیں، حضرت عثمانؓ نے ابن مسعودؓ کو سختی کے ساتھ مسجد سے نکلوا دیا پھر وہ زمین پر پٹک دیئے گئے جس سے ان کی پسلی ٹوٹ گئی حضرت علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا کہ یہ سب کچھ آپ ولید کے کہنے سے کر رہے ہیں، حضرت عثمانؓ نے کہا ولید کے کہنے پر ایسا نہیں کیا۔ میں نے زبید بن کثیر کو خط بھیجا تھا اس سے سنا کہ عبداللہ بن مسعودؓ میرا خون حلال قرار دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا زبید ایک بے اعتبار آدمی ہے اس کے بعد حضرت علیؓ اٹھے اور ابن مسعودؓ کو ان کے گھر پہنچا دینے کا حکم دیا۔

حضرت عثمانؓ پھر بھی تک اگر نہیں رک گئے، انہوں نے ابن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا

مدینہ سے ان کو باہر نکلنے کی ممانعت کر دی، ابن مسعودؓ چاہتے تھے کہ ان کو جہاد میں شرکت کے لئے شام جانے کی اجازت مل جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا، مروان نے ان سے کہا تھا کہ کوفہ کو تو انھوں نے آپ کا مخالف بنا دیا اب شام کو تو بچا رہنے دیجئے،

اس طرح کوفہ سے ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے مخالف بن کر نکلے اور دو یا تین سال تک مدینے میں مخالفت کا اعلان کرتے رہے۔ اس کے بعد ان کی وفات کے دن قریب آ گئے راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمانؓ اُن کی عیادت کے لئے گئے لیکن اس کے بعد کے بیانات میں اختلاف ہے ۔بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے معذرت کی اور دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو کر ہی اس مجلس سے جدا ہوئے اور جب ابن مسعودؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بعض کہتے ہیں کہ عیادت کے موقع پر ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے خوش ہو کر نہیں ملے۔ دونوں کا مکالمہ سنئے:-

حضرت عثمانؓ ۔ آپ کو کیا شکایت ہے۔

عبداللہ ابن مسعودؓ ۔ اپنے گناہوں کی

حضرت عثمانؓ ۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟

عبداللہ ابن مسعودؓ ۔ اللہ کی رحمت۔

حضرت عثمانؓ ۔ کیا آپ کے لئے طبیب بلواؤں،

عبداللہ ابن مسعودؓ ۔ طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ ۔ کیا آپ کا وظیفہ جاری کر دوں۔

عبداللہ ابن مسعودؓ ۔ ضرورت تھی تو آپ نے بند کر دیا اب ضرورت نہیں تو جاری کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ ۔ تمہارے اہل و عیال کے کام آئے گا۔

عبداللہ ابن مسعودؓ ۔ خدا ان کا رزاق ہے۔

حضرت عثمانؓ ۔ میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے،

عبداللہ ابن مسعودؓ ۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میرے معاملے میں آپ سے مواخذہ کرے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ باہر نکلے تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے وصیت کی کہ حضرت عثمانؓ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں جب ان کا انتقال ہوا تو کسی نے ان کو خبر نہیں کی عمار ابن یاسرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کر دیئے گئے دوسرے دن حضرت عثمانؓ گذرے تو ایک نئی قبر دیکھ کر لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابن مسعودؓ کی قبر ہے حضرت عثمانؓ خفا ہوئے اور فرمایا کہ مجھے مطلع نہیں کیا گیا حضرت عمارؓ نے کہا انھوں نے وصیت کی تھی کہ آپ کو نماز جنازہ نہ پڑھانے دی جائے، حضرت عثمانؓ نے بات دل میں رکھی۔ حضرت عمارؓ کے خلاف حضرت عثمانؓ کے غصے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

بالکل کھلی بات ہے کہ یہ بیان حقیقت سے دور ہے، عبداللہ ابن مسعودؓ کی سیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو معاف کر دیا، ان کے لئے مغفرت بھی چاہی، صحابہ میں جو لوگ ان سے بہت مانوس تھے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اپنے طور طریقے میں سیرت اور اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے پھر وہ سب سے زیادہ قرآن کے قاری اور عامل بھی تھے، یقیناً انہوں نے ارشاد خداوندی ولمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور پڑھا ہوگا اور وہ اس بات کے سب سے زیادہ اہل ہیں کہ صبر کریں، معاف کر دیں اور مستقیم رہیں۔

———(۳)———

ابوذر غفاریؓ

ابوذر غفاریؓ کنانہ کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، عہد جاہلیت ادہ لوگوں سے دور الگ تھلگ رہا کرتے
کہتے تھے گویا طبعًا فقر پسند تھے، ایک دن وہ مکہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پاکر آپ سے
قریب ہوئے، اور آپ کی باتیں سنیں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، اس کے بعد ان کو مکہ میں قیام کا زیادہ
موقع نہیں ملا۔ البتہ ہجرت کر کے مدینے پہنچے اور آپ کی خدمت میں رہنے لگے ان کا شمار بھی اسلام کے
سابقین میں اور ان لوگوں میں ہے جن کو آنحضرتؐ محبوب رکھتے تھے، اور جن کی تعریف کیا کرتے تھے
چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذرؓ سے سچا کوئی نہیں، اور فرماتے تھے
کہ ابوذرؓ تنہا ایک قوم بناکر اٹھائے جائیں گے، حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ جب آبادی سلع (پہاڑ) تک پہنچ جائے تو مدینہ چھوڑ دینا، چنانچہ وہ
صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مدینہ منورہ میں رہے اس کے
بعد جب انھوں نے دیکھا کہ عمارتیں سلع تک بن چکی ہیں تو حضرت سے درخواست کی کہ ان کو جہاد کے
سلسلے میں شام جانے کی اجازت دی جائے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں
شام چلے گئے تھے اور وہاں دفتر میں قیام کیا تھا۔ پھر حج کے لئے آئے اور مدینہ میں قیام کرتے
اور حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر ربذہ آ گئے کے پاس کچھ وقت گزارتے، ایک دن انہوں نے
دیکھا کہ حضرت عثمانؓ مروان بن الحکم کو بہت سامال دے رہے ہیں اور ان کے بھائی حارث بن الحکم
کو تین لاکھ درہم عنایت کر رہے ہیں اور اسی طرح زید ابن ثابت انصاریؓ کو ایک لاکھ کا عطیہ دے
رہے ہیں، یہ ان کو بہت ناگوار اور زیادہ معلوم ہوا، فرمانے لگے، دولت جمع کرنے والوں کو
آگ کی خوشخبری سنادو اس کے بعد تلاوت فرمایا:-

اعتراض تھا کہ مسلمانوں کے مال کو وہ اللہ کا مال کہتے ہیں، وہ "خضرا" کی تعمیر پر بھی
معترض تھے، اور امیر معاویہؓ کو مخاطب کر کے کہا اگر تم نے یہ تعمیر مسلمانوں کے پیسے
سے کی ہے تو یہ ایک خیانت ہے اور اگر اپنی رقم خرچ کی ہے تو یہ اسراف ہے۔
حضرت ابوذر غفاریؓ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دولتمند، محتاجوں اور مفلسوں کی طرف سے تباہیوں
کے مستحق ہیں، لوگ ان کے پاس جمع ہونے لگے، ان سے باتیں سننے لگے۔ اور ان کو ماننے بھی
لگے۔ امیر معاویہؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شامیوں میں ان کی تحریک زور نہ پکڑ لے۔ انھوں نے حضرت
عثمانؓ کو شکایت کا خط لکھا، جواب ملا کہ تُڈی کو سخت سواری اور پیچیدہ راہ سے میرے پاس
بھیج دو، امیر معاویہؓ نے بے اعتنائی کے ساتھ ان کو مدینہ واپس کر دیا، مدینہ پہنچے تو بدستور
اپنی بات پیش کرتے رہے، اور کہتے رہے کہ دولتمندوں کو آگ سے داغے جانے کی بشارت
دیدو، ان کی پیشانیاں، ان کی پشت اور ان کی پسلیاں آگ سے داغی جائیں گی، انھوں نے
حضرت عثمانؓ پر بھی اعتراضات شروع کر دیئے اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے
مال میں اپنا ہاتھ آزاد کر رکھا تھا، نوجوانوں کو حکومت دیدی تھی اور فتح مکہ کے بناہ گزینوں
عہدے دیئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کو اس سے بڑی کوفت ہوئی۔
یہاں پہنچ کر راویوں میں اختلاف ہوتا ہے بعض کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ
سے نکل جانے کا حکم دیا اور کہا کہ کوفہ، بصرہ اور شام کو چھوڑ کر جہاں جی چاہے چلے جاؤ، اس
پر حضرت ابوذرؓ نے وہاں سے چلے جانا ہی بہتر سمجھا اور مکہ کے قریبی گاؤں میں اپنی تمام زندگی گذاری
چلے گئے، اور وہیں انتقال کیا، بعضوں کا خیال یہ ہے کہ زندہ جانا خود حضرت ابوذرؓ نے پسند نہیں کیا
بلکہ حضرت عثمانؓ نے ان کو جلاوطن کر دیا اور وہ غریب الوطنی کی زندگی گذار رہے تھے، تا آنکہ
دنیا سے رخصت ہو گئے، حد یہ ہے کہ ان کی بیوی تجہیز و تکفین سے عاجز تھیں اور کچھ لوگ
جو عراق سے حج یا عمرہ کی غرض سے آئے تھے۔ انھوں نے حضرت ابوذرؓ کی تجہیز و تکفین کی،
اور جب حضرت عثمانؓ کو ان کی موت کی خبر کی اطلاع ہوئی تو ان کے لئے مغفرت کی دعا کی اور
ان کی بیوی کو اپنے متعلقین کے ساتھ کر دیا۔
حضرت عمار ابن یاسرؓ چونکہ حضرت ابوذرؓ سے بڑی ہمدردی اور ان کے حال پر بڑی شفقت

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو درد ناک عذاب کی بشارت دیدو۔

مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ سے ابوذرؓ کی اس بات کی شکایت کی حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک غلام کو بھیج کر ابوذرؓ کو منع کیا، ابوذرؓ نے کہا کیا عثمانؓ مجھ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھنے اور اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے روکیں گے؟ عثمانؓ کو ناراض کر کے اللہ کو خوش رکھنا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں عثمانؓ کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کر دوں، حضرت عثمانؓ نے برداشت سے کام لیا اور صبر کیا۔

لیکن ابوذرؓ اپنی تنقید اور اعتراض پر مصر رہے اور قناعت و اعتدال کی دعوت اور دولت سے نفرت کی تحریک کرتے رہے، ایک دن وہ حضرت عثمانؓ کے پاس بیٹھے تھے، کعب بن احبارؓ بھی حاضر تھے، بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سوال کیا کہ کیا خلیفہ کیلئے حلال ہے کہ وہ اپنے لئے بیت المال سے کچھ قرض لے اور جب میسّر ہو تو واپس کر دے کعبؓ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابوذرؓ اس پر خفا ہوئے اور کہا یہودی کے بچے ہم کو ہمارا دین سکھاتا ہے، حضرت عثمانؓ ابوذرؓ پر خفا ہوئے اور حکم دیا کہ وہ شام چلے جائیں۔ دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ ابوذرؓ حضرت عثمانؓ سے کہہ رہے تھے کہ صرف زکوٰۃ دینا کافی نہیں۔ بلکہ بھوکے کو کھانا کھلانا سائل کی ضرورت پوری کرنا اور پڑوسیوں کے ساتھ بھلائی کرنا بھی ضروری امر ہے۔ کعبؓ نے کہا جس نے زکوٰۃ ادا کر دی بس اس کے لئے کافی ہو گیا کعبؓ کا یہ کہنا ہی تھا کہ آپ غصے سے تھرا اٹھے اور نظروں [illegible] دیکھا اپنی زبان اور ہاتھ سے بھی تکلیف پہنچائی اور حضرت عثمانؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فوراً ملک شام میں چلے جائیں۔

بہرحال ابوذرؓ شام چلے گئے لیکن وہاں زیادہ قیام نہ کر سکے، وہاں بھی وہ یہی کچھ کہنے لگے جو مدینہ میں کہا کرتے تھے، امیر معاویہؓ کی بہت سی باتوں پر ان کو اعتراض تھا، اس

فرماتے تھے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے محسوس کیا کہ وہ بھی ابوذرؓ کی جلا وطنی پر معترض ہیں، غصہ ہو کر
ان کو بھی ربذہ چلے جانے کا حکم دیدیا اور جب حضرت عمارؓ نے نکلنے کی تیاری کی تو بنی مخزوم
جو آپ کے حلیف تھے مشتعل ہو گئے اور حضرت علی بھی ناراض ہوئے اور حضرت ابوذرؓ
کی جلاوطنی پر حضرت عثمانؓ کو ملامت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ وہ حضرت عمارؓ کو شہر بدر
نہ کریں اس کے بعد دونوں میں بحث و تکرار ہونے لگی، حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ
بھی عمار سے کچھ کم نہیں ہیں۔ آپ بھی جلاوطنی ہی کے قابل ہیں۔ حضرت علیؓ نے مقابلہ کا جواب دیا کہ
کہا ارادہ ہو تو کر کے دیکھئے اس کے بعد مہاجرین کھڑے ہو گئے اور حضرت عثمانؓ پر خفگی کا
اظہار کرتے ہوئے کہا جس پر آپ خفا ہوتے ہیں، اس کو جلاوطن کر دیتے ہیں، یہ آپ کے لئے
مناسب نہیں، پھر حضرت عثمانؓ عمارؓ اور علیؓ سے باز رہے،

آپ نے دیکھا حضرت ابوذرؓ سب سے پہلے نظام اجتماعی سے اپنے اختلاف کا اظہار کرتے
ہیں ان کو یہ ناپسند تھا کہ دولتمند اتنا سرمایہ دار ہو کہ وہ چاندی سونا جمع کرے اور محتاج اتنا تنگدست
کہ خرچ کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو یہ بھی ان کو ناگوار تھا کہ خلیفہ دولتمندوں کو ناحق مسلمانوں
کا مال دیا کرے جس کی وجہ سے محتاج کا فقر اور غنی کی دولت بڑھتی رہے، وہ نہیں چاہتے تھے
کہ رفاہ عام کو چھوڑ کر دولت کے لئے ایسے لوگ پسند کئے جائیں جن کو اس کی ضرورت نہ ہو مزید
برآں حضرت ابوذرؓ خلیفہ کو اس کا مجاز خیال نہیں کرتے تھے کہ وہ تنقید کو روکے یا اختلاف
پر سزا دے، ان کی رائے میں اقتدار کو خفا کر کے خدا کو راضی رکھنا زیادہ اچھا ہے اس بات
سے کہ خدا کو ناراض کر کے اقتدار کو خوش رکھا جائے، حضرت ابوذرؓ کی مخالفت سیاسی بنکر
اور پیچیدہ ہوگئی، چنانچہ انہوں نے اس تنقید ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ خلیفہ اور اس کے عامل بیت المال
کا مال غلط راہ میں خرچ کر رہے ہیں بلکہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کی سیاست، ان کی تقرری اور
معزولی پر بھی اعتراض کیا ہے، نوجوانوں اور فتح مکہ کے پناہ گزینوں کو حاکم بنا دینے کو برا جانا لیکن
ان تمام مخالفتوں کے باوجود ان کی حد بغاوت یا سرتابی کی حد نہ تھی، اگر خلیفہ ان کو سزا دینا چاہتے
تو وہ اس کی سرتابی کرنے والے نہ تھے۔ پس ان کی مخالفت کا پہلو سلبی پہلو تھا یعنی تلخ تنقید
اور سخت نصیحت، یہی وجہ ہے کہ جب ان کو شام چلے جانے کا حکم ملا تو وہ چلے گئے اور جب

جانے کا حکم ہوا تو سر تسلیم خم کر لیا اور کہا مجھے اطاعت کا حکم دیا گیا ہے خواہ میرا حاکم نکٹا غلام کیوں نہ ہو۔
جن لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے مخالفت کے اثباتی پہلو کا تقاضا کیا اور چاہا کہ رہنمائی کریں، ان کو انہوں نے جواب دیا اگر عثمانؓ مجھے کھجور کے درخت کی سب سے لمبی شاخ پر سولی دیدیں گے تو میں سرتابی نہیں کروں گا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابوذرؓ مقابلے کی امکانی طاقت کے ساتھ اختلاف کرنا، اگر اطاعت کی حدود میں ہو اور خلیفہ کی بغاوت نہ ہوتی ہو تو اپنا حق سمجھتے تھے،

عمّار ابن یاسرؓ

عمار بن یاسرؓ مکہ کے کمزوروں میں سے تھے، ان کے باپ یمنی ہیں، بنی مخزوم کے حلیف تھے۔ ان کی والدہ سمیہؓ بنی مخزوم کی لونڈیوں میں ایک کنیز تھیں، عمار اور صہیبؓ ایک ساتھ آنحضرت کی خدمت میں آئے اس وقت تیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے دونوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد عمارؓ کے ماں باپ بھی مسلمان ہو گئے، اب تو قریش ان سبھوں کو ستانے اور اذیت پہنچانے کے لئے بھڑک اٹھے، حضرت عمارؓ کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا، انگاروں سے داغا جاتا طرح طرح کا عذاب دیا جاتا، گلو خلاصی کے لئے اپنے معبودوں کی تعریف اور آنحضرتؐ کی شان میں بے ادبی پہ مجبور کیا جاتا۔ حضرت عمارؓ نے جب صورت حال کا آنحضرتؐ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا اگر وہ پھر ایسا کریں تو مان لو، حضرت عمارؓ کے متعلق ایک سے زیادہ آیتیں قرآن میں نازل ہوئیں، اللہ کے رسول صلعم ان کے اور ان کے والدین کے حال سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور ان پر ترس کھاتے، جب کبھی آپ کا گذر ہوتا اور انھیں گرفتارِ عذاب دیکھتے تو از راہ شفقت ان کے لئے مغفرت چاہتے، اور جنّت کی بشارت دیتے ایک دن تو فرمایا اے خدا آل یاسر کو بخش دے، اور تو نے بخش دیا، حضرت عمارؓ نے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کی، سب سے پہلے انھوں نے مکہ میں نماز کے لئے اپنا گھر مسجد میں بنایا، مسجد نبویؐ کی تعمیر میں انھوں نے نمایاں حصّہ لیا، سب لوگ ایک ایک اینٹ لاتے تھے۔ یہ دو اینٹیں اٹھاتے، دوران عمل میں گنگناتے نحن المسلمون نبتنی المساجد۔ آنحضرتؐ نغمے کا جواب دیتے اور لفظ مساجد دہراتے، اسی طرح خندق کھودنے میں حضرت عمارؓ نے نمایاں حصّہ لیا، خود آنحضرتؐ نے ان کا غبار صاف کیا، یہ بدر کے معرکے میں، احد کے معرکے میں اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

شریک رہے۔ یمامہ کے دن تو بڑا خوفناک مقابلہ کیا، اس دن مسلمانوں نے ان کو دیکھا کہ ایک چٹان پر چڑھ کر مسلمانوں کو للکار رہے ہیں کہ کیا تم جنت سے گریز کر رہے ہو۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور ان کے ساتھ بیت المال پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اور سواد پر حذیفہ الیمانؓ کا تقرر کیا تو ان کے لئے روزانہ ایک بکری کا راشن مقرر ہوا نصف ان کے لئے اور نصف دونوں ساتھیوں کے لئے، جب حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا تو ان سے دریافت کیا کہ میری معزولی تم کو ناگوار تو نہیں ہوئی، آپ نے جواب دیا کہ جب آپ یہ کہہ رہے ہیں تو عرض ہے کہ اس وقت بھی میں خوش نہ تھا، جب آپ نے میرا تقرر کیا تھا۔ اور آج بھی خوش نہیں جب آپ نے معزول کر دیا ہے۔

حضرت عمارؓ نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی، لیکن بعد کے واقعات نے ان کو حضرت عثمانؓ کا شدید مخالف بنا دیا، ایک دن لوگوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے جواہرات میں سے کچھ لے لیا ہے اور اپنے گھر کے لئے کسی کا زیور بنوالیا ہے، لوگ اس بات سے ناراض ہوئے اور حضرت، عثمان پر اعتراضات کئے۔ حضرت عثمانؓ غصے میں آئے اور خطبہ دیتے ہوئے کہا۔ ہم اس خراج کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق ضرور لیں گے، کچھ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہونے دو۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا آپکو ایسا کرنے سے روکا جائیگا۔ عمار بن یاسرؓ نے کہا میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سب سے پہلے ناراض میں ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا لونڈی کے بچے مجھ پر تیری یہ جرأت پکڑو اس کو، چنانچہ وہ پکڑے گئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان کو اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے[1] اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر اٹھا کر لائے گئے۔ جہاں وہ پورے دن بے ہوش رہے، اسی میں ظہر، عصر، اور مغرب کی نمازیں بھی جاتی رہیں۔ پھر جب ہوش آیا تو وضو کیا اور نماز پڑھ کر فرمایا، اے خدا تیرا شکر، تیرے بارے میں اذیت پانے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ام سلمہؓ اور عائشہؓ نے آنحضرتؐ کے کچھ بال، کپڑا اور جوتا نکالا اور فرمایا یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بال، ان کا کپڑا اور جوتا ہے

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ص۴۸ مطبوعہ قدس

کبوتروں کی کثرت ہوئی اور نوجوانوں نے تیر اندازی شروع کی تو حضرت عثمان نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا مشورہ دیا اور ایک شخص کو مقرر کیا کہ لوگوں کو تیر اندازی سے روکے تو لوگوں نے کہا کبوتروں کو تو ذبح کیا جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکالے ہوؤں کو بلایا جا رہا ہے مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حکم بن العاص اور ان کے لڑکوں کو ٹھہرا رہے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہونے والے واقعات کی تصویر جو لوگوں کے حالات سے بالکل قریب ہے پیش کر دی ہے ساتھ ہی مدینہ اور دوسرے شہروں میں مخالفت کی کیفیت بھی بتا دی۔

ابھی یہ پرانا نہیں ہوا اور تم ان کی سنت چھوڑ رہے ہو، لوگ چلا اٹھے اور حضرت عثمانؓ آپے سے باہر ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں؟

ایک اور موقع پر حضرت عمارؓ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کا ساتھ دیا جس نے حضرت عثمانؓ کے نام ایک خط لکھا تھا، خط میں حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات اور ان کے لئے نصیحتیں تھیں عمارؓ وہ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ حضرت عثمانؓ پر دہرایا، حضرت عثمانؓ نے برا بھلا کہا اور جرابیں پہنے ہوئے پاؤں سے ان کو اس طرح مارا کہ وہ مرض فتق میں مبتلا ہو گئے ۳؎،

اس سے پہلے ہم ابن مسعودؓ اور ابو ذرؓ کے سلسلے میں ان کی پوزیشن واضح کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان کو شہر بدر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اور پھر باز آ گئے، بہر حال حضرت عمارؓ حضرت عثمانؓ کے سخت معترضین اور مخالفین میں سے تھے، اس سلسلے میں وہ ایک طرف صحابہ میں معتدل خیال کے حضرات سے اشتراک رکھتے تھے اور دوسری طرف مدینہ آنے والے کٹر مخالفوں کا بھی ساتھ دیتے تھے، اور اس کے لئے مصیبتیں بھی برداشت کرتے رہے،

یہ ہیں مدینہ میں حزب مخالف کے سربر آوردہ اور ممتاز رہنما، اور یہ سب کے سب جلیل القدر صحابی اور ممتاز مہاجر ہیں، انصار کی طرف سے گو اختلاف کی آواز نہیں اٹھتی تھی اس لئے کہ وہ حکومت سے دور رکھے گئے تھے لیکن وہ عوام کے شریک تھے، اکا دکا کہیں کہیں سے اختلاف کی آواز بھی اٹھتی تھی، جیسا کہ ہم نے عبید اللہ ابن عمرؓ کے بارے میں زیاد بیاضی کے اشعار نقل کئے ہیں، انصار کی اکثریت حضرت عثمانؓ کی ہمنوا نہ تھی ہاں چند افراد حامی تھے۔ جن میں زید بن ثابتؓ کعب بن مالکؓ، حسان بن ثابتؓ پیش پیش تھے، انصاری بزرگ بعض اوقات حضرت عثمانؓ اور ان کے مخالفین کے درمیان واسطہ بن جاتے تھے، مثلاً محمد بن سلمہؓ کا مصریوں اور حضرت عثمانؓ کے درمیان پڑ جانا۔

انھیں دنوں مدینہ میں ایک خفیہ تحریک بھی عوام میں تھی، جو زبانوں پر تو تھی لیکن اس کے چلانے والوں کا پتہ نہیں، مثلاً جب حضرت عثمانؓ مسجد نبویؐ کی توسیع کر رہے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ نبیؐ کی مسجد تو بڑھا رہے ہیں لیکن ان کی سنت ترک کر رکھی ہے، اور مثلاً جب مدینہ

عہدِ علیؑ

مولانا عبدالحلیم شرر مغفور کا ادبی پایہ جتنا بلند تھا، وہ سب پر روشن ہے، لیکن وہ ایک بلند پایہ مورخ بھی تھے، انہوں نے مختلف تاریخی عنوانات پر، کئی کتابیں لکھی ہیں اور تحقیق کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے، ارض مقدس" کے نام سے جو انہوں نے، کتاب قلمبند فرمائی ہے۔ اپنا جواب آپ ہے۔ اسی طرح "تاریخ حروب صلیبیہ" پر معلومات کا جو ذخیرہ انہوں نے جمع کر دیا ہے، اردو، فارسی عربی اور انگریزی زبان میں بھی کسی ایک کتاب کے اندر اتنا مواد مشکل سے ملے گا۔ یہ دونوں کتابیں نایاب ہیں، تاریخ اسلام کے موضوع پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا تھا لیکن اس سلسلہ کو مکمل کرنے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے،

تاریخ اسلام سے متعلق مختلف عنوانات پر جدا جدا بھی انہوں نے کئی طویل مقالات تحریر فرمائے ہیں، انہی میں ایک "ابوالحسنین" بھی ہے، یہ حضرت علیؓ کا تذکرہ ہے اس میں بعض ایسے پہلو اجاگر ہو گئے ہیں، جو انفرادی حیثیت رکھتے ہیں،

--- - -------- -- ---- میری کوشش ہے کہ اکابر اہل علم نے تاریخ اسلام پر جو کچھ لکھا ہے، اس کا وہ حصہ جو میرے موضوع یعنی امامت و سیاست سے متعلق ہے۔ میں اپنے قارئین کے سامنے، اجمال اور اختصار کے ساتھ پیش کر دوں،

ذیل میں مذکورہ طویل مقالہ کے بعض اہم اجزا تلخیص و اضافہ کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

سیرت علیؑ کے چند پہلو

(۱)
فضائل علیؓ

جب نصاریٰ کے مقابلہ کے لئے آیت مباہلہ نازل ہوئی اور قرار پایا کہ آپ اپنے اہل و عیال کو اور وہ لوگ اپنے اہل عیال کو لے کر نکلیں تو آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو جناب فاطمہؓ کو حضرت حسنینؓ کو اپنی چادر کے اندر لے لیا اور فرمایا "خداوندا یہ میرے اہل بیت یعنی گھر والے ہیں"۔ اسی واقعہ کی بنیاد پر شیعوں کا اعتقاد ہے کہ اہل بیت انہی چار بزرگوں سے عبارت ہیں، مگر اہل سنت قائل ہیں کہ اہل بیت سے مراد لغواً گھر کی بیویاں ہیں اور قرآن مجید میں بھی ازواج مطہرات ہی مراد لی گئی ہیں لہٰذا اصل اہل بیت تو وہی ہیں مگر اس موقع پر آپ نے اپنے اس طرز عمل سے ان چار بزرگوں کو بھی اس میں شامل فرما لیا۔

حجۃ الوداع سے واپس آتے وقت جناب رسول صلعم غدیر نام ایک چشمے پر پہونچے تھے کہ سنا بعض منافقین مدینہ حضرت علیؓ کے خلاف ہیں۔ فوراً آپ ایک اونٹ کے کجاوے پر جو زمین پر رکھا تھا کھڑے ہو گئے اور فرمایا "جس کا میں دوست ہوں اس کے علیؓ دوست ہیں خداوندا جو ان کا دوست ہو اسے دوست رکھ اور جو ان کا دشمن ہو اسے دشمن رکھ"۔ اسی حدیث کی بنا پر شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اس تاریخ اور اس مقام پر رسول اللہ صلعم نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ قرار دے دیا اور ان کے لئے وصیت کر دی اور اسی خیال سے ہر سال "عید غدیر" منایا کرتے ہیں مگر اس حدیث کے الفاظ پر جہاں تک غور کیا جائے نہ وصیت کا پتہ لگتا ہے نہ خلافت کا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو بچپن سے اپنی آغوش میں لینے، انکی سعادتمندانہ

علیؑ کی انفرادیت

(۲)

حضرت علیؑ کا علم میں ممتاز ہونا ایک دوسرے صحیح واقعے سے ثابت ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم در اصل حضرت رسالتؐ کا ایک معجزہ تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو والیٔ یمن بنا کے روانہ فرمایا تو آپ نے اپنی نوعمری و ناتجربہ کا عذر کیا یہ سنتے ہی رسول اللہ صلعم نے آپ کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا "خداوندا ان کے دل کی ہدایت کر اور ان کی زبان میں استقامت پیدا کر" پس اسی وقت سے خدا نے آپ کے دل کو روشن اور آپ کے سینے کو محرم اسرار علوم بنا دیا اور اس واقع کے بعد آپ ہر معاملہ کا صحیح فیصلہ آسانی سے کر دیتے۔ اور اپنے فیصلے پر آپ کو پورا وثوق اور بھروسا ہوتا اور اس کی برکت تھی کہ صحابہ آپ کو سب سے اچھا قاضی تسلیم کرتے حضرت عمرؓ کو بھی اعتراف تھا کہ دنیا میں بہترین قاضی آپ ہی ہیں اور جب اسلامی حساب سنین قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ ہی کے مشورہ سے ہجرت مدینہ کو بنائے ترقی اسلام قرار دے کر سنہ ہجری جاری فرمایا۔

پھر اسلام میں آپ کے علم و فضل کی اس قدر شہرت ہوئی کہ عوام میں تقریباً کل علوم و فنون کی ایجاد آپ ہی کی جانب منسوب ہو گئی یہ تعمیم اگرچہ قابل اعتبار نہیں ہے مگر اس میں شک نہیں کہ قواعد زبان عرب یعنی نحو و صرف کی بنیاد آپ ہی سے پڑی۔ آپ کے شاگرد رشید ابوالاسود دوئلی جو کبار تابعین میں ہیں کہتے ہیں۔ میں نے ایک دن حضرت علیؓ کو متفکر پایا، فکر کا سبب پوچھا تو ارشاد ہوا "میں دیکھتا ہوں یہاں کے (کوفے کے) لوگ غلط زبان بولنے لگے ہیں چاہتا ہوں کہ چند اصول زبان مدون کر دوں" عرض کیا اس سے بہتر کیا ہے اس کے تیسرے روز آپ نے مجھے چند قواعد لکھے ہوئے دیئے" اسی نحو یعنی طریقے پر بڑھالو وہ تحریری قواعد یہ تھے

اطاعت بے نظیر شجاعت اور سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی کے شوہر ہونے کے باعث رسول اللہ صلعم کو آپ کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ چنانچہ ایک بار ارشاد ہوا "علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے" اکثر فرماتے "جس نے علیؑ کو اذیت پہونچائی مجھے پہونچائی جس نے علیؑ کو برا کہا، مجھے برا کہا جسے علیؑ سے محبت ہے مجھ سے ہے"۔ اسی محبت کا تقاضا تھا کہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ "جب رسول اللہ صلعم کو غصہ ہوتا تو بجز علیؓ کے کسی کو آپؐ سے بات کرنے کی جرات نہ ہوتی" حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "دنیا میں سب سے برے دو شخص ہیں ایک وہ جس نے ناقہ صالح کی کوچیں کاٹیں۔ اور دوسرا جو علیؓ کو قتل کرے گا!

انھیں فضائل کو دیکھ کر امام احمد بن حنبل نے کہا جتنی فضیلتیں حضرت علیؑ کی ثابت ہیں صحابہؓ میں سے کسی کو نہیں نصیب ہوئیں" حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا علیؑ کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں اور محدثین یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کے بارے میں پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں جن کو اکابر سلف نے روایت کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط سارا کلام یا اسم ہے یا فعل ہے یا حرف
ہے۔ اسم کسی مسمیٰ سے خبر دیتا ہے فعل مسمیٰ کی حرکت ہے اور حرف جو ان
دونوں کے علاوہ ہو۔ انہیں قواعد کو بڑھا کر ابوالاسود نے قواعد زبان عرب کی بنیاد ڈالی
اور حضرت علیؓ کے لفظ نحو (مثل) کی پیروی میں اس فن کا نام نحو قرار پاگیا۔

عائشہؓ اور عثمانؓ :-

حضرت عثمانؓ کے طرز عمل سے شروع میں حضرت عائشہؓ کو بھی اختلاف تھا۔
جس زمانہ میں حضرت عثمانؓ محصور تھے اور آپ پر دشمنوں کا نرغہ تھا وہاں حج ہو رہا
جس فرض کے ادا کرنے کے لئے تمام ازواج رسول اللہ اور اکثر صحابہ و معززین مدینہ آئے
ہوئے تھے۔ ازواج رسالت حج سے واپس ہو کر مقام صرف تک پہونچی تھیں کہ حضرت
عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی۔ سنتے ہی حضرت عائشہؓ مکہ معظمہ
کی طرف پلٹ پڑیں اور گو کہ پیشتر حضرت عثمانؓ کے طرز عمل پر معترض تھیں مگر شہادت کا واقعہ
سنتے ہی فرمایا۔ خدا کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے۔ اور میں ان کے خون کا انتقام لوں گی۔

آنحضرتؐ کی پیش گوئی :-

حضرت عائشہؓ جب حضرت علیؓ سے جنگ کرنے نکلیں تو گو ان کا اقدام مختلف
ہو۔ لیکن ان کا خلوص اختلاف سے بالا اور ان کی للہیت شک و شبہ سے ماورا تھی جس کا
سے بڑا ثبوت ایک تقریر ہے ۔
اس تقریر نے بڑا اثر کیا۔ عبداللہ بن تمام حضرمی والی مکہ تھے ۔ طیش میں آکے اٹھے
کہا میں اس خون کا پہلا انتقام لینے والا ہوں ۔ اس مخالفت کی قوت روز بروز بڑھتی ہی گئی
تمام بنی امیہ جو مدینے سے بھاگ آئے تھے ۔ آتش فساد پر تیل ڈالنے لگے۔ طلوا

بھی شریک ہو گئے یعلی بن امیہ جو حکومت یمن سے معزول ہو کر وہاں کا خزانہ چھ سو اونٹوں پر لاد کر لے آئے تھے انھوں نے اپنی دولت سے مدد دی۔

اس کوشش پر بھی جتنی فوج فراہم ہوئی وہ مدینے پر حملہ کر کے حضرت علیؓ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی لہٰذا اپنی قوت بڑھانے کے لئے حضرت عائشہؓ نے بصرے کا ارادہ کیا آپ کا ارادہ سنتے ہی دیگر امہات مومنین جو ہمراہ تھیں حضرت عائشہؓ سے الگ ہو گئیں۔ ام المومنین حفصہؓ ساتھ دینے کو تیار تھیں مگر انہیں بھی عبد اللہ بن عمرؓ نے نہ آنے دیا۔ مکہ سے تھوڑی ہی دور گئی تھیں کہ آپ کے ہمراہ تین ہزار سپہ گروں کا لشکر جمع ہو گیا۔ جس کے افسر طلحہؓ و زبیرؓ تھے اور حضرت عثمانؓ کے دو فرزند ابان اور ولید بھی ہمراہ موجود تھے۔ راستے میں ایک تالاب کے کنارے حضرت عائشہؓ کی محل دیکھ کر کتے بھونکنے لگے آپ نے اس تالاب کا نام پوچھا تو معلوم ہوا اسے "حواب" کہتے ہیں۔ سنتے ہی پریشان ہو گئیں اس لئے کہ رسول خدا صلعم نے ایک روز اپنی بیویوں سے فرمایا تھا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم میں سے کون ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ اس واقعے سے آپ رکی ہوئی تھیں اور واپسی کا ارادہ کر رہی تھیں کہ لشکر میں غل مچا "حضرت علی کا لشکر آگیا" اور سب کے بے اختیار بصرے کی طرف قدم اٹھ گئے۔

حضرت حسن کی تقریر:-

اب بھی بعض نے اختلاف کیا تو حضرت حسنؓ نے زبان کھولی اور فرمایا "لوگو! امیر المومنین کی دعوت قبول کرو اور اپنے بھائیوں کی طرف چلو۔ عنقریب وہ شخص مل جائے گا جس کے پاس خلافت کے لئے جمع ہونا چاہئے۔ اہل عقل و ہوش کے لئے انہیں کا ساتھ دینا مناسب ہے اور یہی مسلمانوں کے حق میں مفید ہے تم ہماری دعوت قبول کرو اور جس مصیبت میں ہم مبتلا ہو گئے ہیں اس کے مٹانے میں ہمارا ساتھ دو اور ہمارے مدد و معاون بنو امیر المومنین کہتے ہیں کہ میں نے ایک راستہ اختیار کر لیا جس میں یا تو میں ظالم ہوں گا یا مظلوم جس کسی کو حق کی تلاش ہو میرے پاس آئے اگر میں ظالم ہوں تو مجھ سے مواخذہ کرے اور مظلوم ہوں تو میری مدد کرے طلحہ و زبیر رضؓ

نے خدا کی قسم سب سے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر سب سے پہلے مجھے دغا دی۔ کیا میں
نے کسی کا مال غصب کر لیا تھا یا کسی شرعی حکم کو بدل دیا تھا جو لوگ برسرِ پرخاش ہیں۔ غرض آؤ اچھے
کاموں کو جاری کرو اور برے کاموں سے لوگوں کو روکو"
حضرت حسن کی اس تقریر نے بڑا اثر کیا اور تمام اہل کوفہ حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے
اور دوسرے ہی دن نو ہزار آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔

طلحہؓ و زبیرؓ :-

اب حضرت علیؓ نے قعقاع کو سفیر بنا کے حضرات طلحہ و زبیرؓ کے پاس اتمام حجت کے لئے
بھیجا انھوں نے جا کے حضرت عائشہؓ اور ان دونوں بزرگوں کے سامنے ایسی گفتگو کی کہ
انہوں نے اس کو پسند کیا اور صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ قعقاع صلح کی امید دل میں لئے ہوئے حضرت علیؓ
کے پاس واپس آئے اور سارے لشکر کو صلح کا یقین ہو گیا اور حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ
کل میں بصرے کی طرف کوچ کروں گا اور تاکیدی حکم فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت
میں کوئی حصہ لیا ہے وہ میرے ساتھ نہ چلیں اور میرے لشکر سے علیحدہ ہو جائیں لیکن اس پر
عمل نہیں ہوا۔ اس لئے کہ قاتلین عثمانؓ آپ کے لشکر میں تھے اور ساتھ نہ چھوڑتے تھے۔
بلکہ ان لوگوں نے رات کو اپنی ایک کانفرنس جمع کی جس میں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا کہ اگر صلح ہو گئی
اور طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھی بھی علیؓ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے تو ہم لوگ نکال باہر کئے جائیں گے
طلحہؓ و زبیرؓ تو ہمارے کھلے دشمن ہیں علیؓ کے دل کا حال نہیں معلوم۔ صلح کی صورت میں علی بھی
کا ساتھ دیں گے۔ اور ہم سب قتل کئے جائیں گے اشتر بھی اس کانفرنس میں شریک۔ یہ رائے ظاہر
کی کہ ہم علیؓ اور طلحہ و زبیرؓ کو بھی وہیں پہونچا دیں جہاں عثمانؓ کو پہونچایا ہے۔ علباء نے کہا ہم ان لوگوں
سے علیحدہ ہو کے کسی اور شہر میں جا بیٹھیں ابن سودا نے جواب دیا کہ اس صورت میں ہم میں
ایک ایک شخص چن کے مار ڈالا جائے گا۔ آخر بڑے رد و بدل کے بعد یہ قرار پایا کہ جس
طرح بنے صلح نہ ہونے پائے۔ ہماری فلاح لڑائی میں ہے۔

مخلص مخالف :-

(۷)

ذیل کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ مخلص مخالفین کے لئے اپنے دل میں
کتنی گنجائش رکھتے تھے۔

ابوالحرباء اور صبرہ وغیرہ نے طلحہؓ و زبیرؓ سے جنگی کارروائیاں کرنے کو کہا تو دونوں نے فرمایا یہ ایسی
لڑائی ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسی صورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس بارے میں نہ قرآن کی کوئی آیت
نازل ہوئی نہ کوئی حدیث موجود ہے۔ ایک گروہ ہماری تحریک کو ناجائز بتاتا ہے ایک گروہ جس
میں ہم ہیں کہتا ہے کہ نہ ہمارے لئے دست بردار ہو جانا مناسب ہے۔ نہ دیر لگانا۔ علیؓ
کہتے ہیں کہ قاتلین عثمانؓ کو چھوڑنا بُرا ہے لیکن اور باتیں جو اس سے بھی زیادہ بری ہیں ان کے
مقابلہ میں اس کا اختیار کر لینا ہے عنقریب حق ہم پر روشن ہو جائے گا اور مسلمانوں
کو بعض ایسے احکام ملے ہیں جو اس جھگڑے میں پڑنے سے زیادہ سودمند ہیں۔

ادھر اعور بن مخان نے حضرت علیؓ سے لڑائی چھیڑنے کی درخواست کی تو فرمایا "میں آگ
بجھانا اور اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ شاید خداوند عالم امت محمدیؐ سے تفرقہ دور کر دے اور
لڑائی رک جائے" پوچھا "وہ لوگ نہ مانیں تو؟" ارشاد ہوا "جب تک وہ نہ بولیں گے میں بھی
نہ بولوں گا" پوچھا "اور جو وہ ہمیں خاموش بھی نہ بیٹھنے دیں؟" فرمایا "اس وقت ہم جانوں کو
بچائیں گے" پوچھا تو کیا ان لوگوں کے ہم پر وہی حقوق ہیں جو ہمارے ان پر ہیں۔ فرمایا بیشک۔

ابوسلامہ دالانی نے آپ سے پوچھا "جو لوگ اس خون کے دعویدار ہیں اگر ان کی نیت
بخیر ہو اور خلوص عقیدت سے خون عثمانؓ کا انتقام لینا چاہتے ہوں تو ان کے لئے خدا کے سامنے
کافی عذر ہوگا؟" فرمایا بیشک ہوگا۔ عرض کیا اور آپ اگر اس لڑائی میں تاخیر فرمائیں تو آپ کے
لئے بھی عذر پیدا ہو جائے گا کہا جس امر میں پورا علم نہ ہو اس میں اور تو طرز عمل مناسب ہو اگر
سب جس میں زیادہ وسعت ہو اور جس کے اختیار کرنے میں زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا
ہو" پوچھا "اور کل کی لڑائی کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا؟" ارشاد ہوا مجھے امید ہے کہ جو شخص

خالصتہً ارادہ خیر سے مارا جائے گا۔ خدا اس کو جنّت میں داخل کر دے گا۔" پھر آپ نے خطبہ میں عام طور پر ارشاد فرمایا۔ "لوگو! اپنے حریفوں کے بارے میں اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھو اور خبردار ہم سے آگے نہ بڑھ جانا۔ آج جو شخص عداوت کے جذبات سے کام لے گا، کل خدا اس کا دشمن ہوگا۔"

حضرت زبیرؓ کا اخلاص:-

عمار کے بارے میں رسول اللہؐ کی پیش گوئی تھی کہ یہ مظلوم قتل ہوں گے۔ میدان میں عمار اور زبیر کا مقابلہ ہوا عمار بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارتے مگر زبیر بجز اپنے بچانے کے ان پر حربہ نہ کرتے، اس وقت دنیا کا سخت ترین ہنگامہ بپا تھا۔ اس لئے نبرد آزما بزرگ آپس میں لڑ رہے تھے۔ جنہوں نے ایران و روم و مصر شاہنشاہیاں چند دن میں مٹا دی تھیں تعقاع کہتے ہیں کہ میں نے اس سے سخت لڑائی کبھی نہیں دیکھی عبداللہ بن سنان باہلیؓ کا بیان ہے کہ پہلے تیر چلانا شروع ہوئے۔ ترکش خالی ہوگئے تو نیزہ بازی شروع ہوئی۔ نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں کھنچیں اور شپاشپ چل رہی تھیں

یکایک حضرت عائشہؓ نے نئی قسم کا شور سنا پوچھا "یہ کیا ہے؟" جواب ملا آپ کی طرف والوں کو شکست ہوگئی۔ فوراً آپ نے کعب بن سور کے ہاتھ میں قرآن دیا اور کہا لوگوں کو اس کی طرف بلاؤ اور اس کے پیچھے پیچھے ناقہ مبارک کو میدان کی طرف بڑھایا۔ شکست کا باعث یہ ہوا کہ حضرت زبیرؓ کو اپنے غلطی پر ہونے کا یقین آگیا جو حضرت علیؓ سے قائل ہونے کے بعد بیٹے کے سمجھانے پھر آمادہ جنگ ہوگئے تھے۔ اب جو یاد آیا کہ عمار کا قاتل باغی ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی یاد آیا کہ رسول خدا صلعم نے مجھے حضرت علیؓ کے مقابلے پر ظالم فرمایا تھا۔ فوراً ارادہ کیا کہ لڑائی سے علیحدہ ہو جائیں ان کا منہ پھیرنا تھا کہ سارے لشکر نے منہ پھیر دیا۔

طلحہ کی ندامت:-

ادھر طلحہ ایک تیر سے زخمی ہوئے تعقاع اور عمار انہیں میدان سے بصرے میں لے گئے

اور ایک اجاڑ مکان میں انتقال فرمایا کہتے ہیں کہ وفات کے وقت وہ حضرت علیؓ کی مخالفت پر نادم تھے اور طرفداران علی میں سے ایک کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر کے مرے۔

علیؓ اور عائشہؓ :-

بعد ازاں حضرت علیؓ نے سامان سفر درست کر کے حضرت عائشہؓ اور ان کے ہمراہیوں کو محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ فرمایا یکم رجب ۳۶ھ کو بصرے سے روانہ ہوئیں چلتے وقت گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ نے حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ میرے فرزندو باہم مخالفت نہ کرو۔ میرے اور علیؓ کے درمیان پیشتر سے وہ خیالات چلے آتے تھے جو کسی عورت اور اس کے دیوروں میں ہوا کرتے ہیں مگر باوجود میری ناراضی کے ان کا شمار نیک نفس لوگوں میں ہے سنتے ہی حضرت علیؓ بولے۔ "خدا کی قسم انہوں نے سچ کہا۔ بجز اس کے اور کوئی بات میرے ان کے درمیان نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا و آخرت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں۔

امیر معاویہؓ :-

مگر معاویہؓ کو قیس کا مصر میں ہونا سخت گراں تھا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا کہ ایک طرف علیؓ عراق پر قابض ہیں ادھر مصر قیس کے قبضے میں ہے اگر دونوں نے لڑائی چھیڑ دی تو میں آفت میں پڑ جاؤں گا۔ آخر سوچتے سوچتے یہ کاروائی کی کہ قیس کو خط بھیج کے چاہا کہ ان کو حضرت علیؓ سے توڑ کر اپنا طرفدار بنا لیں۔ قیس نے اپنے منشے کو چھپایا اور گول مول جواب دیا معاویہ نے پھر خط بھیجا کہ صاف صاف بتایئے اور مجھے فریب نہ دیجئے ساتھ ہی کچھ لالچ دلایا اور کچھ ڈرایا دھمکایا اس کے جواب میں قیس نے صاف صاف لکھ بھیجا کہ "آپ کی باتوں پر مجھے حیرت ہے کہ الٹی اور فریب دے کر اور خوف دلا کے مجھے ان بزرگوں کی طاعت سے خارج کراتے ہیں جو سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں۔ سب سے بڑے راستباز و حقگو ہیں سب سے اچھے

عمّار صحابی رسول ؐ

اب عمار میدان میں آئے نوّے برس کی عمر۔ رعشے سے کانپتے ہاتھ میں تلوار اور میدان میں کھڑے تقریر کر رہے ہیں کہ میں حق پر لڑ رہا ہوں ادھر اپنے پرائے ہر ایک کو یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ان کو مارے گا باغی اور ظالم ہے ۔ لہٰذا کسی کو ان پر حربہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی ۔حضرت رسول اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عمار کی آخری غذا پانی ملا دودھ ہوگا۔ آخر لڑتے لڑتے زخمی ہوئے اور پکارنے لگے میری پچھلی غذا لاؤ! کسی نے پانی ملے دودھ کا پیالہ دیا ۔اس کو چڑھایا اور جان دیدی۔ ابو الغا ریہ نام ایک شخص نے ان کو قتل کیا اور ابن حوی سکسکی نے سر کاٹا جسے بجائے اس کے کہ کچھ انعام ملے ۔عمرو بن عاص نے کہا اسے تو کامیابی نہ سمجھ بلکہ تو نے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا عمّار کے مارے جانے اور حدیث نبویؐ کے خیال سے معاویہ کے لشکر میں سخت تشویش پیدا ہوئی اور ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا کہ ہم حق پر نہیں ہیں۔ جس کو معاویہ نے یہ کہہ مٹا دیا کہ ہم نے عمار کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اس شخص نے قتل کیا جو انہیں میدان میں لایا۔ اور جس نے انہیں قتل گاہ میں بھیجا"

عمار کے مارے جاتے ہی حضرت علیؓ خود میدان میں آئے اور معاویہؓ کو پیام دیا کہ مسلمانوں کو کیوں کٹواتے ہو؟ آؤ ہم تم بالذات مقابلہ کر کے فیصلہ کر لیں۔ مگر معاویہ کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ابوموسیٰ کی فریب خوردگی :۔

واقعۂ تحکیم کا ایک پہلو عمرو بن العاص بازی لے گئے،

یہ سنتے ہی سب دنگ رہ گئے ابوموسیٰ نے غل مچایا کہ مجھے فریب دیا گیا اور ایک ایک سے پوچھتے کہتے کہ میں اس آفت سے کیوں کر بچ سکتا ہوں؟ مگر تیر کماں سے نکل چکا تھا عبداللہ بن عمرؓ نے کہا" واہ دقت کے معاملات کا کیا خوب انجام ہوا ہے؟ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بولے

ہادیٔ حق ہیں اور سب سے بڑھ کر قرابت دار رسالت ہیں اور اس شخص کا مطیع بنانا چاہتے ہیں جو سب سے زیادہ غیر مستحق خلافت۔ سب سے بڑا مکار سب سے بڑا گمراہ اور قرابت میں رسول اللہ صلعم سے سب سے بڑھ کر دور ہے اور مجھے آپ کے ڈرانے دھمکانے کی پرواہ نہیں ہے ۔"

یہ جواب پاکر معاویہ دم بخود رہ گئے مگر چالاکی سے باز نہ آئے اہل دمشق پر علی الاعلان یہ ظاہر کیا کہ اس خط سے ۔ اندیشہ نہ کرو قیس ہمارے بڑے دوست اور ہمارے گروہ میں ہیں ۔ یہ صرف دکھانے کے لئے ہے مخفی طور پر وہ ہم کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے رہتے ہیں ہمارے دوست نہ ہوتے تو اہل خربتا سے کیسے بنتی؟" یہ کہہ کے قیس کا ایک جعلی خط بھی مجمع عام میں پڑھ کر سنادیا جس میں دوستی و یکجائی کا اقرار تھا ۔

صفین کی لڑائی :۔

معاویہؓ نے بڑھ کے فرات کے کنارے صفین نام ایک مقام میں اس وضع سے پڑاؤ ڈالا کہ حضرت علیؓ پہونچے تو آپ کو ٹھہرنے کے لئے اچھی جگہ اور دریا کا کنارہ نہ ملتا تھا ایک نامناسب مقام پر آپ اتر پڑے مگر پانی نہ ملنے کی دشواری تھی ، لہٰذا معاویہ کے پاس پیام بھیجا کہ ہمارے پانی کا راستہ چھوڑ دیا جائے ولید بن عقبہ وغیرہ متعصب شعیان عثمان نے کہا" ان کو پانی نہ دیا جائے اور جس طرح انہوں نے عثمان کو پیاسا مارا ہے ۔ انھیں بھی پیاسا مارا جائے" عمرو بن عاص اس کے خلاف تھے مگر ہوا یہ کہ حضرت علیؓ کا سفیر بغیر کسی جواب کے ٹال دیا گیا اور پانی کے راستے کی روک کرز بردست ہ سے کر دی گئی ۔ مجبوراً حضرت علیؓ نے پانی راستہ کھولنے کے لئے لڑائی چھیڑ دی ۔ یہ پہلی لڑائی بہت سخت تھی پہلے معاویہ کی طرف سے اکیلے ابوالاعور تھے ۔ پھر یزید بن اسید بجلی اور عمرو بن عاص بھی پہنچ گئے حضرت علیؓ کی طرف سے پہلے اشعث بن قیس تھے بعد ازاں شبث بن ربعیہ ریاحی اور اشتر جا پہونچے ۔ آخر بہادران مرتضوی نے اہل شام کو ہٹا کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا ۔ مگر حضرت علیؓ نے دشمنوں کو پانی سے نہیں روکا

کاش ابوموسیٰ آج کے دن سے پہلے مر گئے ہوتے ۔"

خوارج سے جنگ :-

اب آپ امروز فردا میں کوچ کرنے والے تھے کہ سنا اہل کوفہ کا خیال ہے کہ پہلے خوارج نہروان کا استیصال کر دیا جائے ورنہ ہمارے جاتے ہی وہ کوفے کو لوٹ لیں گے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کی جان و مال کو حلال کر لیا ہے لوٹ مار کر رہے ہیں ۔ اور جا دھر سے گذرتا ہے ان کے ہاتھ مارا جاتا ہے ۔ چنانچہ ان لوگوں نے عبداللہ بن جندب اور ان کی بیوی کو بے خطا و قصور کمال بے رحمی سے مار ڈالا اس بارے میں جواب طلب کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے حسرت بن مرۂ عبدی کو ان کے پاس بھیجا تو وہ بھی مارے گئے یہ سن کر آپ اسی لشکر کو ہمراہ لے کر جو شام کی مہم کے لئے جمع ہوا تھا ۔ نہروان میں پہونچے ۔ اور ان لوگوں کو پیام بھیجا کہ جن مسلمانوں کو تم نے قتل کیا ہے ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کرو اس کا جواب آیا کہ ان لوگوں کو ہم سب نے قتل کیا ہے اور تمہارا اور ان کا دونوں کا قتل کرنا ہم حلال جانتے ہیں ۔ اب قیس بن سعد نے ان کو جا کے سمجھایا پھر ابوایوب انصاری نے فہمائش کی مگر کچھ اثر نہ ہوا تب خود حضرت علی تشریف لے گئے اور فرمایا تم لوگ فتنے میں پڑ گئے ہو ۔ انجام یہ ہونے والا نظر آتا ہے کہ تمہاری لاشیں اس وادی میں پڑی ہوں اور قیامت کو بھی تمہارے پاس کوئی حجت نہ ہو ۔ پنچایت کو میں نہیں قبول کرتا تھا ۔ مگر تم نے مجبور کر کے منظور کرایا ۔ پھر اس میں بھی میں نے از روئے قرآن فیصلہ کرنے کی قید لگا دی ۔ پنچوں نے صحیح فیصلہ نہ کیا اور پھر وہی پہلی کی سی حالت ہو گئی ۔ تم آخر کس بات پر اڑے ہوئے ہو ؟ جواب ملا بے شک ہم نے پنچوں کو مقرر کرایا جس کی وجہ سے ہم سب کافر ہو گئے مگر اس کے بعد توبہ کر لی ۔ آپ بھی اس وقت کافر ہو گئے تھے ۔ اگر توبہ کر لیں تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ۔ ورنہ لڑیں گے آپ نے فرمایا کمبختو چاہتے ہو کہ رسول خدا صلعم پر ایمان لانے ، آپ کے ساتھ ہجرت کرنے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے بعد میں اپنے آپ کو کافر تسلیم کروں ؟ ایسا کر دوں تو

میں گمراہ ہوں۔

خوارج نے یہ سنتے ہی غل مچایا۔ بس ان پر حملہ کرو اور ان سے کوئی بات نہ کرو۔ کوچ اور جنت کی طرف کوچ ۔" اور دونوں لشکر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ابوایوب انصاری کو امان کا علم دے کر آگے بڑھایا اور اعلان کیا جو اس جھنڈے کے نیچے چلا آئے یا جو بغیر لڑے کوفے میں چلا جائے اسے امان ہے ہم صرف مقتول بھائیوں کا قصاص چاہتے ہیں۔ قاتل مل گئے تو ہمیں خونریزی کی ضرورت نہیں۔ اس کارروائی کا یہ اثر ہوا کہ فردہ بن نوفل اشجعی پانچ سو آدمیوں کے ساتھ خوارج میں سے نکل کر چلا گیا۔ سو کے قریب آدمی ان میں سے نکل کر حضرت علیؓ کے لشکر میں چلے آئے۔ فقط ایک ہزار آٹھ سو آدمی خوارج کے جھنڈے کے جمے کھڑے رہے۔ لڑائی کی ابتدا بھی حضرت علیؓ کی طرف سے نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ ذوالثفنات یعنی عبداللہ بن وہب نے للکار کر اپنے لوگوں کو حملے کا حکم دیا۔ اور وہ سب جنت میں چلو کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی صفوں پر آ پڑے مگر حضرت علیؓ کے زیر علم اتنا بڑا لشکر تھا کہ دم بھر میں خود ہی لڑ کے فنا ہو گئے۔ جیسے کسی نے کہا مر جاؤ اور سب مر گئے مگر ان کے سب سردار بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ حضرت علیؓ نے جناب رسول خدا صلعم کی زبان مبارک سے پیش گوئی سنی تھی کہ ایک گروہ بغاوت کرے گا۔ اور جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ویسے ہی وہ دین الگ ہو جائے گا ان لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ غائب ہوگا۔" لہٰذا آپ نے ان لوگوں کی لاشوں میں اس شخص کو ڈھونڈوانا شروع کیا کئی بار لوگ ڈھونڈ کر واپس آئے اور کہا ایسا شخص نہیں ملتا۔ اور آپ فرماتے خدا کی قسم وہ اسی میں ہوگا نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ مجھے غلط بتایا گیا ہے۔" آخر آپ نے تلاش کرنا شروع کیا۔ اور ایک گڑھے کے اندر پچاس لاشوں میں ملی ہوئی ایک لاش ملی۔ جس کی ایک بانہہ نہ تھی، اور اس کی جگہ شانے پر عورتوں کی چھاتی کے مثل نرم ڈھیلا گوشت کا تھا جس کو پکڑ کے کھینچو تو ربڑ کی طرح کھنچ کر دوسرے ہاتھ تک پہنچ جاتا اور چھوڑتے ہی پھر سمٹ کر ویسا ہی ہو جاتا۔ اس گوشت پر نوک سی نکلی ہوئی تھی۔ اور اس پر سیاہ بال تھے دیکھتے ہی آپ نے نعرہ اللہ اکبر بلند فرمایا اور اس شخص کا نام "ذوالثدیہ" مشہور ہو گیا۔

اتفاقاً لشکر شام میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھے انہیں بھائی کی جان کا خطرہ نظر آیا تو عمرو بن عاص سے مل کر کہا "میرے بھائی پر ظلم کرنے سے ابن خدیج کو روکئے عمرو نے معاویہ بن خدیج کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد بن ابی بکرؓ کو میرے پاس لے آئیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ کنانہ بن بشیر تو مار ڈالے گئے مگر محمد بن ابی بکرؓ کو چھڑانے کی فکر ہے؟ کیا تمہارے کافر ہمارے کافروں سے اچھے ہیں؟ تعصب نے ان دنوں یہ حالت کردی تھی کہ شیعیان عثمان شیعیان علی کو اور شیعیان علیؓ شیعیان عثمانؓ کو اور خوارج ان دونوں کو کافر بتلاتے تھے اب ابن خدیج نے محمد بن ابی بکر پر جور و ستم شروع کیا محمد نے پانی مانگا اس لئے کہ بہت پیاسے تھے ابن خدیج نے کہا: "تمہیں ایک قطرۂ آب بھی دوں تو خدا مجھے پانی سے محروم رکھے۔ تم وہ ہو جس نے عثمان پر پانی بند کیا تھا۔ میں واللہ تم کو پیاسا ماروں گا۔ تاکہ اسی تشنہ لبی میں خدا تم کو حمیم غساق پلائے محمد نے طیش کے ساتھ کہا او یہودیہ جولاہن کے بچے اُس عالم میں تیرا نہ در نہیں چلے گا وہاں اللہ اپنے دوستوں کو سیراب کرے گا۔ کاش اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تجھے مزہ چکھا دیتا۔ ابن خدیج نے کہا یہ بھی جانتے ہو کہ تمہیں کیونکر ماروں گا؟ گدھے کی کھال میں سی کر تمہیں آگ میں جلاؤں گا۔ محمد نے کہا اور خدا تجھے تیرے دوستوں معاویہ اور عمرو کو آتش دوزخ میں جلائے گا اس پر ابن خدیج کو ایسا غصہ آیا کہ محمد کو اپنے ایک ہی حربے سے مار ڈالا اور پھر ان کی لاش گدھے کی کھال میں سلوا کر جلائی اس واقعہ کا حضرت عائشہ رضؓ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ بھی نماز میں قنوت پڑھتیں اور اس میں معاویہ و عمرو بن عاص کے حق میں بدعا کرتیں۔ محمد کے بچوں کو اپنی کفالت و تربیت میں لے لیا۔ چنانچہ قاسم بن محمد آپ کے زیر تعلیم فرید زمانہ و یکتائے عصر مجتہد اور محدث و فقیہ ثابت ہوئے اور واقعہ کے بعد سے حضرت عائشہؓ نے پھر کبھی بھنا ہوا گوشت نہ کھایا۔

اہل کوفہ:۔

۳۹ھ کے آغاز میں حضرت معاویہ کی طرف سے نعمان بن بشیر نے الجزیرہ کے شہر

اس معرکے میں حضرت علیؓ کے ہمراہیوں میں سے فقط سات مارے گئے تھے جن میں سب سے محترم صحابی رسول اللہ یزید بن نویرہ انصاری تھے۔

اشتر کا قتل :۔

۳۸ھ میں مصر سے اطلاع آئی کہ محمد بن ابی بکرؓ کے مقابلے پہ خربتیا کے شیعیان عثمانؓ نے علم مخالفت بلند کر دیا ہے اور اس کی قوت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کے کچھ بنائے نہیں بنتی تب مالک اشتر کو وہاں کا والی بنا کر روانہ کیا۔ جناب معاویہ کے جاسوس لگے ہی ہوئے تھے۔ انہیں فوراً اس کی خبر ہو گئی۔ فوراً ساحل بحر قلزم کے حاکم کو جدھر سے اشتر گذرنے والے تھے اشارہ کیا۔ اس نے اشتر سے ان کی خاطر داشت کی اور دعوت میں زہر دے کر ان کا کام تمام کر دیا۔ ادھر معاویہ نے دمشق میں ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا۔ صاحبو علی نے اشتر کو والی مصر مقرر کیا ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ مصر کو ان کے ہاتھ سے بچالے۔ لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شروع کی دعا مانگ ہی رہے تھے کہ اشتر کے مرنے کی خبر آئی۔ سب دعا کے قبول ہونے پر بے انتہا خوش ہوئے اور معاویہ نے پھر کھڑے ہو کر کہا لوگو۔ علی کے دو بازو تھے ایک صفین میں کٹا۔ جس سے میری مراد عمار ہیں اور دوسرا آج اشتر کے مرنے سے کٹ گیا۔ حضرت علیؓ کو اس سانحے کی اطلاع ہوئی تو بے انتہا ملول ہوئے عام مجمع میں کھڑے ہو کر اشتر کی خوبیاں بیان کیں اور فرمایا ایسا اور کوئی ہو اسے میرے سامنے لاؤ۔

فرزند ابو بکر کا قتل :۔

مصر کے شیعیان عثمانؓ کے دل میں محمد بن ابی بکر کی طرف سے اس قدر بغض بھرا ہوا تھا کہ [illegible]

عین التمر پر حملہ کیا مالک بن کعب نے جو وہاں حضرت علیؓ کی طرف سے مامور تھے۔ فوراً آدمی دوڑا کے کمک مانگی آپ نے جوش دلانے والی تقریر کر کے کوفے سے لشکر بھیجنا چاہا اور فرمایا جا کے اپنے بھائیوں کی مدد کرو مگر کوئی نہ گیا اور حضرت علیؓ خون جگر پی کر رہ گئے۔ لیکن مالک نے خود ہی کوشش کر کے اہل شام کو شکست دیدی۔ اگرچہ حضرت علیؓ مژدہ فتح سن کر خوش ہوئے مگر اپنے شیعوں کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کے فرمایا اے اہل کوفہ جب تم سنتے ہو کر شام کا کوئی لشکر آیا ہے تو معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی پتھر آ لگا ہر شخص گھر میں جا چھپتا ہے اور دروازہ بند کر کے بیٹھ رہتا ہے جیسے گوہ اپنے بل میں اور جرغ اپنے بھٹ میں بھاگ کے پناہ لیتا ہے دھوکے میں پڑا ہے وہ جسے تم نے دھوکے میں رکھا اور جسے تم ملے ہو سچ تو یہ ہے کہ اسے نہایت ہی زیان کاری کا حصہ ملا ہے۔ مصیبت کے وقت بلائے جاؤ تو تم شریف بہادر نہیں ہو اور کسی کی جان بچانے کا وقت آئے تو تم بھائی نہیں ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ میں تم سے کیا امید رکھوں تم اندھے ہو جنہیں کچھ سوجھ نہیں پڑتا۔ گونگے ہو کہ منہ سے بات نہیں نکلتی۔ بہرے ہو نہیں سنتے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جبری بیعت :-

اب سنہ ۴۰ھ شروع ہوا اور معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو بھیجا کہ تین ہزار فوج لے کر جائے اور سارے عرب کو حضرت علیؓ کا اثر مٹا کے اپنے قبضے میں کرے یہ بڑا سخت گیر اور بے رحم شخص تھا مدینہ میں پہنچا تو حضرت علیؓ کے عامل ابو ایوب انصاری بھاگ کر صحرا میں چلے گئے اور بسر نے مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر نعرہ لگایا اے بنی نجار! اے بنی زریق! میرے وہ محترم بوڑھے بزرگ جنہیں کل میں نے یہاں دیکھا تھا یعنی حضرت عثمانؓ کہاں ہیں؟ پھر کہا معاویہ نے مجھ سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم میں سے ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ پھر سب لوگوں سے جبراً معاویہ کی بیعت لی۔ اور مکہ میں پہونچا۔ یہاں ابو موسیٰ اشعری تھے اپنی جان لے کر بھاگے بسر نے وہاں بھی سب سے جبراً بیعت لی اور یمن کو

وہاں کے والی حضرت علی کی طرف عبید اللہ بن عباس تھے۔ بسر کی آمد کی خبر سنتے ہی راہ لی - اپنے تمام بیوی بچوں کو بعض بدوی قبائل کی کفالت میں چھوڑ کر حضرت کے پاس کوفہ میں چلے آئے اور وہاں کی حکومت عبداللہ بن عبد المدان کے ہاتھ میں دیدی بسر نے پہونچتے ہی اس نئے والی کو پکڑ کے مع ان کے فرزند کے قتل کر ڈالا پھر عبداللہ بن عباس کے دو ننھے بچوں عبدالرحمٰن اور قثم کو کفیلوں سے زبردستی چھین کے قتل کیا ان بچوں کی ماں ام حکیم جویریہ کا اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کے غم میں یہ حال ہوگیا کہ صحرا میں دیوانی پھرتی تھیں اور ایک ایک کے سامنے چند اشعار پڑھتیں جن کا مضمون یہ تھا "کسی نے میرے بچوں کو دیکھا۔ جو صدف سے نکلے ہوئے موتی - میری ہڈیوں کا مغز اور میرے دل تھے۔

کردار علی :-

آپ اس عہد کے سب سے بڑے متقی وپرہیزگار اور خدارس عالم باعمل تھے آپ قرآن کے جمع کرنے والوں میں بھی شمار کئے گئے ہیں چنانچہ پورا قرآن شریف آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ کو سنایا اور بعد از اں ابو الاسود دوئلی۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی - عبدالرحمٰن بن ابی لیلے نے آپ کو سنایا۔

زہد واتقا کی یہ حالت تھی کہ مجال نہ تھی، بیت المال میں سے ایک حبہ بھی کسی غیر مستحق کو مل جائے اپنے پرائے ہر ایک سے سخت محاسبہ کرتے اور اسی بنا پر حضرت ابن عباس سے بگڑ گئی۔ آپ کے عہد میں داروغہ بیت المال اور خزانچی رسول خدا صلعم کے غلام ابو رافع تھے ایک روز آپ نے اپنی ایک صاحبزادی کو جو رخصت ہونے کے لئے دلہن بنائی گئی تھیں ایک موتی پہنے دیکھا جسے پہچانا کہ بیت المال کی چیز ہے پوچھا یہ موتی اسے کیونکر ملا ؟ قابل اطمینان جواب نہ ملنے پر خیال فرمایا کہ لڑکی نے اس کو چرالیا ہے۔ فوراً ہاتھ کاٹنے پر آمادہ ہوگئے۔ آخر ابورافع نے عرض کیا اس میں صاحبزادی کا نہیں بلکہ میرا قصور ہے۔ میں نے فقط زینت کے لئے اسے پہنا دیا ہے پھر واپس لے لوں گا ؟ فرمایا اس کی ضرورت ہی کیا تھی ؟

ایک بار اپنی تلوار فروخت کرنے کے لیے بازار میں بھیجی اور فرمایا اگر میرے تہمت کی قیمت کے لیے چار درہم بھی موجود ہوتے تو میں اس تلوار کو نہ بیچتا جس کسی سے جان پہچان ہوتی اس سے کوئی چیز نہ خریدتے اور قمیص کے لیے کپڑا لیتے تو آستین کے طول کے برابر ناپ کے پھاڑ لیتے۔ ایک بار لوگوں نے دیکھا کہ ایک درہم کے چھوہارے خرید کر خود ہی پیٹھ پر لادے لیے جاتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین اس بوجھ کو ہم نہ پہونچادیں فرمایا۔ عیال والے کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا چاہیئے۔

بیت المال کے مکان میں روز خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیا کرتے۔ اور اکثر وہیں نماز بھی پڑھتے۔ مقصد یہ تھا کہ کوئی گری پڑی چیز رہ گئی ہو تو اور کے ہاتھ میں نہ جائے اور نیز یہ کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اس میں اب کچھ نہیں باقی رہا۔

آپ کو اپنے مارے جانے کی اطلاع تھی۔ اکثر اپنی ریش مبارک اور سر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تم میں جو شقی ترین شخص ان کو خون آلود کر دے گا۔ اسے کون روک سکتا ہے؟ سنہ ۴۰ھ کا ماہ مبارک رمضان آیا تو آغاز ہی سے معمول تھا کہ ایک رات حضرت حسنؓ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے ایک رات حضرت حسینؓ کے ساتھ اور تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے زیادہ کا اصرار کیا جاتا تو فرماتے "چاہتا ہوں کہ جس وقت میرے مرنے کا حکم آئے پیٹ تنا ہوا نہ ہو بلکہ پچکا ہوا ہو۔

علی کا قتل :-

قاتلانہ حملے کے بعد :-

اب حضرت علیؓ نے ابن ملجم کو سامنے بلوا کر پوچھا۔ دشمن خدا کیا میں نے تیرے ساتھ بھلائی نہیں کی تھی؟ اس نے کہا جی ہاں کی تھی۔ پوچھا تو پھر اس حرکت کا کیا باعث ہے۔ بولا سنیئے اپنی تلوار میں نے برابر چالیس روز تک باڑھ رکھی اور خدا سے دعا کی کہ اس سے دنیا کا بدترین شخص مارا جائے۔ فرمایا تو معلوم ہوتا ہے تو اسی تلوار سے مارا جائے گا۔ کیونکہ بدترین خلق تو ہی ہے۔ ساتھ ہی اس کے بارے میں آپ نے وصیت فرمائی کہ اگر میں مرجاؤں تو اس

میں نے جب فاطمہؓ سے عقد کیا ہے تو بجز ایک مینڈھے کی کھال کے ہمارے پاس کوئی بچھونا نہ تھا۔ اسی پر ہم سوتے اسی پر اپنے پانی لانے والے اونٹوں کو دانہ چارہ دیتے اور بجز خود فاطمہ کے ہمارے پاس کوئی خدمت کرنے والا نہ تھا۔

اصفہان سے کچھ دولت آئی اسے آپ نے سات حصّوں پر تقسیم فرمایا اتفاق سے اس میں ایک روٹی تھی اس کو بھی ساتوں حصوں میں توڑ کر رکھا اور قرعہ ڈال کے فوجی افسروں میں تقسیم فرمایا۔

قصر خورنق میں تھے اور جاڑوں کا موسم تھا۔ فقط ایک پرانی چادر اوڑھے تھے اور کانپ رہے تھے ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین یہ دولت جو ملکوں سے آتی ہے اس میں آپ کا اور آپ کے خاندان کا بھی حصّہ ہے؟ فرمایا میں نے خدا کی قسم کبھی تمہاری کوئی چیز نہیں لی۔ یہ میری وہی چادر ہے جس کو میں مدینے سے اوڑھے ہوئے آیا تھا۔

عمرو بن سلمہ حاکم اصفہان اپنے علاقے سے آئے تو بیت المال میں داخل کرنے کے لئے کچھ چیزیں بھی لائے ان میں چند مشکیزے گھی اور شہد کے بھی تھے آپ کی صاحبزادی ام کلثوم نے ان کے پاس آدمی بھیج کر دو مشکیزے منگوا لیے۔ مال فہرست سے ملایا گیا تو وہ دو مشکیزے کم تھے۔ آپ نے ان کے بارے میں جواب طلب کیا۔ عمرو نے پہلے تو ٹالا۔ مگر آپ کی طرف سے سخت محاسبہ ہوا تو اصل حقیقت بیان کر دی آپ نے فوراً آدمی بھیج کر وہ مشکیزے صاحبزادی کے پاس سے منگوا لیے دیکھا تو ان میں کچھ گھی اور شہد کم تھا۔ اس کی قیمت تاجروں سے تشخیص کرا کے صاحبزادی سے وصول کر لی۔

ایک بار ایران کا سفر کیا تھا راستے بھر جس کو کسی لڑتے جھگڑتے دیکھا اس کا فیصلہ شرع کے مطابق فرمایا۔ اور جسے مستحق سزا پایا اسے سزا دی۔

سفیان ثوری کا قول ہے کہ حضرت علیؓ نے عمارت کے لئے کوئی کچی یا پکی اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی۔ نہ کوئی کچا یا پکا مکان بنوایا نہ کوئی چھپر ڈالا اور آپ کی غذا کے تھیلے پر آپ کے کھانے کا غلّہ ہوتا۔ اس پر مہر کر دیا کرتے اور فرماتے مجھے پسند نہیں کہ کوئی مشکوک چیز میرے پیٹ میں جائے۔

فرمایا۔ "ہاں انہیں کی سی نصیحتیں میں تم کو بھی کرتا ہوں اور اس کا خیال رہے کہ تم اپنے دونوں بھائیوں کا بہت زیادہ احترام کرنا۔ تم پر ان دونوں کا حق ہے۔ ان کے معاملے کو تم روزن دینا۔ اور کبھی کوئی بات ان کے خلاف نہ کرنا، اسی سلسلے میں حضرات حسینؓ سے ارشاد ہوا تمہیں بھی وصیت کرتا ہوں کہ میرے اس فرزند کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ یہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارے باپ کا بیٹا اور تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ تمہارے باپ کو محبت ہے۔ اس کے آپ نے حضرت حسنؓ کو اور بہت سی دینی و اخلاقی نصیحتیں فرمائیں۔ اور ان کو قلمبند بھی کرا دیا۔۔

مگر جو جو زمانہ گزرتا حالت نازک ہوتی جاتی۔ زخم کا زہر ساعت بساعت دل و دماغ پر اثر کرتا جاتا تھا۔ جس نے لوگوں کو زیست سے مایوس کر دیا۔ ۱۷ ر رمضان مبارک کو زخم پہ لگا تھا اور ۱۹ ر کی شب کو روح پر فتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آخری سانس تک زبان پر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تھا اور جس خدائے ذوالجلال کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس کی یاد میں تر زبان تھے۔

شخص کو قتل کرنا مگر اسی طرح جیسے کہ اس نے مجھے مارا ہے اور اگر میں زندہ بچ گیا تو جو مناسب جانوں گا کروں گا پھر ارشاد ہوا۔

اے خاندان عبدالمطلب والو۔ ایک جان کے عوض میں ایک ہی جان لی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ امیر المومنین کے مارے ڈالے جانے کے طیش میں تم مسلمانوں میں خونریزی کرنے لگو۔ بجز میرے قاتل کے اور کسی کو قتل نہ کرنا۔ اے حسنؓ۔ اگر اس کی ضرب کے اثر سے مر جاؤں، تو تم اس شخص کو بھی اسی طرح ایک وار میں قتل کرنا جو مجھ پر پڑا ہے اور خبردار اس کو مثلہ نہ کرنا۔ یعنی اس کے اعضاء نہ کاٹے جائیں۔

اگر ابھی تک لوگوں کو امید تھی کہ شاید آپ اچھے ہو جائیں چنانچہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم نے ابن ملجم سے جو سامنے بندھا کھڑا تھا فرمایا، او دشمن خدا۔ امید ہے کہ ابا جان اچھے ہو جائیں گے گھاٹے میں کمبخت تو ہی رہے گا۔ وہ سن کر بولا تو پھر تم روتی کیوں ہو؟ میری تلوار خدا کی قسم زہر ہے جیسے میں نے ہزار درہم کو مول لیا۔ اور ایسے ہزار تلواروں کا زہر پلایا۔ یہ وار سارے شہر کے آدمیوں پر پڑتا تو سب کو ٹھنڈا کر دیتا۔

اتنے میں خبب بن عبداللہ نے حضرت علیؓ سے پوچھا خدا نہ کرے کہ ہم آپ کی برکتوں سے محروم ہوں۔ لیکن خدانخواستہ آپ نہ ہوئے تو اجازت ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں" ارشاد ہوا۔ "تم لوگ خود صاحب عقل ہو۔ میں اپنی طرف سے نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں"

اب آپ نے دونوں فرزندوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہنا۔ دنیا کی ہوس نہ کرنا گو وہ تمہیں مل بھی جائے۔ اس چیز پر ملال نہ کرنا جو ہاتھ سے چلی جائے۔ سچ بولنا۔ یتیم پر ترس کھانا۔ نقصان اٹھانے والے کی مدد کرنا۔ شکستہ حال کی حاجت روائی کرنا۔ ظالم کے دشمن رہنا۔ اور مظلوم کے دوست جو کچھ کتاب اللہ میں ہے اس پر عمل کرنا۔ اور خدا کے معاملے میں کسی کے برا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کرنا۔ اس کے بعد تیسرے فرزند محمد بن حنیفہ کی طرف دیکھ کر ارشاد ہوا۔ "جو نصیحتیں میں نے تمہارے بھائیوں کو کی ہیں۔ ان کو تم بھی یاد کر لو" عرض کیا " میں نے یاد کر

حصّہ دوم

حق و باطل کی ٹکّر

●

بہ جرم عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

●

امام مظلوم

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: "تم نے ان بزرگ کو آج رات کو قتل کیا کہ اسی رات کو قرآن اترا تھا۔ اسی رات کو مسیحؑ آسمان پر گئے تھے اسی رات کو یوشع بن نون مارے گئے تھے۔ بخدا ایسی مبارک شب نہ کسی کو پہلے نصیب ہوئی تھی نہ بعد کو نصیب ہوگی۔ رسول خدا صلعم علیؓ کو جہاد پر بھیجتے تو جبریلؑ ان کے داہنے بازو پر اور میکائیل بائیں بازو پر رہتے۔ بخدا انہوں نے ترکے میں سونے چاندی کی قسم سے کچھ نہیں چھوڑا بجز سات آٹھ سو دیناروں کے جو ایک غلام کی قیمت کے متعلق ہیں۔

• • • ———
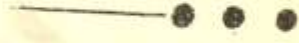
حق سے باطل ٹکراتا رہا ، !

مرورِ ایام کے ساتھ باطل کی برہمی میں اور زیادہ اشتعال پیدا ہوگیا ، اس نے اپنی مادّی طاقت حق کو مٹانے اور اس کا استیصال کرنے میں صرف کردی ، اس نے جملہ وسائل و حق کو شکست دینے اور اس کا نام صفحۂ وجود سے محو کردینے کے لئے وقف کردیئے ، ۔!

لیکن کیا اس مقصد میں وہ کامیاب ہوسکا ...... ؟

• • • ———

جوئے خوں

۔۔۔ دجلہ بہ دجلہ، یم بہ یم

اب بنو عباس کا دورِ حکومت شروع ہوتا ہے، !

یہ عہد، مادّی اعتبار سے، عہدِ زرّیں کہلا سکتا ہے، اس خاندان میں، بڑے، بہت بڑے لوگ پیدا ہوئے، فاتح اور کشورکشا پیدا ہوئے، جن کی نہیبِ شمشیر سے دنیا لرزتی تھی جن کے نام کا آفاق میں ڈنکا بجتا تھا، جنہوں نے خوبصورت اور عالی شان شہر بنائے اور لبائے انہوں نے فلک شکوہ، آسمان فرسا، اور، نظر فروز عمارتیں تعمیر کیں، انہوں نے سیم و زر کے سکوں کو، دونوں ہاتھوں سے لٹایا۔ ان کے دور میں شاعر لکھ پتی ہو گئے، قصیدہ خواں امیرِ کبیر بن گئے، اربابِ نشاط کے طائفے سوسائٹی کی جان بن گئے، زندگی کی لہریں پھوٹنے لگیں زندہ دلی عام ہو گئی، ہر امیر، ہر رئیس، ہر وزیر، ہر منصب دار کا گھر، عیش و عشرت کا نشیمن بن گیا، کہیں صدائے قلقل، کہیں شورِ نوشا نوش، کہیں "ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی"، ! اور کہیں، "مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے"، ! اغانی نے ہزاروں صفحات میں اس عہدِ رنگین کے رنگین تر حکایات و روایات کا پورا دفتر تیار کر دیا ہے، الف لیلہ کے اوراق میں اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع نظر آتا ہے، خطیب بغدادی نے صرف بغداد کی تاریخ و ثنا میں وہ گلکاریاں کی ہیں کہ مانی و بہزاد بھی دم بخود رہ جائیں گے، !

عہدِ عباسیہ کا بغداد، !

وہ بغداد جو پُر اسرار تھا، جہاں ہارون رشید، اور مامون رشید نے زندگی کی رعنائیوں

کتاب اللہ ہے، اور جس کا سلسلہ روا "سلسلۂ الذہب"! یعنی زنجیر طلا۔

امام ابو حنیفہ بھی اس دور میں ابھرے، امام ابو حنیفہ نہ ہوتے تو فقہ کا وجود نہ ہوتا وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ کو ایک مستقل علم، ایک مستقل فن، ایک مستقل ضابطے کی حیثیت سے مرتب کیا، اصول بنائے، قاعدے وضع کئے، ضابطے ترتیب دیئے، اور فقہ کو فقہ بنا دیا، اس فن میں، اس علم میں، ساری دنیا ان کی "عیال" بن گئی!

امام احمد بن حنبل بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا علم و عقل، ان کا کردار رفیع، ذات نبوتؐ سے ان کی والہانہ شیفتگی، حدیث رسولؐ سے ان کا بے پایاں شوق فراواں، سنت رسولؐ سے ان کی عقیدت یہ سب ایسے تاریخی حقائق ہیں، جن سے تاریخ اسلام کا ایک طالب علم بھی واقف ہے۔

یہ دور، وزرا کا دور بھی ہے!

اس دور میں، جیسے جیسے وزیر باتدبیر پیدا ہوئے، تاریخ پھر ویسے نمونے نہیں پیش کر سکی، اور آل برمک نے تو اپنی فہم و فراست، تدبیر و ذہانت، علم و دانش، سخاوت و ذکاوت کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جو رہتی دنیا تک، یادگار رہیں گی، خاص طور پر جعفر برمکی "اس خاندان میں ایسا شخص گزرا ہے جس کا وجود کشش اور سحر کا منبع ہے اسے شاعروں نے زندہ جاوید بنا دیا، کہے کم مبالغہ کرکے، اسے وقت کے عالموں نے مرتبہ رفیع بخشا، صرف اس کی صلاحیت کی بناپر، اسے خانقاہوں اور زاویوں میں یاد رکھا گیا۔ اس کے حسن عمل اور حسن نیت کی بدولت دشمن بھی اس کی تحسین و ستائش سے اپنے آپ کو روک نہ سکے۔

اس عہد میں، ایسے جینیئر بھی پیدا ہوئے جن کی تنظیمی صلاحیت، جن کے عزم محکم اور جن کے [illegible] سرفروشانہ، ایک بہت بڑی حکومت کا تختہ الٹ دیا، اور ایک ایسے شخص کو امین مملکت، اور رئیس حکومت، اور خلیفہ وقت بنا دیا، جس کا دنیا میں کوئی سہارا نہ تھا۔ ابو مسلم خراسانی، اگر ابو مسلم خراسانی نہ ہوتا تو خاندان عباسیہ بھی منظر نمود پر آشکارا نہ ہوتا، یہ ابو مسلم تھا جس نے سخت ترین نامساعد حالات میں پوشیدہ اور خفیہ طور پر ایک تحریک چلائی، اور بہت جلد اسے ایک زندہ، پائندہ، فعال اور کارگذار تحریک بنا دیا۔

سے لطف اٹھایا۔

بغداد کا دجلہ، جہاں شب ماہ میں، خلیفہ اپنے ندیموں اور مصاحبوں کے ساتھ نظارۂ قدرت کے لیے، کشتی پر سوار ہو کر نکلتا تھا،!

بغداد کی گلیاں، بغداد کے کوچے جہاں خلیفہ اپنے وزیر اور اپنے مشیر کے ساتھ، لباس بدل کر، گشت کرتا تھا۔ لوگوں کی مجلس خلوت میں اجنبی بن کر پہونچ جاتا تھا۔ اور خود بھی شریک بزم عیش ہو جاتا تھا۔ خوش ہو جاتا تو دوسرے دن دربار میں دینار سرخ کی تھیلیاں تقسیم ہوتیں، انعامات دیئے جاتے، جاگیریں عنایت ہوتیں منصب اور اعزاز عطا ہوتا، اور خفا ہو جاتا تو،....

اس عہد کی علمی ترقیاں ناقابل فراموش ہیں، یونانی اور ہندی علوم کے ترجمے بہت وسیع پیمانے پر ہوئے، غیر مسلم اہل علم، دنیا کے چپہ چپہ سے بلائے گئے، اور ہر قیمت پر انہیں رکھا گیا بغداد اگر علم کی یہ شمع نہ روشن کرتا، تو دنیا جہالت کی تاریکی میں گم رہتی، دنیا پر بغداد کے بہتسے احسان ہیں، اور سب سے بڑا احسان، علم کی تقسیم عام ہے۔

کئی سو سال تک یہ خاندان برسر حکومت رہا اور اس طویل مدت میں اس نے دنیا کو بہت کچھ دیا،!

بغداد ایک چشمۂ شیریں تھا، جس سے سیراب ہونے کے لیے، خلقت ٹوٹی پڑتی تھی، جس سے تشنگی دور کرنے کے لیے، ہر گوشۂ ارض سے مخلوق خدا کھنچی چلی آتی تھی، سچ ہے،

ہر کجا بود چشمۂ شیریں!
مردم و مرغ و مور، گرد آئند!

بنو عباس کے علمی، تعمیری، اور ادبی کارناموں سے تاریخ کا بھرم قائم ہے،! یہ صفحات اگر تاریخ سے نکال دیئے جائیں تو اسے اپنے وجود سے شرم آنے لگے گی،!

اس عہد میں بلند پایہ علماء نظر آتے ہیں، جن کے مجتہدات علمی کارناموں، اور سیرت و کردار کے گہرے نقوش صفحۂ وجود پر قائم ہو چکے ہیں،"

امام مالک اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں دنیا "امیر المومنین فی الحدیث" کے پر شکوہ نام سے یاد کرتی ہے، جن کی موطا، شاہ ولی اللہ دہلوی کی نظر میں "اصح الکتاب"

عہد بنو عباس

کے

شہیدان حق، صداقت

اس دور میں ادب وانشا رکے امام پیدا ہوئے، صرف ونحو کے اساطین نمایاں ہوئے بمعانی وبلاغت کے رمز شناس میدان میں آئے، حدیث وتفسیر، اور فقہ واصول کے معمار اور فنکار ابھرے تعمیر وتجدید کے ائمہ نمایاں ہوئے۔

فتوحات کے اعتبار سے بھی یہ عہد اپنی مثال آپ ہے، اس زمانہ میں، خدا کی زمین کا بہت بڑا حصہ خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں آگیا، مخلوق خدا کی بڑی تعداد حکومت اسلامیہ کی تابع بن گئی، بہت سے شاہوں اور شہریاروں نے سر جھکائے، بہت سے تاج چھنے، بہت سے تخت نابود ہوگئے بہت سی حکومتیں، وجود سے عدم میں پہنچ گئیں۔

اس عہد میں باغیوں کے سر کٹے، وفاداروں کو انعامات ملے۔ سرکشوں کو نابود کر دیا گیا، حلقہ اطاعت گلے میں ڈالنے والوں کو نوازا گیا!

اور صرف یہی نہیں ہوا، !

نیکوں کو، اچھوں کو، پاکوں کو، عابدوں کو، زاہدوں، اور صالحوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا گیا،

امام مالک کے سرعام کوڑے لگائے گئے، اور ان کے زخمی جسم کو اونٹ پر لاد کر تشہیر کی گئی، ــــــ جرم یہ تھا کہ وہ بیعت جبری کو ناجائز کہتے تھے، !

امام ابوحنیفہ نے کوڑے کھائے، جیل گئے، اور وہیں مرگئے، اس لئے کہ زندگی میں، من دوست ودامان آل رسولؐ

کے قائل تھے، اور مرنے کے بعد بھی انہی کے ساتھ محشور ہونا چاہتے تھے وہ ایسی حکومت ساتھ تعاون پر آمادہ نہ تھے۔ جس کی بنیاد صدق وعدل پر نہ ہو،

امام احمد بن حنبلؒ کو سزائے تازیانہ ملی، کوئی طاقت بھی انہیں بچا نہ سکی۔ ان کا ناقابل معافی جرم یہ تھا کہ وہ ایک بدعت سیئہ کو، دین ماننے پر تیار نہیں تھے، ان کی زبان سے یہ کس طرح نکل سکتا تھا کہ قرآن مخلوق ہے، !

اور صرف یہ علماء اور ائمہ ہی ہدف ستم نہ بنے بلکہ آل رسولؐ سے تعلق رکھنے والا ہر وہ شخص جس کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہوگیا کہ آگے اس کی مرجعیت عام، اور مقبولیت عوام خطرناک ہے

زمانہ فتنہ ہا آورد و بگذشت
خساں را در بغل پرورد و بگذشت
دو صد بغداد چنگیزی او را!
بخور ترہ بختاں کرد و بگذشت

•

بہ ضرب ... اشکن بیستوں را
ے سا
کہ فرصت اندک ... ی دو رنگ است
دل پر
حکیماں را دریں ا ... شہ بگذار
قت بھی انھ
نہیں تھے ، ا
شرر از تیشہ خیز دیر ... گ است
آل رسول سے تھ
جمعیت عام، اور مقبو

محقق ابن خلدون جو غالباً کسی کے یہاں بھی ناقابل اعتبار نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے باہمی جھگڑے کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ولما وقعت فتنة بين علي ومعاوية وهي مقتضى العصبية كان طريقهم فيها الحق والاجتهاد ولم يكونوا في محاربتهم لغرض دنيوي او لايثار باطل او لاستشعار حقد كما قد يتوهمه متوهم وينزع اليه ملحد وانما اختلف اجتهادهم في الحق فاقتتلوا عليه وان كان المصيب عليًا فلم يكن معاوية قائمًا فيها لقصد الباطل انما قصد الحق واخطأ والكل كانوا في مقاصدهم على حق۔

(ابن خلدون ص ۱۷۱/۱)

اور جب علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان لڑائی ہوئی جو خاندانی عصبیت کا (قدرتی) تقاضا تھا تو ان (صحابہ) کا طریقہ اس میں حق طلبی اور اجتہاد تھا وہ ان لڑائیوں میں کسی دنیوی غرض یا باطل پھیلانے یا کینہ پروری سے نہیں پڑے تھے جیسا کہ بعض وہم پرست لوگ اس قسم کے وہموں میں پڑے ہوئے ہیں اور بد دین اسے کھینچ تان کر ادھر ہی لاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ حق کے بارے میں ان کا اجتہاد مختلف ہوگیا تو اس پر لڑ پڑے۔ اگرچہ صواب پر حضرت علیؓ تھے لیکن حضرت معاویہؓ بھی کسی برے قصد یا باطل پسندی سے کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ جذبہ ان کا بھی حق طلبی اور حق بحقدار کا تھا لیکن اس میں ان سے خطاء فکری ہوئی ورنہ (فریقین) کل کے کل اپنے مقصد میں حق پر تھے۔

ابن خلدون لکھتے ہیں :-

ولما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلف الصحابة حینئذ فی شأنه فمنهم من رأی الخروج علیه ونقض البیعة من اجل ذلک کما فعل الحسین وعبد اللہ ابن الزبیر ومن تبعهما فی ذلک ومنهم من اباہ لما فیه من اثارۃ الفتنة وکثرۃ القتل مع العجز عن الوفاء به لان شوکة یزید یومئذ هی عصابة بنی امیة وجمهور اهل الحل و العقد من قریش وتستتبع عصبیة مضر اجمع وهی اعظم من کل شوکة ولا یطاق مقاومتهم فاقصروا عن یزید

اور جب یزید میں وہ بات پیدا ہوگئی جو پیدا ہوئی تھی یعنی فسق وفجور تو صحابہ اس کے بارے میں مختلف الرائے ہوگئے بعضوں نے اس کے خلاف کھڑے ہوجانے اور اس کی بیعت توڑ دینے کو ضروری سمجھا اس فسق کی وجہ سے جیسا کہ حضرت حسینؓ اور عبداللہ ابن الزبیر اور ان کے پیرؤں نے کیا اور بعض نے فتنہ اور کثرت قتل کے خطرات اور اس کی روک تھام سے عجز محسوس کرنے کی وجہ سے اس سے انکار کیا کیونکہ اس دور میں یزید کی شوکت وقوت بنی امیہ کی عصبیت تھی اور اکثر اہل حل وعقد قریش تھے اور اسی کے ساتھ مضر کی ساری کی عصبیت اور جماعتی قوت بھی لگی ہوئی تھی اور وہ سب قوتوں سے بڑی قوت تھی جس کی تاب ومقاومت کوئی نہیں لا سکتا تھا، اس لئے جو لوگ یزید کے مخالف بھی تھے وہ اس وجہ سے اس کے مقابلہ سے رک گئے اور اس کے لئے دعائے ہدایت

بسبب ذلك واقاموا على الدعاء
بهدايتهم والراحة
منه وهذا كان
شان جمهور المسلمين
والكل مجتهدون ولا
ينكر على احد من الفريقين فمقاصدهم
فى الـرور لحرى الحق معروفة
وفقنا الله للاقتداء بهم -
(مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۷)

مانگنے اور اپنے کو اس سے راحت دیئے رہنے
میں لگ گئے عام طور سے اس وقت مسلمانوں
کی اکثریت کا بھی یہی طریقہ رہا اور سب کے سب
مجتہد تھے (کوئی دنیوی غرض درمیان میں نہ
تھی) فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے
پر انکار و ملامت) نہیں کرتا تھا پس مقصد
ان کے نیک تھے اور حق کی جستجو ان کی معروف
تھی اللہ تعالیٰ ان کی اقتدا ہمیں بھی نصیب
فرمائے -

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی موسّس دار العلوم دیوبند کے حکیمانہ جملے ملاحظہ ہوں جو قرآن و حدیث کے اصول اور ائمۂ ہدایت کے کلام کا نچوڑ ہیں۔

اندریں صورت در شہادت حضرت امام ہمام علیہ السلام چہ تردد؟ نہ یزید در حق وشان خلیفہ بود نہ خروج بر د ممنوع واگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود واگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نہ بود بالجملہ وجوہ ممالغت مقصود و موجبات جہاد موجود در حسنِ نیت کلام نیست۔ باز اگر او شان شہید نہ شود دیگر کدام خواہد بود۔

وازیں ہم در گذشتم اگر موجبات جہاد نبودند او شان نیز از تصدیٔ جہاد باز آمدہ میخواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید مگذاشتند

اس صورت میں امام ہمام علیہ السلام کی شہادت میں کیا تردد ہوسکتا ہے نہ یزید ان کے حق میں خلیفہ تھا نہ ان کا خروج اس کے خلاف ممنوع تھا۔ اور اگر وہ خلیفہ بھی تھا تو پھر بھی خروج ممنوع نہ تھا خروج بھی ممنوع تھا تو عزل ممنوع نہ تھا حاصل یہ کہ وجوہِ ممالغتِ خروج تو موجود نہ تھیں اور موجبات جہاد موجود تھے۔ حسن نیت امام میں کلام نہیں۔ پھر اگر وہ بھی شہید نہ تھے تو اور کون شہید ہوگا۔؟

ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں اگر موجباتِ جہاد بھی موجود نہ تھے تو حضرت امام بھی تو جہاد سے رک کر یہ چاہتے تھے کہ ان کا راستہ نہ روکا جائے وہ یہاں سے کہیں بھی نکل جائیں انہیں نکل جانے

ومحاصرہ کردہ ظلماً شہید
ساختند من قتل
دون عرضہ ومالہ
نھو شہید۔
(قاسم العلوم جلد ۴
مکتوب نہم صہ ۱۴، ۱۵)

دیا جائے مگر یزید پلید کے فوجیوں نے انہیں نہ
چھوڑا۔ سارے راستہ روک دیئے گئے گھیرے
میں لے کر قتل کر دیا تو (نص حدیث نبویؐ)
جو اپنی آبرو اور مال بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید
ہے) تو اس شہادت میں حروف زنی کی گنجائش
ہی کیا ہے)

علامہ نووی شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں۔

قال القاضی عیاض اجمع العلماء علی ان الامامۃ لا تنعقد لکافر وعلیٰ انہ لو طرأ علیہ الکفر انعزل قال وکذا لو ترک اقامۃ الصلوٰۃ والدعاء الیہا قال وکذلک عند جمہورہم البدعۃ۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ امامت کافر کی منعقد ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اگر امامت کے بعد اس پر کفر طاری ہو جائے تو وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے اور ایسے ہی جب کہ وہ اقامت صلوٰۃ چھوڑ دے اور اس کی طرف بلانا ہی ترک کر دے اور فرمایا کہ ایسے ہی جمہور علماء کے یہاں بدعت کا یہی حکم ہے۔ (کہ اسے رائج کرنے لگے)

اہلِ بیت کا ہر فرد ایسے حالات میں مبتلا کر دیا گیا کہ اسے میدان میں آنا اور قتل ہونا پڑا، اس سے یہ عہد قتل و غارت، امان شکنی، بدعہدی، اور خونِ ناحق کا دور بھی ہے ۔

تاریخ اپنے دامن میں زر و جواہر بھی رکھتی ہے اور خس و خاشاک بھی، خون کے دھبے بھی، اور کٹی ہوئی گردنوں کے مرقعے بھی۔

عہد بنو عباس کی تاریخ اپنے دامن میں، یہ ساری چیزیں رکھتی ہے —— زر و جواہر خس و خاشاک خون کے دھبے، اور کٹی ہوئی گردنوں کے مرقعے، سب کچھ!

اس عہد کی تاریخ کا اگر تفصیل و استیعاب سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ "پستش بغایت پست، بلندش بغایت بلند"

اس عہد نے جو تہذیب پیدا کی ہے اس کا جواب نہیں، مدنیت، حضارت، اور ثقافت کو جو ترقی ہوئی، وہ اپنی مثال آپ ہے، اس عہد میں امیروں کو غریب بھی بننا پڑا، لیکن غریب بھی جب امیر بنے تو ان کی اونچائی آسمان سے باتیں کرنے لگی، دولت کی اتنی افراط تھی کہ ناواجب، غلط اور اندھا دھند تقسیم دولت کے باوجود، نہ غربت عام ہوئی، نہ فلاکت، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہن برس رہا ہے، اور خود بخود لوگوں کے جیب و دامن بھرتے چلے جا رہے ہیں،

عہدِ نبویؐ کے بعد خلافتِ راشدہ کا دور لفظاً و معنیً ہر اعتبار سے صحیح ترین اسلامی حکومت تھا، پھر بنو امیہ کے دور میں، یہ ہیئت اسلامیہ ایک مطلق العنان بادشاہت میں تبدیل ہوگئی، جس میں نہ شوریٰ کا سوال تھا، نہ تعزیر و عقوبت اور اجر و انعام میں اسلامی اقدار کا، نہ قرآن کی حکومت باقی رہ گئی تھی، نہ سنتِ نبویؐ کی کارفرمائی قائم تھی، عدلیہ اور انتظامیہ میں کوئی تفریق نہیں تھی، بلکہ عدلیہ پر انتظامیہ کی حکومت تھی،

بنو عباس کی حکومت بھی اسلامی حکومت نہ تھی۔ اس میں بھی شوریٰ یعنی جمہوریت کا کوئی وجود نہ تھا یہ بھی مطلق العنان بادشاہت تھی۔ بلکہ بادشاہت سے اس نے شہنشاہیت کا روپ دھار لیا تھا مگر بایں ہمہ، اسلامی نظامِ عدل و مملکت کا جو مفصل، مکمل اور مدلل ضابطہ تیار ہوا، وہ اسی دور کی خصوصیت کا خاصہ ہے، امام ابو یوسف نے اس سلسلہ میں جو اصول اور ضابطے تیار کئے وہ اسلامی نظامِ مملکت کا سب سے بڑا، ناقابلِ فراموش اور زبردست کارنامہ ہے، بعد میں اسی بنیاد پر

دوسری شاندار عمارتیں تیار ہوگئیں،
تاریخ کے اوراق سامنے رکھ لیے جائیں اقوام ماضی کی تاریخ عروج وارتقا کا مطالعہ کیا جائے
تو معلوم ہوگا عباسی حکومت ایک مرتبۂ خاص پر فائز ہے، اس کی انفرادیت، ہر جگہ عجیب اور
عظیم نظر آتی ہے،
لیکن بدقسمتی سے، اسلامی تاریخ کا، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے جب مطالعہ کیا جائے تو یہی [illegible]
نہیں رکھنا پڑتا کہ خزانہ معمور تھا، شہر بن رہے تھے، عمارتیں تعمیر ہو رہی تھیں، تہذیب و تمدن اور حضارت
ثقافت کی طرح نو کا آغاز ہو رہا تھا، علم و ادب کا پایہ اونچا ہو رہا تھا، شعر و نظم کی تجدید و تنظیم ہو رہی
تھی، دارالترجمہ قائم ہو رہا تھا، بیمارستان کی بنیاد پڑ رہی تھی، علوم غیر کے نقل و ترجمہ پر غیر معمولی توجہ
کی جا رہی تھی، نئے نئے فنون ایجاد ہو رہے تھے، ثقافتی سرگرمیاں از قبیل رقص و نغمہ نقطۂ عروج
پر تھیں۔ یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ ان سب چیزوں میں اسلامی روح بھی کارفرما تھی یا نہیں؟
دین سے دور، رہ کر دین سے الگ رہ کر، دین کو نظر انداز کر کے بھی ترقی کی جا سکتی ہے
اور کی جاتی ہے، یہ سعادت غیر مسلموں کے علاوہ، مسلمانوں کے حصہ میں بھی آئی اور خوب آئی
لیکن یہ ترقی خواہ کتنی ہی چکا چوند پیدا کر دینے والی ہو، خواہ کتنی ہی نظر فروز، اور حیرت انگیز ہو،
مسلمانوں کی تو ہو سکتی ہے، لیکن اسلام کی نہیں، —— جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
اور کوئی شبہ نہیں، مسلمانوں کی سیاست جب بھی دین سے جدا ہوئی، تو خاص طور پر نیکوکاروں
پاک سرشتوں اور صالح کردار رکھنے والوں کے لئے چنگیزی بن گئی، ان کے لئے زندگی اجیرن ہو گئی
زندہ رہنا مشکل ہو گیا، سچی بات کا منہ سے نکالنا دشوار ہو گیا،
ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کو لوگ مسجد کے صحن میں، دارالخلافت میں، برسر راہ ٹوک
[illegible] تھے، بازپرس کرتے تھے، اعتراض کر سکتے تھے، لیکن بعد کی حکومتیں اتنی حساس اور نازک مزاج ہو
گئیں کہ مدح و ثنا کے سوا کسی چیز کا تحمل ان کے لئے دشوار تھا،
حق پر کیا گزری ؟!
یہی حالات تھے، جب تصوف ابھرا!
تصوف درحقیقت رد عمل تھا، اس غیر دینی اقتدار کا جو مسلمانوں کی حکومت میں [illegible]

جا رہا تھا!"

اسلام تزکیۂ نفس، اور تطہیر روح کے لئے آیا تھا۔ اسلامی حکومت، جب تک اسلامی حکومت رہی، اس فریضہ کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتی رہی۔ لیکن جب اس جادہ سے ہٹ گئی تو، ایک جماعت پیدا ہوئی، جس نے سیاست اور امور مملکت کی طرف سے یکسر غافل ہوکر، اپنی توجہ اور سرگرمیوں کا مرکز و محور، صرف، روح کی طہارت، اور نفس کے تزکیہ کو رکھا، دنیا سے، امور دنیا سے بے تعلق ہوکر، حکومت سے معاملات حکومت سے بے پرواہ ہوکر، زاویوں، خانقاہوں، اور حجروں میں اس نے پناہ لی، اور صرف اپنے کام سے کام رکھا، اور کوئی شبہ نہیں اس جماعت نے اقدار اسلامی کے احیا و تجدید کے سلسلے میں جو علمی اور عملی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ حیات اسلامیہ کا ایک تابناک اور روشن باب ہیں۔ انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جماعت میدان عمل میں نہ آتی، تو اسلام کا وجود خطرہ میں پڑجاتا، اسلام کے اقدار فنا ہوجاتے اور اسلامی اصول و تنف طاق نسیاں ہوجاتے، اسلام کی تاریخ میں اس جماعت کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔

بہرحال بنو امیہ کے عہد کا جائزہ لیا جاچکا، اب عہد بنو عباس سامنے ہے، اور میں بتاؤں گا کہ اس عہد میں خاصان حق پر کیا گزرہی،؟ جن لوگوں نے اقدار اسلامی کا پرچم بلند رکھنے کی سعی کی، انہیں کن حالات میں جان سے گذرنا پڑا؟ جو لوگ ان کے حامی پشت پناہ، اور فداکار تھے، انہیں کن حادثات اور سانحات سے دوچار ہونا پڑا؟

یہ داستان تلخ بھی ہے، صبر آزما بھی، اور، الم انگیز بھی، لیکن داستان جب چھڑ جائے تو پھر سب کچھ آجاتا ہے۔ سلسلۂ بیان میں،!

آنے والے صفحات میں جہاں مجھے یہ بتانا ہے کہ آل رسول رسول ؐ پر۔ آل رسول ؐ ہونے کے جرم میں کیا کچھ مظالم توڑے گئے، وہاں یہ بھی بتاؤں گا کہ جن حق پرستوں نے ان کا ساتھ دیا، وہ کس طرح ہدف ستم بنائے گئے، امام مالک، اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کا نام اسی سلسلہ میں آئے گا، ان لوگوں کا تعارف بھی کراؤں گا۔ جنہوں نے سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہا۔ اور اس کے بعد سزائے تازیانہ اور دوسری لرزہ خیز عقوبتوں کے سزاوار قرار پائے۔ امام احمد بن حنبل اسی ذیل میں آتے ہیں، مجھے

ابوہاشم عبداللہ کی ہلاکت

حادثۂ شہادت کبریٰ امام حسین علیہ السلام کے بعد، اہلیت استعداد اور صلاحیت، نیز صلاح وتقویٰ، زہد وعبادت، مجاہدے اور ریاضت، بے نفسی اور بے لوثی، اسلامیت، ور روحانیت کے اعتبار سے منصب امامت کا استحقاق، حضرت امام زین العابدین کو تھا، شیعیان علیؓ نے یہ منصب، جوش وخروش، اور اصرار کے ساتھ پیش بھی کیا۔ لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا، [1]

امام زین العابدین کا دل بجھ چکا تھا، وہ دل گرفتہ اور دل شکستہ تھے۔ ان کی آنکھوں نے وہ ہولناک منظر دیکھا۔ جسے دیکھنے کی چشم فلک بھی تاب نہ لاسکی تھی، اور خون کے آنسو رولی تھی س حادثہ سے بھی زیادہ اثر آپ پر یہ تھا کہ جن لوگوں نے از خود دعوت دی تھی، حق کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا، باطل سے لڑنے کا اعلان کیا تھا، جب وقت آیا، تو پیٹھ پھیر گئے، انہوں نے دین کے مقابلہ میں دنیا کا سودا کرلیا، ایسے گریزپا، اور ناقابل رفیقوں اور ساتھیوں پر بھروسہ نہیں کیاجا سکتا تھا، جہاد کی پہلی شرط استطاعت ہے۔ وہ استطاعت اس وقت حاصل نہ تھی، لہٰذا آپ نے گوشۂ عزلت کو ترجیح دی، اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔

آپ سے مایوس ہوجانے کے بعد شیعیان کی نظر حضرت علیؓ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ پر پڑی، انہوں نے کچھ تامل اور تذبذب کے بعد، یہ دعوت قبول کرلی، لیکن عملی طور پر وہ بھی میدان میں نہ آسکے،

---

[1] الفخری،

اس شخص کا تذکرہ بھی اختصار کے ساتھ کرنا ہے، جس نے اس خاندان کو منصب حکومت تفویض کیا لیکن صرف اس لئے زندگی کے حق سے محروم کر دیا گیا کہ محرمان سراپردۂ راز کا زندہ رکھنا خطرناک ہوتا ہے۔ ابو مسلم کو بزرگی حاصل نہیں تھی۔ وہ زندہ رہتا تو شاید اپنے آقاؤں کی خوشنودی کیلئے دوسرا حجاج ثابت ہوتا۔ لیکن اس کی موت مظلومانہ ہوئی، وہ اہل بیت کو بنو عباس کا مطیع و جاں نثار ہونے کے باوجود، زیادہ حقدار سمجھتا تھا، یہی رائے اس کی قاتل بن گئی،! ——— تاریخ کا یہ پہلو کتنا عجیب ہے!

بے شک حکومت بنو امیہ کی قائم تھی، ان کے جلال اور دبدبہ سے عالم اسلام لرز رہا تھا، لیکن ایک جماعت تھی جو اس حکومت کو ختم کرنے اور اس کے بجائے صالح حکومت قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھی، جنگ کی استطاعت نہ تھی، جنگ کی تیاریاں تو کی جاسکتی تھیں۔ صورت احوال بدل دینے کی طاقت نہ تھی، لیکن اسے منقلب کرنے کی جدوجہد کا آغاز تو کیا جاسکتا تھا، آج لوگ ساتھ نہ تھے، خائف تھے، لرزہ براندام تھے، انعام کا لالچ انہیں خرید لیتا تھا، بخشش اور عطایا کی فراوانی ان کی زبان گنگ کر دیتی تھی، حکومت متعلقہ کے سامنے وہ اپنے تئیں بے بس اور بے کس اور بے سہارا محسوس کرتے تھے۔ لیکن یہ صورت ہمیشہ تو قائم نہیں رہ سکتی تھی، رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ، بہ تدریج، انہی خائف اور دہشت زدہ لوگوں میں حق پر کٹ مرنے کا جذبہ بھی پیدا کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ، تحریک دعوت، اندر اندر پھیلتی رہی، بڑھتی رہی، پروان چڑھتی رہی، برگ و بار لاتی رہی، منزل متعین تھی، کارواں آگے بڑھ رہا تھا،

محمد بن حنفیہ کے بعد، ان کے فرزند دلبند ابو ہاشم عبد اللہ ان کے جانشین ہوئے!

ابو ہاشم کی دعوت بھی عرب و عجم میں بہ دستور جاری رہی، !

امویوں کا اصول تھا کہ، وہ حریف مملکت کو زندہ نہیں رہنے دیتے تھے، اگر کوئی میدان میں آیا تو فوج بھیج کر اس سے کر مقابلہ کیا، اور ختم کر دیا۔ "بغاوت" کی سزا یہی تھی، لیکن اگر بغاوت کا الزام نہ لگایا جاسکا، یا لگایا گیا مگر ثابت نہ ہو سکا، تو پھر زہر تریاق کا کام کرتا تھا، ایسے حریفوں کو، زہر دے کر اس دنیا سے رخصت کر دیا جاتا تھا، چنانچہ بہت سے ائمہ، اور اکابر علما، و صلحا تھے، جو تلخابۂ زہر پی کر عالم فانی سے عالم بقا کی طرف پہنچ گئے۔

یہ سلیمان بن عبد الملک کا زمانہ تھا، !

یہ شخص بھی اپنے پیش رووں کی طرح، سفاک، جلاد، ظالم، سب کچھ تھا، اس کے جاسوس رنگ رنگ کی خبریں اسے پہونچایا کرتے تھے، اسے رتی رتی کا حال معلوم تھا، اس نے محسوس کر لیا تھا کہ ابو ہاشم کا وجود اس کے لئے ایک خطرہ ہے، ایک خطرۂ عظیم ہے۔ اور پھر جب یہ معلوم یہ معلوم ہوا کہ ابو ہاشم کی دعوت بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے، اور زیر زمین تحریک کے طور پر قبول عام حاصل کر رہی ہے

تو اس نے وہی چلتا ہوا حربہ استعمال کیا جو کبھی خطا نہیں کیا تھا، اس نے سراپا اخلاص و نیاز بن کر، ابوہاشم کو دعوت ملاقات دی،

یہ ۹۸ھ کا واقعہ ہے، !

ملاقات کی دعوت پاکر، ابوہاشم عبداللہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لئے شام گئے۔ اس نے ان کی بڑی مدارت کی اور ان کی جملہ ضروریات پوری کر کے انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان کی امامت کے خطرہ سے واپسی کے وقت انہیں زہر دلوا دیا۔ یہاں ان کے اہل خاندان میں سے کوئی نہ تھا، ایک قریب تر مقام حمیمہ تھا حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی بن عباس موجود تھے۔ اس لئے ابوہاشم وہیں چلے گئے۔ اور انتقال سے پہلے انہیں منصب امامت تفویض کر دیا۔ اور اپنے عراقی اور خراسانی اتباع کو ہدایت کر دی کہ ان کے بعد محمد بن علی جانشین ہوں گے۔ اس لئے وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ ابوہاشم کی وفات کے بعد ان لوگوں نے محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح امامت کا منصب علویوں سے بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔ [1]

یہ صحیح ہے کہ ابوہاشم کے بعد منصب امامت، علویوں سے بنی عباس میں منتقل ہو گیا لیکن کس طرح ؟

ابوہاشم کو، محمد بن علی عباسی پر اتنا ہی اعتماد تھا، جتنا ایک عزیز کو ایک عزیز پر ہو سکتا ہے، یہ نامزدگی اس لئے تھی کہ کام میں تعطل نہ پیدا ہو، تحریک جاری رہے، باطل کے استیصال کی سعی و جہد میں کوئی فرق نہ آئے، اس لئے نہیں تھی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب یہ منصب بنو عباس میں منتقل ہو گیا،

اہل بیت کے مقابلہ میں کم از کم عوام، بنو عباس کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے، وہ آل رسولؐ کے لئے تو سر دھڑ کی بازی لگا سکتے تھے، جان دے سکتے تھے کسی ایثار و قربانی سے دریغ نہیں کر سکتے تھے، لیکن کسی دوسرے خاندان کے لئے یہ سب کچھ کیوں کرتے؟

---

[1] تاریخ اسلام (عہد بنو امیہ)

بنو عباس کی خصوصیت یہی تو تھی کہ وہ عم رسول کی اولاد تھے، لیکن آل رسول کے مقابلے میں اس خصوصیت کی اہمیت کیا تھی؟ کچھ نہیں، !

جس پرچم کے نیچے لوگ جمع ہو سکتے تھے، وہ انہی لوگوں کا ہو سکتا تھا۔ جو ذات رسالت مآب سے شرف انتساب رکھتے تھے، کسی اور کا نہیں، اور اس بات کو، ابو ہاشم کے نامزد کردہ محمد بن علی بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے، طبری کی روایت ہے، !

" محمد بن علی کا قول تھا، ہمارے لئے (میدان عمل میں آنے کے) تین وقت مقرر ہیں (ایک تو ظالم یزید بن معاویہ کی موت، دوسرے پہلی صدی ہجری کا اختتام تیسرے افریقہ کا دور فتن، اس آخری موقع پر ہمارے داعی علی الاعلان ہمارے لئے تحریک کریں گے، مشرق سے ہمارے انصار ایسی زبردست یلغار کریں گے کہ تمام مغرب ان کے گھوڑوں سے ہموار ہو جائے گا، !"

چنانچہ جب تیسری صورت بھی قدرت کی طرف سے پیدا ہو گئی۔ اور افریقہ میں یزید بن ابی مسلم کا حادثۂ قتل رونما ہوا، اور بربر نے نقض بیعت کی، تو:

" محمد بن علی نے ایک شخص کو خراسان روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ بہترین شخص کے لئے دعوت دے، مگر نام کسی کا نہ لے، !"[1]

کیا محمد بن علی (عباسی) کے اس حکم کا صاف طور پر یہ مطلب نہیں ہے کہ :-

- اسے اپنے اوپر اعتماد نہ تھا،
- وہ عوام کے سامنے اپنا استحقاق خلافت پیش کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، !
- اس کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ داعیوں کو اپنے نام کی دعوت دینے کا حکم دے، !
- اس نے "بہترین" صالح ترین شخص کے لئے دعوت دینے کا اہتمام کیا، اپنا نام سامنے نہ آنے دیا۔

کیوں؟ اس لئے کہ عوام، عامۂ خلائق، اور عامۂ مسلمین، بہترین اور صالح ترین شخص

---

[1] طبری، ج ۳، ح ۱ (عہد بنی عباس)

اسے نہیں قرار دے سکتے تھے، کسی ایسے شخص کو قرار دے سکتے تھے، جو واقعی بہترین اور صالح ترین ہو، اور جوہر اعتبار سے سزاوار امامت وخلافت ہو،

● — مزید احتیاط کے طور پر محمد بن علی نے یہ تاکید بھی کردی کہ بہترین اور صالح ترین شخص کا نام پردۂ راز میں رکھے،

اس کی مصلحت کیا تھی؟ یہ تھی کہ اس طرح، لوگ غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے اور اس کو صالح سمجھتے رہیں گے، جسے سمجھتے ہیں، اور وقت آنے پر دونمود ار ہو جائے گا، اور جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوتا ہے، پھر کسی کے کئے کچھ نہ بن سکے گا،

بہرحال دعوت اسی سے چلتی رہی، محمد بن علی کے ذہن میں بہترین شخص، وہ نہیں تھا جو لوگوں کے دل میں تھا لیکن بہترین شخص کی بیعت پر دونوں متفق تھے، !

کچھ عرصہ بعد محمد بن علی کا انتقال ہوگیا، ان کی جگہ ان کے بیٹے ابراہیم نے لی، اور انہوں نے گمنام اور صالح ترین شخص "کے لیے داعیوں کو دعوت پر مامور کردیا، لیکن کچھ عرصہ بعد آخری اموی تاجدار مروان نے ابراہیم کو گرفتار کرلیا، گرفتاری کے وقت انہوں نے اپنے بھائی کو ابوالعباس کو اپنا قائم مقام اور جانشین بنا دیا،[1]

ابوالعباس کچھ عرصہ بعد تخت حکومت پر متمکن ہوا، کیونکہ اموی حکومت، اب تاب مزاحمت رمقامت کھو چکی تھی، !

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد یہ سفاح (خوں آشام) کے نام سے مشہور ہوا، !

---

[1] طبری ج ۳، ح ۱ / (عہد بنی عباس)

سفاح کی پہلی تقریر

کل تک جو بے یار و مددگار تھا، آج مسند خلافت کی زینت تھا، جب ابوہاشم کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی تو ابوالعباس کے ذہن و دماغ کے کس گوشہ میں یہ امید نہیں تھی کہ وہ سریر آرائے خلافت ہوگا ابوہاشم نے، جب مسموم ہوکر، محمد بن علی کو وصی بنایا تو بھی ابوالعباس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ قدرت میرے لئے بندوبست کررہی ہے۔ جب ابراہیم باپ کے جانشین بنے تو بھائی کے دل میں یہ خیال نہیں گزرا کہ یہ جگہ خالی ہوگی اور اسے ملے گی، جب ابراہیم کو آخری اموی خلیفہ مروان نے گرفتار کیا، اور وہ مقتل کی طرف، بھائی (ابوالعباس) کو وصی بناکر لیئے جارہے تھے، تو بھی، اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ "صالح ترین شخص" جس کے لئے، مبہم دعوت دی جارہی تھی، وہ مفید ثابت ہوگا اور عنان خلافت اس کے ہاتھ میں آجائے گی، !

دنیا میں ایسے اتفاقی حوادث پیش آیا ہی کرتے ہیں جو واقعات کا رخ اور حالات کا دھارا بدل دیتے ہیں، ابوالعباس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا،

ابوالعباس خلیفہ بن گیا، اب ــــ مستقبل کا مستور مرد صالح وہی قرار پایا۔!

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد، اس نے ایک خطبہ دیا، یہ خطبہ اپنی معنویت کے لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، کتنی عجیب بات ہے، اس خطبہ میں، ذات رسالت مآب ﷺ سے شرف انتساب کے باعث وہ اپنے تئیں، ہر سرفرازی کا مستحق سمجھتا ہے اور جو لوگ براہ راست عترت رسول ﷺ ہیں، اب ان کے بارے میں پہلی مرتبہ، برسر عام، اور علی الاعلان اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ یہ خیالات "گمراہ فرقۂ سبائیہ کی باطل پرستیوں" کا نتیجہ ہیں، آج سے چند روز پہلے

اس طرح کی بات اس کے منہ سے نہیں نکل سکتی تھی، اور یہی سوچ کر وضع احتیاط اس نے قائم رکھی تھی، لیکن آج وہ فاش و بر ملا - یہ سب کچھ کہہ رہا تھا، اور کوئی نہ اسے ٹوک سکتا تھا، نہ روک سکتا تھا!

ذیل میں، ابو العباس سفاح کا وہ پہلا، اور عہد آفریں خطبہ، ـــ جو طبری نے تمام و کمال دے دیا ہے، ـــ درج کرتا ہوں، العباس نے، خطبہ کا آغاز کرتے ہوئے کہا، !

"اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے خوبی کے لحاظ سے اسلام کو اپنا دین بنایا اسے شرف اور عظمت دی، اسی دین کو ہمارے لئے پسند کیا، ہم نے اس کی تائید کی، ہمیں اس کا اہل جائے پناہ اور حصن بنایا - ہمیں اس کا قائم کرنے والا - مدافعت کرنیوالا اور ناصر بنایا - ہم پر یہ بات لازم کی کہ ہم اس کے تقوی کی تبلیغ کرتے رہیں، صرف ہمیں اس کا سب سے زیادہ مستحق اور اہل قرار دیا ہمیں رسول اللہ صلعم کی قرابت کے شرف سے مخصوص کیا، ان کے اجداد سے ہمیں پیدا کیا انھیں کے خاندان میں ہمیں خلق کیا اور خود ان کو ہمارے خاندان میں مبعوث فرمایا جو ہمارے دشمنوں کے لئے کڑوے اور ہم مسلمانوں پر نہایت مہربان تھے، اللہ نے اسلام اور ان کی قرابت کی وجہ سے ہمارا مرتبہ بلند کر دیا اور اس کے لئے اپنی کتاب اپنی کتاب ناطق میں یہ آیت نازل فرمائی

اِنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا -

(ترجمہ اے اہل بیت (نبی) اللہ چاہتا ہے کہ میل کچیل کو تم سے دور کر دیئے اور تم کو اچھی طرح پاک صاف کر دے) اس کے بعد اللہ نے فرمایا - قل لا اسئلکم اجراً الّا المودۃ فی القربیٰ (اے محمد کہدو کہ میں تم سے سوائے اپنے قرابت داروں کی دوستی کے اور کوئی اجر نہیں مانگتا) پھر فرمایا (وانذر عشیرتک الا قربین) اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈراؤ) پھر فرمایا - (ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ اہل ملک سے جو خراج اللہ اپنے رسول کو دے وہ اللہ کے لئے ہے اس کے رسول کے لئے قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے پھر کہتا ہے، (واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ) اے مسلمانو تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو غنیمت تم کو ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے اس کے رسول کا ہے قرابت داروں کا ہے اور یتامیٰ کا ہے - اس طرح اللہ عزّ وجل نے ہماری فضیلت بتادی

اور ہمارے حق اور دوستی کو مسلمانوں پر واجب قرار دیا - ہماری عزت افزائی کی اور اپنے فضل سے خراج اور غنیمت میں ہمارا حصہ مقرر کر دیا - گمراہ سبائیہ فرقہ کا یہ خیال باطل ہے کہ حکومت سیاست اور خلافت کے ہمارے سوا دوسرے لوگ زیادہ مستحق ہیں اس کی توجیہ و تاویل کرتے کرتے ان کی صورتیں بدل گئیں - اے لوگو اللہ نے ہمارے ذریعہ گمراہی کے بعد لوگوں کو ہدایت دی، ہلاکت سے بچایا - حق کو ظاہر کیا، باطل کو نیست و نابود کر دیا - ان میں جو بات بری تھی ہمارے ذریعہ اس کی اصلاح کی پست کو بلند کر دیا - ناقص کو کامل بنا دیا، اختلاف کو اتفاق سے بدل دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو آپس میں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آتے تھے - وہ اپنی دنیا و دین میں ایک دوسرے کے ہمدرد، بہی خواہ اور شفیق بن گئے - اور آخرت میں وہ ایک دوسرے کے بھائی کی طرح آمنے سامنے تخت پر متمکن ہوں گے، اللہ نے یہ بات بطور احسان اور عطا کے محمد صلعم کو دی ان کے وصال کے بعد ان کے صحابہ وارث حکومت ہوتے جو باہمی مشورہ سے حکومت کرتے تھے انہوں نے دوسری اقوام کے ممالک فتح کر ڈالے - ان کے تمام مال پر قبضہ کر لیا مگر اس کی تقسیم میں انہوں نے عدل کیا جہاں خرچ کا موقع تھا وہاں خرچ کیا باقی جو بچا اسے مستحقین کو دیدیا اور خود بھوکے رہے اپنے لئے کچھ نہیں لیا - ان کے بعد بنو حرب اور مروان نے دھوکہ سے حکومت پر قبضہ جمایا اور آپس میں ایک دوسرے کے حوالے کرتے آئے، حکومت میں ظلم شروع کیا - خود ہر طرح کا نفع اٹھایا اور رعایا پر مظالم ڈھائے کچھ عرصہ کے لئے اللہ نے انہیں ڈھیل دی اور جب وہ ان کی اصلاح کی جانب سے مایوس ہو گیا تو اس نے ہمارے ہاتھوں ان سے انتقام لیا - اور ہمارا حق پھر ہمیں دیدیا - ہمارے ذریعہ ہماری قوم کی پابجائی کی - اس نے ہماری مدد کی اور اس لئے ہماری حکومت قائم کر دی - تاکہ ہمارے واسطے وہ ان پر احسان کرے جن کو اس سرزمین میں کمزور و حقیر سمجھا گیا تھا - جس طرح اللہ نے ہمارے خاندان سے اس کی ابتدا کی تھی اسی طرح آخر میں ہمیں کو اس نے پھر اس کا وارث بنا دیا - مجھے اللہ سے یہ توقع ہے کہ اب اس گوشہ سے تم پر کوئی ظلم یا زیادتی نہ ہوگی جہاں سے تم کو خیر پہنچتا رہا ہے اور جہاں سے ہمیشہ بہبودی حاصل ہوئی ہے وہاں اب خرابی یا بربادی تم کو حاصل نہ ہوگی - ہم اہل بیت صرف اللہ ہی سے توفیق طلب کرتے ہیں -

اے کوفے والو - تم اس بات کے اہل ہو کہ ہم تم سے محبت و اخلاص برتیں - کیونکہ تم ہمارے حق کے اعتراف سے کبھی منحرف نہیں ہوئے اور باوجود ظالموں کے ظلم کے تم نے ہماری محبت کو کم نہ ہونے دیا - اللہ کا احسان ہے کہ تم نے ہمارا عہد پالیا - ہم تم کو سب سے زیادہ بختاور سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ تمہاری عزت کرتے ہیں - ہم نے تمہاری عطائیں سو دینار کا اضافہ کر دیا - اب جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ - کیونکہ میں بڑا خون بہانے والا، قتال ہوں اور پورا پورا انتقام لوں گا" چونکہ سفاح بہت ہکلا تھا - اس وجہ سے اس مقام پر پہنچ کر اسے اس قدر ہکلاہٹ شروع ہوئی کہ وہ تقریر جاری نہ رکھ سکا اور منبر پر ہی بیٹھ گیا -

اس کے بعد داؤد بن علی منبر پر چڑھا مگر سفاح سے کئی زینہ نیچے کھڑا ہوا - اور اپنی تقریر شروع کی،

"اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمارے دشمن کو ہلاک کیا اور ہمارے نبی محمد صلعم کی میراث پھر ہمیں عطا فرمائی - اے لوگو - دنیا پر جو ظلمت طاری تھی آج اٹھ گئی ہے اس کا پردہ کھل گیا ہے زمین و آسمان منور ہو چکے ہیں - آفتاب مشرق سے طلوع ہو چکا ہے - چاند اپنے مطلع سے بلند ہو چکا ہے - کمان اس کے بنانے والے کے ہاتھ آگئی ہے - تیر اپنے چلے میں واپس آگیا ہے اور حق اپنے مرکز اصلی یعنی تمہارے نبیؐ کے اہل بیت میں جو تم پر عنایات مہربانی کرنے والے ہیں پھر واپس آگیا ہے، اے لوگو ہم اس لئے حکومت حاصل کرنے نہیں اٹھے کہ اپنی دولت کو زیادہ کریں - اپنی جائیداد بڑھائیں، نہریں کھودیں اور عالیشان قصر تعمیر کریں - بلکہ جب انہوں نے ہمارے حقوق کو پائمال کیا - ہمارے چچیرے بھائیوں پر مظالم کئے ہمیں سخت غیرت آئی اور ان حالات کو ہم برداشت نہ کر سکے - اسی طرح جو سلوک انہوں نے تمہارے ساتھ کیا اور جو درگت تمہاری بنائی جس بری حالت کو تم پہنچ گئے تھے ان تمام باتوں کی وجہ سے ہمیں اپنے بستروں پر چین نہیں آتا تھا - بنی امیہ نے جو طرز عمل تمہارے ساتھ روا رکھا - جس طرح انہوں نے تم کو کھلونا سمجھ کر تم سے بازی گری کی - تم کو ذلیل کیا تمہاری آمدنی صدقات اور مال غنیمت پر خود قبضہ کر لیا - اس کی وجہ سے ہم سخت پیچ و تاب کھاتے رہے - اور اب ہم اللہ اور اس کے رسولؐ اور عباسؓ کے واسطے اپنے اوپر یہ ذمہ لیتے ہیں

فساد برپا کیا اس طرح کہ اس کے دین کو بدل دیا، مسلمانوں کے حریم کی پردہ دری کی، موجودہ امیر المومنین اگرچہ جوان ہیں مگر ان میں ادھیڑ عمر والوں کی عقل اور تجربہ ہے - بردبار ہیں اپنے ان نیک اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہیں - جنہوں نے ہدایت اور تقویٰ کے راستے اور طریقے بتاکر بربادی کے بعد دنیا کی اصلاح کی ہے -

اس پر تمام لوگوں نے ابو العباس سفاح کے لئے دعا مانگی، پھر داؤد نے کہا " اے اہل کوفہ ہم پر ہمیشہ ظلم ہوتا رہا ہے - ہمارا حق ہم سے چھین لیا گیا تھا - یہاں تک کہ اللہ نے اہل خراسان کو ہمارا حامی بنایا ان کے ذریعے ہمارا حق ہمیں ملا - ہمارا استحقاق خلافت آشکارا ہوا اور ہماری حکومت کو ان سے قوت ملی اور اللہ نے تم کو وہ بات دکھادی جس کا تم کو شوق تھا - اور جس کا تم کو ہر وقت انتظار تھا - اور وہ یہ کہ ایک ہاشمی کو تمہارا خلیفہ مقرر کیا جس سے تم سرخرو ہوگئے - اہل شام پر تم کو مسلط کر دیا - سلطنت تم کو دیدی - اسلام کو قوی کر دیا اور تم کو ایسا امام عطا فرمایا جسے اللہ نے عدالت اور حسن تدبیر دونوں سے بہرہ اندوز کیا ہے اس پر تم کو اللہ کا شکر کرنا چاہیئے - ہماری فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم کرلو اور خود اپنے خلاف کوئی دھوکہ یا فریب نہ کرو کیونکہ ہماری حکومت دراصل تمہاری حکومت ہے - ہر خاندان کا ایک شہر ہوتا ہے ہم تم کو اپنا شہر سمجھتے ہیں -

رسول اللہ صلعم کے بعد سوائے امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب یا ان عبداللہ بن محمد (اس طرف ہاتھ کا اشارہ کرکے) کے اور کوئی خلیفہ جائز منبر پر تقریر کرنے کے لئے نہیں کھڑا ہوا - تم لوگوں کو معلوم رہے کہ اب یہ حکومت ہمارے ہی خاندان میں رہے گی - یہاں تک کہ ہم خود اسے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم صلی اللہ علیہ کے سپرد کریں گے جو مصائب ہم پر گذرے اور اب جو نعمت ہمیں حاصل ہوئی ہے - ہم اس پر رب العالمین کا شکر ادا کرتے ہیں "

اس کے بعد ابو العباس منبر سے اتر آئے داؤد بن علی ان کے آگے تھا - یہ مقام مقصورہ میں آگئے پھر ابو جعفر کو بیعت کے لئے سب کے سامنے مسجد میں بٹھایا گیا، بیعت لیتے لیتے عصر کی نماز کا وقت آگیا انہوں نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز بھی

کہ اس معاملہ میں ہم ہر خاص و عام کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کے مطابق عمل
کریں گے ۔

بنی حرب ، بنی امیہ اور بنی مروان ہلاک ہوں کیونکہ انہوں نے اپنے عہد میں دنیائے
فانی کو آخرت باقی پر ترجیح دی ۔ اس وجہ سے انہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ۔ خلق اللہ
پہ مظالم کئے ۔ محارم کو توڑ دیا ۔ جرائم کئے ، بندوں کے ساتھ اپنے طرز حکومت میں جور کیا ۔
جن علاقوں سے لذت حاصل کی انہیں پر ظلم کئے ، بوجھوں کی گٹھڑی اٹھائی اور برائیوں کی
چادر اوڑھی ۔ گناہ کر کے اکڑتے تھے اور اللہ کی آہستہ مگر سخت گرفت کی طرف سے آنکھ
بند کر کے اور اللہ کی چال سے بے خوف ہو کر گمراہی کے میدان میں گھوڑے دوڑاتے تھے کہ
اتنے میں رات کے وقت جب کہ وہ سو رہے تھے ۔ اچانک اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا
وہ اس طرح برباد ہوئے کہ حرف افسانہ رہ گئے ۔ ان کے پرزے پرزے ہو گئے اور
بیشک ظالموں کے لئے تباہی پہلے ہی سے لکھی ہوئی تھی ۔

اللہ تعالیٰ نے مروان پر ہمیں مسلط کر دیا اگرچہ اپنے غرور کی وجہ سے وہ اللہ کی گرفت
سے بالکل بے خطر تھا چونکہ اس دشمن خدا کے گلے کی رسی دراز تھی اس لئے وہ اس وقت
بچ کر نکل گیا اور اس نے یہ گمان کیا کہ ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے ۔ اس نے اپنی جماعت کو
بلایا اپنی تمام تدابیر سے کام لیا اور اپنے رسالہ کے دستوں کو مقابلہ پہ بڑھایا مگر یہ سب تدبیریں
بیکار ہوئیں اس نے اپنے چاروں طرف اللہ کی شوکت و سطوت اور گرفت کو محیط پایا
جس نے اس کے ادعائے باطل اور گمراہ کن خیالات کا قلع قمع کر دیا اور وہ ہر طرف سے تباہی کے
حلقے میں گھر گیا ۔ اللہ نے ہماری عزت و شرافت کو سر بلند کر دیا ۔ ہمیں ہمارا حق وراثت واپس ملا

اے لوگو ۔ امیر المومنین (اللہ ان کی ہمیشہ مدد کرتا رہے) نماز کے بعد پھر منبر پر آ کر اپنی
تقریر ختم کریں گے ۔ کیونکہ وہ جمعہ کے خطبہ میں اور باتوں کو بیان کرنا نہیں چاہتے ۔ علاوہ بریں
سخت ہلکے پن کی وجہ سے بھی وہ اپنی تقریر پوری نہیں کر سکے ۔ آپ اللہ سے ان کی سلامتی
اور عافیت کی دعا مانگیں ۔ کیونکہ اللہ نے ان کو اس مروان کی جگہ آپ کا امیر المومنین بنایا ہے
اللہ کا دشمن شیطان کا جانشین تھا ۔ جو ان کمینوں کا پیرو تھا ۔ جنہوں نے امن کے بعد سرزمین

پڑھائی، اب رات ہوگئی، ورنہ قصر میں چلے آئے۔ [1]

تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوگیا،!

اس نئے دور کو سمجھنے اور پرکھنے میں بہت آسانی ہوگی۔ اگر سفاح کی تقریر کو سامنے رکھ کر سمجھا اور پرکھا جائے،!

اگلے صفحات میں ہم نے یہی کوشش کی ہے،!

---

[1] طبری، ج ۳، ح ۱، ص ۲۹۰ — ۳۴

پہلا مقتول: ابو سلمہ

حالات کے ساتھ مزاج اور طبیعت میں بھی انقلاب ہو جاتا ہے، !

ابو العباس نے تخت خلافت پر قدم رکھا، اور جن سے حکومت چھینی تھی ان ہی کے نقش قدم پہ چلنے لگا بنو امیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے بنو ہاشم کے حریف تھے، دونوں خاندان بھی الگ تھے، لہٰذا اگر بنو امیہ نے، اپنی حکومت کے استحکام کے لئے خاندان رسالتؐ پر مظالم توڑے تو گویا اقدام دوسرے حیثیات سے کیسا ہی شنیع کیوں نہ ہو لیکن خالص دنیاوی نقطۂ نظر سے انہیں یہی کرنا چاہیئے تھا، لیکن بنو عباس کا معاملہ تو بالکل دوسرا تھا، عباسؓ عم رسولؐ تھے، عم علیؓ تھے۔ رسولؐ کی اولاد، علیؓ کی اولاد، عباسؓ کی اولاد، سب کا ایک ہی کنبہ تھا، سب بنو عبدالمطلب تھے۔ پھر اگر بنو عباس نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی حکومت کے استحکام کے لئے، آل رسولؐ پر مظالم توڑے ان کے دوستوں، وفاداروں اور ہوا خواہوں کو ہدف ستم بنایا تو یہ بات ہر لحاظ سے حیرت انگیز ہے،

بنی امیہ جب میدان میں اترے تو ان کی حیثیت یہ تھی کہ وہ علیؓ اور اہل بیت اطہار کے حریف مقابل بن کر میدان میں اترے۔ انہیں حضرت علیؓ سے اتنی کد تھی کہ مسجدوں میں علی الاعلان ان پر سب و شتم کی جاتی، یہ سب و شتم خطبات مسجد کا ناقابل انفعال جز بن گئی تھی، لیکن بنو عباس حریف نہیں حلیف ان کی ساری سرگرمیوں کا مرکز و محور ایک اور صرف ایک تھا، یہ کہ خلافت خاندان رسالت میں منتقل ہو جائے، یہ مقصد صحیح تھا یا غلط یہ ایک جداگانہ چیز ہے لیکن تھا، اور ان کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جا سکتا ہے لیکن آل بیت کے داعی اور نقیب کی حیثیت سے میدان میں اترتے ہیں اور جب کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تو خود ہی مسند خلافت پر متمکن ہو جاتے ہیں، اور اس مسند پر بیٹھنے کے بعد

انتہائی شقاوت، بے دردی اور سفاکی کے ساتھ نہ ختم ہونے والے مظالم کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں بنو امیہ سے بھی دو قدم آگے بڑھ جاتے ہیں، اور کوشش اس کی کرتے ہیں کہ یہ نسل ہی ختم ہو جائے تاکہ کبھی بھی کسی حریف کے نمودار ہونے کا خطرہ اور اندیشہ باقی نہ رہے، !

گذشتہ صفحات میں ابوالعباس کا پہلا خطبہ جو دیا گیا ہے وہ بڑا معنی خیز ہے محض خاندان رسالت سے شرف انتساب کی بنیاد پر، نہ کہ عام اہلبیت اور استحقاقات بنا پر وہ ساری فضیلتیں اور برکتیں اور نعمتیں وہ اپنے خاندان کے لئے خاص کر لیتا ہے اور نہایت آسانی سے خاص خاندان رسالت کو ان سے محروم قرار دے دیتا ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد، اب میں ان شہیدان حق و صداقت کا زیادہ سے زیادہ مختصر طور پر لیکن امکانی حد تک جامعیت کے ساتھ تذکرہ کروں گا، جنہوں نے، اس نئی حکومت کے زیر سایہ زندگی قربان کی، اور موت سے ہم آغوش ہوئے ؛ ان کا جرم اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ یہ خاندان رسالت سے تعلق رکھتے تھے، یا اہل بیت کے ساتھ، وفاداری، عقیدت اور جاں نثاری کا اظہار کرتے تھے، اس جرم نے انہیں قتل ہونے، اور، حد درجہ لرزہ عقوبتیں برداشت کر کے، جان، جان آفریں کو سپرد کرنے پر مجبور ہونا پڑا،

ابوالعباس کے ہاتھوں ، اس سلسلہ میں جو پہلا قتل ہوا، وہ ابوسلمہ کا تھا، !

ابوسلمہ، نے اشتراک مقصد کے باعث، دل و جان سے، عباسیوں کا ساتھ دیا تھا، ان دعوت پھیلائی تھی اور ان کے لئے نہایت وقیع اور غیر معمولی کارنامے انجام دیئے تھے، لیکن نہ خدمت کام آئی، نہ کارنامے شفیع بن سکے۔

ان لوگوں کی جان لینے، قتل کرنے، اور مارنے کے ڈھنگ بھی نرالے تھے۔ پہلے سربلند کرتے تھے، پھر سرنگوں، پہلے مورد لطف و کرم بناتے تھے۔ پھر مورد خشم و غضب، پہلے بڑے سے بڑا منصب عطا کر دیتے، پھر تلوار سے گردن کاٹ دیتے تھے۔ ابوسلمہ کے ساتھ بھی یہی ہوا،

"تاریخ اسلام کے فاضل مصنف نے، اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے پہلے وہ پیش نظر رکھ لیجئے پھر میں مزید حقائق پیش کروں گا، وہ فرماتے ہیں، "ابوالعباس نے :

سفاح سے وزارت کا عہدہ قائم کیا، اور سب سے پہلے منصب پر عباسی تحریک کے

مشہور داعی ابو سلمہ حفص بن سلیمان کا تقرر ہوا - یہ کوفہ کا ایک ذی علم، عالی دماغ اور فیاض امیر تھا۔ مشہور عباسی داعی بکیر بن ہامان کی لڑکی اس سے منسوب تھی - مرتے وقت وہ ابو سلمہ کو اپنا جانشین بنا کر امام ابراہیم کے سپرد کیا گیا تھا اس نے عراق میں عباسی تحریک کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں - اس لیئے سفاح نے اس کے صلہ میں اس کو وزارت کا منصب عطا کیا - لیکن یہ زیادہ لوگوں تک اس عہد پر قائم نہ رہ سکے اور خود سفاح نے اس کا خاتمہ کرا دیا - اس کا سبب یہ ہوا کہ بنی امیہ کے زوال کے بعد ابو سلمہ نے حکومت کو اہل بیت نبوی میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی - اور اس خاندان کے کئی بزرگوں کے سامنے اس منصب کو پیش کیا - لیکن سب نے انکار کر دیا تھا - سفاح کو اس کا علم ہو گیا تھا - لیکن ابو سلمہ ابو مسلم کا خاص آدمی تھا - اس لیئے سفاح کو اس کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت نہ ہوئی - اس نے ابو مسلم کو اس کی سازش کی اطلاع دے کر اس کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں چھوڑ دیا - ابو مسلم کو سفاح کے دلی خیال کا اندازہ ہو گیا تھا - اس لیے اس نے قتل کرا دیا - [1]

ابو سلمہ کے بعد یہ عہدہ خالد بن برمک کو ملا - خالد کا دادا برمک بلخ کے بدھوں کے معبد نوبہار کا پجاری تھا اس سے عجمی بدھوں کے دلوں میں اس کی بڑی عظمت تھی - [2] اس کی اولاد نے اسلام قبول کر لیا، یہ سارا خاندان بڑا عالی دماغ تھا - خالد علم و فضل، عقل و دانش، تدبیر و سیاست شجاعت و شہامت جود و سخا وغیرہ میں سارے خاندان میں ممتاز تھا - اس نے بھی عباسی دعوت کی تبلیغ میں مفید خدمات انجام دی تھیں - اس لئے ابو سلمہ کے بعد سفاح نے اسے وزارت کا عہدہ عطا کیا - جس پر وہ منصور کے زمانہ تک قائم رہا - !

ابو سلمہ کے بارے میں چند حقائق یہ ہیں!

ابو سلمہ نے عراق میں عباسی تحریک کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں - وہ بانی خاندان عباسیہ ابو مسلم خراسانی کا دست راست تھا، عالی دماغ، فیاض اور صاحب علم و فضل تھا - صاحب اثر و نفوذ تھا

---

[1] الفخری ص ۱۴۷ و ۱۴۸ [2] دیکھو عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۰۲ تا ۱۲۲

یہی چیزیں تھیں کہ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ابوالعباس سفاح کے دل میں اس کے خلاف کینہ بیٹھ گیا تھا اور وہ اسے ہلاک کردینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ لیکن خاموش رہا۔

لیکن سفاح کے دل میں ابوسلمہ کے خلاف کینہ کیوں بیٹھ گیا تھا؟ کیوں وہ اس کی جان لینے پر تل گیا تھا؟ کس لیئے اسے دیکھتے ہی پیچ وتاب کھانے لگتا تھا؟ کیا وجہ تھی کہ اسے اپنے راستہ کا پتھر سمجھنے لگا تھا؟

اوراق تاریخ الٹیئے، اس مقدار اور منصوبے اس مقصد اور منصوبے اسباب وعوامل کا پتہ چل جائے گا، اور حقیقت بے نقاب ہوکر سامنے آجائے گی،

بتایا جاچکا ہے کہ ابوہاشم نے، محمد بن علی کو اپنا جانشین بنایا تھا تاکہ تحریک جاری رہے اور کام میں کوئی رکاوٹ پیش آئے۔

محمد بن علی کی اعتماد واعتبار کے ساتھ جس شخص پر نظر پڑی وہ یہی ابوسلمہ تھا۔ کہ جوش وخروش کے ساتھ خطرات کا مقابلہ کرتا، اور مہالک سے نبرآزما ہوتا، ابوسلمہ اپنے فرائض میں معروف رہا، ان کی گواہی تاریخ کے صفحات دیتے ہیں،

محمد بن علی کے بعد، ابراہیم باپ کی جگہ لیتے ہیں، !

ابراہیم نے بھی ابوسلمہ ہی کو، دعوت ونقابت کی گراں بار ذمہ داریاں سونپیں "ان کا پیامی بن کر کئی بار وہ ابومسلم کے پاس خراسان گیا آیا، [1]

پھر جب ابراہیم گرفتار ہوئے، اور ابوالعباس سفاح نے ان کی جگہ لی تو یہی ابوسلمہ تھا جس نے خطرات کو دعوت دے کر نہ صرف سفاح کی حفاظت کی، اس سالمے خاندان کو ہر طرح کی پریشانیوں سے بچائے رکھا، اور ساتھ ہی ساتھ تحریک بھی جاری رکھی)

لیکن ابراہیم کی گرفتاری، اور سفاح کی جانشینی کے دوران میں ابوسلمہ نے محسوس کرلیا تھا کہ امامت و خلافت کو، بنوعباس میں مستقل کرنے کی جدوجہد اندر اندر شروع ہوگئی ہے، اس بات کو اس نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ کیونکہ اپنے عقیدے اور فکر کے اعتبار سے اب تک یہ تحریک اس لئے

---

[1] طبری ج ۳ ص ۲۶

درحقیقت جن لوگوں کے لئے چلائی تھی اور جو اس کی نظر میں صحیح ترین مستحق تھے، انہیں نظرانداز کرنے اور پس پشت ڈالنے کی پالیسی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ اس نے سفاح کی جانشینی کے بعد" آلِ ابوطالب کو خلافت دینے کا ارادہ کرلیا!" [۱]

لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا،

اس عرصہ میں سفاح کامیاب ہوگیا، یعنی اس نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں، پھر بھی ابوسلمہ مطمئن نہ تھا، ابوسلمہ نے:

" ابوالعباس سفاح، ان کے اہل بیت اور ساتھیوں کو ولید بن سعد کے گھر کوفے میں فروکش کیا، جب کبھی اس سے امام کے متعلق کہا جاتا، وہ جواب دیتا، جلدی مت کرو، ابھی وقت نہیں آیا ہے"! [۲]

ابراہیم کی خبر قتل جب مشہور ہوئی تو ابوالجہم نے:-

"ابوسلمہ سے کہا، اگر وہ قتل ہوگئے تو اب ان کے بھائی ابوالعباس ان کے بعد خلیفہ اور امام ہیں مگر ابوسلمہ نے اس تجویز کو مسترد کردیا! [۳]

ان سب باتوں کی خبر سفاح کو ملتی رہی، وہ نہ صرف چوکنا ہوگیا، بلکہ اپنے لپنے ساتھیوں کے مشورہ سے، ابوسلمہ کے بارے میں فیصلہ بھی کرلیا، چنانچہ ابوالجہم نے، !

" ابوحمید اور اس کے ساتھیوں کو ہدایت کردی کہ اگر ابوسلمہ (سفاح سے ملنے) گئے تو اسے تنہا اندر جانے دینا، وہ اندر آئے اور ہاتھ پر بیعت کرلے تو خیر ورنہ ہیں اس کا سر اڑا دینا"! [۴]

حالات کا یہ رنگ دیکھ کر اور آئندہ کے لئے بہتری کا متوقع ہوکر، ابوسلمہ سفاح کی بیعت پر آمادہ ہوگیا، وہ سفاح کے پاس آیا خلیفہ کہہ کر سلام کیا، تو:

" ابوحمید نے (اس کے منہ سے خلیفہ کا لفظ سن کر) ازراہ طعن کہا (ہاں خلیفہ) تجھ حرامزادے کی مرضی اور آرزو کے خلاف"! [۵]

---

[۱] طبری، ج ۳، ح ۳، ص ۲۷، [۲] ص ۴۴، [۳] ص ۳۶ [۴] طبری ج ۳، ح ۱، ص ۳۶

" ابو العباس، سفاح نے ابوحمید کو ڈانٹا اور خاموش رہنے کی ہدایت کی" لہ

ابوحمید نے جو کچھ کہا تھا، وہ سفاح کے دل کی آواز تھی، ابوحمید سیاست داں نہ تھا، کھرا آدمی تھا، دل کی بات زبان پر آگئی، سفاح سیاست داں تھا، اس نے دل کی دل میں رکھی، بلکہ ابوسلمہ کی استمالت کے لئے ابوحمید کو ڈانٹ بھی دیا، یہی نہیں کیا بلکہ وزارت کا منصب قائم کیا۔ اور یہ منصب بلند، ابوحمید کی مرضی اور رائے کے خلاف، ابوسلمہ کو سونپ دیا،

لیکن کیا یہ ابوسلمہ کے خدمات کا معاوضہ تھا؟ کیا یہ سفاح کی خطابخشی، چشم پوشی اور عالی ظرفی تھی؟ نہیں یہ کچھ نہیں تھا، بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ، ٹھنڈے دل سے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس نے ابوسلمہ کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا تھا، اور اس پر جلد از جلد عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا!

" ابوالعباس سفاح چھاؤنی میں کئی ماہ تک قیام پذیر رہے، پھر وہاں سے روانہ ہوکر قصر کوفہ کے مدینۃ الہاشمیہ میں فروکش ہوئے، کوفے منتقل ہونے سے پہلے ہی ابوسلمہ کے ساتھ ابوالعباس کے سلوک میں فرق پڑ گیا تھا، جس سے خود ابوسلمہ بھی واقف ہو چکا تھا" ٢ہ

یہ گویا انجام کا آغاز تھا، !

جو کچھ ہونا تھا شاید ابھی ہو جاتا، لیکن ابھی حالات سازگار نہیں تھے، !

ابھی حکومت مضبوط نہیں ہوئی تھی۔ ابھی شورشیں ہو رہی تھیں، ابھی خطرات راہ موجود تھے ابھی ابوسلمہ پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا، !

ایک بات اور بھی تھی، ابوسلمہ، ابومسلم خراسانی کا خاص آدمی تھا، ابومسلم کو اعتماد میں لئے بغیر اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن پروگرام کی ہر ہر شق پر عمل ہو رہا تھا، آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر، !

لہ ص ۲۸ ۔ ٢ہ طبری ج ۳، ح ۱، ص ۳۶

طبری کا بیان ہے !

"ہم اس طرزِ عمل کو بیان کر چکے ہیں جو ابو سلمہ نے ابو العباس کے ساتھ کوفہ آنے کے بعد اختیار کیا تھا ۔ اور جس کی تہ میں بنو ہاشم کو برسرِ اقتدار لانے کی آرزو مضمر تھی، اس طرزِ عمل کی وجہ سے بنو عباس کو اس پر اعتماد باقی نہ رہا تھا اور وہ اس کی خرابی (ہلاکت) کے درپے تھے ،

ابو جعفر بیان کرتا ہے کہ امیر المومنین عباس کے خلیفہ ہو جانے کے بعد ایک رات ہم سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے ۔ اثنائے گفتگو میں ابو سلمہ کے طرزِ عمل کا ذکر آگیا، ہم میں ایک شخص نے کہا آپ لوگوں کو کیا علم ہے ؟ ممکن ہے ابو سلمہ کا رویہ ۔ مسلم کی رائے کی بنا پر ہو ،!

اس پر ہم میں سے کوئی شخص نہ بولا ، البتہ امیر المومنین ابو العباس نے کہا ، اگر یہ بات ہے تو ہم خطرہ میں ہیں جسے اللہ ہی ہم سے دفع کر سکتا ہے ،!"

بات آئی گئی ہو گئی ، ! ــــــ لیکن ابو العباس نے اپنی اسکیم کو بار آور کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں ۔ میں کہہ چکا ہوں ، وہ بہت بڑا سیاست داں بھی تھا ، اس نے سوچا فتنے سے نمٹنے کی صورت صرف یہ ہے کہ ابو سلمہ کے قتل کی ذمہ داری اپنے سر نہ لی جائے ، یہ کام ابو مسلم خراسانی سے لیا جائے ۔ چنانچہ خلیفہ کی طرف سے مامور ہو کر ابو جعفر ۔ خراسان روانہ ہوا کہ ابو مسلم سے ملے اور ابو سلمہ کا الزام اس پر ڈال دے ۔ نفسیاتی طور پر اسے اپنی خیریت اور جان کی سلامتی اسی میں نظر آئے گی کہ ابو سلمہ کو قتل کرا کے خلیفہ کو اپنی طرف سے مطمئن کر دے ، یہ ثابت کر دے کہ، وہ ابو سلمہ کے ساتھ نہیں ہے ، اس کے خیالات سے متفق نہیں ہے ، جس خاندان کو اس نے یہ حکومت سونپی ہے ، وہ خود اس کے خلاف ، کوئی سازش نہیں کر سکتا ۔

سفاح کی یہ تدبیر پورے طور پر کامیاب ہوئی ، ابو جعفر کا بیان ہے ، :

" جب مرو دو فرسخ رہ گیا تو ابو مسلم بہت سے لوگوں کے ساتھ میرے استقبال کو آیا ، میرے قریب آ کر وہ پیدل ہو گیا ، اور پا پیادہ آگے بڑھ کر اس نے میرے ہاتھ چومے ، !"

تین دن تک اس نے مجھ سے کوئی بات نہ پوچھی۔ چوتھے دن اس نے میرے آنے کی وجہ دریافت کی، میں نے اپنا مطلب بیان کیا، اس نے کہا میں آپ کو اس سے بے فکر کئے دیتا ہوں، اس نے مرار بن انس کو حکم دیا، کوفے جاؤ، اور ابوسلمہ کو جہاں پاؤ وہیں قتل کر دو،

مرار کوفے آیا، ابوسلمہ رات کے وقت ابوالعباس سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا مرار راستے میں چھپ کر بیٹھ گیا، قصر سے نکلتے ہی اسے قتل کر دیا!

یہ سیاست کا کمال تھا،!

طبری نے آگے چل کر، اس واقعہ کے بعض اور پہلوؤں کو واشگاف کیا ہے،!

" اپنی نخیلہ کی فرودگاہ سے منتقل ہونے سے پیشتر ہی ابوالعباس نے ابوسلمہ سے بے رخی شروع کر دی تھی۔ پھر جب وہ نخیلہ سے مدینہ ہاشمیہ آکر سرکاری محل میں فروکش ہوئے اس وقت بھی وہ اس سے کبیدہ خاطر تھے اور اس کبیدگی سے خود ابوسلمہ بھی واقف تھا،

ابوالعباس نے (خود ہی براہ راست) اس معاملہ میں ابومسلم سے رجوع کیا، اور لکھا کہ اس نے انہیں دھوکہ دینا چاہا تھا، [1] اور اب بھی وہ اس سے ڈرتے ہیں، [2]

---

[1] دھوکا دینا چاہا تھا، ـــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوسلمہ نے ابوالعباس کے بجائے مسند خلافت آل ابی طالب کو پیش کی تھی۔ اور ان سے محروم کر دینا چاہا تھا،

(رئیس احمد جعفری)

[2] اب بھی ڈرتے ہیں، ـــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب بھی اس سے اندیشہ لگا ہوا ہے کہ حالات کو ساز گار پاتے ہی، وہ ابوالعباس کی خلافت ختم کر دے گا۔ اور آل ابی طالب میں سے کسی کو خلیفہ بنا دے گا۔

(رئیس احمد جعفری)

ابو مسلم نے امیر المومنین کو جواب دیا، !

" اگر آپ کو اس کی یہ حرکت نا مرغوب ہے تو اسے قتل کر دیجئے " !

مگر داؤد بن علی نے ابو العباس کو اس کے قتل سے روکا، اور کہا کہ ابو مسلم اس کے قتل کو آپ کی مخالفت میں بطور دلیل پیش کرے گا [1]۔ اس وقت اہل خراسان ہی آپ کا ساتھ دے رہے ہیں، اور جو کچھ ابو مسلم کا ان پر اثر ہے وہ بالکل عیاں ہے مناسب یہ ہے کہ آپ ابو مسلم ہی کو لکھیں کہ وہ خود کسی شخص کو بھیج کر اسے قتل کر دے [2]

چنانچہ ابو العباس نے ایسا ہی کیا اور ابو مسلم نے مرار بن انس کو اس کام کے لئے خراسان بھیج دیا، مرار مدینۂ ہاشمیہ میں ابو العباس سے آکر ملا، اور آنے کا مقصد بتایا، ابو العباس نے منادی کر دی کہ میں اب ابو سلمہ سے خوش ہوں، نیز اسے بلا کر خلعت بھی عطا کیا، اس کے بعد ایک رات ابو سلمہ ابو العباس کے پاس آیا اور تمام رات بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ جب آخر شب میں تنہا اور پیادہ اپنے گھر واپس جانے لگا اور قصر کی محرابوں سے گذرا تو مرار بن انس اور اس کے ساتھیوں

---

[1] گویا، ایک طرف تو ابو مسلم کے اثر و نفوذ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جا رہا تھا اور اس فائدہ کی کیفیت یہ تھی کہ جب ساری دنیا مخالف تھی، تو صرف اہل خراسان ابو مسلم کی وجہ سے ساتھ دے رہے تھے اور سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے، دوسری طرف آئندہ موقع ملتے ہی ابو مسلم کو ختم کر دینے کی بھی تیاریاں ہو رہی تھیں، بجائے اس کے کہ ابو سلمہ کے قتل کو وہ اپنی "دلیل" بنائے کیوں نہ ایسی صورت پیدا کر دی جائے کہ یہ قتل مناسب موقع پر، خود ابو مسلم کے خلاف "دلیل" بن جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (رئیس احمد جعفری)

[2] اس ستم ظریفی کا بھی کوئی جواب نہیں کہ ابو سلمہ سفاح کے سامنے موجود ہے، اور ایک اشارے میں قتل ہو سکتا ہے۔ لیکن اسکے قتل کے لئے خراسان سے آدمی منگائے جا رہے ہیں، یہ وضع احتیاط یہ ضبط، یہ کامل سکون کے ساتھ قتل کے منصوبے کو عمل میں لانے کا حوصلہ خدا داد چیز ہے۔

(رئیس احمد جعفری)

نے اسے روکا، اور قتل کر دیا، شہر کے تمام دروازے فوراً بند کر دیئے گئے، اور مشہور کر دیا گیا
کہ ابو سلمہ کو خارجیوں نے قتل کیا ہے، !" له
ابو سلمہ کے قتل کی یہ تکنیک، بھی ابوالعباس سفاح کی مہارت سیاست کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

× × ×

ابو سلمہ قتل ہو گیا یہ خبر بھی مشہور ہو گئی کہ اسے خارجیوں نے قتل کیا ہے، لیکن جھوٹ آخر جھوٹ
ـــ ہی ہے. کھل ہی جاتا ہے، لوگوں پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ ابو سلمہ کا قاتل کون ہے؟
اور کس جرم میں اسے بے بسی اور سفاکی کے ساتھ قتل کیا گیا ہے،؟
چنانچہ اس قتیل صداقت کے غم میں جہاں عوام کی آنکھیں خون کے آنسو روئیں، وہاں شعراء نے
بھی مرثیے لکھے، اور دل کا بخار نکالا،
ابو مسلم، اور ابو سلمہ، کی ساری سرگرمیوں کا مرکز، آل محمدؐ کا عروج و اقتدار تھا، (اور "پارٹی
لیڈر" بھی اس حقیقت سے ناواقف نہ تھا،) اسی بنا پر عوام میں، "ابو مسلم" امین آل محمدؐ" کے
نام سے اور ابو سلمہ" وزیر آل محمدؐ" کے نام سے مشہور تھے۔
سلیمان بن مہاجر البجلی نے، ابو سلمہ کا جو دردانگیز مرثیہ لکھا، اس کا ایک شعر یہ ہے،:

ان الوزیر وزیر آل محمد
اودی فمن یشناک کان وزیرا

یعنی ابو سلمہ، وزیر آل محمدؐ تھا، اور کون ہے جو اس کی وزارت میں عیب نکال سکے، !له

× × ×

سوال پیدا ہوتا ہے، جب ابو سلمہ، ابو مسلم کا دست راست تھا، دونوں کے مقاصد
میں کامل ہم آہنگی تھی، ایک مقصد تھا جس کے حصول کے لئے دونوں مصروف جہد و عمل تھے، تو
ابو مسلم سفاح کا آلہ کار کیوں بن گیا؟ اور اس نے اپنے رفیق طریق کو قتل کرنے کے لئے مرار
بن انس کو کیوں بھیج دیا؟

له طبری ج ۳ ج ۱ ص

وجہ بالکل صاف اور ظاہر ہے، ــــ اگر ابومسلم سفاح کی تعمیل ارشاد نہ کرتا تو خود مارا جاتا، اور اس طرح وہ تحریک جسے اس نے بڑی صبر آزما جدوجہد کے بعد کامیاب اور سرسبز کیا تھا، ختم ہو جاتی ابوسلمہ کا قتل ایک بہت بڑا المیہ تھا، لیکن اس تحریک کا ختم ہو جانا، جس پر اس کے نقطۂ نظر سے اسلام اور ملت اسلامیہ کی فلاح و نجاح کا انحصار تھا، اس سے بھی بڑا المیہ ہوتا، لہٰذا، اس نے تحریک کی بقا پر، ابوسلمہ کی موت کو ترجیح دی، !

ابوسلمہ کے حادثۂ قتل، اس کے اسباب و موثرات اور محرکات و عوامل پر ـ نیز اس کے مضمرات پر ہیں نے ذرا تفصیل سے گفتگو کی ہے، چونکہ یہ پہلا حادثۂ قتل تھا، لہٰذا، اس کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری تھا، بغیر اس کے، آگے پیش آنے والے واقعات کی حقیقی اہمیت اور حیثیت کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ آگے چل کر جو واقعات گزرے ہیں، اور حوادث پیش آئے ہیں، وہ اس پہلے حادثہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہولناک اور لرزہ خیز ہیں، ابوسلمہ کے بعد جن لوگوں کی باری آئی، ان میں کئی، عظیم و جلیل شخصیت کے حامل تھے وہ تھے جن کے لئے ابوسلمہ کی گردن کٹی تھی، لیکن ان تمام ہلاکتوں میں روح وہی ایک کارفرما تھی، کہ ہر حالت میں، اور ہر صورت میں، اپنا اقتدار قائم رکھا جائے ہر صورت میں، اور ہر حالت میں ان کام لوگوں کو صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیا جائے جو، اپنی اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر، تخت حکومت چھین لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں ــــ کیا یہ طرز عمل بنوامیہ مختلف تھا، ؟

شریک کی بغاوت اور اس کا قتل

ابوسلمہ کے قتل نے بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں ۔ اور انہوں نے آنے والے واقعات کو چشم تصور سے دیکھنا شروع کر دیا ، ابومسلم نے جو پالیسی اختیار کر رکھی تھی ، وہ خود اس کی نظر میں خواہ کتنی ہی مبنی بر مصلحت کیوں نہ ہو ، لیکن خود اس کے حامی و مددگار ، رفیق ، اور جاں نثار یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ کیا ہو رہا ہے ؟ اور جو کچھ ہو رہا ہے ، اس کے اثرات و نتائج کیا ہوں گے ۔ ؟

خراسان سب سے بڑا مرکز تھا ۔ تحریک انقلاب کا یہاں کے باشندوں نے آنکھ بند کر کے ، اس تحریک کا ساتھ دیا تھا ،

لیکن کس لئے ؟ کیا صلاح کے لئے ؟ یہ بات ہوتی تو مطمئن ہو جاتے ۔ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ جو حکومت وہ قائم کرنا چاہتے تھے ، اس کے بجائے پھر ایک ایسی حکومت قائم ہو گئی ہے جو غاصب ہے ۔

" عباسی دعوت چونکہ اہل بیت کے نام کے پردہ میں ہوئی تھی ۔ اس لئے ان کے بہت سے ہوا خواہ اس میں شریک ہو گئے تھے ۔ لیکن بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد جب ان کی توقع کے خلاف اہل بیت کے بجائے بنی عباس کے ہاتھوں میں حکومت آئی تو وہ لوگ ان کے خلاف ہو گئے ۔ چنانچہ ایک محب اہل بیت شریک نے بخارا میں علم بغاوت بلند کر دیا ۔ تیس ہزار آدمی اس کے ساتھ ہو گئے ۔ لیکن ابومسلم نے ان کا خاتمہ کرا دیا [1] ایک اور خراسانی امیر بسام بن ابراہیم باغی ہو گیا ۔

[1] تاریخ اسلام (عہد بنو عباس)

اس کے ساتھ بھی ایک جماعت ہو گئی تھی۔ سفاح نے خازم ابن خزیمہ کو بھیج کر اس کا بھی خاتمہ کرا دیا۔[1]!

× × ×

صورت احوال یہ تھی کہ جن لوگوں نے عباسیوں کا اس لئے ساتھ دیا تھا کہ وہ باطل کو مٹا کر حق کو سربلند کریں گے، یہ دیکھ کر کہ حق بدستور مظلوم ہے، ایک باطل مٹتا ہے تو دوسرا باطل نمودار ہو جاتا ہے، بنو امیہ گئے، بنو عباس آ گئے، اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے، اور ان میں سے کئی من چلے، کفن سر سے باندھ کر اترے، اور موت کے گھاٹ اتار دئے گئے، — شریک بن شیخ المہری بھی انہی لوگوں میں تھا، !

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص۱۶۸

باہر نکلنے کی سعی کرتا ہے۔ پاؤں قلم کر دیئے جاتے ہیں،——

لیکن وہ کون ہے جو سرکشوں کے سر اور باغیوں کی گردنیں کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالتا ہے؟ وہ کون ہے جو بڑی اور چھوٹی، معمولی اور ناقابل تسخیر بغاوتوں کو کچل کر رکھ دیتا ہے،؟ اس طرح روند ڈالتا ہے، باغیوں کو جیسے ہاتھی کے پاؤں تلے چیونٹی کچلی جاتی ہے؟ وہ وہ کون ہے جو حلقۂ طاعت سے باہر نکلنے کا ارادہ کرنے والوں کے پاؤں قلم کر دیتا ہے، اس آسانی سے جیسے گھاس کاٹی جاتی ہے؟ —— کیا ابومسلم کے سوا کوئی اور نام لیا جا سکتا ہے؟

ابومسلم کچھ بھی تھا، اپنے آقاؤں کا وفادار تھا، اپنے آقاؤں کی خوشنودی، کامرانی، اور سطوت وصولت کے قیام کے لئے، دنیا تو لگا رکھی ہی تھی، دین کو بھی مشکوک بنا لیا تھا، اپنے عقیدے تک سے سمجھوتہ کر لیا تھا، اٹھا تھا "امین آل محمد" بن کر، لیکن اس منصب کو بھلا کر پس پشت ڈال کر، عباسیوں کے لئے وقف ہو کر رہ گیا، اس کے تعارف میں "تاریخ اسلام" کے کے فاضل مصنف، مولانا معین الدین ندوی نے ذرا بھی مبالغہ نہیں کیا ہے، جو یہ فرمایا ہے!

جس مبلغ اعظم نے عباسی تحریک کا غلغلہ سارے خراسان میں بلند کر دیا، اور ہاشمی خلافت کے تخیل کو واقعہ کی شکل دی وہ ابومسلم خراسانی ہے،

وہ پارسی نژاد اور عالی دماغ تھا، اس کے جوہر امام ابراہیم کے زمانہ میں چمکے اس نے اپنی کارگزاریوں اور حسن خدمت سے اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ ابراہیم نے ۱۲۸ھ میں اسے رئیس الدعاۃ بنا کر خراسان بھیجا،[۱] اور خود اپنے ہاتھ سے عباسی نشان جس کا نام "سحاب" رکھا تھا اس کے لئے بنا کر روانہ کیا، اس نے بڑی دانشمندی اور سرگرمی سے کام کیا، اور خراسان کے چپہ چپہ میں عباسی دعوت پھیلا دی اور چند ہی دنوں میں اس تحریک نے اتنی طاقت پکڑ لی اور اتنے خراسانی اس میں شامل ہو گئے کہ وہ اعلانیہ بنو امیہ کے مقابلہ میں اٹھنے کے قابل ہو گئے۔[۲]

اس ابومسلم کی قائم کی ہوئی حکومت ظاہر ہے اس کی پاسداری پر بھی مجبور تھی، اور اس سے

---

[۱] ابن اثیر ج ۵ ص ۹۳ ر اخبار الطوال ص ۳۳۹ [۲] ص ۱۴۳ ر نہار بنوامیہ

ابومسلم خراسانی کی نعش بے کفن

ابومسلم خراسانی کی حیات ناپائدار پر ایک نظر ڈالی جائے تو بہ آسانی اسے ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں،

پہلے دور میں وہ ایک من چلا داعی نظر آتا ہے۔ اندیشہ سود و زیاں سے بے پروا، فکر نفع و نقصان سے ماورا، خطرات و مہالک سے نبرد آزما، کفن سر سے باندھے، جان ہتیلی پر رکھے، موت کے خوف سے آزاد، رواں دواں، بڑھا چلا جا رہا ہے اس نے کامل بے سر و سامانی کی حالت میں وقت کی بہت بڑی حکومت سے ٹکر لینے، اسے ختم کرنے، اور اس کے بجائے اپنے تصور کی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور، کامیاب ہو کر دکھا دیا، اگر اس نے ابراہیم کا ساتھ نہ دیا ہوتا، تو دنیا سفاح سے لے کر ہارون تک کے اولالعزم فرماں رواؤں، اور تاریخ ساز کشور کشاؤں کے وجود سے محروم رہ جاتی،

ابومسلم جب میدان عمل میں اترا نہ تو اس کے پاس سپاہ تھی، نہ خزانہ، نہ آزادی گفتار تھی، نہ آزادیٔ رفتار، لیکن اس نے دیکھتے دیکھتے، ساتھی پیدا کر لئے، سپاہی پیدا کر لئے، خزانہ پیدا کر لیا، فوج مرتب کر لی، اور وہ اموی حکومت جو ایک سو سال تک جلال شہریاری اور جمال خسروی کے نظارے دنیا کو دکھا چکی تھی، پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگری۔

دوسرا دور حیات ابومسلم وہ ہے کہ عباسی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ خلیفہ اقتدار کا حامل ہے، دور دراز مقامات سے، سرکشوں اور باغیوں کی گردنیں کٹ کر آ رہی ہیں بغاوت ہوتی ہے فرد کر دی جاتی ہے، جو سر اٹھاتا ہے مارا جاتا ہے۔ جو حلقۂ طاعت

لچکنے پر بھی، کچھ گذشتہ خدمات کے باعث، کچھ اس کے عام اور عوامی اثر ونفوذ کی وجہ سے اور زیادہ تر اس لئے کہ قدم قدم پر اس کی ضرورت بھی محسوس ہوتی تھی، اس ضرورت کی بے بسی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ ابو العباس سفاح کے سامنے ابوسلمہ بیٹھا ہے بہ یک اشارۂ چشم وہ اسے قتل کر سکتا ہے، لیکن ہمت نہیں پڑتی، کسی معمولی قاصد کو نہیں، اپنے بھائی اور ہونے والے خلیفہ ابوجعفر منصور کو خراسان بھیجتا ہے، ابومسلم خراسان سے آدمی بھیج کر، سفاح کی راج دھانی میں اس کے قصر شاہی میں، ابوسلمہ کو اس طرح قتل کرا دیتا ہے۔ جیسے مچھر انگلی سے مسل دیا جائے، تب سفاح چین کی نیند سوتا / اور اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

ابومسلم کی زندگی کا تیسرا دور، بدگمانی سے شروع ہوتا ہے اور قتل پر ختم ہوتا ہے، اس دور کے ان دونوں پہلوؤں کو میں الگ الگ بیان کروں گا، یہ دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ اور مربوط ہیں۔ لیکن انہیں الگ الگ بیان کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اس طرح قارئین خود اپنے طور پر، معضرات ومحرکات کا تجزیہ بخوبی اور بآسانی کر سکیں گے۔

طبری نے ۱۳۶ھ کے جو واقعات بیان کئے ہیں، ان میں، ایک اہم روایت یہ ملتی ہے:

"اس سال ابومسلم خراسان سے امیرالمومنین ابوالعباس سے ملنے عراق آیا،

ابومسلم نے خراسان سے ابوالعباس سے عراق آنے کی اجازت طلب کی جو منظور ہوئی۔ ابومسلم اہل خراسان وغیرہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ابوالعباس کے پاس انبار آیا اس کے آنے پر ابوالعباس نے سب کو اس کے استقبال کا حکم دیا لوگوں نے جوش وخروش سے اس کا استقبال کیا۔ انبار آکر ابومسلم ابوالعباس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابوالعباس نے اس کی بڑی تعظیم وتکریم کی، اس نے ان سے حج کے لیے جانے کی اجازت مانگی۔ ابوالعباس نے کہا کہ اگر اسی سال ابوجعفر حج کے لئے جانے والے نہ ہوتے تو میں تمہیں کو امیر حج مقرر کرتا۔ اس کے بعد ابوالعباس نے اسے اپنے قریب ہی فرد کش کیا اور وہ روزانہ ان کے سلام کے لئے آیا کرتا۔

ابوجعفر اور ابومسلم کے تعلقات خوشگوار نہ تھے اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ جب ابوالعباس کی خلافت پوری طرح مستقر ہوگئی اور کوئی مخالف نہ رہا تو انہوں نے ابوجعفر کو ابومسلم کی ولایت خراسان کا باقاعدہ فرمان دے کر ابومسلم کے پاس بھیجا جو اس وقت نیشا بور میں تھا نیز یہ ہدایت کی

کہ وہ جاکر سب سے ابوالعباس کی خلافت اور ان کے بعد ابوجعفر کی ولی عہدی کے لئے بیعت لے لیں،
چنانچہ تمام خراسانیوں نے حسبہ بیعت کرلی - ابوجعفر چند روز وہاں مقیم رہے جب سب
سے بیعت لے چکے تو واپس آگئے اس قیام کے اثنا میں ابومسلم نے ابوجعفر کے مرتبے کے مطابق
ان کی تعظیم نہیں کی بلکہ ان کے حق سے استخفاف کیا - ابوجعفر نے ابوعباس سے آکر اس کی
شکایت کی تھی -

ابومسلم کے ابوعباس کے پاس آنے کے بعد ابوجعفر نے ان سے کہا کہ آپ میری بات مانیں
اسے قتل کردیجیے، کیونکہ بخدا میں اس کے چہرے بشرے سے غدر کے آثار ہویدا پاتا ہوں،
ابوالعباس کہنے لگے اے میرے بھائی جو کچھ ابومسلم نے ہمارے لئے کیا ہے اس سے تم واقف ہو -
ابوجعفر نے کہا کہ حکومت تو ہمارے قبضہ میں آنے والی تھی - اگر آپ اس کے کسی بلّی کو بھی مقرر
کرتے تو چونکہ یہ حکومت ہماری تقدیر میں لکھی جاچکی تھی اس لئے وہ بھی وہی خدمات انجام دیتی جو
اس نے دیئے . ابوالعباس نے پوچھا اچھا ہم کیونکر قتل کریں، ابوجعفر نے کہا جب وہ آپ کے پاس آکر
اچھی طرح آپ سے باتوں میں مصروف ہو جائے گا - میں پہلے آؤں گا اور اس کی آنکھ بچاکر پیچھے
اس پر ایسا وار کردوں گا کہ وہیں اس کا خاتمہ ہو جائے گا، ابوالعباس نے کہا اس کے ساتھیوں کا کیا انتظام
ہوگا - تم جانتے ہو کہ وہ لوگ سے اپنی دین و دنیا ہر شے سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں - ابوجعفر
کہنے لگے کہ سب باتیں اسی طرح انجام پذیر ہوں گی جیسا آپ چاہتے ہیں - جب ان کو اس کے
قتل کا علم ہوگا وہ خود منتشر ہو جائیں گے - اور کوئی قوت و شوکت ان کی باقی نہیں رہے گی، ابوالعباس
نے کہا میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم اس ارادہ سے باز رہو، ابوجعفر کہنے لگے مجھے یہ اندیشہ
ہے کہ اگر آج ہی آپ نے اس کا خاتمہ نہ کردیا تو کل یہ خود آپ کا خاتمہ کردے گا، اس پر
ابوالعباس نے کہا اچھا جو تمہاری مرضی -

اس گفتگو کے بعد اور اس کے قتل کا عزم کرکے ابوجعفر ابوالعباس کے پاس سے چلے
آئے ان کے جانے کے بعد ابوالعباس کو اپنی اجازت دینے پر ندامت ہوئی اور انہوں نے
ابوجعفر سے کہلاکر بھیجا کہ تم ہرگز اس کام کو نہ کرنا -

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابوالعباس نے ابوجعفر کو ابومسلم کے قتل کی اجازت دیدی

تو ابومسلم حسب دستور ابوالعباس کے پاس آیا۔ ابوالعباس نے ایک خواجہ سرا کو ابوجعفر کے پاس بھیجا کہ وہ دیکھ کر آئے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس نے آکر دیکھا کہ وہ اپنی تلوار کی گانت لگائے بیٹھے ہیں۔ ابوجعفر نے پوچھا کیا امیر المومنین دربار میں بیٹھے ہیں اس نے کہا ابھی برآمد نہیں ہوئے مگر اب باہر آنے کی تیاری کر رہے ہیں، اس خواجہ سرا نے ابوالعباس سے آکر ساری سرگذشت سنائی، انہوں نے اسے پھر ابوجعفر کے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجا کہ جس بات کا تم نے ارادہ کیا تھا، اسے ہرگز عمل میں نہ لانا۔ چنانچہ ابوجعفر اپنے ارادہ سے رک گئے، ا[1]

طبری کے مذکورہ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابومسلم کا وجود کھٹکنے لگا تھا اور اسے راستے سے ہٹانے کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں لیکن کچھ ذہنی کشمکش بھی تھی،

● ابوالعباس ابومسلم کو "امیرِ حج" تک بنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا،

● ابوجعفر ذاتی کد کی وجہ سے اس کے قتل کا درپے ہو جاتا ہے، اور دفعتہً اس کی وفاداریوں اور جاں نثاریوں کو نظر انداز کر کے اس کے چہرے بشرے سے آثار غدر و فریب ہویدا دیکھ لیتا ہے،!"

● ابوالعباس کو ابومسلم کے خدمات کا خیال ہے، وہ ابوجعفر کو یاد دلاتے ہیں مگر ابوجعفر کہتا ہے ہمارا ستارہ اوج پر آگیا یہ کام ابومسلم کے بجائے ایک بلی کو بھی سونپا جاتا تو وہ بھی یہی کرتی،

● اس برہان لامع، اور دلیل قاطع سے ابوالعباس مطمئن ہو جاتا ہے۔ مگر سوچتا ہے اس کے حامیوں نے اگر شورش کی تو کیا ہوگا؟ حالات نے اگر پلٹا کھایا تو کیا ہوگا؟ یہ نئی حکومت اگر متزلزل ہوگئی تو کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر وہ جھجکتا ہے، اور ابوجعفر کو ابومسلم کے قتل سے روک دیتا ہے۔

● گویا ابوالعباس کی یہ وضع و روش، ابومسلم کے خدمات، اس کی وفاداریوں اور جاں نثاریوں کا صلہ نہیں تھی، محض مصلحت کے تقاضے پر مبنی تھی، ورنہ ویسے اسے بھی اس کے قتل پر کوئی

---

[1] طبری ج ۳، ج ۱، ص ۶۴، ۶۵

اعتراض نہ تھا۔

× × ×

جب کہ ابو العباس اور ابو جعفر میں ابو مسلم کے قتل کی بات چیت ہو رہی تھی، ابو مسلم، ان حالات سے بے خبر، اپنے فرائض پوری مستعدی اور انہماک کے ساتھ انجام دے رہا تھا، !

مذکورہ بالا واقعہ ۱۳۶ھ کا ہے، اسی سال، بلکہ اس بات چیت کے کچھ ہی دنوں بعد چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر ابو العباس اس دنیا سے رخصت ہو گیا، !

ابو العباس کا انتقال اس وقت ہوا، جب ابو مسلم، اور ابو جعفر سفر میں تھے، دونوں ساتھ ساتھ حج کے ارادے سے نکلے، دونوں نے ساتھ ساتھ فرائض حج ادا کیے۔ اور ساتھ ساتھ واپس چلے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ ایک قاصد تیز گام نے ابو العباس کے انتقال کی اطلاع بہم پہنچائی!

ابو مسلم اگر غدار ہوتا تو اس سے بڑھ کر کوئی موقع نہ تھا کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھاتا، اور جسے چاہتا مسند خلافت پر متمکن کر دیتا، ابو العباس نے صرف چار سال حکومت کی تھی، یہ چھوٹی سی عمر کی حکومت ابھی پورے طور پر محکم اور مستحکم نہیں ہو سکی تھی، اندرونی اور بیرونی شورشیں جاری تھیں، شیعیان علی سخت برہم کہ خلافت آل محمد کو سونپنے کے بجائے بنو عباس نے خود اپنے قبضہ میں لے لی، خوارج بھی برسر کار تھے اور اس حکومت کا تختہ الٹ دینا چاہتے تھے، خلیفہ مر چکا تھا، اور موقع واردات پر ابو جعفر موجود بھی نہ تھا کہ فوراً اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی جاتی، اور فوراً ہی نئی حکومت اور نئے خلیفہ کا اعلان کر دیا جاتا، اس موقع پر، ابو مسلم —— اگر اس کی نیت میں کھوٹ ہوتی —— کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا، ؟ مگر اس نے کیا کیا ؟ اس نے اپنے خیمہ سے ایک دردانگیز مکتوب تعزیت ابو جعفر کو لکھا، اس نے لکھا تھا، !

"میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس حادثہ پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ زیور خلافت سے آپ کو آراستہ رکھے اور خلافت آپ کو مبارک کرے، آپ کے تمام دوستوں میں آپ کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والا، ناصح مخلص، اور ہمیشہ آپ کی خوشی کے لئے ساعی مجھ سے زیادہ کوئی نہ ہو گا!" [1]

---

[1] طبری، ج ۳ ح ۱، ص ۷۹

کا اعلان کر دیا،

یہ بڑی دلچسپ اور خاصی طویل داستان ہے، اسے طبری کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مختصر طور پر میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس داستان سے ابوجعفر اور ابومسلم دونوں کے کردار واضح شکل میں نظر کے سامنے آجاتے ہیں، اور اندازہ ہوجاتا ہے کہ دونوں کا دماغ کس طرح کام کر رہا تھا،

طبری کی روایت ہے :-

"جب ابو غسان نے عبداللہ بن علی سے جو دلوک نام ایک گاؤں میں فروکش تھا۔ ابوالعباس کی خبر مرگ بیان کی تو اس نے نقیب کو حکم دیا کہ وہ سب لوگوں کو نماز کے لئے ندا دے۔ جب تمام فوجی سردار اور سپاہی اس کے پاس جمع ہوگئے تو اس نے وہ خط سنایا جس میں ابوالعباس کی موت کی خبر درج تھی اور پھر اپنی خلافت کے لئے دعوت دی اور کہا ____________

کہ جب ابوالعباس مروان محمدؐ کے مقابلہ پر فوج بھیجنے لگے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو بلا کر مروان کے مقابلے پر جانے کی دعوت دی اور کہا جو اسکے مقابلہ کیلئے جائے گا وہی میرا ولی عہد خلافت ہے میرے علاوہ اور کوئی اس اہم خدمت پر جانے کے لئے آمادہ نہ ہوا میں اسی سمجھوتہ کی بنا پر اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا اور جس طرح میں نے اسے، اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا اس سے آپ لوگ واقف ہیں

ابوغانم الطائی اور خفاف المروزی نے چند اور اہل خراسان کے فوجی سرداروں کے ساتھ کھڑے ہو کر اس بیان کی صداقت پر شہادت دی اور ابوغانم۔ خفاف ابوالاصبع اور دوسرے تمام ان خراسان، شام اور جزیرے کے سرداروں نے جن میں حمید بن قحطبہ، خفاف الجرجانی، حیاش بن حبیب مخارق بن غفار اور ترار خذا وغیرہ تھے اس کی بیعت کی، اس وقت عبداللہ بن علی تل محمدؐ (ٹیلہ) پر فروکش تھا بیعت کے بعد وہاں سے کوچ کر کے حران آکر فروکش ہوا حران میں اس وقت مقاتل العکی حاکم تھا جسے ابوجعفر نے جزیرہ سے ابوالعباس کے پاس آنے کے ارادے سے روانہ ہوتے وقت اپنے علاقے کا نائب مقرر کیا تھا۔ عبداللہ نے مقاتل سے بیعت لینا چاہی مگر اس نے اسے منظور نہ کیا اور اس کے مقابلے کے لئے قلعہ بند ہوگیا۔ عبداللہ بن علی نے اس کا محاصرہ کر لیا اور اس طرح چٹار ہا کہ اسے ہتھیار رکھ دینے پڑے اور پھر عبداللہ بن علی نے اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد، وہ بذات خود اپنے نئے امام، اور خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ابوجعفر نے اسے وہ نامہ دیا جو خبر مرگ پر مشتمل تھا،

"ابومسلم اسے پڑھ کر رونے لگا، ا" اب ابومسلم نے ابوجعفر کو دیکھا جس پر سخت حزن و ملال طاری تھا، یہ کیفیت محسوس کر کے اس نے کہا رنج و غم سے کیا حاصل؟ خلافت آپ کے لئے ہے، ابوجعفر نے کہا،

"میں عبداللہ بن علیؒ، اور شیعیان علی کے شر سے خائف ہوں، ا"

ابومسلم نے کہا۔ "آپ بالکل خوف نہ کریں انشاءاللہ میں عبداللہ بن علی سے سمجھ لوں گا، تقریباً اس کی تمام فوج اور اکثر سردار خراسانی ہیں اور وہ بس میرے حکم کے تابع ہیں۔ آپ ذرا بھی فکر مند نہ ہوں، یہ سن کر ابوجعفر کو بڑا اطمینان ہوا پھر ابومسلم نے بیعت کی، اور اب یہ دونوں کوفے آگئے، لے

ابومسلم کو قتل کر دینے کا جذبہ رکھنے کے باوجود ابوجعفر منصور اپنی حکومت کے استحکام و قیام کے سلسلہ میں اس سے مدد حاصل کرنے، اس کی اعانت طلب کرنے اور اس کا اعتماد حاصل کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ اور جب یہ چیزیں حاصل ہو جاتیں ہیں، تو وہ اپنے انتہائی اطمینان کا اظہار بھی کرتا ہے۔

گویا جس طرح ابومسلم کو، ابوالعباس کے انتقال کی خبر ملنے کے بعد موقع حاصل تھا کہ ابوجعفر کے راستے کا پتھر بن جائے، اسی طرح ابوجعفر کو قدرت نے یہ نادر موقع عنایت کر دیا تھا کہ، اپنے مبغوض و معتوب کو موت کے گھاٹ اتار دے، لیکن چونکہ ابھی اس کی ضرورت باقی، سب سے بڑے اور طاقتور حریف سلطنت کا جو بدقسمتی سے حقیقی چچا بھی تھا، مقابلہ بھی کرنا تھا، اس لئے وہ اپنے غیظ و عتاب کو نہاں رکھتا ہے، اور جس کے تعاون اور وفاداری کا طلبگار رہتا ہے۔ اور کوفہ پہنچنے کے بعد، وہ وقت بھی آگیا، جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا، یعنی عبد بن علی نے بغاوت

لے عبداللہ بن علی، ابوجعفر منصور کے حقیقی چچا تھے، اور خود خلافت کا اپنے تئیں مستحق سمجھتے تھے جن کی ناراضی اور برہمی اب بالکل عیاں ہو چکی تھی۔

اور پھر اس کا تعارض کئے بغیر اس نے شام کا راستہ لیا اور عبداللہ کو لکھ دیا کہ مجھے نہ تمہارے مقابلہ پر بھیجا گیا ہے اور نہ تم سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجھے تو امیرالمومنین نے شام کا والی مقرر کیا ہے میں شام جا رہا ہوں۔

اس پر اُن شامیوں نے جو عبداللہ بن علی کے ہمراہ تھے اس سے کہا کہ اس صورت کہ ابومسلم ہمارے ملک میں جا رہا ہے جہاں ہمارے بیوی بچے اور اعزا ہیں۔ جن پر اس کا قابو چلے گا۔ انھیں تہ تیغ کر دے گا۔ ہماری اولاد کو لونڈی غلام بنالے گا۔ ہم کیونکر آپ کا ساتھ دینے کے لئے یہاں قیام کر سکتے ہیں ہم تو اپنے گھروں کو چلتے ہیں وہاں جاکر اپنے اہل عیال کی مدافعت کریں گے اور اگر ابومسلم ہم سے لڑے گا تو ہم اس سے لڑیں گے، عبداللہ بن علی نے کہا بخدا اس کا ارادہ شام جانے کا نہیں ہے۔ یہ تو تم ہی سے لڑنے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم یہاں ٹھہر و تو وہ ضرور تمہارے مقابلہ پر آئے گا۔ مگر اہل شام نے اس کا کہانہ مانا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔

ابومسلم نے آگے بڑھ کر ان کے قریب اپنا پڑاؤ ڈالا، اور عبداللہ بن علی اپنا پڑاؤ چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہوا اس کے جاتے ہی ابومسلم نے اسی جگہ پر جہاں عبداللہ بن علی کا پڑاؤ تھا قبضہ کرکے اپنا پڑاؤ ڈالا اور مورچے لگا دئے، نیز آس پاس کے تمام کنووں اور چشموں کو اندھا اور خراب کر دیا۔ ان میں مردار جانور ڈال دیئے تاکہ دشمن کو پانی دستیاب نہ ہو۔

جب اس کی اطلاع عبداللہ بن علی کو ہوئی اس نے اپنے حامی سرداروں سے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی آپ لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ ضرور پلٹ جائے گا۔ اب خود عبداللہ بھی واپس ہوا یہاں آکر دیکھا کہ اس کے پڑاؤ پر ابومسلم نے پہلے سے قبضہ کر لیا ہے اس نے مجبوراً اس مقام پر چھاؤنی ڈالی جہاں اس سے پہلے ابومسلم کی چھاؤنی تھی، اب جنگ شروع ہوئی۔ پانچ یا چھ ماہ دونوں فریق لڑتے رہے اہل شام کے پاس سوار زیادہ تھے نیز ساز و سامان بھی ان کے پاس بہت عمدہ تھا۔ عبداللہ کے میمنہ پر بکار بن مسلم العقیلی اور میسرہ پر حبیب بن سوید الاعلی تھے، عبدالصمد بن علی رسالہ کا سردار تھا۔ اس کے مقابل ابومسلم کے میمنہ پر

اب ابوجعفر نے عبداللہ بن علی کے مقابلے کے لئے ابومسلم کو روانہ کیا جب اسے اس کے آنے کی اطلاع ہوئی وہ حران ہی میں ٹھہر گیا، ابوجعفر نے اس کے بارے میں ابومسلم سے کہا تھا کہ اس کا مقابلہ یا تم کر سکتے ہو یا میں کر سکتا ہوں، غرض کہ اب ابومسلم انبار سے عبداللہ بن علی کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا، عبداللہ بن علی نے حران میں ہی مدافعت کے تمام سامان فراہم کئے، فوجیں اسلحہ سامان خوراک اور چارہ کثیر تعداد میں اکٹھا کیا اپنے گرد خندق بنائی، اسی طرح ابومسلم نے بھی کسی سردار کو نہ چھوڑا سب کو اپنے ساتھ لیا اپنے مقدمۃ الجیش پر مالک بن ہیثم الخزاعی کو روانہ کیا جن کے ہمراہ قحطبہ کے دونوں بیٹے حمید اور حسن بھی تھے۔ حمید عبداللہ بن علی کا ساتھ چھوڑ کر ابومسلم سے آملا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ اس کو قتل کر دینا چاہتا تھا اس کے ہمراہ ابواسحٰق اور اس کا بھائی اہل خراسان کی ایک جماعت کے ساتھ نکل آئے، خراسان چھوڑتے وقت ابومسلم نے خالد بن ابراہیم ابوداؤد کو خراسان پر اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔

ہیثم نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن علی کو مقاتل کا محاصرہ کئے چالیس راتیں گذری تھیں کہ اسے ابومسلم کی پیش قدمی کی اطلاع ملی اب تک اسے مقاتل کے مقابلہ پر فتح نہیں ہوئی تھی اسے خوف پیدا ہوا کہ مبادا ابومسلم اچانک اس پر دھاوا کر دے اسی ڈر سے اس نے علی کو امان دی۔ علی اپنی فوج کے ہمراہ عبداللہ بن علی کے پاس چلا آیا چند ہی روز اس کے ساتھ قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی نے اسے عثمان بن عبدالاعلیٰ بن سراقۃ الازدی کے پاس رقہ بھیج دیا۔ علی کو تو قتل کر دیا اور اس کے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس قید کر لیا اس کے بعد جب اسے عبداللہ بن علی اور اہل شام کی نصیبین پر شکست کی اطلاع ملی۔ اس نے ان دونوں کو جیل سے نکال کر قتل کر دیا چونکہ عبداللہ بن علی کو یہ اندیشہ تھا کہ اہل خراسان اس کے وفادار ثابت نہ ہوں گے اس وجہ سے اس نے اپنے کوتوال کے ذریعے سترہ ہزار خراسانیوں کو قتل کرا دیا۔

عبداللہ بن علی آگے بڑھ کر نصیبین میں فروکش ہوا اس نے اپنے گرد خندق بنائی، ابومسلم مقابلے کے لئے بڑھا۔ ابوجعفر نے اس سے پہلے حسن بن قحطبہ کو حران کی طرف سے آرمینیہ پر نائب تھا لکھ بھیجا تھا کہ وہ ابومسلم سے آملے۔ چنانچہ حسن بن قحطبہ ابومسلم کے پاس آ گیا جو اس وقت موصل میں تھا۔ اب ابومسلم عبداللہ بن علی کے سامنے آ کر ایک سمت میں فروکش ہوا